خیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکر ثم عمر

اس اُمت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر ہیں

شہادۃ الثقلین بافضلیۃ الشیخین

فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما

مصنف

اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ العزیز

بزم اشرف العلماء پاکستان

لاہور • سرگودھا • جہلم

خیر ھذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر

اس امت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر ہیں

شہادۃ الثقلین بافضلیۃ الشیخین

افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما

مصنف

اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی

بزم اشرف العلماء پاکستان

لاہور ۔ سرگودھا ۔ جہلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

نام کتاب	شہادۃ الثقلین بأفضلیۃ الشیخین رضی اللہ عنہما
معروف بہ	افضلیتِ شیخین قرآن وحدیث اور ائمۂ اہل سنت کی نظر میں
تصنیف	اشرف العلماء، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ العزیز
ضخامت	600 صفحات
تاریخ اشاعت	جمادی الثانی 1435ھ اپریل 2014
خصوصی تعاون	محترم سکندر حیات سیال، بھوانہ ضلع چنیوٹ

اہتمام طباعت :

☆ بزم اشرف العلماء پاکستان۔(مرکزی دفتر، سلانوالی ضلع سرگودھا)
0302- 62 23 736

☆ تفہیم الاسلام فاؤنڈیشن پاکستان۔جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ ضلع جہلم، پنجاب پاکستان 951 50 58 320 +
sohailsialvi@gmail.com

مراکزِ ترسیل:

دارالاسلام، لاہور	0321-94 25 765
جامعہ غوثیہ مہریہ منبرالاسلام سرگودھا	0345-78 67 732
مرکزی جامع مسجد عیدگاہ، جھنگ صدر	
اکرام کیسٹ ہاؤس، داتا دربار لاہور	0300- 460 98 60

پیش گفتار

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ، وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ۔

جن دنوں حضرت الاستاذ بستر علالت پر تھے راقم الحروف متحدہ عرب امارات کے سفر سے واپس آیا تو ملاقات وعیادت کے لیے حاضر خدمت ہوا، شدید علالت کے دوران بھی مطالعہ اور نوشت وخواند کے مشاغل بدستور جاری تھے۔

آپ نے مجھے پیش نظر کتاب کا مسودہ عطا فرما کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو ایک نظر دیکھ لیں جو کمی ہو اسے دور کردیں اور اشاعت کا اہتمام کریں۔ جس قدر آپ ہر ہفتے میں لکھتے جاتے تھے ساتھ ساتھ کمپوزنگ ہو رہی تھی ، یوں پہلا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ صاحبزادہ غلام بشیر الدین سیالوی زید مجدہ نے کمپیوٹر فائل بھی مہیا فرمائی ،اور میں نے پروف ریڈنگ، آیات کی تخریج وغیرہ کا کام شروع کردیا۔ اس سے تقریبا 2 ماہ بعد حضرت اشرف العلماء قدس سرہ واصل بحق ہوگئے، کچھ عرصہ کے لیے نظر ثانی میں خلل آگیا۔ آج ان کے پہلے عرس مقدس کی تقریب سے اُن کی اس آخری تصنیف کو منظر عام پر لایا جا رہا ہے، جب میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں یہ 22 جمادی الثانی کا یوم سعید ہے جو امیر المومنین ،خلیفۂ بلافصل، یار غار مصطفیٰ، افضل البشر بعد الانبیاء حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یوم وصال ہے۔ رب جلیل حضرت الاستاذ کے اس ہدیۂ اخلاص کو اپنی ،اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں مشرف بہ قبولیت فرمائے۔

غبارِ راہِ علم محمد سہیل احمد سیالوی

22 جمادی الثانی 1345ھ بروز بدھ بعد از نماز ظہر

فہرستِ مضامین

حضور حکیم الامت علیہ الرحمہ کی یاد میں

حضور قبلہ امام المناظرین، امام المناطقہ والفلاسفہ، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب سے غالباً 1989/90ء میں شناسائی ہوئی۔ مجھے ایک کلاس فیلو کے ذریعے معلوم ہوا کہ شیخ الحدیث صاحب علم وحکمت کے ایک بحرنا پیدا کنار ہیں۔ اُس وقت بندہ ناچیز چھٹی / ساتویں کلاس کا طالب علم تھا۔ اُس وقت انگریزی کا مضمون میرا پسندیدہ سبجیکٹ تھا مگر قبلہ حضور شیخ الحدیث صاحب کی زیارت کے بعد اسلامیات کی طرف مائل ہو گیا۔

میرے گاؤں چک نمبر 225 ج-ب تحصیل بھوآنہ ضلع چنیوٹ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں قبلہ شیخ الحدیث صاحب کے دو اساتذۂ کرام اور دو کلاس فیلو (یارِ غار مقبول احمد لدھیانہ، حافظ محمد لطیف لدھیانہ) تھے۔ جبکہ حافظ محمد شفیق صاحب (استادِ گرامی) کا ذکرِ خیر کوثر الخیرات کے ابتدائیہ میں موجود ہے۔

ہمارے گاؤں چک نمبر 225 ج-ب میں قبلہ شیخ الحدیث صاحب، اپنے زمانہ طالب علمی میں 1956ء میں تشریف لائے تھے۔ بعدہٗ قبلہ صاحب کے بہت سے پروگرام کرائے گئے۔ بہت مرتبہ اپنے دوستوں کو ملنے کے لئے آپ تشریف لاتے رہے۔

بندۂ ناچیز، حضور شیخ الحدیث صاحب کی ذاتِ گرامی کی زیارت کے بعد اتنا فریفتہ ہو گیا کہ میرا اوڑھنا بچھونا، آپ کا ذکرِ خیر تھا، ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔

آپ مجھ پر ایک مشفق باپ کی طرح بہت زیادہ مہربان تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی سے لیکر 16، اپریل 2013ء تک کے بہت سے واقعات، حالات بیان فرمائے جو آپ سے بیتے۔ اگر میرے علاقے کے لوگوں نے آپ کے ایمانی، وجدانی، روحانی بیان کے

لئے ٹائم لینا ہوتا تو مجھ بندہ ناچیز سے رابطہ کرتے اور مطلوبہ ٹائم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ بندہ ناچیز نے الحمدللہ، آپ کی جملہ تصانیف کو بڑے غور سے پڑھا ہے۔ جب آپ اپنی آخری تصنیف، تالیف فرما رہے تھے تو آپ کا پروگرام 300/350 صفحات کی کتاب کا تھا تو بندہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی، حضور شیخ الحدیث صاحب! دیوبندی مکتبِ فکر کی تصانیف کی بڑی ضخامت ہے۔ آپ مہربانی فرما کر تفصیلاً ذکرِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما فرمائیں، بندہ اپنا نذرانہ بارگاہِ صدیقی میں حسبِ استطاعت پیش کرے گا تو آپ نے میری عرض قبول فرمالی۔

حضور قبلہ شیخ الحدیث محمد اشرف السیالوی صاحب، اپنے یارِ غار دوست مقبول احمد لدھیانہ (مرحوم) کی زوجہ مرحومہ کے چالیسواں پر 16 اپریل 2013ء کو تشریف لائے (میرے گاؤں) شاید آپ کا یہ آخری ایمان افروز بیان تھا جسکی C.D میرے پاس موجود ہے۔

مذکورہ دِن آپ نے فرمایا کہ سکندر حیات صاحب! آپ کتاب کی چھپائی کیلئے کتنا حصہ ڈالیں گے؟ بندہ عرض کی، یا حضور غریب نواز! بندہ ناچیز مبلغ اَسی ہزار روپے پیش کرے گا۔ آپ نے میرے لیے دُعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے۔ بعدہ، بندہ آپ کی بیمار پُرسی کیلئے عبداللہ کمپلکس سرگودھا حاضر ہوا، (19 مئی 2013ء) آپ مجھ پر ایک مشفق باپ کی طرح مہربان تھے۔ بہت زیادہ پیار فرماتے تھے۔ 23 مئی 2013ء کو آپ کی وفات کی جانکاہ خبر سُن کر بہت رویا۔ بندہ کو نمازِ جنازہ، قل خوانی اور چہلم شریف پر حاضری نصیب ہوئی۔ اللہ اُن کی بارگاہ میں حاضری، میری بخشش کا ذریعہ بنائے، آمین۔

بندہ آج بھی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیحات آپ کیلئے اکثر ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ آپ میرے آئیڈیل تھے اور ہیں۔ اللہ کریم سے میری دُعا ہے کہ کتاب مذکورہ کی اشاعت کے لیے میرا نذرانہ بارگاہِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما اور بارگاہ شیخ الحدیث علیہ الرحمہ

میں قبول فرمائے۔آمین

والسلام مع الاکرام

دعاؤں کا طالب

سکندر حیات S/O میاں خان عمرانہ سیال (ایم اے۔ایم ایڈ)

چک نمبر 225 ج۔ب تحصیل بھوآنہ ضلع چنیوٹ

0343-7618436

0333-6711549

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ من ھو أول قدیم بلاابتداء- وآخر کریم بلاانتھاء- والصّلوۃ والسّلام علی من کان نبیًّا وآدم بین الطین والماء- وعلی آلہ وأصحابہ الکرماء والشرفاء- والتابعین لھم بالاحسان الی یوم الجزاء -أما بعد فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرّحمن الرحیم قال اللہ تبارک وتعالی :

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۔فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (النساء،5:94)

أما بعد :

سببِ تالیف:

اللہ رب العزت نے مخلوق میں سے بعض کو بعض پر فوقیت اور افضلیت بخشی ہے، بعض کو جوہرِ ذات کے لحاظ سے، جیسا کہ ملائکہ نوری اور معصوم ہیں اور انبیاء علیہم السلام از روئے بواطن ملکی اور نورانی ہیں اور معصوم ہیں۔ ملائکہ میں بھی درجات و مراتب کے لحاظ سے تفاضل ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی ، کما قال اللہ تعالی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ،2:253) اور فرمایا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل،17:56) اور عام بشروں میں سے بعض کو حسب، نسب کے لحاظ سے جیسے قریشی، ہاشمی اور مطلبی ہونا۔ بعض کو مال و دولت اور حکومت و سلطنت کے لحاظ سے، لیکن عنداللہ عزت و کرامت اور فضل و شرف کا دارومدار ایمان و تقوی پر ہے۔ کما قال اللہ تعالی وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ۔

"ہم نے تمہیں مختلف شعوب وقبائل میں ڈھالا باہمی تعارف اور امتیاز کے لیے، بیشک تم میں سے زیادہ عزت وشرف والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو زیادہ متقی ہے"

ایمان میں بھی قوت وضعف کے لحاظ سے تفاوت ہے اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین والا تفاوت بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے، کما قال الخلیل علیہ السلام وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ (البقرہ، 260:2) "تیری مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر تو ایمان ہے لیکن اگر مردے زندہ کر کے دکھلا دے تو اطمینانِ قلب اور عین الیقین حاصل ہو جائے گا"

جتنا ایمان قوی اور اقویٰ ہوگا اسی قدر اعمال صالحہ کا اجر وثواب اور اس پر مترتب درجات ومراتب بھی بڑھتے چلے جائیں گے اگرچہ بظاہر کیت ومقدار اور گنتی وشمار میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ الغرض اہل ایمان کو غیر مومنین پر شرف وفضل حاصل ہے بلکہ کفار ومشرکین کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیتے ہوئے فرمایا اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ۔ (الاعراف، 179:7) پھر ان میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو عام مومنین پر شرف وفضل حاصل ہے اگرچہ ایک لمحہ کے لیے چہرہ والضحیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہو اور شرف صحبت سے مشرف ہوا ہو دوسرے اہل ایمان اس کی برابری نہیں کر سکتے پھر مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد نبی مکرم ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل کرنے والے قبل از فتح مشرف باسلام ہونے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، کما قال اللہ تعالیٰ:

لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا (الحدید، 10:57)

جن حضرات صحابہ نے فتح مکہ سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور قتال کیا پچھلے ان کے برابر نہیں ہو سکتے، پہلے حضرات کے درجات بہت بلند ہیں۔

اسی طرح ایمان میں سابق ہوں لیکن کسی مجبوری اور معذوری کے بغیر قتال وجہاد میں

حصہ نہ لیں اور اپنے مال راہ خداوندتعالیٰ میں خرچ نہ کریں تو ان کو بھی فضل وشرف میں ان حضرات سے برابری نہیں ہوسکتی جو مالی اور جانی قربانیاں دینے والے ہیں کما قال تعالیٰ

لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ أُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۔فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء،95:4)

اللہ تعالیٰ نے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے والے کو گھروں میں بیٹھے رہنے والوں پر درجات میں فضیلت بخشی ہے لیکن جنت کا وعدہ ہر دو فریق کے ساتھ کر رکھا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی اور اللہ تعالیٰ نے جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا شرف حاصل کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمایا، ازروئے درجات ومراتب کی بلندی کے اور مغفرت اور رحمت کے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے اور فضل واحسان فرمانے والا ہے۔

قال تعالیٰ فی مقام آخر:

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ (النساء،95:4)

نیز ظاہر ہے کہ جنہوں نے مالی اور جانی دونوں طرح کے جہاد میں حصہ لیا وہ صرف جانی یا صرف مالی جہاد میں حصہ لینے والوں سے افضل ترین ہیں پھر جتنا زیادہ مال راہ خداوندتعالیٰ میں خرچ کیا یا جتنی جان مشقت میں زیادہ ڈالی اور کفار ومشرکین کا مقابلہ کیا اور اسلام وبانی اسلام کا ساتھ دیا اتنا ہی درجہ ومرتبہ اونچا ہوگا۔ تو اس پس منظر میں حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کیونکہ وہ ایمان لانے میں بھی سابق ہیں، اسلام لاتے ہی تبلیغ

شروع فرمائی، کفار کے خلاف جسمانی جہاد بھی شروع فرمایا، اپنا مال بھی راہ خدا میں خرچ کرنا شروع فرمایا، سفر ہجرت جیسے سنگین اور پرخطر سفر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مالی اور جانی قربانی دی اور بعدازاں ہر موقعہ پر ہر طرح کی قربانی پیش فرمائی، لہٰذا ان کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر یقینی ہے۔ اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم ساری امت سے افضل ہیں اور ان میں ترتیبِ افضلیت وہی ہے جو ترتیبِ خلافت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے درجہ میں ہیں اگرچہ بعض مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان پر تفضیل کے قائل اور بعض توقف کی طرف مائل ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے آج کل کچھ سنی ہونے کے مدعی حضرات نے اس میں رخنہ انداز ہونے اور اہل سنت کو اجماعی اور متفق علیہ راہ اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کی سعی نامشکور شروع کر رکھی ہے اور مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق پر بھی فضیلت دینے لگے ہیں۔ کوئی ان کی افضلیت کو صرف دورِ خلافت میں نظم ونسق میں حسن تدبیر کے لحاظ سے محصور ومقصور قرار دینے کے درپے ہے اور ان کی سبقت ایمانی، مالی وجانی قربانیوں، اسلام کی تبلیغ، ہجرت اور غار میں ثانی اثنین ہونے، اپنی جان بلکہ بچوں کی جان کی قربانی اور بیوی اور بچیوں کی عزت کی قربانی دینے کے اعتبار سے وہ افضلیت کے قائل نہیں ہیں، جبکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ شرف وفضل کے قرآنی معیار کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اسی شرف وفضل کے لحاظ سے اور اس میں ارفع واعلیٰ مقام کے مالک ہونے کے لحاظ سے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا، حتی کہ انصار نے اپنے شہر میں ان مہاجروں اور مسافروں کو اپنے اوپر حاکم بنالیا اور ان کی اطاعت اپنے اوپر لازم کرلی۔ مولیٰ مرتضٰی نے انکی فوقیت وبرتری تسلیم کرتے ہوئے بیعت کی اور کہا ”جس کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کا امام بنادیا ہم اس کو اپنی دنیا کا امام کیوں

نہ بنائیں"

الغرض ان کی فضیلت اور فوقیت مرتبہ کی وجہ سے ان کو مسند خلافت کا اہل تسلیم کیا گیا اور دین میں امامت کو دنیا کی امامت پر مقدم سمجھا گیا اور دین کی امامت ان کو رسول کریم علیہ السلام نے بخشی تھی نہ کہ لوگوں نے اور امر خداوندی سے بخشی تھی نہ کہ خواہش نفس سے - اور افضل کی موجودگی میں مفضول کا تقدم قطعاً موزوں نہیں ہے نہ عنداللہ نہ عندالرسول اور نہ عندالصحابہ تو اس قدر متیقن فضیلت والی ذات میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور اس کو صرف سیاسی خلافت اور فرش زمین تک محدود خلافت اور دنیوی خلافت قرار دینا اور اس کو بندوں کے انتخاب کا مرہون منت قرار دینا اور مولائے مرتضیٰ کی ولایت کو دینی اور روحانی اور فرش تا عرش محیط سمجھنا قطعاً اہل سنت کا نظریہ نہیں ہے بلکہ سراسر رفض اور تشیع ہے خواہ اس کا پرچار علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کریں یا علامہ شاہ عبدالقادر صاحب کریں-

اہل سنت کا شعار اور امتیازی نشان بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ تفضیل الشیخین اور حب الختنین ہے اور یہ فضیلت حسب ونسب کے لحاظ سے نہیں بلکہ عنداللہ عزت وکرامت کے لحاظ سے ہے اور اس کے اعتبار واعتداد کا اعلان اللہ رب العزت نے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یہ حضرات کھل کر اہل تشیع میں شامل ہو جاتے تو سُنیت کو اتنا نقصان نہ پہنچتا جتنا کہ اس روپ میں پہنچا رہے ہیں حتی کہ علامہ طاہر القادری صاحب کو شیعہ سنی ایک نظر آنے لگے اور ان کو "دو" کہنے والا ان کے نزدیک واجب القتل ٹھہرا اور یہ نجی محفل میں نہیں بلکہ عوامی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کیا کوئی صاحب علم جو شیعہ مذہب اور اس کے فرقوں کے نظریات وعقائد سے آگاہ ہے وہ ایسا خیال بھی ذہن میں لا سکتا ہے؟ جس کا طاہر القادری صاحب برسر محفل اعلان فرما رہے تھے۔ شاہ عبدالقادر صاحب شیخین کی تفضیل پر اجماع کے منکر بلکہ حضرت صدیق کی افضلیت اقل قلیل افراد کا نظریہ قرار دیتے ہیں اور قرآن مجید میں وارد الفاظ مبارکہ

اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسِّعَةِ میں فضیلتِ ایمانی اور روحانی تسلیم کرنا بھی ان کو گوارہ نہیں۔ اپنا نفسانی تقاضا وہ یوں بھی پورا کر سکتے تھے کہ جمع کا صیغہ ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق کی انفرادیت ثابت نہیں ہوتی صرف فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن وہ اس پر مصر ہیں کہ "صرف مالی فضیلت مراد ہے یہاں روحانی فضیلت کے بیان کا مطلب ہی کوئی نہیں بنتا"

حالانکہ ایمان اور سنیت کا تقاضا پیش نظر رکھے بغیر صرف عربیت اور قواعدِ نحویہ و صرفیہ کا تقاضا ہی ملحوظ رکھ لیتے کہ "عطف مغایرت کو چاہتا ہے اور بلا ضرورت اس کو عطف تفسیر بنانا جائز نہیں ہوتا" تو اس قول کا کوئی جواز نہیں تھا۔

شاہ صاحب سیدنا صدیق اکبر کی شان میں وارد اَلْاَتْقٰی والے وصف کو بلا ضرورت مجازی معنیٰ "متقی" پر محمول کرتے ہیں اور آپ کو اہل تقویٰ کا سرخیل و مقتدا مان کر راضی نہیں بلکہ ایسا کہنے والوں کا مذاق اڑایا ہے اور انکو نشانہ تضحیک بنایا ہے، بہرکیف آنجناب نے تشیع کے لیے فضا کو سازگار بنانے اور ان کے لیے زمین ہموار کرنے کی بھرپور سعی اور جدوجہد کی ہے اور سنیت کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لہذا اہل سنت علماء کرام پر لازم ہے کہ وہ تفضیل شیخین اور بالخصوص افضلیتِ صدیق کو تقریری اور تحریری طور پر بیان کرنا لازم اور فرض سمجھیں اور اہل سنت کے عقائد کی اس اساس اور بنیاد کو مضبوط و مستحکم کریں ورنہ عوام اہل اسلام کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنا اہل تشیع کے لیے آسان ہو جائے گا جس طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"شیعہ کا اصل الاصول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل الکل ہیں اور نبی مکرم ﷺ سے کامل مشابہت رکھتے ہیں اور افضل کی موجودگی میں مفضول کو امام بنانا سراسر ظلم ہے لہذا آپ خلیفہ برحق ہیں دوسرے خلفاء غاصب اور ظالم ہیں اور دوسرے صحابہ بھی ظالم جنہوں نے علی مرتضیٰ کا حق ان کو دے دیا اور ظالم کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا لہذا اہل سنت کی روایات ناقابل

اعتبار" (نیز قرآن بھی انہیں خلفاء نے جمع کرایا اور انکے ہم نوا صحابہ نے جمع کیا تو وہ بھی نا قابل اعتبار) (مفہوم عبارت امام پرہاروی علیہ الرحمہ)

اس طرح وہ لوگ تدریجی طور پر عوام اہل سنت کو گمراہ کرتے ہیں اور پہلا درجہ اس سیڑھی کا عقیدہ تفضیل ہے لہذا اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور عوام کو قائم رکھنا لازم اور رخنہ انداز لوگوں کے سد باب اور ناطقہ بندی کی مقدور بھر سعی ضروری ہے، اسی فرض کو ادا کرتے ہوئے بندہ نے یہ چند سطور سپرد قلم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ و رسول مقبول ﷺ اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم قبول فرماویں۔ آمین۔

تقریر دعویٰ:

اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان بلکہ تمام امتِ محمدیہ بلکہ تمام امم سابقہ سے بھی افضل ہیں ان میں افضیلت کے لحاظ سے باہمی ترتیب بھی وہی ہے جو خلافت میں ترتیب ہے، اہل سنت والجماعت کا مذہب و مسلک اور نظریہ عقیدہ یہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بالاجماع افضل ہیں اور عند الجمہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور بعض حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت عثمان پر فوقیت دیتے ہیں جبکہ بعض توقف کے قائل ہیں، لیکن مختار قول یہی ہے کہ جو ترتیب خلافت میں ہے وہی ترتیب فضیلت میں ہے۔

اس کے برعکس شیعہ لوگ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل مانتے ہیں اور ان میں سے کچھ دوسرے صحابہ کرام کے ایمان واخلاص کے قائل ہیں وہ تفضیلی شیعہ ہیں لیکن انکی اکثریت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان پر فضیلت دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ اور امام بنانا ان کے نزدیک موجبِ ضلال و کفر ہے اس لیے وہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو کافر و مرتد سمجھتے ہیں سوائے سلمان فارسی ابوذر اور مقداد رضی اللہ عنہم۔

اس لیے مسئلہ افضلیت مسئلہ خلافت کی طرح بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی لیے علمائے کلام نے کتبِ کلامیہ میں، مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور محدثین کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے کتبِ احادیث میں اس کو بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، بالخصوص علمائے کلام کا چونکہ موضوع ہی یہی ہے اس لیے انہوں نے دونوں مسائل کو موضوعِ سخن بنایا اور مدلل انداز میں بیان فرمایا۔

سردست ہم مسئلہ تفضیل اور بالخصوص حضرت صدیق اکبر کی افضلیت پر ان حضرات کی اتباع میں قرآن وسنت اور ارشادات اہل بیت بالخصوص مولائے مرتضی کے ارشادات کی روشنی میں کلام کریں گے، واللہ الموفق چونکہ تحقیق یہی ہے کہ ان کی افضلیت ہی ان کے خلیفہ بنائے جانے کی علت موجبہ ہے لہذا اس سے خلافت کی حقانیت پر استدلال "برہان لِمّی" ہے اور خلافت بلافصل کے ثبوت سے آپ کی افضلیت پر استدلال "برہان اِنّی" ہے جیسے وجودِ باری تعالٰی سے وجودِ کائنات پر استدلال برہان لِمّی ہے اور وجودِ کائنات سے وجودِ باری تعالٰی پر استدلال "برہان اِنّی" ہے، لہذا بحثِ افضلیت بحث خلافت کی بنیاد ہے اس لیے اس کو موضوع بنانا بندہ نے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھا۔

(1) علمائے کلام نے عقیدۂ افضلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام أبو بكر الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم علي المرتضى رضي الله عنهم -

(شرح مقاصد، شرح مواقف، شرح عقائد نسفیه)

"تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد سب بشروں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق بعد ازاں عثمان ذوالنورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم"

(2) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح مقاصد میں فرمایا:

قال أهل السنة الأفضل أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم

"اہل سنت نے کہا کہ افضل الامم ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم"

وقد مال البعض منهم الى تفضيل علىّ على عثمان والبعض الى التوقف بينهما۔قال الشيعة وجمهور المعتزله ان الأفضل بعدالرسول ﷺ على رضى الله عنه۔ (جلد ۲ ص ۲۹۸ المبحث السادس)

"اور بعض اہل سنت کا میلان اس طرف ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اور بعض توقف کے قائل ہیں۔اہل تشیع اور جمہور معتزلہ کا قول یہ ہے کہ رسول کرم ﷺ کے بعد سب سے افضل علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں"

(3) امام قاضی عضدالملۃ والدین علیہ الرحمہ نے مواقف میں فرمایا:

المقصد الخامس فى أفضل الناس بعد رسول الله وهو عندنا وأكثر قدماء المعتزلة أبوبكر رضى الله عنه وعندالشيعة وأكثر متاخرى المعتزلة على رضى الله عنه۔

یعنی نبی کرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے تو اس میں ہمارا مذہب اور قدماء معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور شیعہ اور اکثر متاخرین معتزلہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ (ص ۷٤۱)

نیز فرماتے ہیں:

لكنا وجدنا السلف قالوا بأن الأفضل أبوبكر ثم عمرثم عثمان ثم على رضى الله عنهم۔(ص ۷٤٤)

"ہم نے سلف صالحین علیہم الرحمہ کو اس نظریہ وعقیدہ پر پایا کہ سب سے افضل ابوبکر

صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین بعدازاں حضرت علی رضی اللّٰہ عنہم"

(4) حضرت علامہ عمر بن محمد نسفي رحمہ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا:

أفضل البشر بعد نبینا أبوبكرن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان

ذوالنورين ثم علي المرتضى رضى الله عنهم ۔

(5) مقاصد میں علامہ تفتازانی نے فرمایا:

الأفضلية عندنا بترتيب الخلافة مع تردد بين عثمان وعلى رضى الله عنهما

وعندالشيعة و جمهورالمعتزلة الأفضل علي۔ (جلد۲ ص۲۹۸) .

"ہمارے نزدیک خلفائے راشدین میں افضلیت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت میں

ترتیب ہے بمع تردد کے درمیان عثمان وعلی رضی اللّٰہ عنہما کے اور شیعہ اور جمہور معتزلہ کے نزدیک

حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ سب سے افضل ہیں"

فائدۂ عظیمہ:

ان اکابرین کی تصریحات سے واضح ہوگیا کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بلا

ریب وتردد اور بلا شک وشبہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق مولائے مرتضیٰ سے

بالاتفاق افضل ہیں اور حضرت صدیق اور حضرت علی میں افضلیت کے لحاظ سے اختلاف صرف

اور صرف اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان ہے نہ کہ اہل سنت کے درمیان باہمی طور پر اس میں

اختلاف ہے، اگر ہے تو حضرت عثمان اور حضرت علی کے درمیان تفضیل میں اختلاف ہے جبکہ

جمہور کا مختار تفضیل عثمان ہے۔

(6) حضرت علامہ امام ابن حجر ہیتمی مکی فرماتے ہیں:

اعلم أن الذى أطبق عليه عظماء الملةوعلماء الأمة أن أفضل هذه الأمة

أبوبكرالصديق ثم عمرالفاروق ثم اختلفوا فالأكثرون ومنهم الشافعي وأحمد

وهو المشهور عن المالك أن الأفضل بعدهما عثمان ثم علي و جزم الكوفيون ومنهم سفيان الثورى بتفضيل عليّ على عثمان وقيل بالوقف عن التفاضل بينهما وهو رواية عن مالك ـ فقد حكى ابوعبدالله المازرى عن المدونة ـ أن مالكا سئل اي الناس أفضل بعد نبيهم ؟ فقال أبوبكر ثم عمر ثم قال أوفي ذالك شك فقيل له عثمان وعلى ؟ فقال ماأدركت أحداًممن أقتدى به يفضل أحدهما على الآخر (الىٰ) قال القاضى انه رجع عن التوقف الىٰ تفضيل عثمان على عليّ رضى اللّٰه عنهما قال القرطبى وهو الأصح۔ (الصواعق المحرقه الباب الثالث ص ۵۷)

''اچھی طرح جان لو جس امر پر عظمائے ملت اور علمائے امت کا اجماع و اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق بعد ازاں اختلاف ہے اور جمہور علماء جن میں امام شافعی اور امام احمد بھی شامل ہیں اور امام مالک کا مشہور قول بھی وہی ہے کہ ان دونوں حضرات کے بعد عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں اہل کوفہ جن میں سفیان ثوری بھی شامل ہیں حضرت علی کے حضرت عثمان سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ دونوں حضرات کے درمیان تفاضل سے توقف کیا جائے اور امام مالک علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت یہی ہے امام ابو عبداللہ مازری نے امام مالک کی کتاب مدونہ سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم علیہ السلام کے بعد تمام لوگوں سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما پھر فرمایا کیا اس معاملہ میں شک شبہ ہو سکتا ہے؟ پھر آپ سے پوچھا گیا حضرت عثمان اور حضرت علی میں سے کون افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ جن قابل اقتداء اور لائق تقلید حضرات کو میں نے پایا ان میں سے کسی کو ان دو میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے نہیں سنا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعد ازاں امام مالک نے توقف والے قول سے رجوح کر لیا اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بعد

حضرت عثمان کو حضرت علی رضی اللہ عنہم سے افضل قرار دیا اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اصح قول امام مالک علیہ الرحمہ کا یہی ہے"

(7) حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

أجمع أهل السنة على أن أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم ثم سائر العشرة ثم باقي أهل بدر ثم أهل أحد ثم باقي أهل البيعة (في الحديبية) ثم باقي الصحابة۔ هكذا حكى الاجماع عليه أبو منصور البغدادي رحمه الله تعالى۔ (تاريخ الخلفاء ص٣٨)

"اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول گرامی ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین بعد ازاں حضرت علی مرتضی پھر باقی عشرہ مبشرہ بعد ازاں دوسرے اہل بدر پھر بقایا اہل احدان کے بعد اہل بیعت الرضوان پھر باقی صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اسی طرح پر امام ابو منصور بغدادی نے اجماع نقل فرمایا ہے"

(8) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

الخلفاء الأربعة أفضل الأصحاب وفضلهم على ترتيب الخلافة والمراد بالأفضلية أكثرية الثواب۔ (تکمیل الایمان مترجم ص٩٣،٩٤)

"خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں اور ان میں فضیلت کے لحاظ سے وہی ترتیب ہے جو خلافت میں ترتیب ہے اور افضلیت سے مراد عنداللہ ثواب وکرامت کے لحاظ سے افضلیت ہے (نہ کہ حسبی ونسبی فضیلت)

(9) فخر برصغیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

باید دانست که تفضیل شیخین بر سائر صحابه ثابت است بنقل وعقل۔

(قرة عينين ص٢)

''معلوم کرلینا چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق کا تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل ہونا نقل وعقل سے ثابت ہے''

فی التعرف أجمع الصوفیة علی تقدیم أبی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم۔ (نبراس)

کتاب التعرف جو تصوف میں بلند پایہ کتاب ہے اس میں تصریح فرمادی گئی ہے کہ صوفیائے کرام کا اجماع ہے حضرت ابوبکر کی تقدیم وتفضیل پر بعدازاں حضرت عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم۔

(10) میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ سبع سنابل میں فرماتے ہیں: (یادر ہے کہ سبع سنابل رسول گرامی ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں مقبول کتاب ہے)

اجماع دارند که افضل از جمله بشر بعد انبیاء ابوبکر است وبعد از وے عمر فاروق است وبعد از وے عثمان ذوالنورین است وبعد ازوے علی مرتضی است رضی اللہ عنهم اجمعین بعد از ایشان تتمۂ عشره مبشره (ص ۷)

''اہل سنت کا اس نظریہ پر اجماع واتفاق ہے تمام بشروں سے انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ابوبکر صدیق ہیں ان کے بعد عمر فاروق ان کے بعد عثمان ذوالنورین اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہم پھر باقی عشرہ مبشرہ''

(11) بعدازاں میر عبدالواحد فرماتے ہیں:

مخدوم قاضی شہاب الدین درتیسیر الاحکام نبشت که ہیچ ولی بدرجۂ ہیچ پیغمبر نرسد زیرا که امیر المومنین ابوبکر صدیق بحکم حد یث بعد پیغمبران ازہمه اولیاء برتر است واوبدرجۂ ہیچ پیغمبرے نرسید وبعد از وے عمر الفاروق است وبعد از وے عثمان ذوالنورین بن عفان وبعد از وے امیر المومنین

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ (سبع سنابل شریف ص ۱۰)

''مخدوم قاضی شہاب الدین تیسیر الاحکام میں فرماتے ہیں کہ کوئی ولی بھی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ امیر المومنین ابوبکر صدیق از روئے حدیثِ رسول ﷺ پیغمبران کرام علیہم السلام کے بعد تمام اولیاء سے برتر اور افضل ہیں لیکن وہ کسی پیغمبر کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے اور ان کے بعد عمر فاروق ہیں ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان اور ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں (اور کوئی بھی کسی پیغمبر کے درجہ کو نہیں پہنچ سکا)

(12) حضور داتا گنج بخش علی بن عثمان ھجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کشف المحجوب شریف میں (صحابہ کرام میں سے ائمہ تصوف کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرماتے ہیں:

منھم شیخ الاسلام وبعد از انبیاء خیرالانام خلیفه وامام وسید اهل تجرید وشهنشاه ارباب تفرید وازآفات انسانی بعید امیرالمومنین ابوبکر عبدالله بن عثمان الصدیق۔ (ص ۵۱)۔صدیق اکبر مقدم برهمه خلائق است از پس انبیاء صلوات الله علیهم اجمعین ۔امام دین همه مسلمانان وے است عام را وامام اهل این طریقت وے است خاص را۔ رضی الله عنه۔ (ص ۵۲)

''ان (ائمۂ تصوف) میں سے شیخ الاسلام اور انبیاء علیہم السلام کے بعد خیر الانام، خلیفہ وامام، اہل تجرید کے سردار اور ارباب تفرید کے شہنشاہ اور آفات انسانیہ سے بعید ومنزہ امیر المومنین ابوبکر صدیق ہیں صدیق اکبر، انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوقات پر مقدم ہیں اور ان سے افضل وبرتر ہیں عام اہل اسلام کے لیے بھی دین میں امام ومقتداء ہیں اور خواص اہل طریقت وارباب تجرید کے بھی امام ہیں''

(13) امام ہمام سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

أن تفضّل الشيخين وتحبّ الختنين وترىٰ المسح على الخفين ۔

"سُنّیت یہ ہے کہ ابوبکر اور عمر کو سب صحابہ سے افضل جانے رسول گرامی ﷺ کے دونوں دامادوں یعنی عثمان ذوالنورین اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھے اور خفین پر مسح کو جائز مانے"

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

كانّ السلف كانوا متوقفين فى تفضيل عثمان على علیّ حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختنين

گویا کہ سلف کو حضرت عثمان کی حضرت علی پر تفضیل میں توقف تھا اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کے امتیازی علامات میں سے تفضیل شیخین اور حب ختنین کو قرار دیا

(شرح عقائد مع نبراس ص ۴۹۰)

سوال:

پہلے علامہ تفتازانی نے چاروں حضرات کی افضلیت ترتیب خلافت کے متعلق بیان کر کے فرمایا علىٰ هذا وجدنا السلف ہم نے سلف صالحین کو اس نظریہ وعقیدہ پر پایا اور یہاں حضرت عثمان اور حضرت علی کی باہمی تفضیل میں توقف کا قول کر دیا تو کلام میں تعارض لازم آگیا؟

الجواب:

علىٰ هذا وجدنا السلف سے مراد اکثر اسلاف ہیں جو کہ حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دیتے تھے اور بعض توقف کے قائل تھے، لہذا تعارض وتناقض لازم نہ آیا کیونکہ یہاں اس قلیل جماعت کا لحاظ کیا گیا ہے۔

فائدہ عظیمہ:

سلف سے مراد صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین ہیں اور بعض نے سلف کا مصداق صرف صحابہ کرام اور تابعین علیہم الرضوان کو ٹھہرایا۔(ملاحظہ ہو: نبراس ص:486) تو ثابت ہوا کہ شیخین کی افضلیت پر ان اکابرین ملت کا اجماع ہے اور جمہور حضرت عثمان کی حضرت علی مرتضٰی پر تفضیل کے قائل ہیں لہذا جو شخص حضرت صدیق و حضرت عمر پر مولائے مرتضٰی کو فضیلت دیتا ہے وہ اجماع سلف کا بھی مخالف ہے اور سنی بھی نہیں ہے کیونکہ ان کا شعار اور امتیازی نشان اس میں موجود نہیں ہے۔

(14) حضرت میر عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:

محبت بایں ہر چہار ت نکو زتفضیل شیخین کارت نکو

محبت بہر چار گیر استوار ولے حب شیخین مفرط شمار

ورت فضل شیخین دردل کم است بنائے تو در رفض مستحکم است

اجماع صحابہ و تابعین و تبع تابعین و سائر علمائے امت ہم بریں عقیدہ واقع شدہ است و ہمیں اجماع در کتب متقد ماں و متاخراں مذکور و شائع است (تا) فردوسی گفت:

چہ گفت آں خداوندِ تنزیل و وحی خداوندِ امر و خداوندِ نہی

کہ خورشید بعد از رسولانِ مہ نتابید بر کس زبوبکر بہ

(15) شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے میر عبدالواحد فرماتے ہیں

شیخ مخدوم سعدی فرمود:

نخستین ابوبکر پیر مرید عمر پنجہ بر پیچ دیو مرید

خرد مند عثمان شب زندہ دار چہارم علی شاہ دلدل سوار

(ص:10)

''تیری محبت ان چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ بہترین عمل ہے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سب سے افضل ماننے سے ہی تیرا کام بخیر انجام ہے۔ اور اگر تیرے دل میں شیخین کی افضلیت کم ہے تو تیرے عقیدہ ونظریہ کی بنیاد واساس رفض اور تشیع میں مستحکم ہے'' (ترجمۂ اشعار فردوسی مرحوم ختم ہوا)

''صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع واتفاق بھی اسی نظریہ وعقیدہ پر ہے اور یہی اجماع متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں مذکور اور شائع ہے۔تا۔فردوسی نے اپنے منظوم کلام میں عقیدہ اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا: کیا فرمایا خداوند تنزیل اور مالک وحی نے جو مالک ہے امر وحکم کا اور مالک ہے نہی ومنع کا، کہ بہتر وبہترین ذوات رسل کے بعد سورج نہیں طلوع ہوا ابوبکر سے بہتر ذات پر'' حضرت شیخ مخدوم سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں پہلے مرتبہ ومقام والے ہیں ابوبکر وہ جو لوگوں کے پیر ومقتداء اور رسول کریم علیہ الصلواۃ والسلام کے مخلص مرید ہیں دوسرے نمبر پر عمر فاروق ہیں جو شیطان سرکش کا پنجہ مروڑنے والے ہیں تیسرے درجہ میں عثمان خردمند راتوں کو یاد خداوند تعالیٰ میں جاگنے والے چوتھے درجہ میں شاہ علی دلدل سوار ہیں'' (یہاں ترجمہ مکمل ہوا)

(16) علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

میرے نزدیک افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ تین وجوہ سے ثابت ہے، پہلی نبی الانبیاء علیہم السلام کی طرف سے اس پر تنصیص (کما سنذکرہ فی بیان الأحادیث) تیسری وجہ اہل بیت کرام علیہم الرضوان کی طرف سے تنصیص، چنانچہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں اسی (80) سے زیادہ افراد نے اس کو حیدر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔دوسری وجہ ہے اجماع الصحابہ و السلف الصالح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کما سنذکرہ بعد

اورامام شافعی علیہ الرحمہ سے امام بیہقی نے صحابہ کرام اورتابعین کاتفضیل شیخین پر اجماع نقل کیا ہے۔ (ملخص مرام الکلام ص46)

(17) آخر میں ہم محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

یعتقد أهل السنة أن أمة محمد علیه السلام خیرالأمم أجمعین وأفضلهم أهل القرن الذین شاهدوه وآمنوابه وصدّقوه وبایعوه وتابعوه وقاتلوا بین یدیه وفدوه بأنفسهم وأموالهم وعزّروه ونصروه۔ أفضل هذاالقرن أهل الحدیبیة (الیٰ) وأفضلهم أهل بدر (الیٰ) أفضلهم الأربعون أهل دارالخیزران الذین کملوا بعمر بن الخطاب أفضلهم العشرة الذین شهدلهم النبی ﷺ بالجنة (الیٰ) وأفضل هؤلاء العشرة الأبرار الخلفاء الراشدون الأربعة الاخیار وأفضل الأربعة أبوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم وهؤلاء الأفاضل الأربعة والخلافة بعدالنبی ﷺ ثلثون سنة۔ (غنیة الطالبین مترجم فارسی ص ۱۸۵،۱۸۶)

"تمام اہل سنت عقیدہ رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے اور اس امت محمدیہ میں اس قرن والے افراد افضل ہیں جنہوں نے رسول کریم علیہ السلام کا مشاہدہ کیا آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، آپ سے بیعت کی، آپ کی اتباع کی، آپ کے سامنے جہاد وقتال کیا، اپنی جانوں کو اور اموال کو آپ پر فدا کیا، آپ کی تعظیم وتکریم کی اور امداد واعانت کا شرف حاصل کیا، اس قرن والوں میں سے اہل حدیبیہ افضل ہیں جنہوں نے آپ سے بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا اور وہ چودہ سو کی تعداد میں تھے۔ ان سے افضل اہل بدر ہیں اور وہ تین سو تیرہ کی تعداد میں تھے، مانند اصحابِ طالوت کی تعداد کے اور اہل بدر میں سے وہ چالیس حضرات افضل ہیں جو دار خیزران والے ہیں جن کی تکمیل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ذریعے

ہوئی اور ان میں سے افضل وہ دس حضرات ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی (تا) اوران دس ابرار میں سے افضل خلفاء راشدین ہیں جو چار بلند وبالا مرتبہ والے ہیں اوران خلفاء راشدین میں سے سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذو النورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم اوران چاروں حضرات افاضل کونبی مکرم ﷺ کے وصال شریف کے بعد آپ کی خلافت نبوت کا شرف حاصل ہوا تیس سال کے لیے"

بیان الفوائد :

افضلیت کی اس ترتیب کوملحوظ رکھا جائے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بالخصوص اور خلفاء اربعہ بالعموم فضل وشرف کے کس قدر بلند وبالا مقام پر فائز ہیں یہ امت پہلی امتوں سے افضل ہے اس کا قرنِ اول ساری امت سے افضل۔ قرنِ اول سے اہل حدیبیہ واہل بیعت رضوان افضل، ان سے افضل اہل بدران سے افضل اہل دارِ خیزران، ان سے افضل عشرہ مبشرہ ان سے افضل خلفائے اربعہ اوران سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم۔

گویا تفاضل کی جہت فوق کی طرف ترتیب میں آٹھویں نمبر پر افضل ترین ہیں۔ نیز فضیلت کا ذکر پہلے فرمایا اور خلافت کا بعد میں تو واضح ہوگیا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نزدیک افضلیت اصل ہے اور خلافت اس کی فرع ہے۔ جب آپ حسنی حسینی سید بھی ہیں اور غوثیت کبریٰ اور قطبیت علیا کے مالک ہیں اور دین متین کے عظیم مبلغ اور عظیم مدرس تو آپ کے نظریہ کوٹھکرانے کی جرأت کوئی رافضی ہی کرسکتا ہے کسی سنی کی کیا مجال؟

وجو استدلال:

علمائے کلام نے اس دعویٰ کی اجمالی دلیل بھی ذکر فرمائی اور تفصیلی دلائل بھی بیان فرمائے قرآن مجید سے بھی اور احادیث سے بھی اوراجماع کو بھی بطور دلیل پیش فرمایا، چنانچہ علامہ

سعد الدین التفتازانی علیہ الرحمۃ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

لنا اجمالا أن جمهور عظماء الملة و علماء الأمة أطبقوا على ذالكم و حسن الظن بهم يقتضي بأنهم لولم يعرفوه بدلائل و أمارات لما أطبقوا عليه و تفصيلا الكتاب و السنة و الأثر و الأمارات ۔

"ہمارے اس دعوے پر اجمالی دلیل یہ ہے کہ جمہور عظمائے ملت اور علمائے امت اس عقیدہ ونظریہ پر متفق ہیں اور ان کے ساتھ ہمارے حسن ظن کا تقاضا یہی ہے کہ اگر وہ حضرات اس عقیدہ ونظریہ کا دلائل وامارات کے ذریعے کامل عرفان اور اذعان حاصل نہ کر لیتے تو اس پر متفق نہ ہوتے تفصیلی طور پر دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار وامارات اس مدعا پر دلالت کرتے ہیں"

شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

على هذا وجدنا السلف و الظاهر أنه لولم يكن لهم على ذالك دليل لما حكموا بذالك ۔(شرح عقائد مع نبراس ص:486)

"ہم نے فضیلت کی اس ترتیب پر سلف صالحین کو پایا اور جزمی بات ہے کہ اگر ان کے پاس اس ترتیب فضیلت پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ اس طرح کا اعتقاد نہ رکھتے اور نہ اس کے ساتھ حکم کرتے"

قاضی عضد الملت والدین مواقف میں فرماتے ہیں:

لكنا وجدنا السلف قالوا بأن الأفضل أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم و حسن ظننا بهم يقتضي بأنهم لولم يعرفوا ذالك لما أطبقوا عليه فوجب علينا اتباعهم في ذالك القول و تفويض ما هو الحق فيه الى الله ۔(ص:744)

"لیکن ہم نے سلف صالحین کو پایا اور ان کا نظریہ معلوم کیا وہ فرماتے ہیں کہ سب سے

افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ ہمارے حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انہوں نے اس نظریہ اور عقیدہ کا کماحقہ عرفان نہ حاصل کر لیا ہوتا تو کبھی اس پر متفق نہ ہوتے ملھـذا ہم پر اس قول میں ان کی اتباع اور تقلید واجب ولازم ہے اور صورت حال واقعی کیا ہے اور فی الحقیقت حق کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا لازم اور ضروری ہے۔

راہ اسلاف کی اتباع کی اہمیت اور اسے ترک کرنے والوں کا انجام:

أقول:

راہِ اسلاف معلوم ہو جانے کے بعد اس کی تقلید ومتابعت ضروری ہے اور اپنے عقل ناقص اور فہم قاصر کے تحت کوئی فیصلہ کرنا اور اس راہ سے ہٹ کر نظریہ اپنانا ٹھیک نہیں ہے نماز میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے رہتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ "اے اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلا اپنے انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلا" اور قرآن مجید نے ان کا تعین فرما دیا ہے۔ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

"جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کرے تو وہ ان کی معیت ورفاقت میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین اور وہ بہت اچھے رفیق ہیں"

تو ان مقدس ہستیوں کا راستہ جو کہ منعم علیھم کا راستہ ہے اور صراط مستقیم ہے وہ معلوم ہو گیا تو اس کی اتباع اور پیروی لازم اور ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی مزاح واستہزاء والی صورت بن جائے گی کہ اُدھر اس راہ کی راہنمائی اور اس پر چلنے کی توفیق ہر نماز میں طلب کی جارہی ہے مگر ادھر اس راہ کو اپنانا گوارا نہیں ہے۔ اور کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ سلوک اور رویہ زیب نہیں دیتا۔

نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید اور تشدید بھی نظر انداز کرنا کسی مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء، 4:115)

"جو شخص رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر راہِ ہدایت واضح ہو چکی اور اتباع کرے مومنین کی راہ کے ما سوا کی تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت بری بازگشت ہے"

تنبیہ نبیہ:

اگرچہ مسئلہِ تفضیل میں بطورِ دلیل وحجت اجماعِ امت ہی کافی ہے لیکن علمائے اعلام کی اتباع وتقلید میں اس پر تفصیلی دلائل ذکر کرنے ضروری ہیں، کلامِ مجید سے، احادیثِ رسول ﷺ سے اور اہلِ بیتِ کرام علیہم الرضوان کے ارشادات سے، پھر مخالفین کے شکوک وشبہات اور اوہام ووساوس کا جواب ذکر کیا جائے گا تو ان دلائل کو مختلف ابواب میں بیان کیا جائے گا چنانچہ بابِ اول میں آیاتِ کلامِ مجید سے استشہادات پیش کیے جاتے ہیں۔

الباب الاول

افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ از روئے آیاتِ کریمہ

الآیۃ الاولیٰ :

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ۔(اللیل،93 17,18,19,20,21)

ترجمہ:

"اور عن قریب دوزخ کی بھڑکتی آگ سے دور رکھا جائے گا جو بہت بڑا متقی ہے جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ حاصل کرنے کے لیے اور نہیں ہے کسی بھی شخص کا اس کے ہاں کوئی احسان جس کی (مال خرچ کر کے) جزا دی جاتی ہو لیکن اس کا مقصدِ وحید صرف اور صرف رب اعلیٰ کی ذات اقدس کی رضا کا طلب کرنا ہے اور وہ ضرور اپنے رب سے راضی ہوگا اور رب اعلیٰ ضرور بالضرور اس سے راضی ہوگا"

وجہِ استدلال:

"الاتقی" کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور جو اتقی ہو وہ عند اللہ اکرم ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات،49:13)

تو لامحالہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عند اللہ (بعد از انبیاء) بزرگ تر اور افضل ترین ہیں کیونکہ ان کلماتِ قدسیہ میں عموم کا کوئی صیغہ نہیں ہے تو لامحالہ اس کا مصداق صرف اور صرف ایک مرد ہی ہو سکتا ہے اور آیت کریمہ کے سیاق وسباق سے واضح ہو جاتا ہے کہ

وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔اب علمائے کرام کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(1) علامہ سعدالدین تفتازانی m کا استدلال:

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

أما الكتاب فقوله تعالى وسيجنبها الاتقى۔ (الآية) فالجمهور على أنها نزلت في أبي بكر رضى الله عنه والاتقى أكرم لقوله تعالى ان اكرمكم عندالله اتقاكم ولا يعنى بالا فضل الا الأكرم وليس المراد به عليا لان للنبي ﷺ عنده نعمة تجزىٰ وهى نعمة التربية۔ (شرح مقاصد جلد ۲ ص ۲۹۸)

افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر کتاب اللہ سے دلیل قولِ باری تعالیٰ وسیجنبها الاتقى (تا) ولسوف یرضٰی ہے کیونکہ جمہور اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے (جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو الاتقٰی کہا گیا) اور جو سب سے بڑا صاحبِ تقویٰ ہے وہی بڑا عزت وشرف والا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "بے شک تم سب میں سے زیادہ عزوشرف والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو سب سے بڑا متقی ہے" اور افضل سے وہی اکرم ہی مراد ہوتا ہے اور الاتقٰی سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے ان پر نعمت ہے جس کی جزاء دی جانی چاہیے اور وہ ہے نعمتِ تربیت۔(علامہ تفتازانی کی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

بیان فوائد:

(1) الاتقٰی سے فردِ واحد مراد ہونے والا احتمال ذکر کیا ہے عموم کا وہم اور شائبہ ہی پیدا نہیں ہونے دیا جس سے عموم کے قائلین کے قول کا بطلان واضح ہو جاتا ہے الاتقٰی کے مصداق میں دو ہی احتمال ہیں، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہوں یا حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ، لیکن

حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ مراد ہونا قولِ باری تعالیٰ وما لاحد عنده من نعمة تجزی کی رو سے جائز نہیں، کیونکہ صغرسنی میں ان کو نبی رحمت ﷺ نے جناب ابو طالب سے لے لیا اور خود ان کی ہر طرح پرورش فرمائی اور آپ ﷺ ان کے لیے بمنزلہ والد ہو گئے اور ان کا حق تربیت ادا کرنا ضروری ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بنی اسرائیل، 23:17) ہدایت وارشاد کی نعمت آپ کی طرف سے سب اہل ایمان پر ہے مگر اس کی جزاء اللہ تعالیٰ کے سوا دے ہی کون سکتا ہے؟ لہذا آیت کریمہ سے صرف دنیوی نعمت مراد ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے پائی گئی ہے۔

(2) ترتیبِ خلافت اور ترتیبِ افضلیت میں مناسبت کیا ہے؟ اور بحثِ خلافت کے بعد بحثِ افضلیت کے درپے ہونے کا موجب کیا ہے؟ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا:

لما ذهب معظم أهل السنة و كثير من الفرق الى أنه يتعين للامامة أفضل أهل العصر الا اذا كان فى نصبه حرج و هيجان فتن احتاجوا الى بحث الأفضلية ۔

"جب معظم اہل سنت اور بہت سارے فرقِ اسلامیہ اس طرف چلے گئے کہ امامت کے لیے وہی شخص متعین ہوتا ہے جو اپنے اہل زمان سے افضل ہو مگر یہ کہ اس کے نصب کرنے میں باہم افتراق و انتشار اور فتنوں کے ابھرنے کا اندیشہ ہو (تب مفضول کو بھی اس منصب پر متعین کیا جا سکتا ہے) تو اس وجہ سے افضلیت کی بحث کی طرف محتاج ہوئے"

اور ظاہر ہے کہ خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تقرر فتنہ و فساد کا موجب کیسے ہو سکتا تھا جبکہ ان کے نصب کردہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہوا اور نہ ہی ان کی مقرر کردہ کمیٹی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کرنے میں کوئی فتنہ رونما ہوا پس ثابت ہو گیا کہ اہل السنت کی عظیم اکثریت اور جمہور فرق اسلامیہ کے نزدیک ...

سے افضل ہونا ضروری ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت شک وشبہ سے بالاتر ہوگئی۔

(3) مواقف اوراس کی شرح میں فرمایا:

المقصد الخامس فی أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ وهو عندنا وعند أكثر قدماء المعتزلة أبوبكر رضى الله عنه وعندالشيعة وأكثرمتاخرى المعتزلة على رضى الله عنه- لنا وجوه الأول قوله تعالى وسيجنبها الاتقى الذى يوتى ماله يتزكى- قال أكثر المفسرين وقد اعتمد عليه العلماء انها نزلت فى أبى بكر فهو أتقى ومن هو أتقى فهو أكرم عندالله لقوله تعالى ان أكرمكم عندالله أتقاكم وهو أى الأكرم عندالله هو الأفضل فابوبكر أفضل ممن عداه من الأمة وأيضا فقوله تعالى وما لاحد عنده من نعمة تجزى يصرفه عن الحمل على علىّ رضى الله عنه اذ عنده نعمة التربية ـان النبى ﷺ ربى عليا وهى نعمة تجزى واذا لم يحمل عليه تعين أبوبكر بالاجماع على أن ذالك الاتقى هو أحدهما لا غير- (ص ۷٤۱)

ترجمہ:

''مقصدِ خامس، اس امر کی تحقیق میں ہے کہ رسول محتشم ﷺ کے بعد افضل شخص کون ہے؟ تو ہمارے نزدیک اور اکثر معتزلہ کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شیعہ اور اکثر متاخرین معتزلہ کے نزدیک علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ۔ ہمارے دعویٰ کے لیے کئی وجوہِ استدلال ہیں پہلی دلیل اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے و سیجنبھا الاتقی الخ ہے'' دوزخ کی دہکتی آگ سے دور رکھا جائے گا اس شخص کو جو بہت بڑا متقی ہے جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ اور طہارت قلب حاصل کرنے کے لیے''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین کا قول ہے اور اسی پر تمام علمائے کرام کا اع

ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، اور جو الاتقی ہو وہی اکرم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے" بے شک تم میں سب سے اکرم اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو اتقیٰ ہے" یعنی تقویٰ کے اعلیٰ ترین مرتبہ و مقام پر فائز ہے اور جو شخص عنداللہ اکرم ہے وہی افضل ہے، لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امتِ محمدیہ میں سے سب سے افضل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اس کے ہاں کسی کی نعمت نہیں ہے جس کی جزاء دی جاتی ہو اس آیتِ کریمہ کے حضرت علی مرتضیٰ پر منطبق کرنے اور انہیں اس کا مصداق بنانے کے خلاف ہے کیونکہ ان کے اوپر نبی رحمت ﷺ کی نعمت تربیت محقق اور ثابت ہے۔ بے شک نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کو صغر سنی اور بچپن میں پالا پوسا اور یہ نعمت ہے جو جزاء اور بدلہ دیے جانے کے لائق ہے۔ جب اس آیتِ مبارکہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انطباق درست نہ ہوا تو اس کے مصداق کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق متعین ہو گئے کیونکہ اس پر اہلِ علم حضرات کا اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکور الاتقی کا مصداق ان دو حضرات میں سے فقط ایک شخص ہے نہ ماسوا۔ لہٰذا حضرت صدیق ہی الاتقیٰ کے مصداق ٹھہرے" (ترجمہ مکمل ہوا)

اقول :

یہاں کچھ امور توجہ کے خاص مستحق ہیں

(الف) جب اس امر پر اجماع ہے کہ الاتقی سے مراد شخص واحد ہی ہے اس میں تعدد اور عموم نہیں ہے اور حضرت صدیق یا حضرت مرتضیٰ ہی اس کا مصداق بننے کے اہل ہیں لیکن ساتھ مذکور قول باری تعالیٰ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی نے حضرت علی مرتضیٰ کے مراد ہونے والے احتمال کو ختم کر دیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات کا ہی مراد ہونا متعین ہو گیا اور آپ کا افضل الامت ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ اور الاتقی تقی کے معنیٰ میں لے لینا اور اسے عام بنا دینا جب اجماع کے خلاف ہے تو اس قول کا کیا جواز ہو گا۔ نیز اتقیٰ سے تقی

مراد لینا مجاز ہے اور جب تک حقیقت متعذر نہ ہو تو مجاز کی طرف رجوع کا کوئی جواز نہیں ہوتا، لہذا منکرین کو پرخلوص دعوت ہے کہ وہ حقیقت کی طرف رجوع کریں اور اسی پر ثابت قدم رہیں۔ مجاز سے اجتناب کو لازم سمجھیں۔ مزید تحقیق آئندہ مذکور حوالہ جات سے سامنے آجائے گی اور اوہام وساوس کا غبار چھٹ جائے گا۔

(ب) افضلیت میں تقابل شیعہ اور اہل سنت کے درمیان ہے تو جو سنی ہونے کا مدعی بھی ہو اور مولائے مرتضی کو حضرت صدیق اکبر سے افضل بھی سمجھے تو وہ عملی منافقت کا شکار ہے اور دھوکا باز ہے، لہذا ایسے لوگوں سے اجتناب بھی لازم اور ان کی حقیقت بھی لوگوں پر واضح کرنا ضروری ہے۔

میر سید m کا استدلال:

میر سید m نے شرح مواقف میں اس قول باری تعالیٰ سے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی، وسيجنبها الاتقىٰ الذى يوتى ماله يتزكىٰ وما لاحد عنده من نعمة تجرى کے تحت فرماتے ہیں:

قال أكثر المفسرين وقد اعتمد عليه العلماء انها نزلت فى أبى بكر وهو أتقى ومن هو أتقى هو أكرم عندالله تعالى لقوله تعالى ان اكرمكم عندالله اتقاكم وهو اى الأكرم عندالله اتقاكم هو الأفضل فأبوبكر أفضل ممن سواه من الأمة وأيضا قوله تعالى وما لاحد عنده من نعمة تجزى يصرفه عن الحمل على علىّ رضى الله عنه اذ عنده نعمة التربية فان النبىّ عليه السلام ربى عليا وهى نعمة تجزى و اذالم يحمل عليه تعين أبوبكر للاجماع على أن ذالك الأتقى هو أحدهما لاغير۔

(شرح مواقف ص ٤١٧)

”اکثر مفسرین فرماتے ہیں اور اس پر علمائے کرام کا اعتماد ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور آپ سب سے بڑے متقی ہیں اور جو سب سے بڑا متقی ہو وہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت فضیلت و کرامت والا ہے کیونکہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے "بے شک تم میں سب سے عزت و فضیلت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا متقی ہے" اور جو اکرم ہے وہ افضل ہے اس امت سے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور اجابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اس کے ہاں کسی کی نعمت نہیں ہے جس کی جزا دی جاتی ہو اس آیت کریمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنے اور انہیں اس کا مصداق بنانے کے خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت تربیت محقق اور ثابت ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صغر سنی اور بچپن میں پالا پوسا اور یہ نعمت ہے جو جزا اور بدلہ دیے جانے کے لائق ہے تو جب اس آیت مبارکہ کا حضرت علی پر انطباق درست نہ ہوا تو اس کے مصداق کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق متعین ہو گئے کیونکہ اس پر اہل علم حضرات کا اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکور الاتقی کا مصداق ان دو حضرات میں سے فقط ایک شخص ہے نہ ماسوا"

امام رازی m کا فرمان:

قال الامام الرازی: اجمع المفسرون منا علی أن المراد منه أبوبکر رضی الله عنه

"ہمارے تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی"

مزید فرماتے ہیں:

فنقول لابد أن یکون المراد به أبابکر لأن الأمة مجمعة علی أن أفضل الخلق بعد رسول الله اما أبوبکر أو علی رضی الله عنهما ولا یمکن حمل هذه الآیة

علی علی بن أبی طالب فتعین حملها علی أبی بکر و انماقلنا انه لایمکن حمله
علی علی بن أبی طالب لأنه قال فی صفة هذا الاتقیٰ "وما لأحد عنده من نع
تجزیٰ "وهذا الوصف لایصدق علی علی بن أبی طالب لأنه کان فی تربیة النبی
ﷺ لأنه أخذه من أبیه وکان یطعمه و یسقیه و یکسوه و یربیه و کان الرسول ﷺ
منعما علیه نعمة یجب جزاءها أماابوبکرفلم یکن للنبی علیه السلام علیه نع
دنیویة بل أبوبکرینفق علی الرسول علیه السلام بل کان للرسول علیه السلام ع
نعمة الهدایة والارشاد الی الدین الا ان هذا لا یجزی لقوله تعالی ماأسألکم علیه م
اجروالمذکورهٰهنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی فعلمنا أن هذه الآیة لا تص
لعلی بن أبی طالب واذا ثبت أن المراد بهذه الآیة من کان أفضل الخلق وثبت أ
ذالك الأفضل من الأمة اما أبوبکرأوعلی وثبت أن الآیة غیرصالحة لعلی تع
حملها علی أبی بکر رضی اللہ عنه وثبت دلالة الآیة أیضا علی أن أبابکر أفض
الأمة۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۱۸۸)

"جب یہ بات صحیفۂ خاطر پر منتقش ہوگئی کہ جو الاتقی کا مصداق ہے و
اکرمکم ہونے کے اعزاز و امتیاز کا مالک ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ الاتقی سے مراد ابوبکر صد
رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مقدسہ ہونا لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے افض
الخلق رسول گرامی ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق ہیں ہمارے اس دعویٰ (کہ حضرت علی پر اس
منطبق کرنا ممکن نہیں) کی دلیل یہ ہے اس الاتقی کی صفت یہ ذکر کی گئی ہے کہ کسی کی طرف س
اس پر ایسی نعمت نہیں جس کی جزا دی جارہی ہے اور یہ صفت اور تقیید مولائے مرتضی رضی الل
عنہ پر سچی نہیں آتی کیونکہ وہ رحمتِ دوعالم ﷺ کے زیرِ تربیت رہے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ
نے جنابِ ابوطالب سے ان کو بچپن میں ہی لے لیا اور ان کو کھلاتے پلاتے تھے اور لباس پہنات

تھے اور پرورش وتربیت فرماتے تھے اور رسول کریم ﷺ ان کے لیے منعم ومحسن تھے جس انعام و احسان کی جزا ان کے ذمہ واجب الادا تھی، لیکن ابوبکر صدیق پر رسول محتشم ﷺ کی دنیوی نعمت کسی طرح کی نہیں تھی بلکہ حضرت صدیق اپنا مال ومتاع آپ کی ذات پاک پر نثار کیا کرتے تھے ہاں بلکہ رسول معظم ﷺ کا ان پر ہدایت وارشاد والا عظیم احسان وانعام تھا مگر یہ وہ نعمت ہے جس کی بندوں کی طرف سے جزا دی ہی نہیں جاسکتی کما قال اللہ تعالیٰ ''میں تم سے اس ہدایت و ارشاد پر کسی اجر کا سوال اور مطالبہ نہیں کرتا'' اور یہاں جو نعمت مذکور ہے وہ مطلق نعمت نہیں ہے بلکہ ایسی نعمت کہ جس کی جزا دی جاسکتی ہو (بلکہ جزاء دینا واجب ہو کماقال تعالیٰ بالوالدین احسانا اور آنحضرت بھی ان کے لیے والد کی مانند تھے) لہٰذا معلوم ہوگیا کہ یہ آیت حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر صدق کی صلاحیت نہیں رکھتی اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کا مصداق وہ ہے جو افضل الخلق ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ اس امت میں سے افضل ترین شخص ابوبکر صدیق ہیں یا علی المرتضی رضی اللہ عنہما اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی پر انطباق کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے تو اس کا حضرت ابوبکر صدیق پر منطبق ہونا متعین ہو گیا اور فقط وہی اس کا مصداق ہونے کے لیے مختص ہو گئے تو اس آیت کریمہ کی اس امر پر دلالت ثابت ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل الامۃ ہیں''

(یہاں تک امام رازی کی عبارت کا مفہوم مکمل ہوگیا)

فائدۂ عظیمہ :

کلام امام جو کہ امام الکلام ہے اس سے واضح ہو چکا کہ الاتقی عموم کا صیغہ نہیں ہے اور تقی کا معنی مراد لینا جو کہ سراسر مجاز ہے درست نہیں ہے کیونکہ الاتقیٰ تفضیل کل کا صیغہ ہے اور اس کا مصداق صرف ایک فرد ہو سکتا ہے کیونکہ سب سے بڑا ایک ہی ہوتا ہے اور مجاز کی طرف عدول، ضرورت اور مجبوری کے تحت ہوتا ہے جب کہ یہاں قطعاً کوئی ضرورت اور مجبوری نہیں

ہے۔ کیونکہ دیگر محسنین کے ثواب وجزا پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات موجود ہیں جو مفہوم
مخالف مراد ہونے کے توہم کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کے لیے کافی ووافی ہیں۔

وجہ دلالت کلام امام میں یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ
افضل الامت ابوبکر صدیق ہیں یا علی المرتضی رضی اللہ عنہما تو اگر یہ صیغہ اسم تفضیل کل کا نہ ہوتو پھر
اس اجماع مرکب سے یہاں پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ (فافهم و تدبر)

فائدۂ ثانیہ :

بقول امام جب امت کا اس پر اجماع ہے کہ افضل الخلق اور اکرم الامم ابوبکر صدیق
ہیں یا علی مرتضی رضی اللہ عنہ تو اس اجماع مرکب کی مخالفت کرتے ہوئے ہر ایک کو حق دے دینا
کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے جس کو چاہے افضل مان لے اور دلیل یہ دینا کہ "صحابہ کرام
کے اقوال اس معاملہ میں مختلف ہیں بعض ایک صحابی کو افضل مانتے ہیں تو بعض دوسرے کو اور نبی
مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اتباع کرلو گے
ہدایت پاجاؤ گے" جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس بدعت کا اختراع کیا ہے، یہ روش کیسے
درست ہوسکتی ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اجماع کی مخالفت ضلالت وگمراہی ہے اور دخول نار
کی موجب، حتی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی خبر واحد بھی اجماع کے مخالف ہو تو اس کی تاویل
واجب ہے بصورتِ دیگر اس کا ترک کرنا ضروری ہے چہ جائے کہ کسی صحابی کی طرف منسوب قول
کے مقابل اجماع کو پرکاہ کی حیثیت نہ دی جائے۔ العیاذ باللہ تعالی

مزید تفصیل حجیتِ اجماع کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

(آیہ مذکورہ میں عموم کا وہم) ایک توہم اور اس کا ازالہ:

یہاں پر بعض لوگوں نے اس ظن وگمان اور وہم وسوسہ کا اظہار کیا ہے کہ اگرچہ مفسرین کی

اجماع اس امر پر ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی لیکن یہ بھی مسلم حقیقت ہے کہ شانِ نزول میں آیات منحصر نہیں ہوا کرتیں ورنہ بہت سی آیاتِ احکام اور آیات حدود و قصاص سے استدلال باطل ہو کر رہ جائے گا کیونکہ وہ کسی نہ کسی شخص کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے سے ان کی ذات کے ساتھ اس کا اختصاص ثابت نہیں ہوسکتا۔

جواباً گزارش یہ ہے کہ خصوصِ مورد اور شانِ نزول کا اعتبار اس وقت نہیں ہوتا جب کہ عموم کا صیغہ ہو، نہ کہ ہر حال میں اسکو عام کر دیا جائے گا مثلاً تبت یدا ابی لھب وتب (الآیة) کا مورد اور محلِ نزول نبی مکرم ﷺ کا چچا ہے اس نے نبی مکرم ﷺ کی طرف سے دعوتِ توحید و رسالت پر آپ سے کہا تھا تبالك الهذا دعوتنا تو اس کے خبیث قول کے رد میں اور حبیب کریم ﷺ کی طرف سے جوابی کاروائی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی، کیا یہاں عموم کا قول کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح قرآن مجید میں وارد ہے فلما قضى زيد منها وطرا زوجنا كها (الاحزاب، 37:33)، اس میں عموم قطعاً نہیں، کیونکہ دونوں جگہ خاص خاص اشخاص کے حق میں ان آیات کا نزول پایا گیا ہے جب کہ اس جگہ بھی خاص شخص کے بارے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا اور تعیین و تشخیص جس طرح اسم علم یا کنیت کے ساتھ ہوسکتی ہے اوصاف کے ذریعے بھی ہوسکتی ہے جو کہ تفضیل کل کا صیغہ ہے اور اس کا مصداق فردِ واحد ہونا لازم ہے۔

آیئے عظیم مفسر اور آیاتِ کریمہ کے مواردِ نزول سے کماحقہ آگاہ اور ان میں کامل وثوق و اعتماد رکھنے والی شخصیت کے حوالے سے ہم اس دعویٰ کو مدلل اور مبرہن انداز میں بیان کرتے ہیں اور آپ حضرات سے سماعِ قبول اور اعترافِ حق کی امید رکھتے ہیں۔

فرمایا: تنبیہ: قد علمت مما ذكر أن فرض المسئلة في لفظ له عموم اما آية

نزلت في معين ولا عموم للفظها فانها تقصر عليه قطعا كقوله تعالٰى وسيجنبها الأتقى الذي يوتى ماله يتزكى فانها نزلت في أبي بكر الصديق بالاجماع وقد استدل بها الامام فخر الدين الرازي مع قوله ان اكرمكم عندالله اتقاكم على أنه أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ ووهم من ظن أن الآية عامّة في كل من عمل عمله اجراء له على القاعدة وهذا غلط فان هذه الآية ليس فيها صيغة عموم اذالالف واللام انما تفيدالعموم اذا كانت موصولة أومعرفة في جمع زاد قوم أو مفرد بشرط أن لايكون هناك عهدواللام في الاتقى ليست موصولة لأنها لاتوصل بأفعل التفضيل اجماعا والاتقى ليست جمعا بل هو مفرد والعهد موجود خصوصا مع ما يفيده أفعل من التميز وقطع المشاركة فبطل القول بالعموم و تعين القطع بالخصوص والقصر علىٰ من نزلت فيه رضي الله عنه۔(اتقان جلد١ ص ٣٠)

تحقیق تو نے جان لیا اس سے جو قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے (شان نزول میں اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا) کہ یہ مسئلہ مفروض اس صورت میں ہے جہاں لفظ میں عموم ہو لیکن وہ آیت جو ایک معین شخص میں نازل ہوئی ہو اور اس میں لفظ کے لحاظ سے عموم نہ ہو تو وہ لامحالہ اسی شخص پر مقصور اور اس میں منحصر ہوگی جیسے کہ قول باری تعالیٰ ہے وسیجنبها الاتقى الذي يوتى ماله يتزكى کیونکہ یہ بالاجماع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور امام فخر الدین رازی نے اس کے ساتھ قول باری تعالےٰ ان اكرمكم عندالله اتقاكم کو ملا کر حضرت صدیق اکبر کے رسول گرامی ﷺ کے بعد افضل الناس ہونے پر استدلال کیا ہے (اور عقیدہ اہل سنت أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام ابوبكر ن الصديق رضی اللہ عنہ کو ثابت کیا ہے)

وہ لوگ وہم و وسوسہ سے دوچار ہیں جنہوں نے گمان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ہر اس

شخص کو شامل ہے جو ان جیسا عمل کرے اس آیتِ کریمہ کو اس قاعدہ پر جاری کرتے ہوئے کہ اعتبار عمومِ لفظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوصِ مورد کا اور شانِ نزول کا اس آیت میں عموم تسلیم کر لینا یہ سراسر غلط خیال اور بے بنیاد توہم ہے کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں عموم والا صیغہ اور لفظ ہی نہیں کیونکہ الف لام عموم کا فائدہ اس وقت دیتا ہے جبکہ موصولہ ہو (جس طرح السارق والسارقة میں اور الزانية والزاني میں موصولہ ہے مفید عموم ہے) یا تعریف کا ہو اور جمع کے صیغہ پر داخل ہو (جیسے قد افلح المومنون) اور بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ تعریف کے لیے ہو اور مفرد پر داخل ہو بشرطے کہ وہاں پر معہود فرد مراد نہ ہو جبکہ الاتقیٰ میں مذکور الف لام موصولہ بھی نہیں ہے کیونکہ بالاتفاق والاجماع اس کا صلہ اسم تفضیل نہیں آسکتا اور الاتقی جمع کا صیغہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ مفرد ہے اور عہد موجود ہے بالخصوص صیغہ افعل التفضيل جو کہ تمیز کامل اور قطع مشارکت کا فائدہ دیتا ہے (کیونکہ تفضیل بعض کے لیے ہو تو من کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور الف لام یا اضافت کے ساتھ مستعمل ہو جیسے زيد الافضل یا زيد افضل القوم تو تفضیل کل والے معنیٰ میں ہوتا ہے تو جب سب سے بڑا متقی فرد مراد ہوا تو اس میں مشارکت کا احتمال کہاں ہو سکتا ہے جیسے قولِ باری تعالیٰ اکرمکم میں شرکت اور عموم کا اعتبار ممکن نہیں ہے)

لہٰذا اس آیتِ کریمہ میں عموم کا قول باطل ٹھہرا اور خصوص کے ساتھ قطع اور یقین حاصل ہو گیا اور قصر و انحصار اس ارشادِ باری کا اسی ذات میں ثابت ہو گیا جن کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی الاتقی کا مصداق ہیں اور وہی اکرم الناس عند اللہ ہیں۔ والحمدللہ علیٰ ذالك۔

سوال:

یہاں عموم کا قرینہ موجود ہے کیونکہ اشقی شقی کے معنی میں ہے اور القی تقی کے معنی میں ہے کیونکہ دوزخ میں صرف وہی داخل نہیں ہو گا جو سب سے بڑا شقی ہو گا بلکہ سبھی کافر

ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ شقی ہیں اور دوزخ سے بچاؤ صرف سب سے بڑے متقی کو حاصل نہیں ہوگا بلکہ ہر مومن صالح کو یہ شرف حاصل ہوگا تو ماننا پڑے گا کہ یہاں اسم تفضیل کے صیغے ظاہری اور اصلی معنیٰ پر محمول نہیں ہیں تو جس طرح شقی مراد لینے سے سارے کافر اس آیت میں داخل ہو گئے تقی والا معنیٰ مراد لینے سے سارے مومن صالح اس میں داخل ہو گئے۔

جواب:

علامہ زمخشری نے اس توہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا:

قلت الآية واردة في الموازنة بين حالتي عظيم من المشركين وعظيم من المومنين فأريد أن يبالغ في صفتيهما المتناقضتين فقيل الاشقى وجعل مختصا بالصلى كان النار لم تخلق الا له و قيل الاتقى وجعل مختصا بالجنة كان الجنة لم تخلق الاله۔ (الکشاف جلد ٤ ص ٧٦٤)

"میں کہتا ہوں کہ یہ آیتِ کریمہ وارد ہے واسطے موازنہ اور مقابلہ بیان کرنے کے درمیان بہت بڑے مشرک کے اہل شرک میں سے اور اہل ایمان میں سے عظیم مومن کی دو حالتوں کے درمیان جو باہم متناقض ہیں پس ارادہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی متناقض حالتوں اور صفات میں مبالغہ کیا جائے تو کہا گیا الاشقی اور اس کو مختص ٹھہرایا گیا صلی (دخول نار) کے ساتھ گویا کہ دوزخ کی آگ نہیں پیدا کی گئی مگر اسی کے لیے اور کہا گیا الاتقی اور اس کو آتش دوزخ سے نجات کے ساتھ مختص ٹھہرایا گیا، گویا کہ جنت نہیں پیدا کی گئی مگر اسی کے لیے لہذا یہاں الاتقی کے لفظ کے اپنے معنیٰ حقیقی سے عدول اور مجازی معنیٰ میں استعمال کی گنجائش نہیں ہے"

فائدہ:

علامہ زمخشری معتزلی ہے اور معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں شیعہ کے ساتھ موافق ہیں لیکن اس نے الاتقی کے مصداق کے طور پر صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ (الحق یعلوولا یعلی علیہ) حضرت صدیق کا افضل ہونا مسلم حقیقت ہے اور خود مولائے مرتضٰی کے ارشادات اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہاں بھی یہی امر معروف و مشہور تھا اور وہ اس پر متفق اور متحد تھے۔

روایت و درایت کی شہادت، اوّل:

تقوی کے تین مرتبے ہوتے ہیں اور یہ کلی مشکک ہے نہ کہ متواطی جس میں قدر مشترک ہے التجنب عما یوثم "گناہگار کرنے والے امور سے دوری اور اجتناب" جس کی پہلی صورت ہے ایمان بالتوحید والرسالۃ جس کے ذریعے خلود فی النار سے تحفظ حاصل ہوتا ہے دوسری صورت ہے ایمان اور اعمال صالحہ جن کا ثمرہ ہے دخول فی النار سے تحفظ یعنی سرے سے دوزخ میں داخل ہی نہ ہونے پائے اور تیسرا درجہ ہے خیال غیر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا کیونکہ اعلیٰ مقام عرفان کا اور بلند تر درجہ ایقان کا یہ ہے کہ خیال غیر سے بھی صحن قلب کو صاف و شفاف رکھا جائے اور اس کو تحلیٔ خداوند تعالی کے لیے اہل اور مستعد بنا دیا جائے کما ورد: قلب المومن عرش اللہ مومن کا دل عرش خداوند تعالے ہے اور اس مقام پر بھول کر بھی غیر کی طرف التفات کو کفر و ارتداد اور شرک اکبر سمجھا جاتا ہے جیسے کہ حضرت ابن الفارض فرماتے ہیں: لو خطرت لی فی سواك ارادة بسهو حکمت بردتی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلا درجہ تو بچپن سے حاصل تھا بلکہ مانند خلیل علیہ السلام بت شکن بن چکے تھے اور دوسرا درجہ بحیرہ راہب کے اس انکشاف پر آپ کو حاصل ہو چکا تھا کہ یہ ہستی منصب نبوت

پر رحمۃ للعالمین والی شان کے ساتھ جلوہ گر ہونے والی ہے اور تیسرے مرتبہ کے حصول بلکہ اس میں کما حقہ متمکن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اپنا سب کچھ بلکہ اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی ملکیت میں دیا ہوا ہے اور عندالطلب بدن پر کوئی اچھا کپڑا بھی باقی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے والے غلاموں کو لونڈیوں کو منہ مانگی دولت کفار کو دے کر خرید لیتے ہیں اور پھر آزاد کر دیتے ہیں اور کوئی دنیوی نفع ان سے حاصل نہیں کرتے، بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہی ان کے پیش نظر ہوتا تھا اور محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خوشنودی اور گھر والوں کے لیے چھوڑا تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کو کما قال ابقیت لھم اللہ و رسولہ علیہ السلام۔

لہٰذا ان حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے الاتقی کو اپنے حقیقی معنی و مفہوم کی بجائے مجازی معنی پر حمل کرنا کیونکر ضروری سمجھا گیا ہے؟ جبکہ اس مجاز میں بھی پھر مجاز کا ارتکاب کرنا پڑے گا کیونکہ مومن فاسق بھی تقوی کے پہلے درجہ پر فائز ہوتا ہے مگر وہ تو بھڑکتی دوزخ کی آگ میں داخل ہو بھی سکتا ہے اور کئی بالفعل داخل ہوں گے بھی سہی، تو لامحالہ پھر متقی کامل مراد لینا پڑے گا یا تجنب سے مراد تجنب کامل لینا پڑے گا تاکہ پہلے درجہ والا متقی یہاں داخل نہ ہونے پائے تو ان تکلفات کی ضرورت ہی نہیں اور قاعدہ جب یہی ہے کہ جب تک لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ممکن ہو مجاز کی طرف عدول نہیں کرنا چاہیے تو حقیقت کا ارادہ متعین ہو گیا اور مجاز کا جواز ختم ہو گیا تاکہ پہلے درجہ والا متقی یہاں داخل نہ ہونے پائے۔

سوال:

تقوی کے اعلیٰ مقام میں فنا فی اللہ اور بقاء باللہ یا سیر فی اللہ معتبر ہوتی ہے اور تم نے اس کو فنا فی الرسول اور بقاء بالرسول پر محمول کر دیا ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے؟

جواب:

اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ میں معاملات کے لحاظ سے وحدت ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی- وقال اللہ تعالیٰ: ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ -- وقال اللہ تعالیٰ: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ آپ کا مارنا فقط اللہ تعالیٰ کا مارنا اور آپ کی بیعت فقط اللہ تعالیٰ کی بیعت اور آپ کی اطاعت فقط اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اس لیے یہاں بھی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے درمیان تفرقہ کا کوئی جواز نہیں ہے اور فناء فی الرسول اور بقاء بالرسول یا فنا فی اللہ اور بقا باللہ ایک ہی شی ہے-

تنبیہ:

جن حضرات نے الاتقی کو تقی کے معنی میں لیا ہے اور اس میں عموم پیدا کیا ہے تو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان صفات کمال اور اختصاصات کے ساتھ اتصاف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں اور مقدم وسابق ہیں تو گویا انہوں نے الاتقی میں عموم المحاز کا ارتکاب کیا ہے جس میں حقیقت اولین فرد ہوا کرتی ہے تو اس تقدیر پر بھی امام رازی علیہ الرحمۃ کے استدلال اور امام جلال الدین سیوطی کی طرف سے بھرپور تائید وتصدیق اور علامہ زمخشری جیسے ماہر فنون کی تائید وتقویت کے بعد ان حضرات کے عموم المحاز والے قول سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور حضرت صدیق کا اتقی ہونا بھی مسلم اور عنداللہ اکرم الامم ہونا بھی تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے- یہ اس طرح کا مجاز نہیں جس میں حقیقت داخل نہ ہو سکے جیسے کہا جائے: اسد فی الحمام تو یہاں پر اس سے مراد بہادر انسان ہی ہوگا جنگلی شیر مراد نہیں ہو سکتا لیکن یہاں یہ صورت حال نہیں ہے بلکہ عام مومن صالح سے لیکر صلاح وتقوی کے آخری مقام پر فائز حضرات تک سبھی اس میں داخل ہوں گے بلکہ اکمل واعلیٰ تقوی والے بطریق اولیٰ

فافهم و تدبر—

جس طرح رسالت ونبوت میں اشتراک درجات ومراتب میں مساوات کو مستلزم نہیں ہے تو ایمان وتقوی میں اشتراک درجات ایمانی اور مراتب تقوی میں برابری کے موجب کیونکر ہوسکتے ہیں؟ هذا ما عندی والله ورسوله اعلم

و سیجنبها الاتقی میں دعویٰ عموم بحسب المعنی اور اس کا ردِ بلیغ:

شیخ شمس الدین جوجری نے ایک استفتاء کے جواب میں کہا ان الآية وان نزلت فی أبی بکر فانها عامة المعنی اذالعبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب—

"آیتِ کریمہ اگرچہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے، پس تحقیق وہ معنی کے لحاظ سے عام ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص سبب اور شان نزول کا"

امام سیوطی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقلت هذا شان من یلقی نفسه فی کل واد والرجل فقیه فماله یتکلم فی غیر فنه وهذه المسئلة تفسیریة وحدیثیة واصولیة وکلامیة ونحویة فمن لم یکن متبحرا فی هذه العلوم الخمسة لم یحسن التکلم فی هذه المسئلة

"میں کہتا ہوں کہ ایسا قول کرنا ایسے ہی شخص کا کام ہے جو اپنے آپ کو ہر وادی میں دھکیلنے والا ہو (ہر پھٹے میں ٹانگ اڑانے والا ہو) یہ شخص فقیہ ہے تو اسے دوسرے فن میں کلام کرنے کا (بغیر اس کے متعلق مہارت رکھنے والوں کی اتباع کے) کیا حق تھا؟ یہ مسئلہ تفسیر وحدیث اور اصول فقہ وکلام اور علوم نحو سے تعلق رکھتا ہے تو جو شخص ان پانچ علوم میں مہارت تامہ نہ رکھتا ہو اس کو اس مسئلہ میں کلام کرنا زیب نہیں دیتا اور نہ وہ اچھی طرح اس میں کلام کرسکتا ہے"

(۱) جب یہ مسئلہ تفسیر یہ ہے تو مفسرین کرام کی آراء حاصل کرنا ضروری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے اور تفاسیر میں سے ابن جریر وغیرہ کی

تفسیروں کو دیکھنا ضروری تھا تاکہ راجح تفسیر کونسی ہے اور مرجوح کونسی ہے اس کی معرفت حاصل ہوسکتی۔

(۲) جب کلامیہ مسئلہ ہے تو امام رازی ودیگر متکلمین کا ذخیرہ کتب کھنگالنا لازم تھا تاکہ معلوم ہوسکتا کہ انہوں نے اسی آیتِ کریمہ سے حضرت صدیق کی افضلیت پر کس طرح استدلال کیا ہے، جیسے کہ شیخ ابوالحسن اشعری، ابن فورك، باقلانی، شہرستانی، امام الحرمین، امام غزالی اوران جیسے دیگر حضرات کا طرزِ استدلال معلوم کرنا اوراس میں مکمل جدوجہد اور فکرونظر کو پوری طرح بروئے کار لانا لازم تھا۔

(۳) جب یہ مسئلہ حدیثیہ ہے تو محدثینِ کرام کے ارشادات معلوم کرنے ضروری تھے۔

وسیجنبھا الاتقی کا شانِ نزول اور جلیل القدر محدثینِ کرام کے اقوال:

بطورِ مثال ہم چند حوالہ جات ذکر کرتے ہیں:

(۱) مثلاً بزار اپنی مسند میں عبداللہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت تا آخر سورت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔

(۲) ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بشر بن السدی سے (۳) ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں بشر بن السدی سے (۴) اورآجری نے کتاب الشریعہ میں بشر بن السدی سے اور (۵) ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے سات حضرات کو جو ایمان باللہ وبالرسول کی وجہ سے عذاب دیے جارہے تھے جن میں حضرت بلال اور عامر ابن فہیرہ بھی شامل تھے کفار سے خرید کر آزاد کیا تو اس بارے میں یہ قولِ باری تعالیٰ نازل ہوا:

وسیجنبھا الاتقیٰ الیٰ آخر السورۃ

(۶) ابن جریر فرماتے ہیں کہ معمر نے سعید بن جبیر سے قولِ باری وسیجنبھا

الاتقی کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے لوگوں کو آزاد کیا اور ان سے نہ جزا طلب کی اور نہ شکریہ طلب کیا جو کہ چھ تھے یا سات جن میں حضرت بلال اور ابن فہیرہ شامل تھے۔

(۷) ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ عامر بن عبداللہ سے اس کے باپ کی حضرت ابوقحافہ والی روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صدیق کو گلہ دیا کہ غلام خرید کے آزاد کرنے ہی ہیں تو ایسے تو ہوں جو تیرے کام آئیں تو آپ نے فرمایا: یــا أبــت انــی أریــد ما أرید ''اے اباجان میری مراد اس خریداری اور آزادی سے کچھ اور ہی ہوتی ہے نہ کہ دنیوی منفعت'' تو یہ آیات نازل ہوئیں وسیجنبها الاتقی (تا) ولسوف یرضی

(۸) حاکم نے اس روایت کو مستدرک میں زیاد بکائی کے واسطہ سے ابن اسحاق سے نقل کیا اور کہا: صحیح علی شرط مسلم

(۹) ابن جریر نے تفسیر میں اپنی سند سے عبداللہ بن زبیر کے بیٹے عامر سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت صدیق مکہ مکرمہ میں اسلام لانے پر بوڑھیوں اور جوان عورتوں کو خرید کر آزاد کرتے تو انہیں باپ نے گلہ دیا (جیسے روایت بالا میں مذکور ہے اور آپ کا جواب یہ تھا) انما أرید ما عندالله ''میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوں''۔ عامر کہتے ہیں مجھے میرے اہل بیت میں سے بعض نے بتلایا کہ یہ آیات اس موقعہ پر نازل ہوئیں فــأمــا مــن أعطی واتقی وصدق بالحسنی (تا) وما لأحد عنده من نعمة تجزیٰ الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ۔

(۱۰) ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے اور ابی بن خلف سے حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے واللیل اذا یغشی سے لے کر آخر تک ساری سورت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل فرمائی۔

(۱۱) آجری نے کتاب الشریعہ میں کہا کہ ابو اسحاق نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا کہ حضرت صدیق نے حضرت بلال کو امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے ایک چادر اور دس اوقیہ یعنی چار سو درہم کے ساتھ خرید کر رضائے الہی کے لیے آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ کلام مبارک نازل فرمایا: والیل اذا یغشیٰ (الیٰ) وسیجنبھا الاتقیٰ الخ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ قال ولم یصنع ذالک ابو بکر لید کانت منہ الیہ فیکافئہ بھا الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ولسوف یرضی۔

یعنی کسی کی ابو بکر کے ہاں کوئی نعمت نہیں جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو یعنی ابو بکر صدیق نے یہ اقدام کسی احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہیں کیا جو کہ کسی طرف سے آپ پر کیا گیا ہو مگر صرف رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور وہ ضرور بالضرور راضی ہوگا۔

(۱۲) تفسیر بغوی میں ہے کہ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں مجھے روایت پہنچی ہے کہ امیہ بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا جب انہوں بلال کی فروختگی کے متعلق دریافت کیا کہ اس کو تیرے غلام نسطاس کے بدلے میں بیچتا ہوں جو کہ دس ہزار دینار کا اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کا مالک تھا نیز بہتیرے مویشیوں کا مالک بھی تھا لیکن مشرک تھا اور اسلام لانے سے انکاری تھا تو حضرت صدیق نے حضرت بلال کو اس کے بدلے خرید لیا تو مشرکین نے کہا کہ بلال کا حضرت ابو بکر پر کوئی احسان تھا جس کا بدلہ دینے کے لیے اتنی بھاری قیمت پر خرید لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے، وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ۔

(۱۳) تفسیر قرطبی میں ہے کہ عطا اور ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے کہ مشرکین نے حضرت بلال کو عذاب دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آدھ سیر سونا دے کر امیہ بن خلف سے ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا تو مشرکین نے

کہا بلال کے کسی احسان کا بدلہ دینے کے لیے ابو بکر نے یہ قدم اٹھایا ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی

(۱٤) علامہ آجری نے فرمایا:

وما قدمنا من الأحادیث یدل علی أن اللہ خص أبابکر بأشیاء فضلہ بہا علی جمیع الصحابة رضی اللہ عنہم۔

''جو ہم نے احادیث قبل ازیں ذکر کی ہیں وہ اس حقیقت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق کو چند اشیاء کے ساتھ مختص ٹھہرا کر سب صحابہ کرام پر فضیلت بخش دی ہے''

اقول:

اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس طرح نبی مکرم ﷺ کی طرف سے کفار ومنافقین کے طعن وتشنیع کا دفاع فرمایا آپ کے طفیل اس یار غار اور ثانی اثنین کی طرف سے بھی دفاع فرمایا اور مشرکین کی طعن وتشنیع کا بذات خود جواب دیا و ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ محمد اشرف السیالوی عفی عنہ

امام سیوطی فرماتے ہیں:

وقد تواردت خلائق من المفسرین لایحصون علی أنہا نزلت فی حق أبی بکر رضی اللہ عنہ

''مفسرین کی لاتعداد جماعتوں نے اس پر باہم اتفاق کیا ہے کہ یہ آیات مقدسہ ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہیں''

یہ تھی بحث حدیث میں شان نزول کے لحاظ سے۔ رہا اس مسئلہ کا کلام اور علم تفسیر سے متعلق ہونا: ومسئلة تفضیل ابی بکر من علم الکلام و کونہ ھو المراد بالآیة من علم

التفسیر تو تفضیل ابی بکر کے لحاظ سے اس کا تعلق علم کلام سے ہے اور آیت کریمہ سے حضرت ابو بکر ہی مراد ہیں اس لحاظ سے علم تفسیر سے ہے لہذا مفتی شمس الدین جوجری پر فتویٰ لکھنے سے قبل لازم تھا کہ تفسیر ابن جریر وغیرہ کا مطالعہ کرتے راجح تفسیر معلوم کرنے کے لیے اور امام فخر الدین رازی وغیرہ کی کتابیں دیکھتے۔

استدلال کلامی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے امام بغوی نے معالم التنزیل میں فرمایا:

یرید بالاتقی الذی یوتی ماله یتزکی (تا) ابابکر فی قول الجمیع قال ابن الخازن فی تفسیر الاتقی ھھنا أبوبکر الصدیق فی قول جمیع المفسرین وقال الامام فخرالدین الرازی فی تفسیرہ أجمع المفسرون ھھنا علی أن المراد بالاتقی ابو بکر وذھبت الشیعة الی أن المراد به علی رضی اللّٰه عنه

"امام بغوی علیہ الرحمہ نے معالم التنزیل میں فرمایا کہ الاتقی سے مراد ابو بکر صدیق ہیں تمام مفسرین کے قول کے مطابق ابن الخازن نے فرمایا کہ الاتقی یہاں پر ابو بکر صدیق ہیں تمام مفسرین کے قول کے مطابق، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں مفسرین کا یہاں پر اجماع ہے کہ الاتقی سے مراد ابو بکر صدیق ہیں اور شیعہ اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں"

فانظر الی نقل ھولاء الائمة الثلاثة احماع المفسرین علی ان المراد بالاتقی ابوبکر لا کل تقی

دیکھیے ان تینوں آئمہ نے مفسرین کرام کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ الاتقی سے مراد ابو بکر صدیق ہیں نہ کہ ہر متقی۔

علامہ اصبہانی نے اپنی تفسیر میں (سوال وجواب کے انداز میں) فرمایا:

سوال:

صـلـی (دخول واستغراق ناری) کواشـقـی کے ساتھ خاص فرمایا گیااوراس سے تجنب اور بچاؤ کو اتقی کے ساتھ خاص کیا گیا حالانکہ یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہر شقی اس دہکتی آگ میں داخل ہوگا اور متقی اس سے محفوظ ہوگا نہ اشقی الاشقیاء اس دخول کے ساتھ مختص ہے اور نہ ہی اتقی الاتقیاء اس سے اجتناب کے ساتھ مختص ہے۔

جواب:

لان الآیة واردة فی الـمـوازنة بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المومنین -

چونکہ یہ آیت کریمہ دو شخصوں کے درمیان موازنہ وتقابل کے لیے ذکر کی گئی ہے، ایک مشرکین کے عظیم فرد اور ایک اہل ایمان کے عظیم فرد کے درمیان، لہٰذا ان دونوں کی متضاد ومتناقض صفات میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا گیا الاشقی اور اس کو صلی اور استغراق فی النار کے ساتھ مختص ٹھہرادیا گیا گویا کہ یہ آتش جہنم صرف اس کے لیے تیار کی گئی ہے اور کہا گیا الاتـقـی اور اس کو نجات کے ساتھ مختص ٹھہرادیا گیا گویا کہ جنت صرف اس کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

علامہ اصبہانی کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ الاتقی سے مراد اتقی الاتقیاء علی الاطلاق ہے نہ کہ مطلق متقی، اور اتـقـی الاتقیاء علیٰ الاطلاق بعد الانبیاء ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نیز علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

الأتـقـی الأکـمـل تقوی وهو صفة أبی بکرالصدیق رضی الله عنه قال ودل علی فضله علی جمیع الأمة قوله تعالی ان اکرمکم عندالله اتقاکم۔

اتـقـی سے مراد کامل ترین فرد از روئے تقوی کے اور یہ ابوبکر صدیق کی صفت ہے

اور فرمایا کہ ان کے ساری امت سے افضل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو سب سے بڑا متقی ہے۔

قال القرطبی فی تفسیرہ قال ابن عباس الأتقی أبو بکر الصدیق

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (جو کہ حبر امت اور مفسر صحابہ ہیں انہوں) نے فرمایا کہا الاتقی ابو بکر صدیق ہیں۔

امام ابن جریر نے بعض اہل عربیت کا مقالہ کہ الاتقی بمعنی تقی ہے ذکر فرمایا، لیکن اسے ذکر کرنے کے بعد کہا:

والصحیح الذی جاء ت بہ الآثار عن أھل التاویل أنھا فی أبی بکر بعتقہ من اعتق من الممالیك ابتغاء وجہ اللہ تعالی

"صحیح اور مختار وہی ہے جو ان آثار اور روایات سے ثابت ہے جو اہل تاویل اور مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں کہ یہ ابو بکر صدیق کے حق میں وارد ہے اور ان سے مختص ہے بسبب ان کے اپنے مملوکین کو آزاد کرنے کے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے"

ھذا بیان رجحان ذالك من حیث التفسیر یہ ہے بیان اس قول کے رجحان کا ازروئے تفسیر کے۔

علم الاصول کے اعتبار سے بحث:

رہا اس مسئلہ کے اصولی ہونے کا معاملہ تو جوجری کا یہ دعویٰ کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب اور مورد کا یہ دعویٰ فرع ہے اس امر کی کہ الاتقی میں ازروئے صیغہ کے عموم ہو، تا کہ اسی کا اعتبار کیا جائے۔ والآیۃ لا عموم فیھا أصلاً وراساً بل ھی نص فی الخصوص جب کہ اس آیت میں سرے سے عموم ہے ہی نہیں بلکہ یہ خصوص میں نص صریح ہے (اور اس کی تقریر قبل ازیں اتقان کے حوالے سے ذکر کی جا چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے)

لیکن اس مسئلہ کی نحوی حیثیت تو اس لحاظ سے بھی عموم ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ الف لام سے ثابت ہوگا یا اس کے مدخول سے یعنی اتقیٰ سے پہلے الف لام موصولہ ہوتا پھر عموم کا فائدہ دیتا جبکہ وہ اسم تفضیل پر داخل نہیں ہو سکتا بلکہ اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے یا تعریف کا ہو تو وہ جمع پر داخل ہونے کی صورت میں عموم کا فائدہ دیتا ہے نہ کہ مفرد پر داخل ہونے کی صورت میں جیسے کہ امام رازی علیہ الرحمہ کا مختار ہے اور عندا لبعض مفرد پر داخل ہوتے ہوئے بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ عہد کے لیے نہ ہو جبکہ الاتقی مفرد ہے جمع نہیں ہے، والعهد فيه موجود فلا عموم فيه قطعا فعلم بذالك أنه لا عموم فى الأتقى فتأمل فانه نفيس جدا فتح الله به على تائيداللجنا ب الصديقى۔

جب کہ عہد بھی اس میں موجود ہے لہذا اس الف لام میں قطعا عموم نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ الاتقی میں بھی عموم نہیں ہے۔

لیکن الف لام کا مدخول اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس میں عموم نہیں ہوتا بلکہ اس کی وضع ہی خاص کے لیے ہوتی ہے

فـانه لتفرد الموصوف بالصفة وانه لامساوى له فيها كما تقول زيد أفضل النـاس أو زيـد الأفـضل فانها صيغة خصوص عقلا و نقلا و لا يجوز أن تتناول غيره قطعا أبدًافبان بذالك أنه لا عموم فى الاتقى والى ذالك يشير كلام الأصبهانى

(الحاوی للفتاوی ،الحبل الوثیق)

کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ موصوف کے صفت کے ساتھ تفرد پر دلالت کرتا ہے اور کسی دوسرے کے اس کے مساوی نہ ہونے پر مثلاً تو کہے زيد أفـضـل الـنـاس یا زيد الأفضل تو یہ از روئے نقل و عقل خصوص کا صیغہ ہے اور اس کا غیر زید کو شامل ہونا جائز ہی نہیں ہے قطعا ابدا، لہذا ظاہر ہوگیا کہ الاتقی میں بالکل عموم نہیں ہے اور علامہ اصبہانی کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے

(کمامر تقریرہ)

لھذا جوجری صاحب کا یہ قول ہر لحاظ سے نا قابل اعتبار ہے بلکہ مردود ہے۔

علامہ جوجری صاحب سے استفتاء کا پس منظر:

امام سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

خان فائز بیگ کا افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک رافضی نہ فقط رافضی بلکہ زندیق کے ساتھ مباحثہ تھا جو احادیث رسول ﷺ کی حقانیت کا منکر تھا اور کلمات خبیثہ سید عالم ﷺ کے لیے استعمال کرتا تھا اس کا کہنا تھا کہ نبی محض واسطہ ہے جو کچھ اس نے فرمایا وہ اگر قرآن میں ہے تو مقبول ہے اور جو قرآن میں نہیں ہے تو وہ.......... (اس کے بعد ایسے لفظ کہے کہ میں زبان پر نہیں لاسکتا) تو سیوطی فرماتے ہیں کہ میں اس مجلس سے اٹھ آیا پھر اب تک اس کی طرف رخ نہیں کیا اور اس مجلس میں اس کے اقوال خبیثہ میں سے یہ خبیث قول بھی تھا علی مرتضی کا علم بھی کامل اکمل تھا اور شجاعت بھی منفرد قسم کی تھی جبکہ ابوبکر کے پاس نہ علم تھا اور نہ ہی شجاعت تھی بس انہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ رسول کو دے دیا اور ان پر اپنا مال خرچ کیا تو انہوں نے اس کے بدلے میں امامت وخلافت دے دی میں نے کہا احادیث مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق کے اعلم اور اشجع ہونے میں وارد ہیں اس نے کہا وہ سراسر کذب ہیں، پھر اس نے خان فائز بیگ کے ساتھ سلسلہ کلام چلایا اور اس سے ابوبکر صدیق کی افضلیت پر قرآن مجید کی آیت بطور دلیل طلب کی کیونکہ وہ حدیث کو تو حجت مانتا ہی نہیں تھا تو انہوں نے بطورِ دلیل یہ آیت کریمہ پیش کی اور اسے اپنے طور پر بھی دلیل نہیں بنالیا تھا بلکہ بعض کتب کلامیہ میں اس کا مشاہدہ ومطالعہ کیا ہوا تھا اس لیے اس کا ذکر کیا:

فکان لا یلیق بالجوجری فی مثل ھذہ الواقعة أن یفتی بأن الآیة لیست خاصة بأبی بکر ولا دلالة علی أفضلیته فیؤید مقالة الرافضی ویثبته علی معتقده

الخبيث ويدحض حجة قررها الائمة كل فرد منهم اعلم بالتفسير والكلام وأصول الدين والفقه من مائة ألف من مثل الجوجرى والله لو كان هذا القول فى الآية هو المرجوح لكان اللائق فى مثل هذه الواقعة أن يفتى به فكيف وهو الراجح والذى افتى به الجوجرى مرجوح۔ (الحاوی للفتاوی/ رسالہ الحبل الوثیق)

"لہٰذا مفتی جوجری کے لیے قطعاً یہ مناسب نہیں تھا کہ ایسے واقعہ میں یہ فتویٰ دیتا کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ ان کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے تاکہ رافضی کے قول کی اس فتوی سے تائید ہوتی اور اس کو اس خبیث عقیدہ پر پکا کرنا لازم آتا اور اس حجت وبرہان کو متزلزل کرنا اور بنیاد سے اکھیڑنا لازم آتا جس کو ایسے ائمہ اور اکابر نے اس عقیدہ کی بنیاد بنایا جن میں ہر ایک لاکھ لاکھ جوجری جیسے مفتیوں سے علم تفسیر علم کلام اور اصول فقہ میں زیادہ علم وبصیرت رکھنے والے ہیں، بخدا اگر یہ قول اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مرجوح بھی ہوتا (کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کے ساتھ خاص ہے اور انکے افضل البشر بعد الانبیاء ہونے کی دلیل ہے) تو اس طرح کے واقعہ میں صرف اور صرف یہی لائق ترین اور موزوں ترین تھا کہ اس کے مطابق فتوی دیا جاتا جبکہ صورتحال واقعیہ یہ ہے کہ اس آیت سے حضرت صدیق ہی مراد ہونا اور اس آیت مبارکہ کا ان کے افضل البشر ہونے پر دلیل وبرہان ہونا ہی راجح اور وزنی قول ہے اور جس کے ساتھ جوجری نے فتوی دیا وہ مرجوح ہے اور بے وزن"

نوٹ:

یہ خلاصہ ہے حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ کے رسالہ الحبل الوثیق فی نصرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ کا جو اپنی ناقص سمجھ کے مطابق پیش کر دیا ہے اصل رسالہ (الحاوی للفتاوی جلد اول ص۳۲۶ تا ۳۳۳) میں موجود ہے اور امام رازی علیہ الرحمۃ کا نفیس استدلال پہلے بیان ہو چکا ہے اس لیے جبل وثیق سے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔

ہاں تو فرمائیے حضرت شاہ عبدالقادر گیلانی صاحب!

اس آیت کریمہ کی تخصیص اور حضرت صدیق کی تفضیل پر دلالت کا انکار کر کے آپ کس جماعت کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں؟ اور کس جماعت کے مضبوط و مستحکم اعتقادی قلعہ میں نقب زنی اور اس کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی سعی نامشکور فرما رہے ہیں؟

نیز کیا آپ ان علوم میں مہارت کاملہ رکھتے ہیں جو اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہیں؟ اور کیا آپ اپنے آپ کو ان اساطین علم اور اکابرین ملت کے مساوی یا ان سے افضل و برتر سمجھنے کی جسارت کر سکتے ہیں جن میں سے ایک ایک لاکھوں جوجری صاحب جیسے مفتیوں پر غالب اور وزنی ہے، ایاز قدر خویش بشناس۔

کیا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نانا جان کے اتنے بڑے فدائی اور جانثار کے ساتھ ایسا رافضیانہ سلوک کرنا زیب دیتا تھا؟ یہاں آپ کو حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کی سنت کیوں نظر نہ آئی اور اس کو قابل عمل اور لائق تقلید کیوں نہ سمجھا اور صرف صدیق اکبر کے دشمنوں سے نہیں بلکہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے دمساز اور ہمراز اور معاون و مددگار کیوں بن رہے ہیں جو نہ ان کے اقوال کو حجت مانتے ہیں اور نہ ان کے اعمال کو بلکہ ان کے نزدیک (معاذ اللہ) علی مرتضی کا حق امامت و خلافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بطور رشوت کے دیا کیونکہ انہوں نے آپ پر مال بھی خرچ کیا اور بیٹی کا رشتہ بھی دیدیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اے بلند پرواز عقاب! ایسے مردار خور غرابوں کا نشیمن نہ سنبھالیے اور نہ اپنا نشیمن ان کے حوالے کیجیے۔

مرادِ ما نصیحت بود گفتیم حوالت باخدا کردیم ورفتیم

واللہ ھو الھادی الی سبیل الرشاد نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں اقوال مفسرین کرام

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کا فرمان:

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظھری میں فرماتے ہیں:

قوله تعالى وسيجنبها الاتقى اى الذى اتقى الشرك الجلى والخفى والمعاصى القلبية والقالبية والنفسانية وذالك بعد تزكية النفس واطمينا نها الذى يوتى ماله الفقراء وفى فك الرقاب و وجوه الخير يتزكى (الى) يطلب أن يكون عند الله زاكيا لا يريد به رياء ولا سمعة أو يتفعل من الزكوة۔ (جلد ۱۰ ص ۲۷۸)

"یقیناً بچایا جائے گا اتقی کو یعنی جو بچا شرک جلی سے اور شرک خفی سے اور جسمانی اور نفسانی اور قلبی و بدنی معاصی سے اور یہ نفس کے تزکیہ و طمانیت کے بعد جو کہ اپنا مال دیتا ہے فقرا اور غلاموں لونڈیوں کی آزادی میں اور تمام وجوہ خیر میں جب کہ اسے مطلوب یہ ہے کہ عند اللہ پاک وصاف ہو جاؤں اور اس انفاق مال میں ریاکاری اور شہرت کا طلب گار نہیں ہے یا اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں"

المفهوم عندنا غير معتبر فلا تدل تلك الآية على دخول تقى فى النار وكذا عندالشافعى اذالكلام خارج مخرج الجواب فى حادثة لا تفاق المفسرين على أن الآية نزلت فى أبى بكر الصديق فالغرض منه توصيف الصديق بكونه أتقى الناس أجمعين غير الأنبياء۔

"یعنی مفہوم مخالف ہمارے نزدیک معتبر نہیں ہے اور نہ ہی امام شافعی کے نزدیک، لہذا یہ آیت کریمہ تقی کے نار میں داخل ہونے پر دلالت نہیں کرے گی کیونکہ یہ کلام ایک مخصوص موقع و محل کے جواب میں واقع ہے (نہ کہ حکم کلی میں) کیونکہ سب مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت

کریمہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس سے غرض اعلیٰ اور مقصود حقیقی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام تر انسانوں سے افضل ہونے کا بیان ہے سوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے"

ولیس المقصود منه الاحتراز والحکم بدخول التقی دون أتقی فی النار ولو سلمنا المفهوم فالمراد بالتقی الذی جاز دخوله فی النار التقی عن الشرك فقط دون المعاصی

"اور (الذی یوتی الآیہ وغیرہ کی قید سے) احتراز مقصود نہیں ہے اور نہ یہ حکم لگانا کہ تقی تو اس آگ میں داخل ہوگا لیکن اتقی داخل نہیں ہوگا اگر مفہوم مخالف والا معنی تسلیم کر لیں اور اس قید کو احترازی قید مان لیں تو جس تقی سے احتراز ہوگا تو اس سے وہ تقی مراد ہے جس کا آتش دوزخ میں داخل ہونا جائز ہے اور وہ متقی ہے جس نے اپنے آپ کو فقط شرک اور کفر سے بچایا ہوگا نہ کہ دیگر ذنوب و معاصی سے"

اقول:

اس تقریر پر الاتقی سے مراد مخصوص شخص حضرت ابوبکر صدیق کی ذات اقدس مراد ہو گی اور ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کو ساتھ ملانے سے شخصی طور پر آپ کا افضل البشر بعد الانبیاء علیہم السلام ہونا ثابت ہو جائے گا نہ الاتقی کے مفہوم میں عموم و اطلاق ملحوظ ہوگا اور نہ ہی اس کے مصداق میں۔

اخرج ابن أبی حاتم عن عروة أن أبا بکر الصدیق أعتق سبعة کلهم یعذب فی الله فنزلت و سیجنبها الاتقی (الآیة) قلت فحینئذ اللام للعهد

(جلد ۱۰ ص ۲۷۹)

"ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا جن سب کو ایمان باللہ کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا تو اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو میں کہتا ہوں اس تقدیر پر الاتقی کا الف لام عہدِ خارجی کے لیے ہوگا"

یعنی الاتقی کے عموم واطلاق کے باوجود اس کا مصداق اور محمل شخص واحد ہوگا اور اس صورت میں بھی آپ کی ذات کا اتقی الناس ہونا ثابت ہوجائے گا۔

و کون أبی بکر أتقی الناس بعد الأنبیاء دلیل علی کونه أفضلهم لقوله تعالی: ان اکرمکم عندالله اتقاکم، و علیه انعقد الاجماع ۔عن بن عمر رضی الله عنهما کنافی زمن النبی ﷺ لانعدل بأبی بکرأحدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك أصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم (رواه البخاری) و سأل محمد بن الحنفیه عن علی رضی الله عنه أی الناس خیر بعدرسول الله ﷺ قال أبو بکرقال ثم من قال عمر رضی الله عنهما۔ (رواه البخاری جلد۱ ص ۲۸۰)

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بعد الانبیاء اتقی الناس ہونا ان کے افضل الناس ہونے کی دلیل ہے بسبب ارشاد خداوند تعالی کے ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم اور اسی پر اجماع منعقد ہوچکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم زمانہ رسول ﷺ میں کسی شخص کو حضرت ابوبکر صدیق کے برابر نہیں ٹھہراتے تھے پھر حضرت عمر کے برابر پھر حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہیں ٹھہراتے تھے، اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا ابوبکر، پھر سوال کیا ان کے بعد کون افضل؟ تو فرمایا عمر رضی اللہ عنہما و التفصیل فی الصارم المسلول۔

علامہ اسماعیل حقی کا فرمان:

علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے فرمایا :

والآیۃ نزلت فی حق أبی بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ حین اشتری بلالا رضی اللّٰہ عنہ فی جماعۃ (الی)۔ در کشف الاسرار آوردہ کہ ایں سورہ دربارہ دو کس است یکے اتقیٰ کہ پیشرو صدیقا نست یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ و دیگر اشقیٰ کہ پیشرو زندیقا نست ز اھل ضلالت یعنی ابو جھل و در فاتحہ ایں سورت کہ بشب وروز قسم یادمیکنند اشارہ است بظلمت یکے و نورانیت دیگر یعنی در شب ضلالت کس را آں گمراھی نبود کہ ابو جھل شقی را و درروز دعوت ھیچ کس را آں نور ھدایت ظاھر نہ شد کہ ابوبکر تقی را۔

سر روشن دلاں صدیقِ اعظم کہ شد اقلیم تصدیقش مُسلّم

زمھرش روز دیں راروشنائی بدو اھل یقیں را آشنائی

”یہ آیت کریمہ مبارکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے حضرت بلال کو بمع غلاموں لونڈیوں کی جماعت کے خرید کر آزاد کیا۔ کشف الاسرار میں نقل کیا ہے کہ یہ سورت دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ایک اتقی جو صدیقوں کے پیشروا ور مقتداء ہیں یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرا اشقی جو زندیقوں اور بے دینوں کا پیشرو ہے اہل ضلالت میں سے یعنی ابو جہل، اور اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں جو شب وروز کی قسم ذکر کی گئی ہے تو وہ اشارہ ہے ان دو اشخاص میں سے ایک کی ظلمت و تاریکی کی طرف اور دوسرے کی نورانیت کی طرف اشارہ ہے یعنی ضلالت و گمراہی کی شب میں کسی کو وہ گمراہی حاصل نہ تھی جو ابو جہل شقی کو حاصل تھی اور دعوتِ اسلام کے روز روشن میں کسی شخص کو وہ روشنائی حاصل نہیں تھی اور نہ نورِ ہدایت حاصل ہوا جو ابوبکر تقی کو حاصل ہوا۔ روشن دل لوگوں کے سردار صدیق اعظم کہ جن کے لیے اقلیم تصدیق کی شاہی مسلم ہے ان کے مہر روحانیت سے دین کے روز کو روشنائی

نصیب ہوئی اوران کے طفیل اہل یقین کودولت عرفان نصیب ہوئی"

حضرت بلال کوآزاد کرانے کے لیے ایک رطل سونا اس کے مالک کو دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کےقول کے مطابق ایک چادراور دس اوقیہ دے کرخریدا، کافروں نے کہاتم ایک اوقیہ پراڑ جاتے توہم اسےایک اوقیہ کے بدلےفروخت کردیتے آپ نے فرمایا: لو ابیتم انتم الا بمائة اوقیة لاشتریته بھا" اگرتم اسےسواوقیہ پر بیچنے پرمصرہوتےتو میں ضرور بالضرورسو اوقیہ یعنی چار ہزاردرہم کےساتھ اس کوخرید لیتا"

اور ابن المسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کےمطابق اپنے غلام نسطاس کے بدلے میں حضرت بلال کوخریدا جس کے قبضے میں دس ہزار دینار بھی تھےاور مزید برآں غلام اورلونڈیاں اور مویشی بھی بہت سے اس کے قبضے میں تھے وہ مشرک تھا حضرت صدیق اکبر نے اس کواسلام کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی پیشکش کی تھی کہ تم کوآزاد کردوں گااور جو کچھ تیرے قبضے میں ہے وہ بھی تیرے سپرد کردوں گا لیکن وہ مسلمان نہ ہوا تو آپ اس سے سخت رنجیدہ خاطر ہو چکے تھے جب امیہ کی طرف سے نسطاس کے بدلے بلال کو بیچنے کی پیشکش ہوئی تو آپ نے اس کوغنیمت شمار کرتے ہوئے نسطاس کوتمام تر مالیت سمیت اس کےحوالے کردیااور حضرت بلال کوخرید لیااور اخروی ثواب کی امید پرآزاد کردیا۔

حدیث شریف میں ہے :

یرحم اللہ أبابکر زوجنی ابنته وحملنی الی دار الھجرة و أعتق بلالا من ماله

"اللہ تعالٰی ابوبکر پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی دختر نیک اختر کومیری زوجیت میں دیا اور مجھے دارِ ہجرت تک سوار کر کے پہنچایااور بلال کواپنے مال سے آزاد کیا"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

بلال سیدنا و مولیٰ سیدِنا رضی اللہ عنہما

"بلال ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے آزاد کردہ غلام ہیں"

اور حضرت سیدنا عمر کا یہ قول سرورِ عالم ﷺ کے اس قول کی مانند ہے:

سلمان منا أهل البيت.

"سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے"

(الی) فانظر شرف التقوى كيف أدخل الموالي في الأشراف ولا تغتر بالنسب المجرد فانه خارج عن حد الانصاف۔

"تقویٰ کے شرف و فضل کو دیکھیے کہ اس نے کس طرح غلاموں کو اشراف اور سادات میں داخل کر دیا اور محض نسب پر نازاں مت ہونا کیونکہ یہ حد انصاف سے بہت بعید ہے"

(روح البیان جلد ۱۰ ص ۴۶۰، ۴۶۱)

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ کا فرمان:

۵) حضرت علامہ ابو عبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القران میں فرماتے ہیں:

الأتقى اى المتقي الخائف :قال ابن عباس رضي الله عنهما هو ابوبكر الصديق رضى الله عنه يزحزح عن دخول النار (الى) فروى عطاء و الضحاك عن ابن عباس رضى الله عنهما قال عذب المشركون بلال و بلال يقول أحد أحد فمرّ به النبي ﷺ فقال أحد يعني الله ينجيك ثم قال لأبي بكر يا أبابكر ان بلالا يعذب في الله تعالى فعرف ابوبكر الذى يريد رسول الله ﷺ الخ۔

یعنی اتقی کا مصداق بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں تو بشارت خداوند تعالےٰ کے مطابق وہ آتشِ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے

چنانچہ عطا اور ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے حضرت بلال کو عذاب کا نشانہ بنایا جب کہ وہ احد احد پکارتے تھے تو نبی مکرم ﷺ کا بلال کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا "احد" یعنی اللہ تعالیٰ تجھے نجات دے گا پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوبکر بلال کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا ہے تو وہ مراد رسول ﷺ کو سمجھ گئے تو حضرت صدیق گھر گئے، آدھ سیر سونا ہمراہ لے کر امیہ کے پاس پہنچے اور اس سے دریافت کیا، کیا بلال کو بیچتا ہے؟ تو اس نے بیع کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے اس سے خرید کر حضرت بلال کو آزاد کر دیا تو مشرکین نے کہا:

ما أعتقه أبوبكر الاليد كانت له عنده فنزلت وما لأحد عنده من نعمة تجزىٰ الا ابتغاء وجه ربه الاعلىٰ۔

تو مشرکین نے کہا ابوبکر صدیق نے بلال کو خرید کر آزاد کیا ہے تو اس کا کوئی احسان ابوبکر پر تھا تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور کفار کے وسوسہ کو رد فرمایا کہ کسی شخص کی طرف سے ان پر کوئی نعمت اور احسان نہیں ہے جس کی ان کی طرف سے جزا دی جاتی ہو سوائے اپنے ربِ اعلیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے ولسوف یرضی، ضرور بالضرور راضی ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس الاتقی سے یا وہ الاتقی ضرور بالضرور اپنے ربِ اعلیٰ سے راضی ہو جائے گا۔

والأكثر أن السورة نزلت فى أبى بكر رضى الله عنه وروى ذالك عن ابن مسعود وابن عباس وعبدالله بن الزبير و غيرهم

اور اکثر علمائے مفسرین کا مختار یہی ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اور یہ تفسیر مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم سے رضی اللہ عنہم

اور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یرحم اللّٰہ أبابکرؓ زوجنی ابنته وحملنی الی دارالهجرة و أعتق بلالا من ماله۔

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے حضرت ابوبکر صدیق پر انہوں نے اپنی لختِ جگر کو میری زوجیت میں دیا اور مجھے دارِ ہجرت تک سوار کر کے لائے اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا"

مروی ہے کہ جب آپ نے حضرت بلال کو خرید لیا تو انہوں نے دریافت کیا کیا تم نے مجھے اپنے کام کاج کے لیے خریدا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تو بلال نے عرض کی مجھے چھوڑ دیجیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تو آپ نے بلال کو آزاد کر دیا، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

أبوبکر سیدنا أعتق سیدنا

"ابوبکر ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد فرمایا"

الغرض ثابت ہوا کہ الاتقی ابوبکر صدیق ہیں اور جو اتقی ہے وہی عنداللہ اکرم اور افضل ہے، لہذا حضرت صدیق کا افضل البشر بعدالانبیاء ہونا ثابت ہو گیا۔

سوال:

جس طرح حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق اس آیتِ کریمہ کا نزول مروی ہے اسی طرح حضرت ابن عباس سے ہی اس کا نزول حضرت ابوالدحداح کے حق میں بھی مروی و منقول ہے، حاصل روایت یہ ہے کہ ایک انصاری کی ایک کھجور تھی جس کا پھل اس کے پڑوسی کے گھر میں گرتا رہتا تھا اور اس کے بچے اسے کھا لیتے تھے تو کھجور کے مالک نے بارگاہِ نبوی میں شکایت کی پر آپ نے اس کو فرمایا: جنت کی کھجور کے عوض یہ کھجور میرے ہاتھ بیچ دے لیکن وہ انصاری اس بیع سے انکاری ہو گیا جب حضرت ابوالدحداح کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنائی دیا تو انہوں نے چالیس کھجوریں یا اپنا حسنیٰ نامی کھجوروں کا باغ دے کر اس انصاری سے وہ کھجور خرید لی اور نبی

مکرم ﷺ سے عرض کیا:

اشترھا منی بنخلة فی الجنة قال نعم والذی نفسی بیدہ فقال ھی لك ی

رسول اللہ

مجھ سے جنت کی کھجور کے بدلے میں یہ کھجور خریدتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے

اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کھجو

آپ کے حوالے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انصاری کے پڑوسی کو بلا کر یہ کھجور اس کے حوالے

فرما دی، الغرض جب دوسرا قول موجود ہو تو استدلال درست نہ رہا کیونکہ قاعدہ یہ ہے اذا جا

الاحتمال بطل الاستدلال۔

الجواب، اولا:

پچھلی تقریر سے ثابت ہو چکا کہ اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ

حضرت صدیق اکبر کے حق میں نازل ہوئی ہے، لہذا استدلال درست ہو گیا۔

ثانیا:

تفسیری اقوال میں سے کسی قول کے ساتھ استدلال علیحدہ امر ہوتا ہے اور عقلی احتمالات

میں سے ایک احتمال مراد لینے کا معاملہ علیحدہ ہوتا ہے اگر وجوہ تفسیر کو بھی احتمالات کے کھاتے میں

داخل کر دیا جائے تو لازم آئے گا کہ ان حضرات نے کلام مجید کی دلالت کو مشکوک ٹھہرا دیا او

استدلال کے قابل ہی نہ چھوڑا، مثلا ابوبکر صدیق مراد ہونے میں ابوالدحداح والی روایت مان

ہو گئی اور ابوالدحداح مراد ہونے میں حضرت صدیق اکبر والی روایت مانع ہو گئی تو گویا کسی کی

فضیلت میں بھی اس آیتِ کریمہ کا پیش کرنا درست نہ ہو سکے گا اس لیے فاضل سیالکوٹی نے حاشیہ

بیضاوی میں فرمایا:

هذا استدلال بأحد وجهي التفسير وليس باستدلال بأحد الاحتمالين

"بیضاوی علیہ الرحمہ کا یہ استدلال تفسیر کی دو وجہوں میں سے ایک تفسیر کے ساتھ ہے نہ کہ دو احتمالات میں سے ایک احتمال کے ساتھ"

نیز حضرت ابو الدحداح نے جنت کی کھجور والی نعمت حاصل کرنے کے لیے یہ قربانی دی نہ کہ محض رب اعلیٰ کی رضا کے حصول کے لیے، لھــــذا ان کے حق میں اس آیت کے نزول کی روایت مرجوح ہے اور اس کی بنیاد مستحکم نہیں ہے اور حضرت صدیق اکبر کا اختصاص ریب و تردد سے بالاتر ہے۔

(۶) قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

والآيات نزلت في أبي بكر رضي الله عنه حين اشترى بلالا في جماعة تولاهم المشركون فأعتقهم فلذالك قيل المراد بالأشقى أبو جهل أو أميه بن خلف

"یہ آیات حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی ہیں جبکہ حضرت بلال کو بمع غلاموں کی جماعت کے خریدا جن کے مالک مشرک لوگ بن چکے تھے پھر ان کو آزاد کر دیا (تو جب الاتقی سے مراد شخص معین ابو بکر صدیق ہو گئے تو) کہا گیا ہے کہ الاشقی سے مراد بھی شخص معین ابوجہل یا امیہ بن خلف ہے"

(۷) حضرت علامہ شہاب عنایۃ القاضی حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

یعنی أن قوله تعالى وسيجنبها الاتقى الى آخر السورة نزل في حق الصديق رضي الله عنه كما في الأحاديث الصحيحة السند عن ابن عباس سيد المفسرين حتى قال بعض المفسرين انه مجمع عليه و ان زعم بعض الشيعة أنها نزلت في علي رضي الله تعالى عنه وخصوص السبب لا ينافي عموم الحكم واللفظ كما توهمه الزمخشري ههنا نعم يقتضي الدخول فيه دخولا اوليا ولذاقال الامام ان الآية تدل

علیٰ ان أبابکر رضی الله عنه أفضل الأمة۔ (جلد ۸ ص ۳۶۹)

"قول باری تعالیٰ وسیجنبها الاتقی تا آخر سورۃ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا، جیسا کہ صحیح السند روایات کے ساتھ حضرت سید المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت صدیق کے حق میں نزول متفق علیہ اور اجماعی قول ہے، اگرچہ بعض شیعہ نے یہ گمان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا اور سبب کی خصوصیت حکم کے عام ہونے کے منافی نہیں ہوتی نہ عموم لفظ کے جیسے جوجری کا وہم ہے، پس یہاں لفظ و معنیٰ میں عموم ہو تو بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اس میں دخول اولیت و اسبقیت کے طور پر ثابت ہو جائے گا اس لیے امام رازی قدس سرہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں" هذا والحمدلله۔

(۸) حضرت علامہ محی الدین شیخ زادہ حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

قوله والآيات في أبي بكر رضي الله عنه هذا ما ذهب اليه جمهور المفسرين والشيعة ينكرون ذالك و يقولون انها نزلت في حق علي رضي الله عنه و يستدلون عليها الخ۔

"حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں ان آیاتِ کریمہ کا نزول جمہور مفسرین کا مذہب ہے اور شیعہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اور ان کا استدلال یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ یؤتون الزکوۃ وھم راکعون (المائدہ، 55:5) حضرت علی کے حق میں نازل ہوا تو اس آیتِ کریمہ میں جو مال کی عطا کا ذکر ہے یہ اسی عطا کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے انگوٹھی سوالی کو حالتِ رکوع میں عطا کی تھی۔"

اس استدلال کارد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نحن نقول لا یمکن حمل الأتقی المذکور فی هذه الآیة علیٰ علیّ رضی الله عنه لأنه تعالی قال فی صفة هذا الاتقی "وما لاحد عنده من نعمة تجزی" وهذا الوصف لا یصدق علی علی رضی الله عنه لأنه کان فی تربیة النبی ﷺ أخذه من أبیه وکان یطعمه ویسقیه و یکسوه و یربیه وکان علیه السلام منعما علیه بنعمة یجزی علیها بخلاف أبی بکر فانه لم یکن لأحد عنده من نعمة دنیویة کان من الرسول عنده نعمة الهدایة والارشاد الی الدین الا ان هذه النعمة لا یجزی علیها لقوله تعالی حکایة عنه علیه السلام لا اسئالکم علیه اجراً و آیات اخری والمذکور هٰهنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی فظهر أن هذه الآیة لا تصلح أن تکون نازلةً فی حق علیّ رضی الله عنه فتعیّن أنها نزلت فی أبی بکر لأن الأمّة أجمعوا علی أن أفضل الخلق وأکرمهم وأتقاهم أبوبکر رضی الله عنه۔

(شیخ زادہ علی البیضاوی جلد ۸ ص ۶۲۰)

"ہم کہتے ہیں اس آیتِ کریمہ میں مذکور الاتقی کو علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنا ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس اتقی کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی شخص کی اس پر کوئی نعمت نہیں جس کی جزاء دی جارہی ہو اور یہ وصف مولائے مرتضی پر صادق نہیں آتا کیونکہ آپ نبی مکرم ﷺ کی تربیت میں تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو ابوطالب سے لے لیا تھا آپ ہی ان کو کھلاتے پلاتے اور پہناتے تھے اور ہر طرح کی تربیت فرماتے تھے، لہذا محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے منعم ومحسن تھے ایسی نعمت کے ساتھ جس کی جزاء دی جاتی ہے (بلکہ واجب تھی) بخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کیونکہ ان پر کسی کی کوئی دنیوی نعمت نہیں تھی ہاں رسول معظم ﷺ کی نعمت ہدایتِ حق اور ارشادِ دین والی تھی مگر یہ ایسی نعمت ہے جس کی جزاء

نہیں دی جاسکتی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی طرف سے بطور حکایت فرمایا" میں اس تبلیغ دین اور ارشادِ خلق پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا" اور اس مضمون کی مزید آیات بھی ہیں، نیز جو نعمت یہاں مذکور ہے وہ مطلق نعمت نہیں بلکہ ایسی نعمت کہ جس کی جزا دی جاسکتی ہو پس ظاہر ہو گیا کہ یہ آیتِ مقدسہ اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس کا نزول ہو پس متعین ہو گیا کہ وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ افضل الخلق اور اکرم الخلق اور اتقی الخلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں"

افضلیتِ صدیقِ اکبر کی دوسری قرآنی دلیل

الآية الثانية:

قال اللہ تبارك وتعالی:

لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی۔ (سورۃ الحدید، 57:10)

"تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے مال خرچ کیا اور راہِ خدا میں جہاد وقتال کیا وہ برابر نہیں ہو سکتے (ان لوگوں کے ساتھ درجات ومراتب میں جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور راہِ خداوند تعالیٰ میں قتال کیا) پہلے مال خرچ کرنے والے اور قتال کرنے والے بہت عظیم ترین ہیں از روئے درجات کے ان سے جنہوں نے بعد میں مال خرچ کیا اور قتال کیا اور ہر فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے" (اگرچہ درجات میں تفاوت ہوگا)

اس آیت کریمہ میں منطوق اور عبارۃ النص کے لحاظ سے تو فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے قبل فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے والوں اور جہاد وقتال کرنے والوں کا اور بعد از فتح انفاق وقتال کرنے والوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے لیکن تفاوتِ درجات اور تفاضلِ مراتب کی جو بنیاد واساس بیان فرمائی گئی ہے اس سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمتِ درجت اور رفعتِ مرتبت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ مکہ فتح ہونے کے بعد اہلِ ایمان میں مالی وسعتیں پیدا ہو چکی تھیں لیکن اس سے پہلے تنگ دستی اور فقر کا دور دورہ تھا، تو اس وقت راہِ خداوند تعالیٰ میں خرچ کرنا بہت بڑا کمال تھا اور نفس کشی اور بے نفسی کی انتہا تھی۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ فتح ہونے سے قبل بلکہ ہجرت سے بھی پہلے راہ خداوند تعالیٰ میں اپنے اموال صرف کیے اور

خودسرورِ عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر بھی اپنے اموال خرچ کئے بلکہ اپنا آپ بھی اور اپنا سب کچھ بھی سرورِ عالم ﷺ کے حوالے کررکھا تھا، کفار کے ساتھ آپ کے دفاع میں ہاتھا پائی ہوتی مارپٹائی تک نوبت پہنچتی رہتی تھی اور حتی المقدور آپ ﷺ کو کفار و مشرکین کے تشدد اور ایذا و تکلیف کا نشانہ نہیں بننے دیتے تھے، لہٰذا اس قولِ خداوند تعالیٰ سے حضرت صدیق کی عظمت درجات اور علو مراتب ہر چشم بصیرت کے سامنے محسوس و مشہود طریقہ پر آجاتے ہیں

اب اکابرین علماء اور ائمۂ اعلام کے ارشادات ملاحظہ فرماویں:

آیۂ ثانیہ کی تفسیر میں اکابر ائمۂ تفسیر کے ارشاداتِ عالیہ:

(۱) امام بغوی فرماتے ہیں کہ محمد بن الفضل نے کلبی سے نقل کیا ہے:

ان هـذه الآية نـزلت فى أبى بكر الصديق فانه أول من أسلم وأول من أنفق فى سبيل الله الخ۔

"بے شک یہ آیتِ کریمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ اسلام لانے میں بھی سب سے اول ہیں اور فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں بھی سب سے اول ہیں"

(معالم التنزيل جلد٤ ص ٢٩٤)

امام بغوی نے ہی معالم التنزیل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام میں حاضر تھا اور حضرت صدیق اکبر بھی حاضر خدمت تھے، آپ پر عبا تھی جس کے گریبان کو کانٹوں سے بند کیا ہوا تھا تو جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئے اور عرض کیا: کیا وجہ ہے کہ صدیق عبا کا گریبان کانٹوں سے بند کیے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "انہوں نے مجھ پر فتح سے قبل سارا مال خرچ کردیا ہے"

تو انہوں نے عرض کیا:

فـان الله عزّ وجلّ يقول: اقرأ عليه السلام و قل له أراض أنت عنى فى فقرك

ھذا ام ساخط؟

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے محبوب ان کو میرا سلام پہنچائیں اور ان سے دریافت کریں کہ کیا تم اپنی اس حالت فقر میں مجھ سے راضی تو ہو؟ ناراض تو نہیں ہو، تو محبوب کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت صدیق سے فرمایا:

اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہیں سلام فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا تو اس حالت فقر میں مجھ سے راضی تو ہے؟ ناراض تو نہیں ہے تو آپ نے عرض کیا:

آأسخط علی ربی ؟انی عن ربی راض و کذا روی الواحدی فی تفسیرہ

"کیا میں اپنے پروردگار پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ بے شک میں اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہوں" اور ایسے ہی علامہ واحدی نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

قلت ھذہ الآیۃ بمنطوقہ تدل علی أفضلیۃ السابقین الأولین من المھاجرین والأنصار علی من آمن بعد الفتح و أنفق حینئذ۔ وبمفھومہ و سیاقہ یدل علی أفضلیۃ الصدیق علی سائر الصحابۃ وأفضلیۃ الصحابۃ علی سائر الناس فان مدار الفضل علی السبقۃ فی الاسلام والانفاق والجھاد کمایدل علیہ قولہ ﷺ "من سن سنۃ حسنۃ فلہ أجرھا وأجر من عمل بھا من غیر أن ینقص من أجورھم شیء۔

(تفسیر مظہری جلد ۹ ص ۱۹۰)

"میں کہتا ہوں کہ یہ آیت کریمہ اپنے منطوق اور صریح مفہوم کے لحاظ سے سابقین و اولین مہاجرین وانصار کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے بہ نسبت ان حضرات کے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور راہ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کیے۔ لیکن مفہوم اور سیاق کلام کے لحاظ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل ہونے پر دلالت

کرتی ہے اور صحابہ کرام کے دوسرے تمام لوگوں سے افضل ہونے پر، کیونکہ فضل وشرف کا دارومدار اسلام میں سبقت اور جہاد وانفاق پر ہے جیسے کہ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد اس پردال ہے کہ ''جس شخص نے اچھا طریقہ جاری کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اسکے کہ ان کے اجروثواب میں ذرہ بھر کمی کی جائے''

مزید فرماتے ہیں:

قد أجمع العلماء علی أن أبابکر أول من أسلم وأظهر اسلامه وأسلم علی يده أشراف قريش وأول من أنفق الأموال العظام فی سبيل الله و أول من احتمل الشدائد من الكفار ومن ثم قال رسول الله ﷺ :"مالأحد عندنا يدا الا وقد كافينا ما خلاأبا بكر فان له عندنا يد ايكافئه الله بها يوم القيامة ومانفعني مال أحد قطمانفعني مال أبي بكر"۔ (رواه الترمذی من حديث أبی هريرة)

"علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ابو بکر صدیق سب سے پہلے اسلام لائے، اپنے اسلام کو ظاہر فرمایا اور (ان کی تبلیغ پر) اشرافِ قریش ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عظیم ترین اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفار کے شدائد اور سختیوں کو برداشت کیا، اس لیے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''کسی کا بھی ہم پر احسان نہیں تھا مگر ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ما سوائے ابو بکر صدیق کے کہ ان کا ہم پر جو احسان عظیم ہے اس کا بدلہ ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز عطا فرمائے گا (گویا دنیا کی ان گنت اور لاتعداد نعمتیں ان کا بدلہ نہیں بن سکتیں اور نہ ان کے احسانات کی کیفیت وکمیت کا دوسرا کوئی شخص کما حقہ اندازہ کر سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر اگلے جہان میں اس کا بدلہ عطا کرے گا) اور آپ نے ارشاد فرمایا مجھے کسی کے مال نے ہرگز وہ فائدہ نہیں پہنچایا جو نفع مجھے ابو بکر صدیق کے مال نے پہنچایا ہے''

عن ابن الزبیر عن أبیه قال أسلم أبوبکر وله أربعون ألفاً أنفقها کلّها علی رسول اللہ ﷺ وفی سبیل اللہ۔

"حضرت عبداللہ بن زبیر اپنے والدِ گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیق مشرف باسلام ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار یا درہم تھے وہ سبھی انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ پر اور فی سبیل اللہ خرچ کر دیئے" (رواہ ابوعمر)

اقول:

یہ مطلب نہیں کہ صرف اتنے خرچ کیے بلکہ تاجر تھے ساتھ ساتھ کماتے بھی رہتے تھے اور خرچ بھی کرتے رہتے تھے بعد ازاں اموالِ غنیمت بھی ساتھ شامل ہوتے رہتے تھے۔ فتامل حق التامل۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ عقبہ بن ابی معیط نے نبی مکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کی چادر کو آپ کے گلے میں ڈال دیا اور پھانسی دینے لگا جب حضرت صدیق اس صورتِ حال پر مطلع ہوئے تو اسے آپ سے دور دھکیلا اور کہا: "کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارے پاس واضح آیات اور معجزات لے کر آئے ہیں"۔

روی أبوعمرو نحوه وزاد فأخذ الکفار أبابکر فضربوه ضرباً شدیداً فلمّا رجع أبوبکر الی داره فکان کلّما وضع یده علی رأسه سقط شعره مع یده ویقول تبارکت یا ذاالجلال والاکرام (جلد ۹ ص ۱۹۱ تفسیر مظهری)

ابوعمرو نے اس میں اتنا اضافہ نقل کیا کہ:

"کفار نے نبی کریم ﷺ کو چھوڑ دیا اور ابوبکر کو پکڑ لیا اور آپ کو سخت مارا جب آپ گھر لوٹے تو حالت یہ تھی کہ جب آپ اپنا ہاتھ اپنے سر کے بالوں پر رکھتے تو وہ بال ہاتھ کے ساتھ گر

پڑتے اور آپ کہہ رہے ہوتے تھے: "بہت بابرکت ہے تو اے جلال و اکرام کے مالک"

الغرض جب مسلم قاعدہ ہے:

ان العطایا علی متن البلایا یعنی "عطائیں آزمائشوں کی پشتوں پر ہوتی ہیں"

جتنی محنت و مشقت زیادہ، اتنا ہی اجر و ثواب زیادہ، جب حضرت صدیق ان شدائد و مصائب کے تحمل میں منفرد ہیں تو اجر و ثواب اور درجات و مراتب میں بھی منفرد ہیں لہذا آپ کا سب صحابہ کرام سے اعظم الدرجات اور اعلی المراتب ہونا واضح ہو گیا۔

فائدہ عظیمہ: (ابن عبدالبر کے شاذ قول کی حقیقت)

سید عبدالقادر شاہ صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات نے ابن عبدالبر کے ایک قول سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ افضلیت کا مسئلہ اسلاف کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے، آیئے ملاحظہ فرمائیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کے متعلق کیا فرما رہے ہیں:

قال أبو الحسن الأشعری: تفضیل أبی بکر علی غیرہ من الصحابة قطعی قلت قد أجمع علیه السلف وما حکی عن بن عبدالبر أن السلف اختلفوا فی تفضیل أبی بکر وعلی رضی اللّٰه تعالی عنهما فهو شیئ غریب انفرد به من غیرہ ممن هو أجل منه علماً واطلاعاً منهم الشافعی۔ (تفسیر مظهری)

"حضرت ابو الحسن الاشعری فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابوبکر صدیق کی دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فضیلت قطعی ہے، میں کہتا ہوں کہ اسلاف کرام کا اس تفضیل پر اجماع ہے اور وہ جو ابن عبدالبر سے منقول ہے کہ سلف کا صدیق و مرتضیٰ کی تفضیل میں اختلاف ہے تو نقل غریب و شاذ ہے اور وہ اس نقل میں اپنے سے زیادہ علم و دانش اور حقائق پر مطلع لوگوں سے منفرد ہیں جن میں امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں"

لہذا وہ قول لائق اعتبار اور قابل التفات نہیں ہے، یاد رہے کہ صرف قاضی صاحب

نے ہی اس روایت کو شاذ اور مردود قرار نہیں دیا بلکہ بہت سے اکابر نے اس کو مردود اور نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے اس لیے شاذ اور مردود قول کا سہارا لینا اور حضرت صدیق کی افضلیت کو مشکوک ٹھہرانے کی سعی نا مشکور کرنا جیسے شاہ عبدالقادر صاحب نے کی ہے بہت بڑی دھاندلی، تحکم وسینہ زوری اور اپنے مذموم مقصد کو ہر حال ثابت کرنے کی نامراد کوشش ہے جس میں مردود اقوال کا سہارا لینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے آمین

(۳) امام رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

نزلت هذه الآية في فضل أبي بكر رضي الله عنه لأنه كان أول من أنفق المال على رسول الله في سبيل الله قال عمر: كنت قاعداً عندالنبي ﷺ وعنده أبوبكروعليه عباءة قد خللهافي صدره بخلال فنزل جبرئيل فقال: مالي أرى أبابكر عليه عباءة قدخللها في صدره؟ فقال: أنفق عليّ قبل الفتح۔

"یہ آیت کریمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول گرامی ﷺ پر اللہ تعالےٰ کی راہ میں مال عظیم خرچ کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی میں بیٹھا تھا اور حضرت صدیق بھی موجود تھے، جنہوں نے اپنی عبا کو کانٹوں کے بٹنوں سے بند کیا ہوا تھا، جبرئیل امین نازل ہوئے پس کہا کیا وجہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ ابوبکر نے اپنی عبا کو کانٹوں کے خلالوں سے بند کر رکھا ہے تو حضور کریم علیہ السلام نے فرمایا: انہوں نے فتح سے قبل اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے" (اس لیے اس حالت فقر کو پہنچ گئے ہیں)

مزید فرماتے ہیں:

واعلم أن الآية دلّت على أن من صدرعنه الانفاق في سبيل اللّٰه و مقاتلة مع أعداء اللّٰه قبل الفتح يكون أعظم حالاً من غيره ممّن صدرعنه هذا ن الأمران

بعد الفتح ومعلوم أن صاحب الانفاق أبو بكر وصاحب القتال هو علی ثم انه تعالی قدم صاحب الانفاق فی الذكر علی صاحب القتال وفيه ايماء الی تقديم أبی بكر رضی اللّٰه عنه ولأن الانفاق من باب الرحمة والقتال من باب الغضب وقال تعالی: سبقت رحمتی غضبی فكان السبق لصاحب الانفاق۔

"دل وجان سے جان لے کہ یہ آیتِ کریمہ دلالت کررہی ہے کہ جس شخص سے انفاق فی سبیل اللہ اور اللہ تعالےٰ کے اعداء کے ساتھ قتال فتح مکہ سے پہلے پائے گئے تو وہ عظیم تر حال اور مقام میں ہوگا بہ نسبت ان کے جن میں یہ امور فتح مکہ کے بعد صادر ہوئے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ صاحبِ انفاق کامل ابوبکر صدیق ہیں اور قتالِ اعداء میں کامل اکمل علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں- پھر باری تعالیٰ نے صاحبِ انفاق کو پہلے ذکر فرمایا صاحبِ قتال سے، لھذا اس میں اشارہ ہے حضرت صدیق کے مرتبہ ودرجہ میں مقدم ہونے کی طرف (کیونکہ تقدم فی الذکر تقدم فی الشرف کو مستلزم ہوتا ہے) اور اس لیے کہ انفاق رحمت علی الخلق کے قبیل سے ہے، جب کہ قتال غضب وقہر کے قبیل سے ہے، اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ "میری رحمت میرے غضب پر سبقت والی ہے" لھذا صاحبِ انفاق کو ہی سبقت اور فضیلت حاصل ہوگی"

سوال:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہی صاحب انفاق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّ أَسِيرًا (الدھر، 8:76) "اللہ تعالیٰ کی محبت کی بناء پر کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدی کو"

الجواب:

مطلقاً کہنا کہ فلاں نے انفاق (خرچ) فرمایا یہ اسی صورت میں سچا آتا ہے جب کہ عظیم

واقعات میں عظیم مال کو خرچ کرے جبکہ مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس طرح کا انفاق ثابت نہیں ہے، جو ثابت ہے نماز میں انگوٹھی سائل فقیر کو دینا یا تین افراد کو کھانا کھلانا، لہذا محاورات عرب میں ایسی صورت حال کو من انفق سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

ذکر الواحدی فی البسیط أن أبابکر کان أول من قاتل علی الاسلام ولأن علیا فی أول ظهور الاسلام کان صبیا صغیرا ولم یکن صاحب القتال وأما أبوبکر فانه کان شیخا مقدما وکان یذب عن الاسلام حتی ضرب بسببه أشرف منه علی الموت۔ (تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۴۵۲)

"علامہ واحدی نے بسیط میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر قتال کیا اور حضرت علی آغاز اسلام میں چھوٹے بچے تھے اس وقت صاحب قتال نہیں تھے لیکن ابوبکر صدیق بزرگ تھے اور عمر رسیدہ تھے اسلام کا دفاع کرتے تھے حتی کہ اس دفاع کی وجہ سے کفار کی طرف سے آپ کو اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ نوبت موت کے قریب پہنچ گئی"

جعل علماء التوحید هذه الآیة دالّةً علی فضل من سبق الی الاسلام وأنفق وجاهد مع الرسول علیه السلام قبل الفتح وبینوا الوجه فی ذالك وهو عظم موقع نصرة الرسول علیه السلام بالنفس وانفاق المال فی تلك الحال وفی عدد المسلمین قلة وفی الکافرین شوکة وکثرة عدد فکانت الحاجة الی النصرة والمعاونة أشدّ بخلاف مابعد الفتح فان الاسلام صار فی ذالك الوقت قویا والکفر ضعیفا ویدل علیه قوله تعالی والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار وقوله علیه السلام ولا تسبوا أصحابی فلو أنفق أحدکم مثل جبل أحد ذهبا مابلغ مدّ أحدهم ولا نصیفه۔(تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۴۵۲ والحدیث رواه البخاری)

''علمائے کرام نے اس آیتِ کریمہ کو دلیل بنایا ہے اس شخص کے شرف وفضل پر جو اسلام لانے میں سبقت لے گیا ہو اور جس نے فتح مکہ سے قبل رسول کریم علیہ السلام کی معیت میں مال راہِ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا ہو اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان فرمائی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وامداد کا عظیم تر ہونا خواہ وہ مدد نفس اور ذات اور خدمات بدن کے لحاظ سے ہو یا اس شدت اور تنگدستی کی حالت میں مال خرچ کرنے کے لحاظ سے ہو جبکہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی اور کافروں میں کثرت تعداد بھی تھی اور شان وشوکت بھی، تو ایسی صورت میں اعانت ونصرت کی طرف حاجت بہت شدید تھی بخلاف فتح مکہ کے بعد والی حالت کے کیونکہ اسلام اس وقت قوی وتوانا ہو چکا تھا، کفر ضعیف ونزار ہو چکا تھا اور قلت وتنگ دستی کی حالت میں انفاق وقتال کے شرف وفضل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے ''اور سبقت لے جانے والے اور اولیت حاصل کرنے والے مہاجرین وانصار'' اور اس طرح قولِ نبوی بھی اس پر دال ہے کہ ''میرے صحابہ کو سب وشتم مت کرو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے ایک سیر یا آدھ سیر جو کھجور کی برابری بھی نہیں کر سکتا'' جبکہ انہوں نے اس فقر وفاقہ اور تنگ دستی کے دور میں ہزاروں دینار اور لاکھوں درہم خرچ کیے اور سینکڑوں ہزاروں اونٹ اور گھوڑے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پیش کیے جن میں حضرت صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی ذاتیں سرفہرست ہیں بلکہ حضرت صدیق کو ان پر بھی اسلام لانے میں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدماتِ جلیلہ سرانجام دینے کے لحاظ سے تقدم اور سبقت حاصل ہے، لہذا ان کا رتبہ اور مرتبہ سب سے بلند وبالا ہے''

(۴) علامہ عمادالدین اسماعیل بن کثیر دمشقی فرماتے ہیں:

ولا شك عند أهل الايمان أن الصديق أبابكر رضى الله عنه له الحظ الأوفر من هذه الآية فانه سيد من عمل بها من سائر أمم الأنبياء فانه أنفق ماله كلّه

ابتغاء وجه الله عزّوجلّ ولم يكن لأحد عنده نعمة يجزيه بها۔

"اہل ایمان کے نزدیک اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت صدیق کے لیے اس آیت کریمہ سے بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ وہ ان تمام لوگوں کے سردار ہیں جنہوں نے اس آیت کریمہ پر عمل کیا ہے بہ نسبت تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے، کیونکہ انہوں نے اپنا سبھی مال اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دیا اور کسی کی طرف سے ان پر کوئی نعمت اور احسان نہیں تھا کہ وہ اس کے ذریعے اس نعمت کی جزاء اور بدلہ دے رہے ہوں"

اس کے بعد ابن کثیر نے وہ ساری روایت ذکر کی ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (حضرت صدیق اکبر کا کانٹوں کے خلال والی عبا پہن کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا، جبرئیل امین کا نازل ہو کر اس فقر ومسکنت کا سبب دریافت کرنا اور آپ کا فرمانا انه أنفق ماله علىّ قبل الفتح " انہوں نے اپنا سارا مال مجھ پر فتح مکہ سے قبل خرچ کر دیا ہے" اور ان کا عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں میرا اسلام پہنچائیں اور دریافت کریں کہ اس فقر ومسکنت میں مجھ پر راضی ہو یا کہ ناراض ہو؟ نبی مکرم ﷺ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو یا ناراض تو آپ نے عرض کیا

أاسخط على ربى عزوجل انى عن ربى راض ـ

کیا میں اپنے رب تعالیٰ پر ناراض ہو سکتا ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں)

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن کثیر نے فرمایا:

هذا الحديث ضعيف الاسناد من هذا الوجه۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ٤ ص ٣٠٧)

"یہ حدیث اس طریق سے ضعیف الاسناد ہے"

اقول:

ایک سند کے لحاظ سے "ضعف" جملہ اسناد کے لحاظ سے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتا اور
ضعفِ سند "علی الاطلاق" ضعفِ متن کو مستلزم ہوا کرتا ہے جب کہ فضائل میں ضعاف بھی
قابلِ استناد ہوا کرتی ہیں، لہٰذا اس روایت سے بھی استشہاد درست ہے اور آپ کی خدمات
دلالت کرنے والی دیگر روایات بھی بکثرت موجود ہیں۔

الغرض جب حضرت صدیق اکبر کے لیے امم انبیاء پر اس آیتِ کریمہ کے مطابق عمل
میں سیادت وقیادت حاصل ہے تو ان کا سب سے اعظم الدرجات اور اعلی المراتب ہو
ثابت ہو گیا اور وہی ہمارا مدعا تھا۔ والحمدللّٰہ علی ذالك۔

(۵) حضرت علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں اس آیتِ کریمہ کے تحت
فرماتے ہیں:

قال الكلبي: نزلت في أبي بكر رضي الله عنه ففيها دليل واضح على
تفضيل أبي بكر و تقديمه لأنه أول من أسلم وعن بن مسعود رضي الله عنه أول من
أظهر الاسلام بسيفه النبي ﷺ وأبوبكر ولأنه أول من أنفق على نبي الله ﷺ۔

(جلد ۱۷ ص ۲۰۶)

"یہ آیتِ کریمہ حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی اور اس میں ان کی
افضلیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر سبقت اور تقدم کی واضح دلیل موجود ہے، کیونکہ وہی پہلے
شخص ہیں جو سب سے اول مشرف باسلام ہوئے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ پہلے شخص جنہوں نے اسلام کو تلوار کے ساتھ ظاہر فرمایا وہ نبی کریم ﷺ ہیں اور
حضرت ابوبکر صدیق اور ابوبکر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنا مال نبی کریم ﷺ پر خرچ کیا"

بعدازاں علامہ قرطبی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی عباء کی کانٹوں
سے بندش اور اللہ تعالیٰ کا ان کے راضی یا ناراض ہونے کا سوال ذکر کیا جس کے جواب میں

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ عرض کیا انی عن ربی راض میں اپنے رب سے راضی ہوں، تو رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

فان اللہ یقول لك قد رضیت عنك كما أنت عنی راض۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھ سے راضی ہو چکا جیسے کہ تو مجھ سے راضی ہو چکا"

فبکی أبوبکر رضی اللہ عنہ

"تو ابوبکر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور ذرہ پروری پر خوشی اور مسرت سے رو پڑے"

جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا:

والذی بعثك یا محمد بالحق لقد تخللت حملة العرش بالعباء منذ تخلل صاحبك هذا بالعبا۔

"اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو اے محمد ﷺ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ حاملین عرش نے بھی اپنی عباؤں کو اس روز سے اس طرح کانٹوں کے ساتھ اپنے سینوں پر بند کر رکھا ہے جب سے کہ تمہارے اس صاحب نے عباء کو کانٹوں سے بند کیا ہے"

فقدمته الصحابة علی أنفسهم وأقروا له بالتقدم والسبق وقال علیّ بن أبی طالب رضی اللہ عنہ سبق النبی ﷺ و صلّی أبوبکر وثلث عمر فلا أوتی برجل فضّلنی علی أبی بکر الا جلّدته حد المفتری ثمانین جلدةً وطرح الشهادة۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۷ ص۲۰۶)

"اس لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنی ذاتوں پر ان کو مقدم ٹھہرایا، زبانی بھی ان کے تقدم اور سبقت کا اقرار و اعتراف فرمایا، مولائے مرتضیٰ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "سب سے سابق اور متقدم نبی مکرم ﷺ ہیں دوسرے نمبر پر ابوبکر صدیق اور تیسرے نمبر پر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، میرے پاس نہیں لایا جائے گا ایسا شخص جس نے مجھے ابوبکر پر فضیلت

دی ہو مگر یہ کہ میں اس کو افتراء پرداز اور بہتان تراش کی حد اسی کوڑے لگاؤں گا اور اس کی شہادت کو نا قابل قبول ٹھہراؤں گا" (ظاہر ہے کہ حد قطعی امور میں لگائی جا سکتی ہے نہ کہ ظنی امور میں لہذا نگاہ مرتضی میں افضلیت صدیق قطعی ہے)

اگر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور برتری معروف و مشہور ہوتی تو اب اس پر پابندی لگانا اور فضیلت دینے والے کو اس قدر تشدید و تغلیظ کا نشانہ بنانا اور اس کی شہادت کو بھی مردود ٹھہرانا کیونکر روا ہو سکتا تھا اور بر سر منبر بھرے مجمع میں اس تغلیظ و تشدید کے اعلان پر کسی طرف سے ردو قدح اور تنقید وانکار کا نہ پایا جانا کیونکر متصور ہو سکتا تھا؟ جبکہ اس امت کی شان ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور وہ اظہارِ حق اور ابطال باطل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بھی نہیں ڈرتے تو یہ امر اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس دور میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر حضرت علی کی تفضیل کا تصور تک نہ تھا یہ صرف عبداللہ بن سبا یہودی کا منافقانہ کردار تھا جس نے تفضیلِ علی اور خلافت بلافصل کے نظریات سے آغاز کیا اور خلفائے ثلاثہ کو ظالم وغاصب اور کافر تک کہہ دیا پھر مولا علی کی الوہیت کا عقیدہ ظاہر کیا اور بالآخر اس کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا لیکن اس کے شیطانی وساوس بعض لوگوں میں اب بھی سرایت کیے ہوئے ہیں۔

فتح مکہ سے قبل انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ زائد ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لأن حاجة النّاس كانت أكثر لضعف الاسلام ومثل ذالك كان على المنافقين حينئذ أشق والأجر على قدر النصب والله أعلم۔

"ضعفِ اسلام کی وجہ سے نفقات کی طرف لوگوں کی حاجت بکثرت تھی اور انفاق فی سبیل اللہ والا عظیم عمل اس وقت منافقین پر بہت شاق اور گراں بار تھا اور اجر بھی محنت مشقت کے مطابق اور موافق ہوتا ہے تو اس لیے اس انفاق کا درجہ بہت اعظم اور اعلی ہو گیا"

اقول:

اس انفاق اور قتال میں سرفہرست امت میں سے ابوبکر صدیق ہیں اور خود مولائے مرتضیٰ نے بھی ان کو نبی مکرم ﷺ کے بعد سب سے مقدم اور بلند مرتبت ٹھہرایا ہے اور تقدم دنیوی احکام میں بھی ہوتا ہے اور دینی احکام میں بھی، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أمرنا رسول اللہ ﷺ أن ننزّل النّاس منازلھم

"ہمیں رسول کریم علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبہ و مقام کے مطابق جگہ دیں"

تمام منازل سے بلندتر منزلت والا امر از روئے مرتبہ و مقام کے نماز ہے اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

مروا أبابکر فلیصلّ بالناس

"ابوبکر صدیق کو پابند کرو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"

گویا احکامِ دنیا سے احکامِ دین مقدم ہیں اور ان میں سے سب پر نماز کو تقدم اور سبقت حاصل ہے اور اس میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے حضرت صدیق کو مقدم فرما کر سب پر ان کی افضلیت اور سبقت و برتری ثابت فرمادی" (ملخص ماقال القرطبی)

اسی لیے مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ ﷺ لدیننا۔

"ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسی کو مقدم ٹھہرایا اور اپنا حاکم و خلیفہ بنایا جس کو رسول گرامی ﷺ نے ہمارے دین میں ہماری امامت کے لیے پسند فرمایا"

کیا خلفاء کرام علیہم الرضوان کو خلافت کی وجہ سے افضلیت حاصل ہوئی؟

تنبیہ نبیہ:

اس آیتِ کریمہ میں جو عظمت اور رفعت منزلت ذکر کی گئی ہے وہ خلافت وحکومت اور سیاستِ دنیا کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ اپنے مجاہدات وریاضات اور ذاتی کمالات اور فضائل اور امتیازات وخصائص کے لحاظ سے ہے، لہذا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو فقط خلافت وحکومت اور حسن تدبیر اور کامل نظم وضبط کے اعتبار سے افضل قرار دینا جیسے شاہ عبدالقادر گیلانی صاحب کا نظریہ ہے یا سیاسی اور دنیوی اقتدار کے لحاظ سے ان میں افضلیت تسلیم کرنا جیسے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی سوچ ہے سراسر غلط، بے بنیاد اور نص قرآنی کے خلاف ہے بلکہ جو زندگی بھر خلیفہ نہ بنے اور کبھی انہیں خلیفہ بننے کا خواب میں بھی خیال نہ آیا ان کے لیے اپنی خدمات اسلامیہ کے مطابق یہ عظمت ورفعت ثابت ہے اور اس امر کا قائل کون سا دشمن عقل ودانش ہوگا کہ بالعموم سابقین اولین مہاجرین وانصار تو ذاتی کمالات اور خدمات اسلام کی بنا پر فضیلت مآب بنے لیکن خلفاء کرام محض خلافتی اقتدار اور دنیوی سیاست کی وجہ سے اس عظمت اور رفعت کے مالک بن گئے حالانکہ وہ ان حضرات کے سردار اور پیشوا ہیں۔

(۶) قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:

والآية نزلت في أبي بكر رضي الله عنه فانه أول من آمن وأنفق في سبيل الله و خاصم الكفار حتى ضرب ضرباً أشرف منه على الهلاك۔

(بیضاوی مع حاشیہ شہاب جلد ۸ ص ۱۵۵)

"یہ آیتِ کریمہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہی سب سے پہلے ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور کفار کے ساتھ خصومات اور مقابلے کئے حتی کہ آپ کو شدید ضربیں آئیں جن سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تھے"

(۷) شہاب الدین نے اپنے حاشیہ بیضاوی میں علامہ واحدی کے حوالے سے:

کلبی والا قول اور اس کے بیان کردہ عظمت درجات کے وجوہات بھی بیان کیے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کرنا اور رضامندی کے بارے میں دریافت کرنا ذکر کیا نیز حضرت صدیق کا عرض کرنا کیا میں اپنے رب تعالے' پر ناراض ہوسکتا ہوں؟ میں اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہوں تین دفعہ عرض کرنا، انا عن ربی راض، ذکر فرمایا ہے جیسے کہ ذکر کیا جاچکا ہے۔

اعتراض مبنی بر قول کشاف اور جواب از علامہ شہاب

لیکن کشاف کے قول کے ساتھ اس تخصیص پر اعتراض نقل کیا

والأظهر ما في الكشّاف من المراد بهم والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار الذين قال فيهم النبي ﷺ لو أنفق أحدكم مثل جبل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه وأيد بقوله تعالى اولئك اعظم لكن الصديق يدخل فيهم دخولاً اولياً واما الاختصاص فلا يوافقه ۔

"اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو کشاف میں ہے کہ اولئك اعظم درجة سے تمام سابقون اولون مہاجرین وانصار مراد ہیں جن کے حق میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کسی نے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کیا تو وہ ان کے سیر آدھ سیر جو کھجور کی برابری بھی نہیں کر سکے گا" اور اس کی تائید میں اولئك أعظم کے اسم اشارہ کے صیغہ جمع کو پیش کیا لیکن حضرت صدیق ان مہاجرین وانصار سابقون اولون میں دخولِ اوّلی کے طور پر داخل ہوں گے البتہ ان کے ساتھ اختصاص کے موافق یہ جمع والے صیغے نہیں ہیں"

اس اعتراض پر جوابی کاروائی کرتے ہوئے علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

قلت اذا صحّ نزولها في الصديق فكل هذا مطروح على الطريق فانه رضي الله عنه أنفق قبل الفتح وقبل الهجرة جميع ماله و بذل نفسه معه كما أشار اليه

المصنف و بلغ فی ذالك الی مالم یبلغه أحد من الصحابة ولذا قال ﷺ لیس أحد أمنّ علیّ بصحبته من أبی بکرو خصوص السبب لا یدل علی تخصیص الحکم فلذا قال اولئك لیشمل غیره ممن اتصف بذالك و کونه أکمل أفراده یکفی لنزولها فیه

(عنایة القاضی جلد ۸ ص ۱۰٦)

"میں کہتا ہوں اس آیتِ کریمہ کا نزول صحیح طور پر حضرت صدیق کے حق میں ثابت ہو چکا تو کشاف وغیرہ کے دعویٰ راستہ پر پامالی کے لیے پھینکنے کے قابل ہیں، کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتحِ مکہ سے قبل بھی اپنا سارا مال خرچ کیا اور ہجرت سے قبل بھی تمام مال خرچ کیا بلکہ اس ساتھ ساتھ اپنی جان کو بھی صرف کیا جیسے کہ مصنف (قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ) نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں کفار کے ساتھ خصومات میں اپنی جان تک کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا اور اس انفاق اور قتال میں اس حد تک پہنچے جہاں کوئی دوسرا صحابی نہ پہنچ سکا، اسی لیے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: "کوئی شخص مجھ پر اپنی صحبت (اور مال صرف کرنے کے) لحاظ سے ابوبکر جیسا محسن نہیں ہے"

(رہا معاملہ صیغے جمع کے استعمال کرنے کا) تو اس کا سبب یہ ہے کہ خصوصِ سبب، خصوصِ حکم کو مستلزم نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا اولئك اعظم درجة تا کہ ایسی صفات کے ساتھ متصف ہونے والے دوسرے افراد کو بھی شامل ہو جائے (اور ان کے لیے وجہ ترغیب بن جائے) اور حضرت صدیق اکبر کا اس کے اکمل افراد میں سے ہونا اس آیت کے ان کے حق میں نزول کے لیے کافی ہے (اور ان کا اکمل الافراد ہونا حقیقتِ مسلمہ ہے)

افضلیت صدیق اکبر پر تیسری قرآنی دلیل

اولو الفضل ہونے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال

الآیۃ الثالثۃ:

قال اللہ تعالیٰ:

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ نور، 22:24)

"اور نہ قسم اٹھائیں فضیلت مآب لوگ تم میں سے اور مال دار کہ وہ دیں قرابت داروں اور مسکینوں اور راہ خداوند تعالیٰ میں ہجرت کرنے والوں کو، اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے؟ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا انعام فرمانے والا ہے"۔

شانِ نزول:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی تو تہمت لگانے والے لوگوں میں بدقسمتی سے حضرت مسطح بھی شامل ہو گئے حالانکہ وہ آپ کا قرابت دار بھی تھے اور اُن کے اخراجات کی کفالت بھی آپ کیا کرتے تھے، ان کی جسارت پر آپ نے قسم اٹھائی کہ میں مسطح کے اخراجات کی کفالت نہیں کروں گا، اس موقع پر ان کو اعلیٰ ترین اخلاق اور بلند ترین صفات کو اپنانے کا درس دیتے ہوئے یہ کلمات طیبات نازل فرمائے گئے۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء   اگر مردی احسن الی من اساء

برائی کا بدلہ احسان کو روک کے دینا ارباب فضل اور مالی وسعت والوں کے لائق نہیں ہے وہ قرابت دار بھی ہے، مسکین فقیر بھی ہے اور مہاجر فی سبیل اللہ بھی ہے۔لہذا اس کے خلاف انتقامی کاروائی کی بجائے عفو ودرگزر سے کام لینا چاہیے اور اخلاق الہیہ کے ساتھ متخلق اور متصف ہونا چاہیے وہ کس قدر قدرت وطاقت کا مالک ہے اور انتقام پر قادر ہے لیکن عفو ومعافات سے کام لیتا ہے تو تمہیں بھی وہی سنتِ الہیہ بروئے کار لانی چاہیے کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مغفرت خاصہ سے بہرہ ور فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور انعام سے نوازنے والا ہے۔

وجہ استدلال :

ان کلمات قدسیہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اولو الفضل و السعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے اور قاعدۂ عطف یہی ہے کہ "معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت ہونی چاہیے" ذات کے لحاظ سے ہو مثلاً: اطیعو اللہ و الرسول یا صفات کے لحاظ سے مغایرت ہو جس طرح یہاں پر اولی القربی و المساکین و المہاجرین میں تغایر صفات کی وجہ سے حرف عطف ذکر کیا گیا ہے اور یہاں السعۃ سے تو مال داری اور خوش حالی مراد ہونا متعین ہے تو لامحالہ فضل سے دینی ایمانی اور روحانی فضل وشرف مراد ہوگا، اس طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی امتیازی اور انفرادی شان اور فضیلت مآب ہونے کا اعزاز وامتیاز ثابت ہو جائے گا۔

اکابرین علمائے کرام اور آئمہ تفسیر کے ارشادات:

(۱) علامہ قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

انه نزل فی أبی بکر رضی اللّٰه عنه و قد حلف أن لا ینفق علی مسطح بعد و کان ابن خالته و کان من فقراء المهاجرین اولو الفضل منکم فی الدین والسعة فی المال و فیه دلیل علی فضل أبی بکر و شرفه۔

(بیضاوی مع حاشیہ شہاب جلد ٦ ص ٣٦٧)

"یہ قول باری تعالیٰ حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوا جب آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ مسطح پر بعد ازیں مال خرچ نہیں کروں گا جبکہ وہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور فقراء اور مہاجرین میں سے تھے تو یہ قول نازل ہوا کہ تم میں سے دین میں فضل وشرف والے اور مالی وسعت والے حضرات ایسی قسم نہ اٹھائیں کہ اب ہم اخراجات میں اس کی کفالت نہیں کریں گے اور اس ارشادِ خداوندی میں حضرت ابوبکر صدیق کے فضل وشرف پر عظیم دلیل موجود ہے"

(۲) علامہ قاضی شہاب الدین تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

قوله في الدين اشارة الى أن الفضل بمعنى الزيادة و خصّها بالدين لذكر السعة بعده ولذا دلّت على فضل أبي بكر لنزولها فيه و المنكر لذالك خذله الله تعالى حمله على فضل المال ويرده أنه يتكرر مع قوله و السعة۔

(جلد ٦ ص ٣٦٧)

"بیضاوی علیہ الرحمہ نے الفضل فی الدین فرما کر اشارہ کر دیا کہ فضل بمعنی زیادتی ہے اور اس سے مراد دین میں زیادتی اور برتری ہے کیونکہ مال میں وسعت اور برتری کا ذکر معطوف میں پایا گیا ہے اسی لیے یہ آیت حضرت صدیق کی فضیلت وبرتری پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ انہیں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور جو ابوبکر صدیق کے دینی شرف وفضل کا منکر ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل اور رسوا کرے اس نے اس قول باری تعالیٰ کو مالی برتری پر محمول کیا ہے مگر اس پر ردو انکار کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت حال میں الفضل اور السعۃ کا معنی ایک ہو جائے گا اور تکرار بے فائدہ لازم آئے گا"

امام رازی کے نکتہ ہائے لطیف کا خلاصہ:

(۳) حضرت امام رازی علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کے تحت جو کچھ فرمایا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے جزیل اور اجر جمیل عطا فرمائے جس کا خلاصہ بقدر

الا مکان پیش کیا جائے گا:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اھـــلِ افلك اوران کے کلام کو سننے والوں کو آداب واخلا
سکھلائے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کی تربیت فرمائی اور مسطح پر خرچ کرنے سے جو قسم کھا
تھی اس سے منع فرمادیا، خرچہ بحال کرنے اور عفوودرگزر سے کام لینے کا حکم دیا اور حضرت صد
نے اس عفوودرگزر والے حکم کی پوری تعمیل کی اور فرمایا:

قبلت ما أنزل اللّٰه على الرأس و العين و انما فعلت بكم ما فعلت اذ سخط
اللّٰه عليكم فأما اذا عفا عنكم فمرحبا بكم ۔

"جو حکم اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا میں نے بسروچشم قبول کیا اور میں نے تمہارے سا
جو سلوک کیا تھا یہ اس وقت تھا جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر ناراض ہوا، جب اس نے معاف فرمادیا
میری طرف سے بھی تمہارے لیے مرحبا ہے"

آپ نے مسطح کو پہلے کی نسبت دگنا نفقہ دینے کا التزام فرمالیا۔

أجمع المفسرون على أن المراد من قوله "اولو الفضل" أبوبكر رضى اللّٰ
عنه۔الخ

"تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ قول باری تعالیٰ اولو الفضل سے حضرت ابوبکر
صدیق مراد ہیں"

اور یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ رسول گرامی ﷺ کے بعد افـــضـــل
الناس تھے، کیونکہ جس فضل کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ دنیوی ہے یا دینی؟ پہلی شق باطل ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے اس فضل کو مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے اور دنیا کی مدح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز
نہیں ہے، علاوہ ازیں اس میں والسعة کا ذکر تکرار محض بن جائے گا تو اس سے دینی فضل
مراد ہونا متعین ہو گیا۔ اگر دوسرا کوئی شخص آپ کے ساتھ اس فضل میں مساوی اور شریک ہوتا ہے

درجاتِ دینیہ میں تو پھر آپ صاحبِ فضل نہیں ہوسکتے کیونکہ مساوی فاضل نہیں ہوسکتا تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فضل علی الاطلاق ثابت فرمایا اور اسے کسی شخص کے ساتھ اور کسی نسبت واضافت سے مقید نہ فرمایا تو لامحالہ آپ کا افضل الخلق (بعدالانبیاء) ہونا ثابت ہوگیا۔ رسول گرامی ﷺ کے حق میں اس عموم واطلاق پر عمل متروک ہوگا فیبقی معمولا به فی حق الغیر تو آنحضرت ﷺ کے بعد والوں پر آپ کا فضل وشرف ثابت ہوجائے گا۔

سوال:

ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ آیت کریمہ ابوبکر صدیق کے ساتھ مختص ہے اور اجماع کا دعوی غیر مسلم ہے۔

جواب:

ہم کہتے ہیں جس شخص نے بھی کتبِ تفسیر اور کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ اس آیتِ مقدسہ کا ابوبکر صدیق کے ساتھ اختصاص حدِ تواتر تک پہنچا ہوا ہے اور اس کا انکار جائز ہو تو پھر ہر متواتر کا انکار جائز ہوگا (جس کا کوئی عقل مند قائل نہیں ہوسکتا) نیز یہ آیتِ مقدسہ اس پر دال ہے کہ اولوا الفضل سے مراد افضل الناس ہے اور امت کا اس پر اجماع مرکب) ہے کہ افضل الناس یا ابوبکر صدیق ہیں یا علی مرتضی، جب ہم واضح کردیں گے کہ یہاں پر علی مرتضی مراد نہیں ہوسکتے تو ابوبکر صدیق کا تعین حتمی طور پر لازم آجائے گا۔ یہاں پر حضرت علی مراد نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کا ماقبل اور مابعد حضرت صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق ہے تو اندریں صورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ درمیان میں مکمل طور پر بے ضابطہ، بے ربط وبے تعلق اور قابل ردوانکار ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ہستی کو اولوا الفضل کے علاوہ اولوا السعة سے بھی تعبیر کیا گیا

ہے اور اس وقت مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ اپنی دنیوی زندگی میں مالی وسعت اور فراخی کے مالک نہیں تھے۔

امام رازی کے ذکر فرمودہ لفظی فوائد اور وجوہِ فضیلت:

اچھی طرح ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو اس آیت میں صفات عجیبہ کے ساتھ موصوف فرمایا ہے جو ان کے دین متین میں بلندیٔ درجت پر دال ہیں:

(۱) باری تعالیٰ نے ان کو جمع والے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور جب واحد کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو یہ اس کے علوِ شان کی دلیل ہوتی ہے، جیسے کہ ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ اور اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ تو پھر غور کرو جس شخص کے حق میں اللہ رب العزت کی ذات والا صفات بمع اپنے تمام تر جاہ وجلال کے واحد کی بجائے جمع کے لفظ استعمال فرمائے اس کے علوِ شان کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟

(۲) باری تعالیٰ نے ان کو صاحبِ فضل ہونے کے ساتھ موصوف فرمایا اور اس میں کسی طرح کی تقیید و تخصیص نہیں فرمائی اور فضل میں افضال بھی داخل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس طرح صاحبِ فضل تھے علی الاطلاق اسی طرح علی الاطلاق صاحبِ افضال بھی ہیں یعنی دوسروں کے لیے فیض رساں بھی ہیں۔

(۳) افضال نام ہے اس چیز کے افادہ کا جو لائق و مناسب بھی ہو اور اس میں عوض نہ پایا جائے، لہذا کوئی شخص چھری دے ایسے بندے کو جو اپنے آپ کو قتل کرنا چاہتا ہو تو اس کو افضال نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے غیر مناسب چیز عطا کی ہے اور اگر کوئی مناسب چیز دوسرے کو دیتا ہے لیکن اس سے مالی معاوضہ کا طالب ہے یا مدح وثنا اور شکریہ کا تو پھر وہ شخص مستفیض کہلائے گا نہ کہ مفیض اور مفضل، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توصیف میں فرمایا: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (17) الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى (18) وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ

تُجْزٰی (19) اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (20) وَلَسَوْفَ يَرْضٰی (21)(اللیل)

یعنی وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں تزکیہ حاصل کرنے کے لیے نہ کہ کسی کی نعمت کا بدلہ دینے کے لیے بلکہ صرف اور صرف ربِ اعلیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ جب کہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا (الدھر، 9,10:76)

کہ بے شک ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، ہم تم سے جزا حاصل کرنے اور شکریہ ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے۔

الغرض علی المرتضی کی عطا کا موجب خوف عقاب ہے اور حضرت ابوبکر نے جو دیا وہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تو حضرت ابوبکر کا درجہ اعلیٰ ٹھہرا اور ان کا عطیہ افضال میں بھی اتم و اکمل ہوا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اولوالفضل منکم اور من کا لفظ تمیز کے لیے ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو تمام مومنین سے ممتاز ٹھہرایا، ان کے اولوالفضل ہونے والی صفت کے ساتھ اور جس صفت کے ساتھ امتیاز حاصل ہو رہا ہے اس کا حصول فی الغیر محال ہے ورنہ وہ اس شخص کی ذات کے لیے ممیز ہو ہی نہیں سکتی، تو معلوم ہوا کہ اولوالفضل ہونا ان کا خاصہ ہے کسی دوسرے میں متحقق نہیں ہے۔

(۵) فضل کو طاعتِ خداوندی اور اس کی عبادت پر حمل کرنا ممکن ہے اور السعۃ کو خدا پر بالعموم اور اہل اسلام کے ساتھ بالخصوص احسان والے معنیٰ پر حمل کرنا ممکن ہے تو گویا حضرت ابوبکر جامع تھے تعظیم لامر اللہ کے اور شفقت علی خلق اللہ کے۔ اور یہ دونوں

اوصاف مراتبِ صدیقین کے اعلیٰ اوصاف میں سے ہیں اور جو اس شان کا مالک ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا، کیونکہ اس کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

''بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ہے جو درجۂ احسان پر فائز ہیں''۔

انہیں دو صفاتِ کمال کے ساتھ اتصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زبانِ رسول ﷺ کے ذریعے انہیں فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

''غم مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے''

(۶) انسان سعۃ کے ساتھ اسی وقت موصوف ہوتا ہے جب صاحب جود وعطا ہو، محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

خیر الناس من ینفع الناس

''سب لوگوں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچانے والا ہے''

آیت اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اس پہلو سے بھی افضل تھے آپ ہر خداداد نعمت میں بہت زیادہ جود وعطا سے کام لینے والے تھے ایک طرف لوگوں کو مالی منافع سے بہرہ ور فرماتے تھے تو دوسری طرف دینِ اسلام کی طرف دعوت کے ذریعے اور دوزخ سے دور کرنے اور جنت میں داخل کرنے کے لحاظ سے بھی صاحبِ فضل ووسعت تھے اور آپ کے اسی عظیم جود ونوال کی دلیل ہے کہ جس دن اسلام لائے حضرت عثمان ذوالنورین حضرت طلحہ، حضرت زبیر سعد بن ابی وقاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کو بھی آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر کردیا جب کہ یہ سبھی حضرات آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو چکے تھے اور ان کا جود ونوال تعلیمِ دین اور ہدایت

خلق پر مشتمل تھا جیسے کہ مال کے بذل وصرف پر مشتمل تھا پس آپ اس امر کے حق دار ہیں کہ ان کو اہل فضل ہونے کے ساتھ ساتھ اھل سعة ہونے والی صفت کاملہ سے موصوف مانا جائے۔

پہلا اسلام لانے والا شخص کون ہے؟

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس میں اختلاف ہے کہ اول اول اسلام لانے والا کون ہے، حضرت ابوبکر یا حضرت علی؟

لیکن اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ علی مرتضی اسلام لاتے ہی تبلیغ دین میں مشغول نہیں ہوئے لیکن ابوبکر صدیق اسلام لاتے ہی دین کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے تو حضرت صدیق اسلام کے پہلے مبلغ ٹھہرے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو اس پہلو سے بھی آپ کو بعد الرسول افضل الناس تسلیم کرنا لازم وواجب ہے۔

نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اسے اس کا بھی اجر وثواب ملے گا اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں کے اجر وثواب کی مانند بھی اجر وثواب ملے گا" تو لازم ٹھہرا کہ امت محمدیہ کے تمام داعیان اسلام کے اجر وثواب کے برابر آپ کو بھی اجر وثواب ملے۔ اس طرح بھی اس آیت کریمہ میں آپ کی افضلیت پر دلالت موجود ہے۔

(۷) ظلم وستم قریبیوں کی طرف سے زیادہ سخت ہوتا ہے، نیز جب انسان کسی کے ساتھ احسان کرے اور وہ اس کا بدلہ برائی سے دے خواہ اجنبی ہی ہو تو وہ اساءت شدید ہوتی ہے اور جب قرابت بھی ہو اور نیکی کا بدلہ بدی سے دیا جائے جیسے کہ مسطح میں دونوں جہتیں موجود تھیں بایں ہمہ اس نے ابوبکر صدیق کو شدید ترین ایذاء پہنچائی تو اس کا ضرر اور اثر بد حضرت صدیق کے دل پر کتنا ہوگا؟ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ مسطح سے بر واحسان کو نہ روکیں بلکہ سابقہ بر واحسان والی صورت کو برقرار رکھیں تو یہ عظیم ترین مجاہدات کے قبیل سے ہے اور بلاشک وشبہ یہ کفار کے ساتھ حرب وقتال کی نسبت بھی شدید تر ہے کیونکہ یہ نفس کے ساتھ جہاد

ہے اور وہ کفار کے ساتھ، اور نفس کے ساتھ جہاد زیادہ شاق اور دشوار ہوتا ہے اس لیے محبوب کریم

علیہ السلام نے فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجها د الاكبر

یعنی ہم کفار کے ساتھ قتال سے نفس کے ساتھ نماز کی صورت میں قتال کی طرف لوٹے

اقول:

دشمن جتنا سخت ہو جہاد اتنا ہی افضل ہوتا ہے کما ورد: أعدى أعداء ك نفسك

التى بين جنبيك اور سب دشمنوں سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان

ہے، لہذا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس عظیم و شدید جہاد کا حکم دیا گیا اور انہوں نے

کما حقہ وہ جہاد کر دکھلایا تو ان کی افضلیت اور برتری واضح ہو گئی۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے جب حضرت صدیق کو اس جہاد کا حکم دیا تو ان کو اولوا الفضل

اور اولو السعة سے تعبیر فرمایا گویا کہ وہ فرماتا ہے "اے ابوبکر صدیق! تو اس سے بہت بلند

و بالا ہے کہ تو اس کی اساءت اور برائی کا بدلہ دے، جب کہ تو اس سے وسیع القلب ہے کہ پوری

دنیا کا تیرے ہاں کوئی وزن ہو لہذا تمہارے فضل و وسعت کے لائق یہ نہیں کہ مسطح سے اپنا

احسان اور نیکی کو روکے بسبب اس اساءت کے جو اس سے صادر ہوئی" اور یہ ہر اک کو معلوم ہے

ہی کہ ایسے خطابات کے مخاطب اعلیٰ درجہ کے فضل و شرف اور دین میں بلند و بالا مقام پر فائز لوگ

ہی ہوا کرتے ہیں۔

(۹) الفضل اور السعة معرف باللام ہیں اور مخصوص فضل و وسعت پر قرینہ

قائم نہیں ہے، تو لامحالہ عموم و استغراق مراد ہوگا تو ثابت ہوا کہ کل فضل اور کل سعت ابوبکر صدیق

کے لیے ثابت ہے، جس طرح کہا جائے : فلان هو العالم تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ علم کے اعلیٰ

بلند مقام پر فائز ہے کہ دوسروں کے علوم اس کے سامنے کالعدم ہیں تو الفضل اور السعة بھی اسی

پر دال ہوں گے کہ ابو بکر صدیق جس فضل اور وسعت کے اعلیٰ و برتر مقام پر فائز ہیں دوسرے حضرات صحابۂ کرام ان کے مدمقابل نہیں ہو سکتے۔

(۱۰) عفو و درگزر کا حکم دیا گیا اور عفو، تقویٰ کے قرین و مصاحب ہے، لہذا جو شخص بھی عفو میں قوی تر ہو گا وہ تقویٰ میں بھی قوی تر ہو گا اور جو تقویٰ میں قوی تر ہو گا وہ افضل و اعلیٰ ہو گا کما قال اللہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم نیز عفو و تقویٰ باہم متلازم ہیں اسی لیے حضرت صدیق میں دونوں جمع ہیں اور وجود تقویٰ کی دلیل قول باری تعالیٰ ہے:

وسیجنبھا الاتقی

اور عفو و صفح کے ثبوت و تحقق کی دلیل قول باری تعالیٰ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ السلام کو فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ (المائدہ، 13:5)

اور حضرت صدیق کے حق میں بھی فرمایا:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام صفات میں بھی ابو بکر صدیق رسول گرامی کے لیے ثانی اثنین تھے حتی کہ عفو و صفح میں بھی۔

(۱۲) باری تعالیٰ نے فرمایا:

الا تحبون ان یغفر اللہ لکم

اس میں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا جو متکلم کے ہاں مخاطب کی عظمتِ شان کی دلیل ہے نیز باری تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی مغفرت و بخشش کو معلق فرمایا حضرت ابو بکر صدیق کے عفو و صفح کے اقدام پر اور جب شرط کا تحقق پایا گیا تو جزاء کا اس پر ترتب واجب و لازم ٹھہرا۔ نیز یغفر کا صیغہ مستقبل کا ہے اور اس کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو یہ آیتِ کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مستقبل زمانہ میں علی الاطلاق مغفرت فرما دی ہے تو

اس لحاظ سے بھی آپ رسول گرامی ﷺ کے لیے ثانی اثنین ثابت ہوئے کما قال اللّٰہ تعالیٰ : لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ(الفتح، 2:48)اورآپ کی صحتِ امامت کی دلیل بھی بن گئی کیونکہ اگرآپ کی امامت خلاف حق ہوتی تو آپ علیٰ الاطلاق مغفور نہ ہوتے نیز یہ آیت اس نبوی بشارت کے بھی برحق ہونے کی دلیل ہے کہ أبو بكر في الجنة۔

(۱۳) جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

الاتحبون ان يغفر الله لكم

تو ساتھ ہی اپنی ذات کو غفور رحیم والی صفات کے ساتھ موصوف فرمایااور غفور غفران میں مبالغہ کے لیے ہےاوراُدھر ابوبکر صدیق کی عظمت اجاگر فرمائی جبکہ ان کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا

والعظيم اذاعظّم نفسه ثم عظّم مخاطبه فالعظمة الصادرة منه لأجله لابدأن تكون في غاية التعظيم۔

اور عظیم ذات جب اپنی عظمت بیان فرمائے پھر اپنے مخاطب کی عظمت کواجاگر فرمائے تو اس ذاتِ عظیمہ کی طرف سے اپنے مخاطب کے لیے صادر ہونے والی عظمت غایت درجہ تعظیم میں ہوگی۔

لهذا قلنا ان الله سبحانه وتعالىٰ لماقال انا اعطينك الكوثر وجب ان تكون العطية عظيمة۔

اسی لیے ہم نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حبیبِ مکرم ﷺ کو فرمایا:انا اعطينك الكوثر تو لازم ٹھہرا کہ وہ عطیہ عظیم ہو تو اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس منقبت میں بھی رسول گرامی ﷺ کے لیے ثانی اثنین ہیں۔

(۱۴) جب اللہ تعالیٰ نے مدح وثناء کے انداز میں حضرت صدیق کو اولوالفضل

والسعۃ سے تعبیر فرمایا تو لازم ٹھہرا کہ آپ اس ارشادِ گرامی کے نزول سے قبل معصیت سے پاک ہوں کیونکہ اس عظیم حد تک ممدوح ذات اہلِ نار سے نہیں ہو سکتی اور اگر عاصی ہوں تو لامحالہ اہلِ نار سے ہوں گے جیسے کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔(النساء،14:4)

"جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ السلام کی نافرمانی کرے اور اس کے جملہ حدود سے تجاوز کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آتشِ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہنے والا ہوگا"

اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ گناہوں سے خالی تھے تو پھر باری تعالیٰ کے اس ارشاد ان یغفر اللہ لکم سے غفرانِ معصیت والا معنی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ جب معصیت موجود ہی نہ ہو تو اس کے غفران کا کیا معنی؟ جب ثابت ہوا کہ آیتِ کریمہ کو غفرانِ معصیت والے معنی پر حمل کرنا درست نہیں ہے تو اس کا دوسری صورت پر حمل کرنا لازم ٹھہرا اور وہ یہ ہے کہ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

الا تحبون ان یغفر اللہ لکم

کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے بسبب تمہارے ان تہمت لگانے والے عاصیوں کی تعظیم کے، تو آیتِ کریمہ کا حاصل معنی یہ ہو جائے گا، اے ابوبکر! اگر تم نے ان عاصیوں کو قبول کر لیا تو میں بھی قبول کر لوں گا اگر تو نے ان کو رد کر دیا تو میں بھی ان کو رد کر دوں گا گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان عاصیوں کے حق میں دنیا میں ہی مقامِ شفاعت عطا کر دیا ہے، فھذا ماحضرنا فی ھذہ الآیۃ۔

سوال:

یہ آیتِ کریمہ تو ابوبکر صدیق کے حق میں مرتبہ ومقام میں تنزل اور نقص کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلف اٹھانے سے منع فرمادیا ہے اور ''نہی'' صدورِ معصیت پر دلالت کرتی ہے۔

جوابِ اول:

''نہی'' اگر فعل امر سے متعلق ہو تو ضروری نہیں کہ وہ امر موجود و متحقق بھی ہو، حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ولَاتُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ (الاحزاب، 48:33) لیکن اس سے یہ دلالت حاصل نہیں ہوتی کہ آپ نے کفار ومنافقین کی اطاعت فرمائی تھی بلکہ صرف روایات سے ظاہری معنی ومفہوم کے تحت اس حلف کا سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اندریں صورت آیت مبارکہ کی دلالت تو وقوع حلف بلکہ وقوع معصیت پر ثابت نہیں ہوتی۔

جوابِ ثانی:

تسلیم کرتے ہیں کہ حلف آپ سے سرزد ہوا لیکن تم نے اس کے معصیت ہونے کا دعویٰ کیوں کیا؟ کیونکہ کسی ایسے شخص پر فضل واحسان رک جانا بسااوقات مستحسن ہوتا ہے خصوصاً اس شخص کے حق میں جو اپنے محسنوں کے احسان کا بدلہ برائی سے دینے والا ہو یا اس احسان کو ایسے کاموں کا ذریعہ ووسیلہ بنانے والا ہو جو محرمات کے قبیل سے ہوں۔

سوال:

اگر یہ امر معصیت نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا اس سے منع فرمانا جائز نہیں ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: و لا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ۔

جواب:

یہ نہی تحریم اور زجرو توبیخ کے لیے نہیں ہے بلکہ ترکِ اولیٰ سے نہی ہے،

کان اللّٰہ سبحانہ قال لأبی بکر اللائق بفضلك وسعة همتك أن لاتقطع هذا فكان هذا ارشاداًالى الاولى لامنعًا عن المحرم

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو فرمایا کہ تمہارے فضل وشرف اور وسعت ہمت کے لائق یہی ہے کہ تم اپنے برّ واحسان کو قطع نہ کرو تو اولیٰ وانسب امر کی طرف ارشاد وراہ نمائی ہے نہ کہ حرام کام سے منع فرماتا ہے۔

(یہاں امام رازی کے ذکر کردہ فوائد مکمل ہوے)

(۴) حضرت علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

هذه الآية نزلت فی أبی بکر رضی اللّٰہ عنه حين حلف أن لا ينفع مسطح بن أثاثة بنافعة أبداً الخ۔

یعنی یہ آیت کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے حلف اٹھالیا تھا کہ مسطح بن اثاثہ کو کسی بھی نفع دینے والی چیز کے ساتھ نفع نہیں پہنچاؤں گا بعد اس کے کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کہا جو کہا، تو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کی براءت نازل فرمادی اور نفوس مومنہ کو طمانیت حاصل ہوگئی اور راحت مل گئی اور اہل ایمان میں سے جنہوں نے اس افك میں حصہ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی اور حد قائم کردی گئی ان پر جو حد کے مستحق تھے تو اب اللّٰہ ذو الفضل و الامتنان نے حضرت صدیق کو اپنے قریبی اور نسبی رشتہ دار مسطح پر مہربانی اور لطف وکرم پر مائل کرنا شروع فرمایا کیونکہ وہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور محض مسکین تھے، ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، صرف حضرت صدیق جو ان پر خرچ کرتے تھے وہی ان کی گزر بسر کا ذریعہ تھا اور مہاجرین فی سبیل میں سے تھے اور انہوں نے بہت بڑی لغزش کھائی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دے دی اور اس لغزش کی وجہ سے حد بھی ان کو لگ چکی تھی، وكان الصديق معروفًا بالمعروف وله الفضل والأيادی

علی الأقارب والأجانب اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ معروف اور خیر و بھلائی کے ساتھ معروف و مشہور تھے اور ان کی طرف سے سبھی پر فضل و احسان تھا، قرابت دار ہوں یا اجنبی لوگ ہوں، تو جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

الا تحبون ان یغفر اللہ لکم

"کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تمہیں بخشا جائے"

تو گویا اللہ تعالی کی طرف سے فرمایا گیا:

فإن الجزاء من جنس العمل فکما تغفر ذنب من أذنب الیك یغفر اللہ لك وکما تصفح یصفح عنك فعندذالك قال الصدیق بلی واللہ انا نحبُّ أن تغفرلنا یا ربّنا۔

"جزاء وسزا جنسِ عمل سے ہوتی ہے، پس تم بخشو اس کا گناہ جس نے تمہاری نافرمانی کی ، اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے گا، اور جیسے تم درگزر سے کام لو گے اسی طرح تم سے بھی درگزر کی جائے گی تو اس وقت حضرت صدیق پکار اٹھے: ہاں! کیوں نہیں، بخدا ہم محبوب رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مغفرت سے بہرہ ور فرمائے، پھر مسطح پر اس کا نفقہ بحال کر دیا اور کہا: واللہ لاأنزعہا منہ أبداً فی مقابلۃ ما کان فلہذا کان الصدیق ہو الصدیق رضی اللہ عنہ بخدا میں اس سے کبھی بھی برّ و صلہ روکوں گا نہیں اس اساءت و جفا کاری کے مقابل جو اس سے سرزد ہوئی ہے اس لیے کہ صدیق بس صدیق ہی ہیں۔

(۵) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:

اولو الفضل فی الدین والسعۃ فی المال (الیٰ) ان العلماء استدلوا بہا علی فضل الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ وشرفہ من حیث نہاہ مغایبۃ ونصّ علی فضلہ وذکرہ بلفظ الجمع للتعظیم کما یقال لرئیس القوم وکبیرہم لایفعلوا کیت

وکیت والمنکرون لیحملون الفضل علی فضل المال لکن لایخفی أنہ یستفادمن قولہ(السعۃ)فیلزم التکریر فثبت کونہ أفضل الخلق بعدرسول اللہ ﷺ۔

(جلد ٦ ص ١٤٣)

"بے شک علمائے کرام نے اس آیتِ کریمہ سے حضرت ابوبکر صدیق کے فضل وشرف پر استدلال کیا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ بوقت منع اور نہی ان کو مخاطب نہیں ٹھہرایا بلکہ غائب کا صیغہ استعمال فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو اولو الفضل سے تعبیر فرمایا، تیسری وجہ یہ ہے کہ جمع کے لفظ سے واحد کو تعبیر فرمایا اس کی تعظیم وتکریم کے لیے۔ جیسے کہ قوم کے رئیس اور کبیر کو کہا جاتا ہے وہ نہ کریں ایسے اور ایسے، جن لوگوں نے حضرت صدیق کے فضل دینی اور شرف روحانی کا انکار کیا تو انہوں نے یہاں دین میں فضل کی بجائے مال میں زیادتی اور فراوانی مراد لی ہے لیکن کسی بھی عقل مند پر مخفی نہیں ہے کہ مالی فراوانی تو السعۃ کے لفظ سے معطوف سمجھی جارہی ہے تو تکرار بے فائدہ لازم آئے گا (اور یہ امر قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اور شان اعجاز کے بھی خلاف ہے نیز قاعدہ عطف کے بھی خلاف ہے کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مغایرت کا پایا جانا ضروری ہے)

قال فی انسان العیون وصف اللہ الصدیق باولی الفضل موافق لوصفہ علیہ السلام بذالک فقد جاء ان علیاً کرّم اللہ وجہہ دخل علی النّبی ﷺ وأبوبکر الصدیق عن یمین رسول اللہ فتنحّی أبوبکر عن محلسہ ومکانہ وأحلس علیاً بینہ وبین النّبی ﷺ وعلیھما وسلم فتھلّل وجہ النبی ﷺ فرحاوسروراًوقال لایعرف الفضل لأھل الفضل الا أولوالفضل۔

(روح البیان جلد ٦ ص ١٤٣)

"انسان العیون میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو

اولو الفضل کے ساتھ ذکر فرمانا نبی مکرم ﷺ کے ان کو اس وصف کے ساتھ موصوف فرمانے کے موافق ہے، مروی ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے جبکہ حضرت صدیق پہلوئے رسول ﷺ میں دائیں جانب بیٹھے تھے تو آپ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور حضرت علی کو اپنے اور نبی مکرم ﷺ کے درمیان بٹھایا تو سرورِ عالم ﷺ کا چہرۂ اقدس فرحت و سرور سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا کہ اولو الفضل (فضیلت والے لوگ) ہی اہل فضل کے فضل کو پہچانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں''

اقول:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولو الفضل کے پیارے لقب سے نوازا اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی ان کو اس پیارے لقب کے ساتھ مشرف فرمایا، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لیے اہل فضل واحد کا صیغہ استعمال فرمایا لیکن آپ کے لیے اولو الفضل کا صیغہ استعمال فرمایا اور مال منال کی بات تو تھی نہیں بلکہ مرتبہ و مقام کے لائق ادب و احترام اور تعظیم کی بات تھی تو معلوم ہوا کہ کلام خداوند تعالیٰ میں بھی اور کلام حبیب علیہ السلام میں فضل دینی اور ایمانی و روحانی مراد ہے نہ کہ مال میں زیادتی اور فراوانی۔

(۲) حضرت علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

أولو الفضل منكم أى الزيادة فى الدين والسعة أى فى المال (الىٰ) واستدل بها على فضل الصديق رضى الله عنه لأنه داخلٌ فى أولى الفضل قطعًا لأنه وحده أو مع جماعة سبب النزول ولا يضر فى ذالك عموم الحكم لجميع المؤمنين كما هو الظاهر

''نہ قسم اٹھائیں تم میں سے دین میں فضل والے اور مال میں فضل و شرف والے کہ اپنے قرابت داروں اور مساکین اور مہاجرین فی سبیل اللہ پر اپنے مال خرچ نہیں کریں گے''ا

اساءت اور بے وفائی کے بعد، اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے حضرت ابوبکر صدیق کے فضل وشرف پر کیونکہ وہ اولو الفضل میں یقینی طور پر داخل ہیں، کیونکہ وہ اکیلے (مشہور قول کے مطابق سبب نزول ہیں) یا اور لوگوں سمیت اس جماعت میں شامل ہیں جنہوں نے یہ حلف اٹھایا تھا اور اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب بنے تھے جب سبب نزول وہ ہیں اور اولیٰ طور پر اولو الفضل میں داخل ہیں تو لفظ کا عام ہونا یا حکم کا عام ہونا اس استدلال کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ جو سبب نزول ہوتا ہے وہ اولین مصداق ہوتا ہے اور جب اولوالفضل کے اولین مصداق حضرت صدیق ٹھہرے تو ان کے فضل وشرف پر استدلال درست ہو گیا، کما صرّح به الشهاب في قوله تعالى: و سيجنبها الاتقى اور امام رازی کے استدلال کی تصحیح میں فرمایا

أجاب الرافضة بأن المراد بالفضل الزيادة في المال و يُردُّ عليه أنه حينئذٍ يتكرّر مع قوله سبحانه و تعالى "والسعة"۔ (جلد ۱۸ ص ۱۱۳)

"رافضیوں نے اس استدلال کا جواب یہ دیا کہ یہاں فضل سے مراد مال میں وسعت اور فراوانی ہے (نہ کہ دینی اور ایمانی درجات ومراتب میں زیادتی مراد ہے) لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ یہی معنی معطوف لفظ السعة کا ہے تو پھر تکرارِ محض اور تکرار بلا فائدہ لازم آئے گا (جو کہ قاعدۂ عطف کے بھی خلاف ہے اور کلام مجید کے ایجاز و اعجاز کے بھی خلاف ہے)

(۷) حضرت علامہ ابو السعود اپنی تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم میں فرماتے ہیں:

أولو الفضل في الدين و كفى به دليلًا على فضل الصديق رضي الله عنه والسعة في المال۔

(جلد ٦ ص ١٦٥)

یعنی "اولو الفضل میں دینی فضیلت مراد ہے اور یہ ارشادِ خداوند تعالیٰ حضرت ابوبکر

صدیق کے فضل و شرف پر کافی ووافی دلیل ہے اور قول باری تعالیٰ والسعة سے مالی وسعت اور فراوانی مراد ہے"

الغرض واضح ہو گیا کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دینی وایمانی اور باطنی وروحانی درجات کے لحاظ سے اولو الفضل ہیں اور ان کی مالی فراوانی کو معطوف لفظ والسعة میں بیان کیا گیا اور یہاں پر فضل فی المال مراد لینا روافض اور اہل تشیع کا نظریہ ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ابو بکر صدیق العیاذ باللہ مرتد اور ظالم وغاصب ہیں ان میں دینی فضیلت ان کے نزدیک تو متصور ہی نہیں ہو سکتی۔

شاہ عبد القادر صاحب اہل تشیع اور روافض کی راہ پر:

ہم دریافت کرتے ہیں اس آلِ رسول حضرت شاہ عبد القادر جیلانی صاحب سے کہ آپ کو اپنے نانا جان کے اس فدائی، ثانی اثنین کی شان والے اور ان اللہ معنا کے مرتبہ و مقام والی شخصیت سے اس قدر الرجی کیوں ہے کہ سرے سے اہل سنت کی راہ چھوڑ کر ان گم راہوں اور بے دین لوگوں کی راہ اختیار کر لی ہے؟؟؟

شاہ عبد القادر صاحب فرماتے ہیں:

اولو الفضل کا معنی صاحبِ فضیلت نہیں ہے بلکہ صاحبِ دولت ہے جس سے کوئی علمی یا روحانی برتری نہیں مراد لی جائے گی بلکہ دولتِ دنیا مراد لی جائے گی کیونکہ افضلیت کا موقع نہیں۔ ہے بلکہ دنیاوی ثروت براہِ راست دخیل ہے کسی مالی امداد کرنے میں براہِ راست مال کو دخل ہوتا ہے۔ الخ

(الف) ہم نے جن تفاسیر کے حوالہ جات دیے ان میں صاحبِ فضیلت ہونے کی تصریح بھی آ چکی اور صاحبِ دولت ہونے کی بھی اور فضل سے مراد دنیوی دولت کی زیادتی لینے پر رد و قدح بھی آ چکا کہ اندریں صورت فضل کے بعد السعة کا ذکر تکرارِ محض بن جائے گا مگر

اس سقم اور خرابی کا شاہ جی کو خیال نہیں آتا اور نہ اس طرف توجہ جاتی ہے کہ عطف کا تقاضا کیا ہوا کرتا ہے؟؟؟

(ب) نیز شاہ جی کا قرینہ الفضل سے مالی فراوانی مراد لینے پر مجبور تب کرتا جب والسعۃ کا لفظ ساتھ نہ ہوتا جب وہ موجود ہے تو دنیاوی ثروت کے دخیل ہونے کا تقاضا بھی پورا ہو گیا اور حضرت صدیق کی دینی اور روحانی برتری بھی ثابت ہو جائے گی جیسے کہ صاحبِ ثروت ہونا بھی۔

(ج) رہ گیا یہ توھم کہ فضیلت کا موقع نہیں ہے تو گویا شاہ جی کے نزدیک جن حضرات نے یہاں دینی اور روحانی فضیلت مراد لی ہے اور حضرت صدیق کے فضل وشرف پر استدلال کیا ہے وہ سبھی جاہل، ان پڑھ اور مورکھ قسم کے لوگ ہیں، علم ودانش سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، صرف شاہ جی میں علم بھی ہے اور عقل ودانش بھی، سبحان اللہ! اس قدر علمی فرعونیت کا کیا جواز ہے؟

(د) اگر شاہ جی کے ہوش حواس قائم ہوتے اور عقل کام کرتی تو انہیں سمجھ آجاتی کہ یہ موقع ہی دینی اور روحانی فضیلت کے بیان کا ہے کیونکہ معاملہ تھا بے حیائی اور بے وفائی کے نتیجے میں اپنے بر واحسان کو روک لینے کا اور اساءت کی جزاء اور تکلیف وایذاء پہنچانے کی سزا دینے کا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صدیق تیرا مرتبہ ومقام اس سے بلند وبالا ہے کہ لوگوں کی ایسی گھٹیا حرکتوں پر ان کو جزاء وسزا دو، تمہیں متخلق باخلاق اللہ (اللہ تبارک وتعالیٰ کے اخلاق سے مزین وآراستہ شخصیت) کا کردار اپنانا چاہیے میں لوگوں پر کتنے احسان کرتا ہوں اور وہ اس کا بدلہ مجھ کو کس قدر عصیان و طغیان سے دیتے ہیں اور ہر طرح کی انتقامی کاروائی پر بھی مقتدر بھی ہوں لیکن مغفرت اور رحمت کا مظاہرہ کرتا ہوں، لہذا تجھے بھی تخلق باخلاق اللہ اور فنا فی اللہ بقاء باللہ کے مقام پر فائز ہونا چاہیے۔

تمہارے نبی، رسولِ گرامی ﷺ لوگوں کے کس قدر ہمدرد اور خیر خواہ ہیں، انہیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے اور جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ ہم کنار کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں لیکن لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ اور انتقامی کاروائی پر قادر ہونے کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور سراسر رحمت اور شفقت ہونے کا مظاہرہ فرماتے ہیں تمہارا منصب بھی متصف باوصاف رسول ہونا اور فنا فی الرسول بقاء بالرسول کے مقام پر فائز ہونا ہے جو ایذاء اور تکلیف دے اور نیکی کا بدلہ برائی سے دے اس سے بر و احسان اور کرم و فضل کو روک لینا نفسانی تقاضا ہے اور اے صدیق! اے صدیق اکبر! اے صدیقوں کے سردار تیرا مرتبہ و مقام اس سے بلند و بالا ہے بلکہ بہت ہی بلند و بالا ہے

بدی را بدی سهل باشد جزاء　　اگر مردی أحسن الی من أساء

الغرض اگر بعض اہل سنت مفسرین نے بے التفاتی سے کام لیتے ہوئے سعت اور فضل کا معنیٰ ایک کر بھی دیا تھا اور بے فائدہ تکرار والا سقم اور قاعدۂ عطف کا تقاضا ان کی نظروں سے اوجھل ہو بھی گیا تھا تو جن حضرات نے مدلل اور مبرہن انداز میں ان کا رد بھی کیا اور حضرت صدیق کی فضیلت پر اس کو دلیل و برہان کے طور پر پیش کیا تھا ان کے ارشادات کیوں نظر انداز ہو گئے؟ اور شیعہ لوگ یہاں مالی زیادتی مراد لینے پر مصر ہیں تو آپ بھی اس پر مصر ہو گئے تو کیونکر؟ کیا آپ کے اندر بھی کوئی ویسی ہی رگ تو نہیں پھڑک رہی؟

حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے آپ بڑے معتقد اور متبع معلوم ہوتے ہیں اور ان کے نظریات سے بڑے متاثر، تو ان کا یہ عمل بھی دیکھ لیتے کہ میدان کارزار میں ان کی بیعت کرنے والے پوچھتے ہیں:

در حق ابی بکر و عمر چه میگوئی؟

''آپ ابوبکر اور عمر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

کیا انہیں محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ میری بیعت کر کے مجھے امام مان کے میرے سپاہی بن چکے یہ تیس ہزار لوگ اب یہاں میدان کارزار میں آ کر یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟ لیکن ہر طرح کے خطرات وخدشات کو نظر انداز کیا اور سوال کرنیوالوں کی خواہش وتمنا کے برعکس کہا:

درحقِ ایشان جز بسخن خیر نمی گویم واز اھل خویش نیز درحق ایشان جز بسخن خیر نشیدہ ام بالجملہ زید فرمود ایشان بکتاب خدا و سنت رسول کار کردند وبر کسے ظلم وستم نراندند

حضرت زید نے دشمن کی چمکتی تلواروں کے سامنے اور فضا میں لہراتے نیزوں اور کمانوں میں فٹ کیے گئے تیروں کے سامنے اور اپنے سوال کرنے والے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ جانے کے یقین کے باوجود کلمہ حق زبان پر لانے سے گریز نہ کیا اور برملا کہا کہ:

''میں ان کے حق میں خیر وبھلائی کے کلمات کے علاوہ کچھ نہیں کہتا اور جس گھر میں پیدا ہوا اور پالا پوسا گیا ہوں ان مربیوں سے بھی ان حضرات کے حق میں سوائے کلماتِ خیر اور مدح وثناء کے کچھ نہیں سنا، خلاصہ کلام یہ کہ حضرت زید نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالےٰ کی کتاب پر عمل کیا اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور کسی پر ظلم وستم نہیں کیا''

تو ان محبوں اور بیعت امامت کرنے والے شیدائی سپاہیوں نے کہا

تو امام ما نیستی (ناسخ التواریخ)

''تو ہمارا امام نہیں ہے''

سارے بھاگ گئے سوائے پانچ صد کے اور حضرت زید کو شہید کر دیا گیا اور تین سال تک سولی پر لٹکے رہے، لیکن زبان حال سے کہہ رہے تھے: اے میرے نانا جان پر اپنے مال ومنال اور جانیں عزتیں قربان کرنے والو! دیکھ لو ہم بھی اس لجپال کی آل ہیں ہم نے تمہاری آن اور شان پر جان دینا اور سولی پر لٹکنا گوارا کر لیا ہے مگر تمہاری شان میں کوئی کلمۂ ہتک زبان پر لانا

گوارہ نہیں کیا۔

مگر آج کل آل رسول ہونے کے بعض دعوے دار ہر حال میں ان جانثارانِ مصطف

صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ہی ساتھ دیتے نظر آتے ہیں اور انہیں کے نظریاتِ فاسدہ کی تائید و تقوی

میں منہمک اور مستغرق نظر آتے ہیں، نعوذ باللہ من الضلالة والغواية۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے وفا اور لجپالی کا درس حاصل نہیں کرتے بلکہ اہل سنت ک

متفق علیه راستہ سے مختلف شکوک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو ہٹانا اور دشمنانِ صحابہ کی گود میں

ڈالنے کی سعی نا مشکور فرماتے ہیں۔فالی اللہ المشتکی

کیا افضلیت کا عقیدہ قطعی ہے؟

شاہ جی فرماتے ہیں:

''جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے وہ تو فرد واحد یا حدیث ضعیف سے بھی ثابت ہو سک

ہے (تا) مگر افضلیت تو بابِ عقائد کی چیز ہے جس میں قطعیات کا ہونا لازمی ہے''

(زبدہ ص ۴۰۰)

لیکن شاہ جی سے یہ بات مخفی کیسے رہ سکتی تھی کہ عقائد دونوں طرح کے ہیں، قطعی بھ

ہیں جس طرح توحید و رسالت اور قیامت اور ظنی بھی جیسے تفضیل الانبیاء ملائکہ پر وغیرہ وغیر

اور یہ عقیدہ ونظریہ أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ن الصديق ثم عمر الفاروق ث

عثمان ذوالنورين ثم علي المرتضى رضي الله عنهم بھی قسم ثانی میں داخل ہے، اسی ل

سیدنا ابوبکر کی افضلیت کے منکر کو مبتدع کہا جائے گا اور فسق اعتقادی میں مبتلا سمجھا جائے گا نہ

کافر کہا جائے گا۔

نیز اگر حضرت صدیق کی فضیلت شاہ جی کے ہاں مسلم تھی تو اہلِ سنت کی اس دلیل کو

کرنے اور روافض وشیعہ کی ہم نوائی اختیار کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کہہ دیتے ابوبکر صد

اولو الفضل ہیں دین میں اور روحانی وایمانی مدارج میں بھی لیکن جمع کا صیغہ ہے، اس میں دوسرے لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں، اس لیے آپ کا قطعی طور پر افضل البشر ہونا اس سے ثابت ہونا محلِ نظر ہے جو مدعا ہے اور فضیلت ثابت ہے وہ محل کلام اور موضوع بحث نہیں ہے۔ لیکن جناب والا نے اپنے عقلی ڈھکوسلے سے اس دلیل کو یوں رد کیا کہ یہ مقام ہی مالی ثروت کے دخل کا ہے یہاں روحانی فضیلت کا موقع ہی نہیں ہے اگر کوئی شیعہ رد کرتا تو یہی اسلوب اور لب ولہجہ اختیار کرتا تو ہم ان کا باہم فرق کیا سمجھیں؟

شاہ جی فرماتے ہیں کہ فضل کا لفظ مشترک ہے اور اس سے بیک وقت ایک ہی معنیٰ مراد ہو سکتا ہے جس پر قرینہ دلالت کرے اور قرینہ دال ہے مال کی فراوانی پر تو اس کا تعین ہو گیا مگر یہ خیال نہ رہا کہ فقط اولو الفضل ہوتا تو پھر یہ آڑ لی جا سکتی تھی، جب السعۃ بھی ساتھ موجود ہے اور مالی فراوانی والا معنیٰ اس میں متعین ہے تو پھر یہاں تکرار بے فائدہ سے بچنے کے لیے یہاں فضل کو دوسرے معانی پر کیوں نہ حمل کر دیں جن میں سرفہرست علم ظاہر و باطن اور کشف حقائق اور دین وایمان اور روح و باطن کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع مقام اور وہ قلبی خصوصیت وانفرادیت ہے جس نے آپ کو سب پر سابق اور فائق بنا دیا:

کما قال علیہ السلام ما فضلکم أبو بکر بشيء من صلوته وصومه ولكن بشيء وقرفي قلبه۔ (صبع سنابل)

''ابوبکر صدیق تم سے نمازوں اور روزوں کے ذریعے افضل نہیں بنے بلکہ اس شے کی وجہ سے جو ان کے دل میں قرار پذیر ہے''

نبی مکرم ﷺ کو ہر شی کا علم عطا کرنے کے بعد اس فضل کا تذکرہ فرمایا:

کما قال اللہ تعالی: عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ انبیاء علیہم السلام کو نفس نبوت پر جو زائد درجات و مراتب عطا فرمائے ان کو فضل سے تعبیر

فرمایا، کماقال:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ وقال اللّٰه تعالٰى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْ

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔(بنی اسرائیل ،55:17,البقرہ ،253:2)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے غلام آنکھ جھپکنے سے قبل بلقیس کا تخت اٹھا کر لائے اور

روحانی برتری اُن کے غلاموں کو نصیب ہو تو وہ خود اس کا اعتراف اور شکرانہ اس طرح ادا کر

ہیں فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ (النمل،40:27)اہل اسلام کو اسا

اور قرآن ملنے پر یہود کے حسد کو بیان کرتے ہوئے اور اہل اسلام پر اپنی نعمت کو بیان کر

ہوئے فرمایا:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ(النساء،54:4)اہل اسا

خضوع وخشوع کے ساتھ جب نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشا

ہوتے ہیں تو اس کو ابتغاء فضل سے تعبیر فرمایا تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ ا

وَرِضْوَانًا (وغیر ذالك من الآیات) جو مال ودولت سے ہٹ کر روحانی اور ایمانی اور اخر

درجات ومراتب پر دلالت کرنے والے لفظ پر مشتمل ہیں مگر شاہ جی کی نظریں صرف دنیوی مال

محدود ہو کر رہ گئی ہیں:

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ولنعم ما قال الشاعر:

اذا کان الغراب دلیل قوم فیهد یهم طریق الهالکین

افضلیتِ صدیقِ اکبر پر چوتھی قرآنی دلیل

الآية الرابعة:

قال اللہ تعالٰی:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

(سورہ الزمر، 39:33)

"وہ جو صدق اور حق لائے اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی وہ (اور ان کے متبع) سبھی متقی ہیں"

پہلے اللہ تعالٰی نے کاذب لوگوں کی اور سچے لوگوں کی تکذیب کرنے والوں کی وعید ذکر فرمائی تو بعد ازاں صادقین کے ساتھ کیے گئے اجر و ثواب کا وعدہ ذکر فرمایا تا کہ وعد اور وعید باہم مقرون و متصل ہو جائیں اور تبشیر و انذار باہم جمع ہو جائیں۔

امام رازی کی بیان فرمودہ تفسیر:

امام رازی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

(۱) پہلا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ معطوف میں موصول مقدر ہے اور اصل عبارت یوں بن گئی

والذی جاء بالصدق والذی صدق بہ اب یہاں پر دو قول ہیں:

اول یہ کہ جس طرح موصول بظاہر واحد ہے اسی طرح حقیقی اور معنوی طور پر بھی واحد ہے اور معطوف علیہ میں اس کا مصداق ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور معطوف یعنی والذی صدق بہ سے مراد ابو بکر صدیق ہیں۔

وھذا القول مروی عن علی کرم اللہ وجھہ وجماعۃ من المفسرین۔

اور یہ قول مولیٰ مرتضیٰ سے منقول ہے اور مفسرین کی جماعت سے بھی مروی ومنقو

ہے۔

ثانی:

الــــذی گو بظاہر واحد ہے لیکن معنیٰ جمع والا مراد ہے جس کا مطلب ہوگا ہر وہ شخص

صدق کو لایا، تو اس کا مصداق ٹھہرے انبیاء کرام علیہم السلام اور معطوف یعنی الذی صدق بہ ـ

مراد ہوئے ان کے متبع لوگ اور اس قول کے قائلین کا استدلال یہ ہے کہ بعد میں فرمایا گیا۔

اُولئك هم المتقون اگر معنوی جمعیت اس میں معتبر نہ ہوتی تو پھر اسم اشارہ جمع اور المتقون

کے صیغہ کی صورت میں ذکر کرنے جائز نہ ہوتے۔

دوسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ رسالت کے کام کا اتمام چار ارکان پر موقوف ہے:

اول: مُرسِل بھیجنے والی ذات

ثانی: مُرسَل بھیجی جانے والی ذات

ثالث: رِسالت یعنی قابل ابلاغ احکام

رابع: مُرسَل الیہ جن کی طرف اس ہستی کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجا گیا

اور مقصد ارسال یہ ہوتا ہے کہ قوم میں سے کوئی ایک فرد بھی اس رسول کے لاـ

ہوئے پیغام کو قبول کرلے اور اس کی تصدیق کرے تو پہلا شخص جس نے اس رسول کی تصدیـ

کردی تو اس کے ذریعے ہی ارسال تام ہو گیا اور اس کا مقصد حاصل ہو گیا، فاول شخص اتـ

بالتصدیق هو الذی یتم به الارسال ، میں نے بعض مبلغین اور واعظین کو سنا جو نبی مکرم ﷺ

سے روایت کر رہے تھے: دعوا ابابکر فانه من تتمة النبوة کہ رسول گرامی ﷺ نے فرما

''ابوبکر سے تعرض مت کیجئے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے کیونکہ وہ نبوت کا تتمہ ہیں''

اچھی طرح جان لو اور ذہن نشین کرلو کہ الذی موصول سے مراد شخص معین ہو یا اس ـ

مراد جماعت ان لوگوں کی جو صفت تصدیق کے ساتھ متصف ہوں، ہر حال میں حضرت صدیق کی فضیلت بلکہ انفرادیت اور شانِ امتیازی ثابت ہو جائے گی۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے کہ الذی صدق بہ کے مصداق ہی ابوبکر صدیق ہیں۔ لأن هذا يتناول أسبق الناس الى التصديق وأجمعوا على أن الأسبق الأفضل اما أبوبكر واما على رضى الله عنهما وحمل اللفظ على أبى بكر اولى۔ کیونکہ یہاں پر (مطلقاً کوئی تصدیق کرنے والا شخص تو مراد ہو ہی نہیں سکتا خواہ آپ کی زندگی مبارک کے آخری لحات میں تصدیق کرے بلکہ) وہی مراد ہوگا جو سب لوگوں سے تصدیق رسول اللہ ﷺ کی طرف سبقت لے جانے والا ہوگا اور اس پر مدعیان اسلام کا اجماع ہے کہ اس اسبق اور افضل شخص سے مراد ابوبکر صدیق ہیں یا علی مرتضی، لیکن اس کو ابوبکر صدیق پر حمل کرنا ہی اولی اور موزوں تر ہے۔

لأن عليًا عليه السلام كان وقت البعثة صغيرا فكان كالولد الصغير الذى يكون فى البيت ومعلوم أن اقدامه على التصديق لا يفيد مزيد قوة وشوكة۔ أما أبوبكر فانه كان رجلًا كبيرًا فى الاسلام كبيرا فى المنصب فاقدامه على التصديق يفيد مزيد قوة وشوكة فى الاسلام فكان حمل اللفظ على أبى بكر أولى۔

کیونکہ حضرت علی نبی مکرم ﷺ کی بعثت کے وقت چھوٹے تھے (سات آٹھ سال یا دس سال عمر شریف تھی) تو آپ گھر میں پلنے والے چھوٹے بچے کی مانند تھے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ ایسے بچے کا تصدیق رسالت پر اقدام کسی زائد قوت و شوکت کا موجب نہیں ہو سکتا لیکن ابوبکر صدیق بڑی عمر کے تھے (اڑتیس سال) اور منصب میں بھی بڑے تھے (اقارب و اجانب پر فضل و احسان کی بارش برساتے رہتے تھے) تو ایسے شخص کا تصدیق رسالت پر اقدام اسلام میں مزید قوت اور شوکت کا موجب ہوگا تو الذی صدق بہ کو حضرت صدیق پر محمول کرنا ہی اولی و انسب ہے۔

دوسری صورت جبکہ جماعت والا معنی مراد ہو تو یکون ابوبکر داخلا فیہ تو حضرت صدیق اس موصوف بالتقوی جماعت میں داخل ہوں گے دخول اوّلی کے طور پر تو اندریں صورت بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔

(التفسیر للامام فخرالدین الرازی رحمه الله تعالیٰ جلد۹ ص ۴۵۲)

علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ کی تفسیر:

فرماتے ہیں:

قال الامام السھیلی والذی جاء بالصدق ھو رسول اللہ ﷺ والذی صدّق بہ ھو الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ۔

"امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ والذی جاء بالصدق سے مراد رسول گرامی ﷺ ہیں اور الذی صدق بہ سے مراد ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہ"

سوال:

اندریں صورت اولئک ھم المتقون کا ربط و تعلق کیونکر درست ہوگا؟ کیونکہ مبتداء شخص رسول ﷺ ہوئے اور ان پر معطوف بھی شخص صدیق ہوئے تو پھر خبر میں بھی واحد کا صیغہ استعمال ہوتا کل واحد کے معنی میں یا پھر تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوتا نہ کہ جمع کے صیغے استعمال کیے جاتے؟؟؟

جواب :

دخل فی الآیۃ بالمعنی کل من صدق ولذالک قال اولئک ھم المتقون انتھیٰ

"ازروئے معنی اور تبعیت کے طور پر بھی تصدیق کرنے والے اس میں داخل ہو گئے

اس لیے فرمایا وہ بھی تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہیں تو مصدقین کے متبوع اور مقتداء حضرت ابوبکر صدیق ٹھہرے جو کہ بہت بڑا امتیاز اور اعزاز ہے۔ لیکن اگر صدق بہ سے پہلے موصول مقدر نہ مانا جائے تو دونوں صفتیں رسول گرامی ﷺ کی بن جائیں گی یعنی صدق کے لانے والے بھی آپ ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی آپ ہیں، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (البقرہ، 2:285) "ایمان لائے رسول اکرم اس پر جو ان پر نازل کیا گیا ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے"

اسی لیے بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی کی ذات اپنے لیے بھی نبی و رسول ہوتی ہے اور ایسے ہی وارثان رسول ﷺ کیونکہ انہیں اپنے حال میں کوئی ریب و تردد درپیش نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی غیب کی خبروں کی تصدیق میں کوئی تردد ہوتا ہے تو ان کے حال کی برکت کا ان کے سارے وجود پر فیضان ہو جاتا ہے بلکہ ان کے معتقدین اور مصدقین پر بھی ان کے فیوض و برکات کا عکس اور پرتو پڑتا ہے۔

الاترى أن النبي عليه السلام أتى بالصدق وأفاض من بركات صدقه على أبي بكر رضي الله عنه فسمي صديقًا وهكذا حال سائر الصديقين۔ قال الحافظ:

بصدق كوش كه خورشيد زايد از نفست

كه از دروغ سياه روئے گشت صبح نخست

يعني أن الصادق الصديق يتولد من نفسه نفس الشمس المعنوية فتنور الأنفس كما ان الصبح الصادق يطلع بعده الشمس الصورية فتنور الآفاق بخلاف حال الكاذب فانه كالصبح الكاذب حيث تعقبه الظلمة۔

(روح البيان للعلامه اسماعيل حقي عليه الرحمة جلد ۸ ص ۱۲۰)

"کیا دیکھتے نہیں کہ نبی مکرم ﷺ صدق و حق لائے اور آپ کے صدق کے برکات کا

فیضان ابو بکر پر ہوا تو صدیق کے پیارے اسم کے ساتھ موسوم ہو گئے اور باقی صدیقین کا حال بھی اسی طرح ہے، حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

صدق وراستی کی کوشش کرتا کہ تیرے تنفس سے سورج پیدا ہو کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے صبح اول سیاہ رو ہو گئی۔ یعنی صادق وصدیق کے سانس سے معنوی سورج طلوع ہوتا ہے جو نفوس انسانیہ کو منور کرتا ہے جیسے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے پر صوری سورج نمودار ہو جاتا ہے پس وہ آفاق کو منور کر دیتا ہے بخلاف بندۂ کاذب کے وہ صبح کاذب کی مانند ہے جس کے نمودار ہوتے ہی ظلمت آجاتی ہے اور چھا جاتی ہے اور وہ کاذب ہونے کی وجہ سے سیاہ رو ہو جاتی ہے اور وہ جھوٹا آدمی بھی اسی طرح سیاہ رو ہو جاتا ہے"

اقول:

اس صورت میں اولئك هم المتقون کا الذی جاء بالصدق وصدق به سے ربط وتعلق یہ ہوگا کہ صدق لانے والے بھی رسول گرامی ﷺ اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی گرامی قدر، لیکن ان کے صدق اور تصدیق کے فیوض وبرکات سے (حضرت ابو بکر صدیق اکبر) بھی بن گئے اور ان کے علاوہ بہتیرے نئے صدیق پیدا ہو گئے اور کامل متقی وپرہیز گار بھی پیدا ہو گئے مبتداء میں حال رسول ملحوظ رہا اور خبر میں متبعین و مطیعین کا حال ملحوظ رہا تو ان میں صدق بھی ثابت ہوا اور تصدیق بھی متحقق ہوئی، پھر متقی ہونا بھی متفرع ہو گیا تو اندریں صورت بھی حضرت ابو بکر سرفہرست ہیں اور مقدم ومفضل لہذا ان کی افضلیت پر استدلال واضح ہو گیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد:

قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال الکلبی وأبو العالیة الذی جاء بالصدق رسول اللہ ﷺ وصدق به

أبوبكر الصديق رضى الله عنه و كذالك ذكرالزجاج قول على رضى الله عنه و كذا روى عن أبى هريرة۔ (تفسیر مظہری جلد۸ ص ۲۱۵)

"کلبی اور ابوعالیہ نے کہا کہ الذی جاء بالصدق سے مراد رسول گرامی ﷺ ہیں اور صدق بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور زجاج نے مولائے مرتضی سے بھی ایسے ہی نقل کیا ہے کہ (اول سے) رسول گرامی ﷺ اور (ثانی سے) صدیق اکبر مراد ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے"

اعتراض :

والوجه فى العربية أن يكون جاء وصدق لفاعل واحد لأن التغاير يستدعى اضمار "الذى" وذا غير جائز أو اضمار فاعل من غير تقدم ذكرو ذا بعيد۔

الجواب:

قلت كيف يحكم بعدم جواز حذف الموصول وقد روى من علماء التفسير من الكلبى و أبى العالية وقتادة ومقاتل ما ذكرنا وورد فى شعر حسان بن ثابت رضى الله عنه :

أمَن يهجو رسولَ الله منهم ويمدحه وينصره سواء

فان التقدير "أمن يهجو ومن يمدح سواء"

سوال:

عربی قاعدہ کی رو سے جاء کا اور صدق کا فاعل ایک ہونا چاہیے، کیونکہ جاء بالصدق کے فاعل رسول گرامی ﷺ اور صدق بہ کے فاعل ابوبکر ہوں تو دوسرا الذی مقدر ماننا لازم ہوگا اور یہ جائز نہیں، یا فاعل کی ضمیر بغیر مرجع کے ماقبل میں مذکور ہونے کے لازم آئے

گی اور یہ بھی بعید ہے۔

جواب:

میں کہتا ہوں کہ موصول کے حذف کو جائز نہ ماننا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ حالانکہ علماء تفسیر سے موصول کا حذف منقول ہے اور وہ ہیں کلبی، ابوالعالیہ، قتادہ اور مقاتل، نیز حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار میں موصول کا حذف وارد ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: کیا وہ شخص جو رسول گرامی ﷺ کی ہجو کرتا ہے اور وہ جو مدح وثناء اور تعریف وتوصیف کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں تو اصل عبارت یوں ہوگی: امن یھجو ومن یمدحه سواء تو معطوف سے موصول کو حذف کر دیا گیا ہے، لہذا یہ بہانہ کارگر ثابت نہیں ہو سکے گا کہ صدق به سے ابوبکر صدیق مراد ہوں تو موصول کو معطوف میں محذوف ماننا پڑے گا اور ضمیر فاعل کا مرجع مذکور ہوئے بغیر ضمیر کا ذکر لازم آئے گا کیونکہ موصول کا حذف جائز نہ ہوتا تو حضرت حسان کے فصیح وبلیغ کلام میں اس کو حذف کیوں کیا جاتا؟ جب کہ موصول محذوف مانے بغیر اس شعر کا کوئی مطلب بن ہی نہیں سکتا کیونکہ ہجو کرنیوالے اور مدح کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے یہ حکم تبھی درست ہوگا جب دو شخص ہوں گے ایک مدح کرنے والا اور دوسرا ہجو کرنے والا، نیز دیگر علمائے تفسیر کے علاوہ مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ تفسیر منقول ہے اور آپ علم نحو کے بانی اور موسس ہیں تو ان سے یہ قاعدۂ عربیہ کیسے مخفی اور پوشیدہ رہ گیا اور آپ سے بڑا مفسر قرآن اور ہو بھی کب سکتا ہے تو انہوں نے الذی جاء بالصدق کے مصداق اور صدق به کے مصداق الگ الگ کیوں مانے؟

(۴) تفسیر معالم التنزیل میں امام بغوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

قال الکلبی وأبو العالیة والذی جاء بالصدق رسول اللہ ﷺ وصدق به ابوبکر صدیق رضی اللہ عنه۔ (جلد ٤ ص ٩)

"یعنی قول باری تعالیٰ الذی جاء بالصدق سے مراد رسول اکرم ﷺ ہیں اور

وصدق بہ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں"

(۵) امام سیوطی علیہ الرحمہ، تفسیر درمنثور میں فرماتے ہیں:

أخرج ابن جریر والماوردی فی معرفة الصحابة وابن عساکر من طریق أسید بن صفوان وله صحبة عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالی عنه قال الذی جاء بالحق محمد ﷺ و صدق به أبوبکر هکذا الروایة بالحق لعلها قراءة لعلی رضی الله عنه

ابن جریر نے اس روایت کی تخریج کی اور ماوردی نے معرفة الصحابه میں اس کو ذکر کیا اور ابن عساکر نے بھی اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا جبکہ ان کو شرف صحبت حاصل ہے اور وہ اس روایت کو علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا الذی جاء بالحق سے مراد رسول کریم علیہ السلام ہیں اور صدق به سے حضرت ابو بکر صدیق مراد ہیں اور روایت میں بالحق کا لفظ ہے (بجائے بالصدق کے) شاید یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے" (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۳۲۸)

(۶) علامہ سید محمود آلوسی صاحب فرماتے ہیں:

قال علیة وأبو العالیة والکلبی وجماعة الذی جاء بالصدق هو الرسول ﷺ والذی صدق به أبوبکر وأخرج ذالك ابن جریر والماوردی فی معرفة الصحابة وابن عساکر من طریق أسید بن صفوان وله صحبة عن علی المرتضی رضی الله عنه۔

"علیة، ابو العالیه، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت نے فرمایا کہ الذی جاء بالصدق سے مراد رسول محتشم ﷺ ہیں اور الذی صدق به سے مراد حضرت صدیق اکبر ہیں اور ابن جریر نے بھی اس کا اخراج کیا اور ماوردی نے معرفة الصحابه میں اس کو نقل کیا اور ابن عساکر نے اسید بن صفوان سے نقل کیا جن کو صحابیت کا شرف حاصل ہے کہ انہوں نے علی مرتضی

رضی اللہ عنہ سے اس تفسیر کو نقل فرمایا"

سوال:

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مراد ہونے کا قول بھی موجود ہے اور الذی جاء بالصدق سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں اور صدق بہ سے مراد رسول گرامی ﷺ ہوں یا الذی صدق بہ سے مراد اتباع کی جماعت ہو اور الذی جاء بالصدق سے انبیاء علیہم السلام کی جماعت مراد ہو تو اس قدر احتمالات کے ہوتے ہوئے ایک قول کو دلیل بنانے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ دوسرا احتمال پایا جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے، اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

جوابِ اول:

تفسیری اقوال میں سے ہر ایک قول کے ساتھ استدلال صحیح ہوتا ہے کیونکہ استدلال باحد التفاسیر علیحدہ امر ہے اور استدلال باحد الاحتمالات علیحدہ امر ہے ورنہ لازم آئے گا کہ مفسرین نے اکثر آیات کے مصداق بیان کرتے ہوئے جو متعدد اقوال ذکر کیے ہیں تو گویا قرآن مجید کی حجیت کو ہی سرے سے ختم کر کے رکھ دیا ہے۔

فاضل سیالکوٹی حضرت علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ اپنے حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

فهو استدلال باحد وجهي التفسير وليس استدلال بالمحتمل۔(ص ۱۵۰)

"یہاں پر تفسیر کی دو وجہوں میں سے ایک وجہ کے ساتھ استدلال ہے نہ کہ دو احتمالوں میں سے ایک احتمال کے ساتھ"

لہذا وجوہِ تفاسیر اور وجوہ محتملہ میں فرق کرنا ضروری ہے۔

الجواب الثانی:

جب خود مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے صدق بہ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق کو ٹھہرایا تو ان کی اپنی تفسیر کے برعکس خود آپ کو اس کا مصداق بنا دینا کیوں کر موزوں اور مناسب ہوگا؟ بلکہ آپ کی تفسیر گویا اجماع کے درجہ میں ہے کیونکہ حضرت صدیق کا وصال ہو گیا تھا اور صحابۂ کرام پر گویا وصالِ نبوی والی قیامت کے بعد دوسری قیامت قائم ہو چکی تھی اور ہر کوئی زار و قطار رو رہا تھا اس دوران آپ تشریف لائے روتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے، آپ نے حضرت صدیق کی خدمت اقدس میں بہت طویل ہدیۂ اخلاص اور نذرانۂ عقیدت پیش کیا جس میں یہ تصریح بھی موجود ہے:

صدّقت رسولَ اللہ ﷺ حین کذّبہ الناس فسمّاك اللہ عزوجل صدیقاًفی تنزیلہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ الذی جاء بالصدق محمد ﷺ وصدق بہ ابوبکر الخ۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر ریاض النضرہ، ازالۃ الخفاء المجلد الاول ص : ٦٩)

– قال وسکت الناس حتی انقضی کلامہ ثم بکوا حتی علت أصواتھم وقالوا صدقتَ یاختِن رسول اللہ ﷺ۔ (ص ٧٠)

"اے ابوبکر صدیق! تم نے رسول اکرم ﷺ کی اس وقت تصدیق کی جس وقت کہ لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نازل فرمودہ کتاب میں صدیق کا نام دیا پس فرمایا والذی جاء بالصدق وصدق بہ الذی جاء بالصدق محمد ﷺ ہیں اور صدق بہ ابوبکر صدیق ہیں، اسید بن صفوان فرماتے ہیں کہ جب امیر المومنین علی نے بولنا شروع کیا تو سبھی لوگ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ آپ کا کلام اختتام پذیر ہوا تو پھر رونے لگے اور ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور سبھی نے کہا، اے رسول گرامی ﷺ کے داماد! تم نے سچ کہا ہے"

معلوم ہوا کہ یہ تفسیر تمام صحابہ کرام کی طرف سے مصدقہ تفسیر ہے اور خود باب مدینۃ علم کی تفسیر ہے اور جو قرآن مجید سے مراد باری تعالیٰ کے خلاف تفسیر کرے وہ دوزخ کا ایندھن ہے کما قال النبی ﷺ من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار۔ تو آپ سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ مرادِ باری تعالیٰ کے برعکس تفسیر کریں؟؟؟

اور بالخصوص اپنے امتیاز و اختصاص کو خود ہی ختم کریں اور اپنا امتیاز واختصاص کسی دوسرے کے حوالے کر دیں، لہٰذا راجح تفسیر یہی ہے تو اس کو مقام استدلال میں پیش کرنے پر کسی وہم وسوسہ میں مبتلا ہونے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، جبکہ صیغہ والذی جاء بالصدق میں بھی واحد ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات ہی اس کا مصداق ہے اور صدق به بھی صیغہ واحد ہے لہٰذا اس کا مصداق بھی واحد ہونا چاہیے اور وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو مولائے مرتضیٰ کی اس اجماعی تفسیر کے ساتھ متعین و متشخص ہو چکے اور چونکہ باقی تصدیق کرنے والے حضرات بھی بالتبع شامل ہو گئے تو اولئك هم المتقون میں جمع کے ساتھ تعبیر کا جواز واضح ہو گیا ہے جیسے کہ کہا جائے نزل الامیر موضعا کذا تو ساتھ لشکر کا نزول بھی بالتبع ثابت ہو جائے گا۔

ولیس هذا من الجمع بین الحقیقة والمجاز۔

(روح المعانی)

یہ حقیقت ومجاز کو جمع کرنے اور بیک وقت ایک لفظ سے حقیقی اور مجازی معنی مراد لینے کے قسم میں داخل نہیں۔

نیز اگر صدق به میں عموم والا معنی مراد ہو تو بھی حضرت صدیق اکبر کا ذکر بطور تمثیل کرنا اور عام کا اپنے بعض افراد پر مقصور ٹھہرانا اس نکتہ کی بنا پر ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو آزاد مردوں میں سے اور صاحب ثروت اور صاحب عز و جاہ ہوتے ہوئے آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل

ہوئے اور دعوتِ اسلام پر کسی طرح تردد اور تذبذب کا اظہار نہیں کیا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس انتظار میں تھے کہ کب آپ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مجھے حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور پھر صرف خود حلقۂ غلامی میں داخل نہیں ہوئے بلکہ مکہ مکرمہ کے متعدد قبائل کے سرکردہ افراد کو بھی مصطفوی چوکھٹ پر سرنگوں کیا اور حلقۂ اسلام میں ان کو داخل کیا گویا جاء بالصدق میں اصل محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں تو اس صدق حق کی تبلیغ کی اشاعت میں آپ ثانی اثنین کے درجہ پر فائز ہیں اور صرف خود قلبی اور لسانی تصدیق نہیں اپنا رہے ہیں بلکہ تصدیق کروا بھی رہے ہیں اور فرمانِ رسول ﷺ ہے:

من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله أجرها وأجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء

"جو شخص بھی اسلام میں اچھا طریقہ قائم کرتا ہے تو اسے اس کا ثواب بھی ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کی مانند بھی اجر و ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجور و ثوابات میں کوئی کمی کی جائے"

تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ اسلام میں سبقت بہت بڑی سنتِ حسنہ ہے لہذا قیامت تک اسلام لانے والوں کو جس قدر اجر و ثواب ملتا رہے گا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مجموعی طور پر اتنا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام والی سنت بھی امت میں سے سب پہلے آپ نے قائم کی ہے تو قیامت تک کے داعیانِ اسلام اور مبلغینِ دین کو جو اجر و ثواب ملے گا اکیلے حضرت صدیق کو ان کے برابر اجر و ثواب مل جائے گا۔

اس لحاظ سے آپ کا ذکر بالخصوص کیا جاتا ہے ورنہ حصر کا دعویٰ بھی کسی صورت نہیں پایا گیا اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مصداق ہونے کا انکار بھی کون کرتا ہے بلکہ علمائے کرام کی طرف سے مختلف روایات میں تطبیق ہی اسی طرح دی گئی ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں اور آزاد مردوں میں سے سب سے اول ابوبکر صدیق ا
غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ اور بچوں میں سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہم اجمعی
لیکن چونکہ حضرت صدیق کا اسلام لانا دین اسلام کی عظمت وشوکت کے ظہور کا سبب بنا اور
مکرم ﷺ کے لیے سکون واطمینان اور فرحت وراحت کا موجب بنا تو اس لیے باقی اولیتیں ا
اولیت کے مقابل قابلِ اعتداد اور لائق التفات نہیں ہو سکیں اور اسی اولیت کو ہی سب پر غ
حاصل ہو گیا اور باقی اولیتیں آپکی اولیت میں گم ہو گئیں۔

تنبیہ :

حضرت ورقہ رضی اللہ عنہ نے پہلے پہل کہا ان ھذا لبدء نبوتہ یہ ان کی نبوت
آغاز ہے تو ان کے اس فرمان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی مشرف باسلام ہوئیں او
مکرم ﷺ نے بھی بعد ازیں نبوت کا اظہار فرمایا تب دوسرے حضرات حلقہ بگوشِ اسلام ہو
تو ان کو اول المسلمین شمار نہ کرنا بندہ کی سمجھ سے بالاتر ہے لیکن اول المسلمین ہونا موج
افضلیت تب ہوگا جب اسلام کی تبلیغ واشاعت پائی جائے اور بانی اسلام ﷺ کی مالی اور
خدمات پائی جائیں اور ان میں امتیازی وانفرادی حیثیت حاصل ہو جائے جیسے کہ حضرت صد
اکبر رضی اللہ عنہ کی اسلام میں سبقت۔ ھذا والحمدللہ تعالی۔

افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر پر پانچویں قرآنی دلیل

الآیۃ الخامسۃ:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔ (التوبہ، 40:9)

"اگر تم اُن کی مدد نہیں کرو گے (تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرما دے گا) پس تحقیق اس نے (پہلے بھی اس محبوب کی) مدد فرمائی جب کہ انہیں کافروں نے (شہر مکہ سے) نکال دیا در آں حالے کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب کہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب کہ وہ اپنے صاحب ورفیق کو فرما رہے تھے غم نہ کرو بے شک اللہ کی ذات پاک ہم دونوں کے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر طمانیت وتسکین کو نازل فرمایا"

وجہِ استدلال:

ہجرتِ نبویہ کے اس کٹھن اور مشکل ترین سفر میں تمام تر مشکلات اور شدائد کا مقابلہ کرتے ہوئے حضرت صدیق کا نبی مکرم ﷺ کا ساتھ دینا اور اس رفاقت ومصاحبت کو کما حقہ نبھانا، اپنی جان کو خطرات سے دوچار کرنا بیوی اور بچیوں کی عزت اور بچوں کی جان تک آپ کے لیے قربان کرنے پر تیار ہو جانا بہت بڑی امتیازی اور انفرادی قربانی ہے اور عظیم ترین جہاد ہے جو آپ کے لیے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہونے کا موجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا آپ کو صاحب رسول ﷺ ہونے کا اعزاز بخشا اور نبی مکرم کا ذاتِ باری کی معیت کا مژدہ دینا اور آپ کے حزن وملال کو دور کرنا اور اس خطرہ سے۔ جو کفار کے غار تک پہنچ جانے اور ذاتِ رسول ﷺ کو نقصان

پہنچا سکنے کی وجہ سے لاحق ہو چکا تھا۔ تحفظ کی بشارت دینا اور اللہ تعالےٰ کا ان پر طمانیت وتسکین نازل فرمانا بہت بڑا اعزاز و امتیاز ہے اور افضل الصحابہ ہونے کی عظیم دلیل و برہان ہے، اب مفسرین کرام کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) علامہ آلوسی کی تفسیر:

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اجاگر کرتے ہوئے اور ان کی خصوصی خدمات پر ان کو نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم ان (رسول گرامی) کی امداد نہ کرو (غزوہ تبوک میں تو اللہ تعالیٰ ان کو امداد واعانت مہیا کر دے گا) کیونکہ اس نے اس وقت اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائی جب انہیں کفار مکہ نے شہر سے نکالا جبکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جبکہ رسول خدا ﷺ اپنے مصاحب اور رفیق کو فرما رہے تھے غم نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے ساتھ ہے (حفظ و پناہ اور امداد و نصرت کے لحاظ سے) پس اللہ تعالیٰ نے اسباب امن اور سامان تسکین نازل فرمایا ان پر''

اس آیت کریمہ میں ہجرت کے موقع پر سیدنا صدیق اکبر کا رسول معظم ﷺ کی صحبت اختیار کرنے اور ایسے خوفناک اور ہلاکت خیز مقامات میں حب خدا اور حب رسول ﷺ کی خاطر اپنے آپ کو خطرات میں جھونکنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے درپیش ابتلاء و امتحان میں ثابت قدم رہنے اور نبی مکرم ﷺ کی صحبت و رفاقت کا حق ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن پر عظیم فضل و احسان کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت خاصہ سے بہرہ ور ہونے کا''

بیان فوائد:

قول باری تعالی: الا تنصروه الخ میں سب مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب کا اظہار ہے ماسوائے ابوبکر صدیق کے کیونکہ وہ اس موقع پر آپ کے ساتھ رہے اور ہر طرح کی خدمت سرانجام دیتے رہے، چنانچہ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

عاتب اللّٰه سبحانه المسلمين جميعًا في نبيه ﷺ غير أبي بكر وحده فانه خرج من المعاتبة۔

حکیم ترمذی نے حضرت حسن سے نقل کیا:

قال عاتب اللّٰه جميع أهل الأرض غير أبي بكر رضي اللّٰه عنه

حضرت سیدنا حیدر کرار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان اللّٰه ذمّ الناس كلهم و مدح أبابكر فقال الا تنصروه

خلاصہ مفہوم تینوں ارشادات کا یہی ہے کہ جن حضرات نے کفار و مشرکین کے جور و ظلم سے تنگ آ کر اپنے آپ کو تکالیف و شدائد سے بچالیا لیکن نبی مکرم ﷺ کو کفار کی تغلیظ و تشدید اور ایذاء و ایلام میں مبتلا ہونے کی حالت میں چھوڑ گئے تو ان کے رویہ پر اللہ تعالیٰ نے شکوہ فرمایا اور اس کے انتہائی غیر مناسب ہونے پر برہمی کا اظہار فرمایا سوائے ابی بکر کے کیونکہ اس کٹھن اور سنگین ترین صورت حال میں انہوں نے ساتھ دیا اور حق صحبت ادا کیا اور ہر طرح کی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کیا (روح المعانی ص۸۹ ج۱۰)

امام رازی نے فرمایا:

كل من سوى أبي بكر فارقوا رسول اللّٰه أماهو فما سبق رسول اللّٰه كغيره بل صبر على موانسته و ملازمته و خدمته عند هذا الخوف الشديد الذي لم يبق معه أحد و ذالك يوجب الفضل العظيم (تفسیر کبیر ص۳۰۹ ج ٦)

"سبھی مہاجرین رسول کریم ﷺ سے جدا ہو گئے سوائے ابوبکر کے صرف انہوں نے

آپ سے سبقت نہ کی بلکہ آپ کو انس صحبت مہیا کرنے حاضر بارگاہ رہنے اور خدمت میں معروف رہنے کا اپنے آپ کو پابند کیا ایسے شدید خوف وخطرات کے موقعہ پر جبکہ کوئی ایک بھی آپ کے پاس نہیں رہ گیا تھا اور یہ صورت حال حضرت ابوبکر کے لیے فضل عظیم اور شرف جلیل کا موجب ہے"

(۲) قول باری تعالی اذیقول لصاحبہ میں آپ کے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر نص ہے ولم یثبت ذالك لأحد من أصحاب رسول الله ﷺ و کونہ المراد من الصاحب مما وقع علیه الاجماع

"یہ امتیاز اور اختصاص کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں ہوسکا اور صاحب کے لفظ سے آپ کا مراد ہونا اجماعی امر ہے"

جیسے کہ قول باری اسریٰ بعبدہ میں عبد سے مراد ذات رسول علیہ السلام ہونا متفق علیہ امر ہے، و من ھھنا قالوا ان انکار صحبته کفر اس لیے علمائے کرام اور ائمہ عظام نے فرمایا کہ ان کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے لیکن دوسرے حضرات میں سے کسی کے صحابی ہونے کا انکار بدعت ہے نہ کہ کفر"

(روح المعانی ص۸۹ جلد ۸، سراج منیر ص۳۹۹ جلد۲، روح البیان ۴۵۵ جلد ۳)

اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ یہ صحبت صرف لغوی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ فداکاری اور جانثاری کے اعلیٰ مظاہرہ والی صحبت ہے جس میں دوسرا کوئی صحابی آپ کے ساتھ شامل نہ ہوسکا جب کہ ایسے مشکل اور سنگین حالات میں اچھے بھلے دوست اور یار بھی دوستوں یاروں کو چھوڑ جاتے ہیں۔

(۳) یہ آیہ کریمہ حضرت صدیق اکبر کے صاحب صدق و اخلاص اور محبت و فدائی ہونے کی عظیم ترین دلیل ہے، امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ غار کی طرف منتقل ہوئے تھے

کیونکہ کفار ان کے شہید کردینے کا پروگرام بنا رہے تھے اگر آپ کو حضرت صدیق کے باطن اور قلبی کیفیت کا حتمی اور قطعی علم نہ ہوتا کہ یہ برحق مومن اور صادق وصدیق لوگوں میں سے ہیں تو ایسے خطرناک موقعہ پر کبھی ان کو اپنا مصاحب نہ بناتے کیونکہ ان کے ظاہر کا ان کے باطن کے خلاف ہونے کا آپ کو ذرا بھر شبہ بھی ہوتا تو ان سے بھی خوفزدہ ہوتے کہ وہ میرے دشمنوں کو مخبری نہ کردیں، (جب کہ تین دن رات ان کے بیٹے اور غلام بھی حاضر خدمت ہوتے رہے اور خورد ونوش کا سامان بھی مہیا کرتے رہے) یا خود میرے قتل پر آمادہ نہ ہوجائیں، فلمّا استخلصه لنفسه في تلك الحالة دل على أنه عليه السلام كان قاطعًا بأن باطنه على وفق ظاهره۔ (التفسير الكبير جلد٦ ص ٥٠)

"آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں اپنی ذات کی خدمت اور مصاحبت کے لیے مخصوص ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو قطعی علم تھا کہ ان کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق ہے اور یہ سراپا صدق واخلاص ہیں"

(۴) "ہجرت فرمائی آنحضرت ﷺ نے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور آپ کی بارگاہ میں مخلصین کی ایسی جماعت موجود تھی جو سلسلۂ نسب میں ابوبکر صدیق کی نسبت آپ کے بہت قریب تھے تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس صعب ترین اور ہولناک موقعہ میں ان کو اپنا مصاحب اور ہم سفر بنانے کا حکم نہ دیا ہوتا تو ظاہر بلکہ حتمی امر بھی تھا کہ ان کو آپ اس مصاحبت کے ساتھ مخصوص نہ ٹھہراتے لہٰذا اللہ رب العزت کا ان کو اس شرف وفضل کے ساتھ مخصوص ٹھہرانا ان کے دین میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی قطعی دلیل ہے" (کبیر ص ۱۱)

اہم نکتہ:

رافضی کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے رہ جانے میں خطرہ تھا کہ آپ کے خلاف مکر وفریب اور سازشوں سے کام لیتے اس لیے ساتھ رکھ لیا تو (۱) علامہ آلوسی نے اس کے رد میں فرمایا کہ

آیتِ کریمہ میں تو کوئی ایسا اندیشہ مذکور نہیں نہ صراحتہ اشارۃً تو تمہیں کس طرف سے الہام ہو گیا ہے؟

ابوبکر صدیق نے اس وقت کیونکر نہ کفار کو دعوت دے دی جب وہ غار کے منہ پر پہنچ چکے تھے اس سے بڑا مفید اور کار آمد موقعہ بھی کوئی ان کے لیے ہو سکتا تھا اور اپنے آپ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے کہہ سکتے تھے کہ میں نے تو ان کی مصاحبت اسی مقصد کے لیے اختیار کی تھی کہ کسی حیلے بہانے سے ان کو تمہارے قبضہ و اقتدار و اختیار میں دوں، نیز اولاد اور خدام کو مخبری کا اشارہ کر دیتے جو بار بار وہاں حاضری دیتے تھے اور خورد و نوش والی ضروریات مہیا کرتے تھے لہٰذا واضح ہو گیا کہ یہ سراسر افتراء اور بہتان عظیم ہے واقعہ و حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) جواب آں غزل کے طور پر اگر رافضی کے برعکس کوئی خارجی جو کہ دشمنان مرتضیٰ ہیں وہ کہیں کہ علی ابن ابی طالب کو اپنے بستر پر سلانے میں نبی کریم ﷺ کو اپنا بچاؤ مطلوب نہیں تھا کیونکہ آپ تو ان کے سروں پر خاک ڈال کر ان کی آنکھوں کے سامنے سے بچ کر نکل گئے تھے بلکہ صرف اور صرف یہ مقصد تھا کہ علی بن ابی طالب کو اپنے بستر پر سلا دوں تا کہ وہ اس کو محمد بن عبداللہ سمجھ کر قتل کر دیں اور مجھے اس سے خلاصی مل جائے،

ولیس ھذا القول باعجب و لا أبطل من قول الشیعی۔

(روح المعانی ص ۹۱ جلد ۱۰)

"خارجی کا یہ قول شیعہ کے اس قول سے زیادہ تعجب خیز اور زیادہ باطل نہیں ہے"

لہٰذا ایسے ھذیانات اور افتراءات کا سہارا لینا قطعاً درست نہیں ہے۔

(۵) قول باری تعالی ثانی اثنین اذھما فی الغار میں ایک والے عدد کی دوسرے سے تکمیل اور محض ایک مکان میں اکٹھا موجود ہونا جو صالح اور طالح اور مومن و کافر میں مشترک ہو سکتے ہیں وہ مراد نہیں ہے، بلکہ قرینۂ مقام اور سیاق و سباق کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور اس صورت

میں حضرتِ صدیق کا فضل و شرف کمل کر سامنے آجاتا ہے کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ اعداء کے مکرو فریب سے بچنے کے لیے اس خلوت کے لائق مکان میں داخل ہوئے تو جب تک مکمل طور پر قابلِ اعتماد اور لائق اعتبار ہستی ساتھ نہ ہوتی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ خاص طور جب دوسرے شخص نے بھی اپنے مصاحب محبوب کے لیے وطنِ مالوف اور خویش واقرباء کو ترک کر دیا ہو بلکہ بیوی اور بچیوں کی عزت اور بچوں کی جان تک کو بھی اس رفاقت ومصاحبت کے حصول کے لیے قربان کر دیا ہو تو اس وقت اثنینیت اور ہم نشینی میں کیوں کر صدیقِ اکبر کا شرف وفضل اور اختصاص وامتیاز نظر نہیں آئے گا جب کہ کفار کے سر غار پہنچ جانے پر محبوب کریم کو لاحق خطرہ کے تحت وہ ساتھی اور مصاحب سراپا حزن وملال بن چکا ہو اور عرض کر رہا ہو یا رسول اللہ ﷺ! دعا کریں اللہ ان کو اندھا کرے وہ نیچے دیکھیں گے تو ہم ان کو نظر آجائیں گے اور وہ خبثِ باطن اور عداوتِ حق کے تحت حملہ آور ہو سکتے ہیں، میری جان گئی تو ایک جان جائے گی لیکن آپ کی جان اس خطرناک صورت سے دوچار ہوئی تو نہ قرآن رہے گا اور نہ اسلام وایمان۔ اور محبوب ان کو تسلی دے رہے ہوں لاتحزن ان اللّٰہ معنا غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ہمارا معاون ومددگار اور حامی وناصر ہے اور فرما رہے ہوں ما ظنك باثنين الله ثالثهما تیرا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ حفظ وامان اور تسکین وطمانیت مہیا کرنے کے لیے تیسری اللہ تعالیٰ کی ذات ہو"

ضروری سوال وجواب:

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ حزن وملال طاعت تھا تو اس سے منع کرنا اور اس کو منھی عنہ ٹھہرانا معصوم نبی کی شان کے خلاف ہے اور معصیت تھا تو ابوبکر کی فضیلت کی بجائے تنقیص لازم آگئی تو اس کو فضائل میں شمار کرنا کیونکر درست ہوا؟

جوابِ اول:

یہ نہی اپنے حقیقی معنی میں یعنی تحریم میں مستعمل نہیں ہے بلکہ مقصود تسلی دینا ہے کہ
اعداء دین ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ جیسا قادر وقدیر اور ہمہ مقتدر معاون ومددگا
ہمارے ساتھ ہے!!

جوابِ ثانی:

اگر یہ حزن عصیان اور اثم تھا تو تسلی دیتے وقت یہ کیوں فرمایا اللہ تعالیٰ جس طر
میرے ساتھ ہے اس طرح تیرے ساتھ ہے، کیا اثم وعصیان اللہ تعالیٰ کی معیت اور امد
واعانت کے حصول کا ذریعہ بن سکتے ہیں؟

جوابِ ثالث:

نہی اور امر امورِ اختیاریہ میں وارد ہوتے ہیں جبکہ حزن وملال امر اختیاری نہیں ہے
نہی کا حقیقی معنی یہاں پر مراد لینا قطعاً درست نہیں ہے۔

جوابِ رابع:

ہم بھی بطورِ جدل کہہ سکتے ہیں ایسے ارشاد انبیاء کرام اور بالخصوص سید الانام ﷺ کے
حق میں بھی وارد ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرما
لَاتَخَافَا اِنَّنِی مَعَکُمَا (طٰہٰ، 20:46) خوفزدہ نہ ہونا بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں
محبوب کریم علیہ السلام کو فرمایا: لَایَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (یونس، 10:65) ال
دشمنان دین کی باتیں آپ کو غم زدہ نہ کریں، بے شک عزت وغلبہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے
ہے (جو تمہارا حامی وناصر ہے) تو یہاں بھی وہ شقیں جاری کر کے اللہ تعالیٰ کو طاعت سے روکنے
کا مرتکب ٹھہرائیں یا ان معصومین کو مجرم وعاصی ٹھہرائیں، نعوذ باللّٰہ من ھذہ الھفوات
نیز اللہ تعالیٰ حبیب پاک ﷺ کو لا یحزنك قولھم فرمائے اور حبیب کریم

صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کو لاتحزن فرما کر تسلی دیں تو جو مقام آنحضرت کا بارگاہِ خداوند تعالیٰ میں ہے گویا
وہی مقام آپ کا حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہے فھو حبیب حبیب اللّٰہ تعالی صلی اللہ علیہ وسلم
و الحمدللّٰہ علی ذالك۔ جو کہ آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز اور امتیاز ہے۔

امام رازی اور علامہ سماعیل حقی کا فرمان:

امام رازی اور علامہ اسماعیل حقی رحمہما اللہ نے ثانی اثنین والی شان صدیقی کی وسعت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اس آیت کریمہ میں حضرت صدیق کے صدیقیت والے مقام ومرتبہ کی بلندی و برتری کا بیان ہے اوران کے قدیم الصحبت ہونے کا (1) آپ عالم ارواح میں بھی ثانی اثنین ہیں جبکہ عدم سے وجود کی طرف منتقل ہوئے (2) حالتِ ہجرت میں بھی ثانی اثنین ہیں (3) غار ثور میں بھی ثانی اثنین ہیں (4) امامت وخلافت میں بھی ثانی اثنین ہیں (5) قبر انور میں بھی ثانی اثنین ہیں (6) قبروں کے انشقاق اور اہل قبور کی برآمدگی میں ثانی اثنین ہیں (7) دخولِ جنت کے لحاظ سے ثانی اثنین ہیں (8) نیز تبلیغ اسلام میں بھی ثانی ہیں اور حضرت عثمان حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہم آپ کی تبلیغ سے مشرف باسلام ہوئے۔

قول باری تعالی لاتحزن ان اللہ معنا حضرت صدیق کی عظیم فضیلت کی دلیل ہے کہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی اور دلاسہ دے رہے ہیں اور بطورِ سبب وعلت اللہ تعالیٰ کی معیت کا مژدہ سنا رہے ہیں کہ غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی جس طرح میرے ساتھ ہے اسی طرح تیرے ساتھ بھی ہے۔ اور اس جیسے رحیم وکریم اور محبِ کامل کی معیت ورفاقت از روئے امداد ونصرت جب ہمیں حاصل ہے تو غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ وہ اعزاز ہے کہ جو کسی نبی نے بھی اپنے کسی امتی کو نہیں بخشا۔ حضرت موسیٰ علیہ

السلام بنی اسرائیل کو مصر سے وطن سابق فلسطین کی طرف منتقل ہونے کے لیے اپنے ہمراہ لے
نکلے، پیچھے سے فرعون نے سولہ لاکھ فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، جب اسرائیلیوں نے
صورت حال دیکھی تو چلا اٹھے اِنَّـا لَـمُدْرَكُوْنَ (الشعراء، 61:26) ہم تو فرعون اور اس کی فو
کے ہاتھوں ہلاکت سے دوچار ہو چکے، آپ نے ہمیں مروا ہی دیا اس سے بہتر تھا کہ مصر میں
رہتے خواہ ذلت وخواری والے کام بھی کرتے رہتے یعنی سڑکیں صاف کرنا ان پر جھاڑو دینا
لیٹرینیں صاف کرنا ہی ذمے رہتا، اب تو جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ رہے ہیں تو حضرت مو
علیہ السلام نے فرمایا: كَلَّا اِنَّ مَعِىَ رَبِّى (الشعراء، 62:26) ہم ہرگز فرعونی لشکر کے ہاتھ
ہلاکت سے دوچار نہیں ہو سکتے کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے جو میرا معاون ومددگار
حامی وناصر ہے اور میری لاج رکھنے والا ہے۔ گویا چھ لاکھ بنی اسرائیل میں سے کسی کو بھی ر
العزت کی معیت والے اعزاز واکرام میں اپنے ساتھ شامل نہ فرمایا، لیکن محبوب نبی کریم ﷺ
کے ساتھ صرف ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات مقدسہ ہے تو آپ نے ان کو بھی اس معیت
خاصہ میں شامل فرمایا ہے اس اعزاز سے محروم نہیں فرمایا۔

کلامِ کلیم اور کلامِ حبیب علیہما السلام کا موازنہ:

(گویا آنحضرت ﷺ کا تعلق محض ذات باری تعالی کے ساتھ اور منعم کی ذات
ساتھ ہے لیکن نعمت تربیت کے واسطہ سے نہیں جبکہ حضرت کلیم) کا تعلق اس منعم حقیقی کے سا
نعمت تربیت کے واسطہ سے ہے نیز اللہ اسم ذات ہے اور رب اسم صفت ہے تو نبی مکرم ﷺ
صدقے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالی کی معیت ذاتیہ حاصل ہو رہی ہے اگر
حبیب مکرم ﷺ کو اصالۃ اور آپ کو بالتبع۔ علاوہ ازیں سید المحبوبین ﷺ کے کلام میں ا
"اللہ" کا ذکر پہلے ہے اور اپنا اور صدیق کا ذکر بعد میں، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں "
کا لفظ پہلے ہے ربی کا بعد میں ہے۔ گویا ان کی پہلی نظر اپنی ذات پر اور اس کے ذریعے رب تعا

پر جو کہ سیر الی اللہ کا مقام ہے، اور نبی مکرم ﷺ کی پہلی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور دوسری اپنی اور صدیق کی ذات پر جو کہ سیر فی اللہ کا مقام ہے اور بطفیل مصطفےٰ کریم ﷺ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی اس کا عکس و پرتو پڑ رہا ہے اور یہ اعزاز کسی نبی کے کسی امتی کو حاصل نہ ہوسکا سوائے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔

"فانزل اللہ سکینتہ علیہ میں علیہ کی ضمیر کا مرجع کون ہیں اور نزول سکینہ کا محل کون ہیں؟ رسول گرامی ﷺ یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عقل و نقل کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت صدیق اس ضمیر کا مرجع ہوں کیونکہ مرجع قریب تر ہونا چاہیے اور وہ صاحبہ کا لفظ ہے۔ نیز جب حزن و ملال سے دوچار وہی ہیں تو سامان تسکین بھی ان کا ہونا چاہیے، آپ ﷺ تو بفضلہ تعالیٰ پہلے ہی سے سراسر سکون و اطمینان کا مجسمہ تھے علاوہ ازیں آپ خود خوف زدہ ہوتے اور حزن و ملال سے دوچار ہوتے تو حضرت صدیق کو تسلی کیسے دے سکتے تھے پھر انداز کلام بھی یوں ہونا چاہیے تھا فانزل اللہ سکینتہ علیہ فقال لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا تو اپنے حبیب کا غم غلط کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل کر دی تب انہوں نے اپنے صاحب سے فرمایا غم نہ کھاؤ بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ نہ کہ آپ کی طرف سے اپنے یار غار کی تسلی و طمانیت کا سامان پہلے ہو جاتا اور آپ پر تسلی اور طمانیت کا نزول بعد میں ہوتا جو کہ سراسر طبعی تقاضا اور مقتضائے عقل کے خلاف ہے"

لیکن بہت پتہ کی بات علامہ آلوسی کی معلوم ہوتی ہے کہ ذاتیں دو ہیں جب کہ ضمیر واحد کی ذکر کی گئی خواہ مرجع اس کا سرور کائنات ہوں یا سرور صدیقین، مقام کا اقتضا یہی تھا کہ فرمایا جاتا علیہما لیکن وحدت ضمیر اس پر دلالت کر رہی ہے کہ دونوں میں وحدت کاملہ پائی گئی ہے حضرت ابوبکر فنا فی الرسول اور بقا بالرسول کے مقام پر تھے اور نبی مکرم ﷺ کا وجود اقدس ہی ان کا وجود تھا اور صدیق کا وجود ہی مظہر وجود رسول ﷺ تھا کما قال اللہ تعالیٰ : اَللّٰہُ

وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ (التوبہ، 62:9) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ لوگ انہیں راضی کریں۔

لیکن یرضوھما فرمانے کی بجائے یرضوہ فرما کر اس وحدت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، جب اللہ کریم حضرتِ صدیق کو اس بلند و بالا مقام پر فائز فرمائے کہ جو وحدت معیت نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے وہ وحدت معیت حضرت صدیق کو عطا فرمائے تو ہمیں تنگ دل ہونے کی بجائے شرح صدر کے ساتھ اس پر ایمان لانا چاہیے اور صدیق اکبر کی افضلیت کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے۔ والحمدللّٰہ علی ذالك

سوال:

کالی رات ہو اور کفار مشرکین بیتِ رسول ﷺ کا احاطہ کیے ہوں اور ان کی جان کے دشمن بھی ہوں تو ایسی خطرناک صورتحال میں بستر رسول ﷺ پر لیٹنا اور کفار کو اپنے خیال میں مشغول رکھنا اور رسول خدا ﷺ کے لیے محفوظ مقام تک پہنچنے کا موقعہ فراہم کرنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی عظیم ترین قربانی اور آپ کے شرف و فضل کی بین برہان ہے۔

الجواب ،اولاً:

ہم مولائے مرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت کے دل و جان سے قائل و معترف ہیں ،لیکن حضرتِ صدیق کے ساتھ اس موقع پر آپ کی برابری بھی ثابت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ سبقت ثابت ہو سکے۔اولاً: حضرت صدیق مصاحبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے ہمہ وقت حاضر خدمت تھے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غائب اور ایسی بارگاہ ناز کے حاضر باش کی شان غائب سے بہر حال اعلیٰ ہے۔

ثانیاً: حضرت علی نے وہ محنت و شدت صرف ایک رات تک برداشت فرمائی جب تک کفار

کو معلوم نہ ہوسکا کہ بستر پر آرام کون کر رہا ہے جب علم ہوگیا تو آپ سے انہوں نے تعرض اور چھیڑ چھاڑ نہیں کی، لیکن حضرت صدیق تین دن رات صرف غار میں محنت ومشقت سے دوچار رہیں جب کہ بعد والے سفر کے شب وروز کی دو ہفتہ کے قریب تک محنت ومشقت مزید برآں ہے تو ان کے امتحان وابتلاء کے ساتھ پیارے حیدر کرار کے ابتلاء وامتحان کی برابری نہیں ہوسکتی۔

ثـــالثــا: حضرت صدیق دعوتِ توحید ورسالت میں مشغول بھی رہے اور اس کے ساتھ مشہور بھی تھے اور ان کی دعوتِ توحید ورسالت پر اکابر صحابہ نے دینِ مصطفوی قبول کیا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں داخل ہوئے اور آپ کفار ومشرکین کے ساتھ مقدور بھر نزاع و مخاصمت سے بھی کام لیتے رہتے تھے اور اپنی جان اور مال کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتے رہتے تھے جب کہ حضرت علی بن ابی طالب اس وقت صغیر السن تھے اور نہ آپ کی طرف سے دعوتِ اسلام کا ظہور ہوا نہ دلیل وبرہان سے اور نہ ہی سیف وسنان سے کیونکہ جہاد وقتال کا اذن تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد پایا گیا، یعنی اعلانِ نبوت کے بعد چودھویں پندرھویں سال، لہـــــذا ہجرت سے قبل اور حالتِ ہجرت میں ان کا کوئی کمال ظاہر نہ ہوسکا تو اندریں حالت انِ کفار کے حضرت صدیق پر غیظ وغضب اور دشمنی وعداوت کی شدت کا مولائے مرتضی کی نسبت شدید ترین ہونا ظاہر وباہر ہے۔

رابـــعــاً: جب کفار کو معلوم ہوگیا کہ اس بستر پر محوِ خواب علی بن ابی طالب تھے تو ان کے ساتھ ہاتھا پائی اور مار پٹائی تک بھی نوبت نہ پہنچی جب کہ ان دونوں مصاحبوں اور رفیقوں کے تعاقب میں شیوخ و شباب بوڑھے اور نوجوان سیوف وسنان ہاتھوں میں لیے ادھر ادھر دوڑ بھاگ رہے تھے اور ان کی جانوں کے دشمن بھی بنے ہوئے تھے اور سو سو اونٹ دینے کے اعلان بھی قاتلوں یا گرفتار کرنے والوں کے لیے کر رہے تھے:

فعلمنا أن خوف أبي بكر على نفسه في خدمة محمد ﷺ أشد من خوف علی کرم اللہ وجهه فكانت تلك درجة أفضل وأكمل

(التفسير الكبير جلد ٦ ص ٥٤)

"تو ہمیں معلوم ہو گیا خدمتِ رسالت مآب ﷺ میں حضرت صدیق کو اپنی جان پر بہت خوف واندیشہ تھا بنسبت علی مرتضی کے اپنی جان پر خوف واندیشہ کے تو ان کی اس خدمت اور فدا کاری کا درجہ و مرتبہ بہت ہی فائق و برتر اور افضل و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے"

حضرت علی کی تفضیل حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہم) پر بدعت ہے:

الغرض یہ آیتِ کریمہ بھی حضرت صدیق کے افضل الامۃ ہونے کی واضح دلیل ہے اسی لیے علامہ اسماعیل حقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ جو شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبِ رسول ﷺ ہونے اور ان کے ان مشکلات و مصائب اور مہالک و شدائد میں مصاحب ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے کلام اللہ کا انکار کیا:

ولذا قالوا من أنكر صحبة أبي بكر فقد كفر لانكاره كلام الله تعالى

نیز فرماتے ہیں:

الروافض اذا كانوا يسبون الشيخين (أبا بكر وعمر) و يلعنونهما يكفرون واذا كانوا يفضلون عليًّا عليهما يكونون مبتدعين والمبتدع صاحب الكبيرة۔

(روح البیان ص ٤٠٥ جلد ٣)

"اور ایسے ہی روافض کفر کا شکار ہو جاتے ہیں جب کہ شیخین یعنی ابی بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کرتے ہیں اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں اور جب حضرت علی رضی

اللہ عنہ کو ان پر فوقیت وفضیلت دیتے ہیں تو بدعتی ہو جاتے ہیں اور مبتدع کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور فسق اعتقادی میں مبتلا ہوتا ہے"

تنبیہ نبیہ:

جب مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق پر فضیلت دینا بدعت اور بہ مقتضائے فرمانِ رسول ﷺ: کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار ہر بدعت گم راہی ہے اور ہر گم راہی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے تو یہ تفضیل بھی از روئے شریعتِ مطہرہ اور نظریہ اسلاف بدعت ہے تو ہر ایک صحابی کی دوسرے صحابہ پر فضیلت کو جائز رکھنا اور شیعہ وسنی کے اجماع مرکب کی مخالفت کرتے ہوئے ہر صحابی کے حق میں وارد کسی صحابی کے قول کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفضیل کو جائز رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اہل سنت بالاتفاق حضرت صدیق کو افضل الامم تسلیم کرتے ہیں اور اہل تشیع مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کو، لہذا یہ تیسرا قول اس اجماع مرکب کی خلاف ورزی ہے اور اجماع کے خلاف خبر واحد یعنی حدیثِ رسول ﷺ بھی وارد ہو اور تطبیق ممکن نہ ہو تو اجماعی راستہ ترک کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ خبر واحد کو ترک کرنا لازم ہوگا، چہ جائیکہ کسی صحابی کا قول جو محتملِ تاویل بھی ہو اس میں تاویل کو روا نہ رکھا جائے بلکہ اجماع کو نظر انداز کر دیا جائے؟؟

جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس بدعت کا اختراع بھی کیا ہے اور اس کے اجرا اور نفاذ پر مصر بھی ہیں اللہ ھو الھادی، خود بھی اسلاف کے متفق علیہ اور اجماعی راستہ کو جو کہ صراطِ مستقیم ہے چھوڑ چکے ہیں اور اہل اسلام کو بھی اس راہِ راست اور صراطِ مستقیم سے ہٹانے میں کوشاں ہیں۔ گویا "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے" والا معاملہ ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

قاضی ثناء اللہ مظہری پانی پتی کا فرمان:

تفسیر مظہری میں لاتحزن ان اللہ معنا کے تحت فرماتے ہیں:

قال الشیخ الأجل الشهید مظهرفیوض الرحمٰن مرزاجان جاناں رحمه الله تعالی رحمةً واسعةً کفی لأبی بکر فضلًا أن رسول الله ﷺ أثبت لأبی بکر معیة الله سبحانه التی أثبتها لنفسه بلا تفاوت فمن أنکر فضل أبی بکر أنکرهذه الآیة الکریمة و کفر ولم یکن حزن أبی بکر رضی الله عنه جبنًامنه کما قالت الروافض لعنهم الله بل کان اشفاقاً علی رسول الله ﷺ وقال ان أقتل فأنا رجلٌ واحدٌ وان قتل النبی ﷺ هلکت الأمة۔ (جلد ٤ ص٢٠٨)

''شیخ اجل شہید، مظہر فیوض الرحمان مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے فضل وشرف کے ثبوت وتحقق کے لیے یہی امر کافی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اللہ تعالیٰ کی وہی معیت ابوبکر صدیق کے لیے ثابت فرمائی جو کہ اپنی ذات کے لیے ثابت فرمائی بغیر کسی تفاوت کے، لہٰذا جو شخص ابوبکر صدیق کے فضل وشرف کا منکر ہے گویا وہ اس آیتِ کریمہ کا منکر ہے اور کافر ہے، حضرت ابوبکر صدیق کا حزن وملال بزدلی کی وجہ سے نہیں تھا جیسے کہ روافض لعنہم اللہ نے کہا ہے، بلکہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر شفقت کی وجہ سے تھا اور آپ کا کہنا تھا کہ اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں ایک مرد ہوں (جو ہلاکت سے دوچار ہوں گا) لیکن نبی کریم ﷺ شہید ہو گئے تو ساری امت ہلاکت سے دوچار ہو جائے گی''

کذا فی تأویلات أهل السنة للامام أبی منصور البغدادی۔لم یکن حزن أبی بکرعلی نفسه ولکن اشفاقا علی رسول الله ﷺ ان یصاب و کذاروی فی الخبر أنه قال لرسول الله یارسول الله انك ان تصب یذهب دین الله و لایعبدالله علی وجه الارض۔ (جلد٢ ص٤١٠)

وکذا فی الدرالمنثور للامام سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی۔

(جلد ۳ ص ۲۳۹)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد پر آپ کے فنا فی الرسول ہونے کا عکس وپر تو:

قالت أسماء خرج أبوبكر بماله كله خمسة آلاف درهم قال البلاذرى كان مال أبى بكر يوم أسلم أربعين ألف درهم فخرج الى المدينة للهجرة وماله الا خمسة آلاف درهم أو أربعة آلاف درهم فبعث ابنه عبدالله فحمله الى الغارقالت فدخل علينا جدى أبو قحافه وقد ذهب بصره قال والله انى لأراه قد ذهب بماله مع نفسه قالت قلته كلا يا أبت انه ترك لنا خيرًا كثيرًا۔

(جلد ٤ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں حضرت ابوبکر اپنا سارا مال ساتھ لے کر ہجرت فرما گئے، علامہ بلاذری کہتے ہیں جس وقت آپ اسلام لائے تو آپ کا مال چالیس ہزار درہم تھا (جو مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنے پر اور نبی کریم ﷺ پر خرچ ہو گیا، تو مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو پانچ ہزار یا چار ہزار درہم بچا ہوا تھا تو آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ اس بقیہ مال کو اٹھا کر غار ثور میں لے گیا حضرت اسماء فرماتی ہیں اس دوران ہمارے دادا جان ہمارے ہاں آئے اور ان کی بینائی جا چکی تھی تو کہا بخدا میں سمجھتا ہوں کہ ابوبکر خود بھی چلا گیا ہے اور اپنا سارا مال بھی ساتھ لے گیا ہے میں نے کہا ہرگز نہیں اے ابا جان انہوں نے ہمارے لیے خیر کثیر کو چھوڑا ہے اور جہاں حضرت صدیق درہم رکھا کرتے تھے وہاں پر ٹھیکریاں وغیرہ رکھ کر کپڑے کی موٹی تہہ جما کر دادا جان کا ہاتھ اوپر رکھا جب انہوں نے

ہاتھ اوپر رکھا تو کہا لا بأس ان کان ترک لکم ھذا لقد أحسن و فی ھذا بلاغ لکم ولا واللہ ماترک لنا شیئًا ولکن أردت أن أسکن الشیخ

"کوئی اندیشہ نہیں اگر وہ تمہارے لیے اتنا قدر چھوڑ گئے ہیں تو بہت اچھا کیا اور اس میں تمہاری گزر بسر کے لیے کفایت ہے، حالانکہ بخدا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا لیکن میں نے اپنے اس بزرگ کی تسکین قلب کے لیے اس طرح کیا اور اس طرح کہا"

فائدہ:

حضرتِ اسماء کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ پورا گھرانہ حضرتِ صدیق کی طرح رسول گرامی ﷺ کا فدائی بنا ہوا تھا بجائے اس کے کہ حضرت صدیق کو خود کہتے ہمارے لیے بھی کچھ چھوڑ جاؤ ہم نے ہوا کھا کے جینا ہے یا مٹی چاٹ کے خود بھی جا رہے ہو اور سارا مال بھی لے جا رہے ہو، الٹا دادا جان کو بھی اس حیلے بہانے سے مطمئن کر رہی ہیں سچ کہا گیا ہے:

پروانے کو چراغ ہے اور بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے خدا کا رسول بس

بلکہ پورے گھرانے کے لیے ہے خدا کا رسول بس، اور الولد سر لأبیہ کی عملی تصویر حضرت صدیق کی اولاد نے پیش کر دی ہے، رضی اللہ تعالی عنہم۔

دعائے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام:

رات غار کے سوراخ اور درزیں بند کرنے کے لیے فالتو کپڑا پھاڑ کر ان کو بند کرتے رہے تو صبح سرورِ کونین ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا کپڑا کدھر گیا عرض کیا اس مصرف میں کام آیا ہے تو آپ نے دعا فرمائی:

فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ وقال اللھم اجعل أبابکر معی فی درجتی فی

الجنة فأوحى الله تعالى اليه قد استجاب الله لك۔ (جلد ۲ ص ۲۱۰)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے اور کہا اے اللہ ابوبکر کو میرے ساتھ جنت میں میرے درجہ و مقام میں رکھنا تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا کو شرف اجابت و قبولیت بخش دیا ہے"

(کذا فی الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۴۲ بروایة انس بن مالك رضی الله عنه اخرجه ابن مردویه)

علامہ قرطبی کا فرمان:

امام أبو عبداللہ محمد بن أحمد أنصاری قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لأحکام القرآن میں فرمایا:

قال تعالى اذ يقول لصاحبه، قال بعض العلماء من أنكر أن يكون عمر وعثمان أو أحد من الصحابة صاحب رسول الله ﷺ فهو كذّاب مبتدع ومن أنكر أن يكون أبو بكر رضى الله عنه صاحب رسول الله ﷺ فهو كافر لأنه رد نص القرآن۔ (جلد ۸ ص ۱۳۳)

"بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضرت عمر فاروق حضرت عثمان یا کسی صحابی کے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا انکار کرے وہ کذاب اور بدعتی ہے، لیکن اگر حضرت ابوبکر کے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا انکار کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کو رد کر دیا ہے"

قول باری تعالیٰ لاتحزن کے تحت فرمایا

قالت الامامية قبّحها الله تعالے حزن أبى بكر فى الغار دليل على جهله ونقصه و ضعف قلبه وخرقه وأجاب علمائنا عن ذالك بأن اضافة الحزن اليه ليس بنقص الخ۔

"امامیہ شیعہ نے کہا کہ غار میں ابوبکر کا غم زدہ ہونا دلیل ہے ان کے جہل اور نقص قلبی
ضعف اور کم عقلی کی، ہمارے علمائے کرام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ حزن وملال ان میں
کسی نقص اور کمزوری کی دلیل نہیں ہے، جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا خوفزدہ ہوجانا ملائکہ ک
بشری حالت میں اپنے سامنے موجود دیکھ کر قرآن مجید فرماتا ہے نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً
قَالُوْا لَا تَخَفْ (ھود، 70:11) "ان کو اجنبی اور غیر مانوس جانا اور خوفزدہ ہوگئے تو انہوں نے ک
ڈریے نہیں" اسی طرح موسیٰ علیہ السلام میں ڈر اور خوف نے نقص پیدا نہیں کیا فَاَوْجَسَ فِیْ
نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى (طہ، 67:20) موسیٰ علیہ السلام دل ہی دل میں خوفزدہ ہوگئے قُلْنَا لَا
تَخَفْ (طہ، 68:20) "ہم نے کہا ڈرو مت" اس ڈر اور خوف نے حضرت لوط علیہ السلام میں
کوئی نقص پیدا نہ کیا۔ قال تعالی : لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ (العنکبوت، 33:29) "غم
گین نہ ہونا بیشک ہم تجھے اور تمہارے گھر والوں کو خلاصی دینے والے ہیں"

فهولاء العظماء صلوات الله عليهم قد وجدت عندهم التقية نصًا ولم يكن
ذالك طعنًا عليهم ووصفا لهم بالنقص و كذالك في أبي بكر ثم هي عند الصديق
احتمال فانه قال لو أن أحدهم نظر تحت قدميه لأبصرنا

"یہ عظیم ترین ہستیاں ہیں جن میں خوف کا ثبوت وتحقق نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے
لیکن یہ خوف واندیشہ ان کے حق میں موجب طعن نہیں اور ان کے ناقص ہونے والے وصف
نقصان کا موجب نہیں تو حضرت ابوبکر صدیق میں بھی اس کا ثبوت موجب طعن اور باعث نقص
نہیں ہے، نیز ابوبکر صدیق میں یہ حزن بطور احتمال اور امکان ثابت ہے کہ اگر کفار نے اپنے
قدموں کے نیچے دیکھا تو ہمیں دیکھ لیں گے اور تکلیف پہنچا سکیں گے، تو احتمالی اور امکانی صورت
میں موجب طعن اور سبب نقص کیونکر ہوگا؟ جبکہ بالفعل تحقق کی صورت میں انبیاء علیہم السلام جیسی
عظیم ہستیاں کے لیے موجب نقص اور سبب طعن وتشنیع نہیں ہے"

جوابِ ثانی:

حزن الصدیق انما کان خوفًا علی النبی ﷺ أن یصل الیه ضرر ولم یکن النبی ﷺ فی ذالك الوقت معصومًا وانما نزل علیه واللّٰه یعصمك من الناس بالمدینة۔

"حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کولاحق ہونے والاحزن وملال اپنی ذات کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ نبی مکرم ﷺ کوضرر لاحق ہوسکنے کی وجہ سے تھا کیونکہ اس وقت تک نبی مکرم ﷺ کواللہ تعالیٰ کی طرف سے جان کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی تھی بلکہ یہ آیت کریمہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کولوگوں سے محفوظ رکھے گا"

قوله تعالی: ان الله معنا،

ابن العربی نے کہا ہمیں ابوالفضائل العدل نے کہا کہ ہمیں جمال الاسلام ابوالقاسم نے کہا:

قال موسٰی علیه السلام ان معی ربی سیهدینی وقال فی محمد ﷺ لا تحزن ان اللّٰه معنا۔لا جرم لما کان اللّٰه مع موسی وحده ارتد أصحابه بعده فرجع من عند ربه فوجدهم یعبدون العجل ولما قال فی محمد ﷺ لا تحزن ان اللّٰه معنا بقی أبوبکر مهتدیا موحداً عالمًا حازمًا قائمًا بالأمر ولم یتطرق الیه اختلال۔

(جلد ۸ ص ۱۳٤)

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے فرعون اور اس لشکر سے ڈر اور خوف کودور کرنے کے لیے فرمایا ہم ہرگز فرعون کی طرف سے ہلاکت سے دوچار نہیں ہوسکتے کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے منزل مقصود تک پہنچائے گا اور نبی کریم ﷺ کے حق میں حضرت صدیق کوتسلی دیتے وقت فرمایا غم نہ کھاؤ بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے،تو ضروری امر ہے کہ جب اللہ

تعالےٰ صرف موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا تو ان کے ساتھی ان کے بعد مرتد ہو گئے اور جب وہ طور سے لوٹے تو قوم بچھڑے کی پوجا پاٹ کر رہی تھی اور جب نبی کریم ﷺ کے حق میں فرمایا: لا تحزن ان اللّٰہ معنا تو ابوبکر صدیق ہدایت کاملہ پر اور توحیدِ خداوندی پر ثابت قدم رہے اور علم قطعی اور یقین سے موصوف رہے، اللہ تعالیٰ کے امر پر قائم رہے اور ذرہ بھر خلل آپ کی طرف راہ نہ پا سکا"

اقول:

بلکہ مرتدوں کو راہِ راست پر لائے اور جھوٹے نبیوں اور ان کے متبعین کو نیست و نابود کیا، منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور بیک وقت اتنے محاذ کھل جانے پر ذرہ بھر گھبراہٹ محسوس نہیں کی، بلکہ لچک پیدا کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کو بھی ڈانٹ پلائی اور سرورِ عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد غوثیتِ عظمیٰ اور قطبیتِ کبریٰ کے مقام پر بھی فائز ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی دینی و دنیاوی اور روحانی وجسمانی خلافت کے مجمع البحرین بن گئے، والحمدللہ علی ذالك

قوله تعالى " ثاني اثنين "۔قال بعض العلماء في قوله تعالى ثاني اثنين اذهما في الغار مايدل على أن الخليفة بعدالنبي ﷺ أبوبكر الصديق رضى الله عنه لأن الخليفة لايكون أبداًالا ثانياًو سمعت شيخنا الامام أباالعباس أحمد بن عمر يقول انما استحق الصديق أن يقال له ثاني اثنين لقيامه بعدالنبي ﷺ بالأمر كقيام النبي ﷺ به أولًا۔وذالك أن النبي ﷺ لما مات ارتدت العرب كلها ولم يبق الاسلام الا بالمدينة ومكة وجواثا فقام أبوبكر يدعو الناس الى الاسلام ويقاتلهم على الدخول في الدين كما فعل النبي ﷺ فاستحق من هذه الجهة أن يقال في حقه ثاني اثنين۔

"بعض علماء فرماتے ہیں قول باری تعالی ثانی اثنین اذهما فی الغار کے متعلق

کہ اس میں دلالت ہے اس امر پر کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکر صدیق ہیں کیونکہ خلیفہ ہمیشہ ثانی ہی ہوا کرتا ہے اور میں نے اپنے شیخ امام ابوالعباس احمد بن عمر کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق ثانی اثنین کہلانے کے حق دار اس لیے ہوئے کہ امر اسلام کو قائم کرنے والے ٹھہرے جیسے کہ پہلی دفعہ اس کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب محبوب کریم علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو سارا عرب مرتد ہو گیا اور نہ رہا اسلام مگر مدینہ منورہ مکہ مکرمہ اور جواثا میں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو دعوت اسلام دینے کا فریضہ ادا کرنے لگے اور ان کے خلاف دینِ اسلام میں دوبارہ داخل ہونے کے لیے جہاد کرنے لگے جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے خلاف جہاد فرمایا، لہٰذا اس پہلو سے آپ ثانی اثنین کہلانے کے حق دار ٹھہرے۔

قلت وقد جاء في السنة أحاديث صحيحة يدل ظاهرها على أنه الخليفة بعده وقد انعقد الاجماع على ذالك ولم يبق منهم خالف والقادح في خلافته مقطوع بخطئه وتفسيقه وهل يكفر أم لا اختلف فيه والأظهر تكفيره۔ والذي يقطع به من الكتاب والسنة وأقوال علماء الأمة ويجب أن تؤمن به القلوب والأفئدة فضل الصديق على جميع الصحابة ولا مبالاة بأقوال أهل التشيع ولا أهل البدع فانهم بين مكفر تضرب رقبته وبين مبتدع مفسق لا تقبل كلمته۔ ثم بعد الصديق عمر الفاروق ثم بعده عثمان رضي الله عنهم روى البخاري عن بن عمر رضي الله عنهما فالجمهور منهم على تقديم عثمان على عليّ وروى عن مالك أنه توقف في ذالك وروى عنه أيضا أنه رجع الى ما عليه الجمهور وهو الأصح۔

(تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۲۵)

”میں کہتا ہوں کہ سنت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں جو واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ابوبکر صدیق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہیں اور اسی پر اسلاف کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور

کوئی ان میں سے پیچھے نہ رہا (بیعت کرنے سے حتیٰ کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ انصار کی طرف سے خلافت کے امیدوار تھے انہوں نے بھی بیعت کر لی) اور جو شخص آپ کی خلافت پر اعتراض اور تنقید کرنے والا ہے اس کا خطا کار ہونا اور فاسق ہونا یقینی اور قطعی امر ہے۔ آیا کافر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس کو کافر قرار دیا جائے"

افضلیتِ صدیق اکبر اجماعی امر ہے:

"اور جو امر کتاب وسنت سے اور علمائے امت کے اقوال سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے اور جس پر قلوب وفؤاد کا ایمان لانا واجب ٹھہرتا ہے وہ ابو بکر صدیق کا تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل ہونا اور اہل تشیع اور اہل بدعت کے اقوال کی اس معاملہ میں کوئی پروا نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ یا تو ایسے کافر ہیں جو واجب القتل ہیں یا ایسے بدعتی ہیں جو فاسق وفاجر ہیں جن کی کوئی بات قابل قبول نہیں ہے"

حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر فاروق افضل ہیں پھر ان کے بعد عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہم امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم زمانہ رسول ﷺ میں صحابۂ کرام کے درمیان فضل وشرف کے لحاظ سے ترتیب اور درجہ بندی سے کام لیتے تھے پس سب سے خیر و برتر حضرت ابو بکر کو ٹھہراتے تھے پھر حضرت عمر کو بعد ازاں حضرت عثمان کو (رضی اللہ عنہم) اہل سلف میں سے ائمہ کا حضرت عثمان اور حضرت شیر خدا کے درمیان تفضیل میں اختلاف ہے لیکن ان میں سے جمہور کے نزدیک حضرت عثمان فضل وشرف میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما پر مقدم ہیں۔ حضرت امام مالک سے ان کے درمیان تفضیل میں توقف مروی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اور یہی اصح ہے"

فائدہ:

امام قرطبی کے قول کے مطابق از روئے قرآن وسنت اور اقوالِ علماء حضرت صدیق اکبر کو سب صحابہ کرام سے افضل ماننا واجب ولازم ہے اور اس عقیدہ میں مخالفت کرنے والے کافر ہیں یا بدعتی اور فاسق وفاجر لوگ ہیں۔

تو پھر سنی ہونے کے مدعی کو تفضیلِ صدیق اکبر میں ریب وتردد کا اظہار بلکہ عوام اہل سنت کو بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا قطعاً روا نہیں ہے اور بالخصوص آلِ رسول ﷺ ہونے کے دعوے داروں کو ایسی دوغلی پالیسی قطعاً زیب نہیں دیتی۔

قوله تعالى فانزل الله سكينته عليه:

اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ کو نازل فرمایا، اس میں دو قول ہیں، نبی مکرم ﷺ پر اسے نازل فرمایا یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر۔

قال علماء نا هو الأقوى لأنه خاف على النبي عليه السلام من القوم فانزل الله سكينته عليه بتأمين النبي فسكن جاشه وذهب روعه وحصل الأمن

"قوی ترین قول یہی ہے بقول ہمارے علمائے کرام کے کیونکہ حضرت صدیق کو ہی نبی کریم ﷺ کے حق میں قوم کفار کی طرف سے خوف لاحق تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت کو نازل فرمایا، نبی مکرم ﷺ کے حفظ وامان کی ضمانت دے کر تو ان کا دل پرسکون ہو گیا اور خوف واندیشہ زائل ہو گیا اور امن وسکون حاصل ہو گیا"

علامہ علاء الدین علی بن محمد المعروف بالخازن کے بیان فرمودہ فوائد ونکات:

فيه فضيلة لابى بكر رضى الله عنه من اوجه منها اللفظ الدال على ان الله

ثالثهما منها بذله نفسه ومفارقته اهله وماله ورياسته في طاعة الله وطاعة رسول
ﷺ وملازمته النبي ومعاداة الناس فيه ومنها جعله نفسه وقاية عنه وغيرذالك۔

اس قول باری تعالیٰ میں کئی وجوہ سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت ہورہی ہے۔

اول:

ایسے الفاظ کا استعمال جن سے اللہ تعالےٰ کا انکا ثالث ہونا ثابت ہورہا ہے

ثانی:

حضرت صدیق کا اپنی ذات کو نبی مکرم پر قربان کرنا اور اہل وعیال، مال ومنال ا
زیر تصرف اشیاء سے علیحدگی اختیار کرنا اطاعت خداوندی اور اطاعت مصطفوی میں اور نبو
مصاحبت کا التزام کرنا اور آپکی خاطر سب کفار سے عداوت رکھنا۔

ثالث:

اپنی ذات کو نبی اکرم ﷺ کے لیے ڈھال بنانا وغیر ذالك۔

(جلد۲ ص ۲٤٠)

منها أن النبي ﷺ لما اختفى في الغار من الكفار كان مطلعا على باط
أبي بكر ن الصديق في سره واعلانه وأنه من المؤمنين الصادقين الصديقي
المخلصين فاختار صحبته في ذالك المكان المخوف لعلمه بحاله۔

رابع:

نبی محتشم ﷺ جب غار میں کفار سے بچاؤ کے لیے چھپے تو آپ ابوبکر صدیق کے ظا
وباطن پر پوری طرح مطلع تھے اور جانتے تھے کہ وہ مومنین صادقین اور مخلصین میں سے ہیں تبھ
اس خوفناک مکان میں ان کی صحبت کو اختیار فرمایا ان کی حالت ظاہرہ وباطنہ کے یقینی علم کے بعد

منها ان هذه الهجرة كانت باذن الله فخص الله بصحبة نبيه ابابكر دو

غیرہ من اہلہ وعشیرتہ وہذا التخصیص یدل علیٰ شرف ابی بکر وفضلہ علیٰ غیرہ۔

خامس:

یہ ہجرت اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن سے تھی تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کو اپنے محبوب نبی کی صحبت کے ساتھ مختص ٹھہرایا دوسرے قرابت داروں اور رشتہ داروں میں سے اور یہ تخصیص ابوبکر صدیق کے دوسرے حضرات پر شرف وفضل کی بین دلیل ہے۔

منہا أن اللہ عاتب أہل الأرض بقولہ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ سوی أبی بکر الصدیق وہذا دلیل علی فضلہ۔

سادس:

اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین والوں پر عتاب فرمایا اور ان سے گلہ فرمایا اپنے قول کے ساتھ کہ "اگر تم نے اس محبوب مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امداد ونصرت نہیں کی تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد فرمادی ہے" سوائے ابوبکر صدیق کے (کیونکہ وہ اس امداد ونصرت میں سب کچھ قربان کررہے تھے) تو یہ بھی حضرت صدیق کے شرف وفضل کی دلیل ناطق ہے۔

منہا أن سیدنا أبابکر رضی اللہ عنہ لم یتخلف عن رسول اللہ ﷺ فی سفر ولا حضر بل کان ملازما لہ وہذا دلیل علی صدق محبتہ وصحۃ صحبتہ لہ۔

سابع:

سیدنا صدیق اکبر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی پیچھے نہیں رہے نہ سفر میں اور نہ حضر میں جدا ہوئے، بلکہ ہمہ وقت صحبت کا التزام کیا اور یہ بھی دلیلِ فضل ہے آپ کے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صادق ہونے کی اور مقبول الصحبت ہونے کی۔

منہا أنہ سبحانہ وتعالٰی جعلہ ثانی رسول اللہ ﷺ بقولہ ثانی اثنین اذہما فی الغار وفی ہذا نہایۃ الفضیلۃ لأبی بکر رضی اللہ عنہ وقد ذکر بعض العلماء أن

أبابكر كان ثانی رسول الله ﷺ فی أكثر الأحوال۔

ثامن:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ کا ثانی قرار دیا ہے ساتھ اپنے اس ارشادِ گرامی کے ثانی اثنین اذھما فی الغار اور اس میں ابوبکر صدیق کی غایت درجہ کی فضیلت ہے اور بعض علماء کرام نے بیان فرمایا کہ ابوبکر صدیق اکثر حالات میں رسول کریم ﷺ کے ثانی تھے۔

(ا) رسول گرامی ﷺ نے مخلوق کو ایمان لانے کی دعوت دی تو سب سے پہلے ابوبکر صدیق ایمان لائے پھر ابوبکر صدیق نے لوگوں کو توحیدِ باری تعالیٰ اور رسالتِ مصطفیٰ کریم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت شروع فرمائی تو ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے حضرت عثمان حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو آپ نے ان کو بارگاہِ نبوی میں حاضر کیا (تو اس طرح آپ تبلیغِ اسلام میں ثانی ٹھہرے)

(ب) نبی اکرم ﷺ غزوات میں جس مقام پر قیام پذیر ہوتے تھے ابوبکر صدیق اسی مقام پر آپ کے ساتھ موجود تھے۔

(ج) جب رسولِ معظم ﷺ بیمار ہوئے تو ابوبکر امامت میں آپ کے قائم مقام بنے اور آپ کے ثانی ٹھہرے۔

(د) مزارِ پر انوار میں آپ کے ثانی ہیں جو کہ ابوبکر صدیق کے عظیم فضل وشرف کی دلیل ہے۔

منها أن الله سبحانه نص علی صحبة أبی بكر دون غيره بقوله سبحانه وتعالٰی اذيقول لصاحبه لاتحزن۔

تاسع:

اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق کے صاحب رسول ﷺ ہونے کی نص صریح نازل فرمائی جبکہ اور کسی کو یہ امتیاز حاصل نہ ہو سکا جبکہ فرمایا کہ جس وقت وہ محبوب اپنے صاحب سے فرمارہے تھے غم گین نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

منها أن الله سبحانه وتعالیٰ کان ثالثهما ومن کان الله معه دل علی فضله وشرفه علی غیره۔

عاشر:

اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کے ساتھ تیسرا تھا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو تو یہ اس کی دوسروں پر افضلیت وفوقیت کی دلیل ہے۔

منها انزال سکینته علی أبی بکر واختصاصه بها دلیل علیٰ فضله والله أعلم۔

حادی عشر:

سکینت کا آپ پر نازل کیا جانا اور آپ کو اس کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا جانا بھی آپ کے فضل وشرف کی دلیل ناطق اور برہان صادق ہے۔ والله أعلم

(جلد ۲ ص ۲٤٤)

امام ابو البرکات النسفی کا فرمان:

لا تحزن ان الله معنا قیل لما طلع المشرکون فوق الغار فاشفق أبو بکر علی رسول الله ﷺ فقال ان تصب الیوم ذهب الدین فقال علیه السلام ما ظنك باثنین الله ثالثهما۔

(حاشیه خازن ص ۲٤٠)

"کہا گیا ہے کہ جب مشرک لوگ غار سے اوپر چڑھ گئے تو حضرت ابوبکر خوف زدہ ہوئے نبی کریم ﷺ کے متعلق اور عرض کیا کہ اگر آپ ان کے ہاتھوں شہادت پاتے ہو تو دین

خداوند تعالےٰ ختم ہو کر رہ جائے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا ان دو شخصوں کے متعلق کیا گمان۔
جن کے ساتھ تیسرا اللہ تبارک وتعالےٰ ہو اوران کا ناصر و مددگار اور محافظ و نگران ہو"

قالوا من أنكر صحبة أبی بكر فقد كفر لانكاره كلام الله وليس ذالك
لسائر الصحابة ۔

"علمائے کرام نے فرمایا جس نے صدیق اکبر کے صاحب رسول ﷺ ہونے کا ا
کیا تو وہ کافر ہو گیا بسبب کلام اللہ کا انکار کرنے کے جب کہ دوسرے صحابۂ کرام کے لیے یہ
نہیں ہے (بلکہ ان کی صحابیت کا انکار بدعت ہے)

تنبیہ:

حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ امتیاز تقریباً تمام تفاسیر میں مذکور ہے حتی کہ علا
زمخشری نے بھی کشاف میں یہی انکشاف فرمایا اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہ
بڑی فضیلت اور اعزاز و امتیاز ہے۔

تفسیر القشیری المسمی لطائف الاشارات میں امام ابو القاسم عبدالکری
رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں:

قوله تعالےٰ اذيقول لصاحبه لاتحزن (الآية) ۔فی الآية دليل على تحقي
صحبة الصديق رضی الله عنه حيث سماه الله سبحانه صاحبه وعدّه ثانيه ۔وهو في
الايمان ثانيه وفی الغار ثانيه ثم فی القبر ضجيعه وفی الجنة يكون رفيقه

(جلد اول ص ٤٢١)

"یہ آیت کریمہ دلیل ہے حضرت ابوبکر صدیق کی صحبت و معیت کی تحقیق پر جبکہ اللہ
تعالےٰ نے ان کو صاحب رسول علیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ٹھہرایا اور اس اسم کے ساتھ
موسوم اور اس وصف کے ساتھ موصوف ٹھہرایا اور ان کو محبوب کریم علیہ السلام کا ثانی شمار فرمایا

ایمان میں ثانی ہیں غار میں ثانی ہیں قبر میں ان کے ساتھ محوِ استراحت ہیں اور جنت میں آپ کے رفیق ہیں"

قوله فانزل الله سكينته عليه ـ الكناية في الهاء من "عليه" تعود الى الرسول عليه الصلوة والسلام ويحتمل أن تكون عائدة الى الصديق رضي الله عنه فان حملت على الصديق تكون خصوصية له من بين المومنين على الانفراد فقد قال عزوجل لجميع المومنين: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ؛ وقال للصديق على التخصيص فانزل الله سكينته عليه ـ كما قال النبي ﷺ ان الله يتجلى للناس عامةً ويتجلّى لأبي بكر خاصةً، وانما كان حزن الصديق ذالك اليوم لأجل الرسول ﷺ اشفاقا عليه لا لأجل نفسه ثم انه عليه السلام نفى حزنه وسلّاه بان قال لا تحزن ان الله معنا، وحزن لا يذهب الا لمعية الحق لا يكون الا لحق الحق ـ

(جلد۱ ص۴۲۲)

"نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے سکینت ان پر"

علیہ میں مذکور ضمیر غائب، رسول گرامی ﷺ کی طرف راجع ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو۔ اور اگر اس کا مصداق حضرت صدیق اکبر ہوں تو یہ ان کے لیے مومنین میں سے انفرادی خصوصیت ہوگی کیونکہ اللہ عزوجل نے تمام مومنین کے حق میں فرمایا "اللہ وہ ذات والاصفات ہے جس نے نازل فرمایا سکینت کو مومنین کے قلوب میں" اور حضرت صدیق کے لیے خصوصی طور پر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے سکینت ان پر نازل فرمائی جیسے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالےٰ قیامت کے دن بالعموم جلوۂ ذات اہل ایمان کو دکھلائے گا لیکن ابوبکر پر خصوصی تجلی کے ساتھ ظہور فرمائے گا"

تنبیہ:

مختار قول یہی ہے کہ سکینت کا نزول حضرتِ صدیق پر ہوا کیونکہ رسول معظم ﷺ تو پہ
ہی پرسکون اور سراسر طمانیت تھے۔ کما صرح به كثير من المفسرين ۔
اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حزن وملال اس دن صرف اور صرف رسول معظ
ﷺ کے لیے تھا نہ کہ اپنی ذات کے لیے پھر تحقیق رسول معظم ﷺ نے ان کے حزن وملال کو دو
فرمایا اور ان کو تسلی دی بایں طور کہ غم نہ کھاؤ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہمارے ساتھ ۔
اور وہ حزن وملال جو معیتِ حق کے بغیر اور اس کے اعلان واظہار کے بغیر زائل نہ ہوتو لامحالہ ا
ضرور بالضرور حق تعالیٰ کے حق کے لیے ہوگا"

ويقال لما خلا الصديق بالرسول ﷺ في الغار وأشرقت على سر
أنوار صحبة الرسول عليه السلام ووقع عليه شعاع أنواره واشتاق الى الله تعالى لفقد
قراره أزال عنه لواعجه بما أخبره من قربه سبحانه فاستبدل بالقلق سكونًا وبالشوق
أنسًا وأنزل عليه من السكينة ما كاشفه به من شهود الهيبة ۔

(جلد اول ص ۴۲۲)

"کہا جاتا ہے کہ جب حضرت صدیق کو رسول مکرم ﷺ کی غار میں خلوت نصیب ہوئ
اور ان کی حقیقتِ روح پر صحبتِ رسول ﷺ کے انوار وتجلیات کا عکس و پرتو پڑا اور آپ کے انوار ک
شعاع اس پر پڑی اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے سراسر اشتیاق بن گئے بسبب سکون وقرار کے مفقو
ہونے کے تو آپ نے ان کے شعلہ ہائے شوق کو زائل فرمایا اللہ تعالیٰ کے قرب اور معیت کی خب
دے کر تو آپ کا قلق واضطراب سکون میں بدل گیا اور شوق انس میں تبدیل ہو گیا اور آپ پ
سکینت کو نازل فرمایا اور اس کی بدولت مشاہدہ والی ہیبت وجلالت کو دور فرما دیا"

حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ کا فرمان:

تفسیر درِ منثور میں فرماتے ہیں:

أخرج ابن أبی حاتم وأبوالشیخ وابن مردویه والبیهقی فی الدلائل وابن عساکر فی تاریخه عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما فی قوله تعالےٰ فانزل اللّٰه سکینته علیه قال علی أبی بکر رضی اللّٰه عنه لأن النبی ﷺ لم تزل السکینة معه ۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشادگرامی: فانزل اللّٰه سکینته علیه کی تفسیر میں فرمایا کہ نزول سکینت حضرت ابوبکر صدیق پر ہوا کیونکہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تو ہمیشہ سے سکینت تھی"

ول:

یہی مضمون حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ابن مردویہ کی روایت کے مطابق اور خطیب کی تاریخ میں نقل کردہ حبیب بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق (درمنثور جلد۳ ص ۲٤٥) پر منقول ہے۔

أخرج ابن أبی شیبه وأحمد والبخاری عن أنس رضی اللّٰه عنه قال أقبل النبی ﷺ الی المدینة وهو مردف أبابکر رضی اللّٰه عنه وهو شیخ یعرف والنبی ﷺ لا یعرف فکانوا یقولون یا أبابکر من هذا الغلام الذی بین یدیك ؟ فیقول هاد یهدینی السبیل الخ۔

(جلد ۳ ص ۲٤٥)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ آپ ابوبکر صدیق کو اپنے پیچھے سوار کیے ہوئے تھے، ابوبکر صدیق عمر رسیدہ بزرگ معلوم ہوتے تھے اور راستہ پر آباد لوگ ان کو جانتے تھے جبکہ نبی رحمت ﷺ کو نہیں جانتے تھے تو وہ آپ سے دریافت کرتے تھے اے ابوبکر یہ نوجوان جو تمہارے آگے سوار ہے یہ کون ہے؟ تو آپ اس کے جواب میں فرماتے یہ میرا رہبر ہے جو مجھے راہ دکھلاتا ہے"

فائدہ:

اللہ تعالےٰ کی اس عظیم امانت کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ لوگ سمجھیں گے زمین کی راہ دکھلانے والا بندہ ساتھ ہے جب کہ آپ کی نیت ہوتی تھی کہ اللہ تعالےٰ کی راہ دکھلانے والی ذات میرے ساتھ ہے تا کہ جھوٹ بول کر صدیقیت کی قربانی نہ دینی پڑے اور سچ بتلا کر اور واضح جواب دے کر آپ کی ذات کے لیے خطرہ نہ مول لیا جائے جو لوگ یہ بہتان باندھتے ہیں کہ ابوبکر غار میں روئے تا کہ کافر سن لیں اور نبی مکرم ﷺ کو پکڑ لیں انہیں ذرا اس سوال و جواب میں غور کرنا چاہیے اور عقل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ابوبکر صدیق کے حق میں:

ابن ابی حاتم نے سالم بن معبد سے نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت صدیق کا ہاتھ مبارک پکڑ کر فرمایا:

من لہ ھذہ الثلاث اذیقول لصاحبہ من صاحبہ اذھما فی الغار من ھما تحزن ان اللہ معنا۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۳)

"کون شخص ہے جس کو یہ تین اعزازت اور امتیازات حاصل ہیں اذیقول لصاحبہ وہ صاحب رسول کون ہے؟ اذھما فی الغار وہ دونوں غار والے رفیق کون ہیں؟ وہ کون ہے جو رسول کریم ﷺ تسلی دے رہے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی معیت کا مژدہ سنا رہے ہیں؟

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادے نے ایک مجلس میں دعویٰ کیا جس میں حضرت صدیق کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکر موجود تھے:

واللہ ما کان لرسول اللہ ﷺ موطن الا وأبی معہ فیہ قال یا ابن أخی تحلف قال ھلم قال بلی مالا تردہ قال ثانی اثنین اذھما فی الغار

بخدا! رسول گرامی ﷺ جس مقام میں موجود ہوتے اور قیام فرماتے تو میرے والد گرامی آپ کے ساتھ ہوتے تھے، تو حضرت قاسم بن محمد نے فرمایا اے میرے بھتیجے قسم مت اٹھایئے انہوں نے کہا دلیل لاؤ انہوں نے کہا ہاں ایسی دلیل پیش کروں گا کہ جس کو تم رد نہیں کر سکو گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''دو میں سے دوسرے جبکہ دونوں غار میں تھے'' تو اس مقام ورموطن میں تمہارے ابا جان کب رسول معظم ﷺ کے ساتھ تھے بلکہ صرف اور صرف ابوبکر صدیق ساتھ تھے''

خیثمہ بن سلیمان طرابلسی نے فضائل صحابہ اور ابن عساکر نے مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے:

قال ان اللّٰہ ذم الناس کلھم ومدح أبابکر رضی اللّٰہ عنہ فقال (الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ (الیٰ) ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللّٰہ معنا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کی مذمت فرمائی اور ابوبکر صدیق کی مدح وثنا فرمائی جبکہ فرمایا'' اگر تم نے میرے محبوب کی مدد نہیں کی تو خود میں نے ان کی مدد کر دی جب کہ ان کو کافروں نے اپنے وطن مالوف سے نکال دیا درآں حالے کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب محبوب کریم اپنے مصاحب سے فرمارہے تھے غمگین نہ ہونا بیشک اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے (اور ہمارا ناصر و مددگار ہے تو ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا)''

حکیم ترمذی نے بھی یہی مضمون حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے اور ابن منذر نے شعبی سے بھی یہ مضمون نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳)

قاضی القضاۃ امام ابوالسعود محمد بن محمد العمادی کا فرمان:

اپنی تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم میں فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ لاتحزن ان اللّٰہ معنا۔ المراد بالمعیۃ الولایۃ الدائمۃ التی لا تحوم

حول صاحبها شائبة شیئی من الحزن (الیٰ)روی أن المشرکین طلعوا فوق ال

فأشفق أبوبکر رضی اللّٰہ عنه علیٰ رسول الله ﷺ فقال ان تصب الیوم ذهب د

الله فقال ما ظنك باثنین الله ثالثهـ

(جلد٤ ص٦٦)

اس معیت سے مراد ولایت دائمہ ہے کہ جس کے صاحب وما لک کے گرد حزن وملا

ذرہ بھر شائبہ بھی گردش نہ کر سکے (تا) مروی ہے کہ جب مشرک لوگ غار کے اوپر چڑھ گ

ابوبکر صدیق نبی رحمت ﷺ کے حق میں خوف زدہ ہو گئے پس عرض کیا کہ اگر آج آپ کی ج

بدن اقدس سے الگ ہوئی تو اللہ تعالےٰ کا دین ختم ہو کر رہ جائے گا تو آنحضرت ﷺ نے فر

''تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ رب العزت ہو؟''

فائدہ:

اگر ابوبکر صدیق مخلص مصاحب اور ظاہر وباطن میں ایک نہیں تھے تو کفار ومشرکین ک

غار کے قریب پہنچنے پر غم زدہ کیوں ہو گئے تھے اور حزن وملال سے دوچار کیوں ہو گئے تھے؟ انہ

تو خوش ہو جانا چاہیے تھا بلکہ ان کو دعوت دینی چاہیے تھی کہ ادھر آؤ تمہارا مطلوب غار کے اندر

لیکن آپ غم واندوہ اور حزن وملال کا نبی مکرم ﷺ کے سامنے اظہار کر رہے ہیں اور نبی کر

ﷺ ان کو اطمینان دلا رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے، لہذا ہمارا کوئی کیا بگ

سکتا ہے، غم نہ کھاؤ اور پریشان نہ ہو۔

اقول:

معیت کا جو معنی مفہوم علامہ ابو السعود نے بیان فرمایا ہے اس کی تائید وتصدیق ابن

عساکر کی خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ اس روایت سے ہوتی ہے کہ آپ

فرماتے ہیں:

قال مادخلنی اشفاق من شیئی ولادخلنی فی الدین وحشة الی أحد بعد لیلة الغار فان رسول اللہ ﷺ حین رأی اشفاقی علیہ وعلی الدین قال لی هون علیك فان اللہ قد قضی لهذا الأمر بالنصرة والتمام ۔ (تفسیر درمنثور جلد ۳ ص ۲۴۲)

"مجھے کسی شے سے کبھی خوف اور اندیشہ لاحق نہیں ہوا اور نہ ہی دین کے معاملہ میں وحشت اور گھبراہٹ کسی طرف سے لاحق ہوئی غار والی رات کے بعد، کیونکہ رسول گرامی ﷺ نے جب میرا خوف واندیشہ آپ کے متعلق اور دین اسلام کے متعلق مشاہدہ فرمایا تو مجھے ارشاد فرمایا اپنے اوپر آسانی پیدا کرو اور اس طاری ہونے والے خوف وخطر کے بوجھ کو اپنے اوپر سے اتار دو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے امر اسلام کے متعلق امداد ونصرت اور اس کے اتمام وتکمیل کا فیصلہ کر چکا ہے"

نیز مرتدین کے خلاف کاروائی سے اور آپ کی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے بھی یہ دعویٰ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے جب کہ بڑے بڑے بہادر حضرات مرتدین کی کثرت اور متعدد محاذوں پر بیک وقت جہاد کر سکنے کو مشکل سمجھ رہے تھے اور منکرین زکوٰۃ سے نرم رویہ رکھنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

لطیفہ عجیبہ:

امام رازی کے والد گرامی رحمہما اللہ تعالےٰ کے سامنے اہل تشیع اور روافض کے اس حلف نامہ کا تذکرہ کیا گیا:

کانوا اذا حلفوا قالوا وحق خمسة سادسهم جبرئیل وأرادوا به أن الرسول وعلیا وفاطمة والحسن والحسین (صلی اللہ علیہ وعلیهم) کانوا قد احتجبوا تحت العباءة یوم المباهلة فجاء جبرئیل وجعل نفسه سادساً۔

شیعہ لوگ قسم کے مقام میں یوں کہتے ہیں ان پانچ حضرات کے حق کی قسم جن کیساتھ

چھٹے حضرت جبرئیل تھے اور ان کی مراد یہ ہوتی کہ رسول کریم ﷺ، علی مرتضی فاطمہ زہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم جب مباہلہ کے دن آپ کی عبا اور کمبلی کے نیچے چھپ چکے تھے تو جبرئیل امین آگئے اور اپنے آپ کو چھٹا فرد بنا دیا"

فقال رحمه الله تعالى لكم ماهو خير منه لقوله عليه السلام ماظنك باثنين الله ثالثهما ومن المعلوم بالضرورة أن هذا أفضل وأكمل۔

(شیعہ کے اس معمول کے متعلق سن کر) آپ کے والدِ گرامی نے فرمایا تمہارے لیے اس قول سے بہتر قول موجود ہے اور وہ رسول کریم علیہ السلام کا فرمان ہے اے صدیق! تیرا ان دونوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا خود اللہ رب العزت ہو اور یہ بطور بداہت معلوم ہے کہ یہ قول افضل واکمل ہے اس قول سے۔ (تفسیر کبیر جلد ٦ ص ٤٠)

بہرکیف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ارشادِ باری تعالٰے ان اللّٰه معنا اور ارشادِ مصطفٰے کریم علیہ السلام اللّٰه ثالثهما بہت بڑا اعزاز اور امتیاز ہے جو کسی نبی کے کسی امتی کے لیے ثابت نہیں اور آپ کے افضل البشر بعد الانبیاء ﷺ ہونے کی دلیل ناطق اور برہانِ صادق ہے۔ والحمدللّٰه

محی الدین شیخ زادہ کا ارشادِ گرامی:

حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

يقال فلان ثاني اثنين ويراد أنه أحد هما ليس معهما ثالث فمعنى الآية فقد نصره اللّٰه أحدا ثنين اى نصره منفردا الا عن أبي بكر و كفى بهذا دليلًا على فضل أبي بكر رضى اللّٰه عنه على سائر الصحابة رضى اللّٰه عنهم أجمعين حيث استخلصه رسول اللّٰه عليه السلام لنفسه فى مثل تلك الحالة قال الحسان بن ثابت رضى اللّٰه فى حقه :

ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذ صعدوا الجبلا

وکان فی مثل تلک الحال صاحبه دون الخلائق لم یعدل به بدلا

(جلد ٤ ص ٤٦٣)

"کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ثانی اثنین ہے، مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دو میں سے ایک ہے تیسرا شخص ان کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ تو اس آیت کریمہ کا معنیٰ یہ ہے مدد کی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حال میں کہ وہ دو میں سے ایک ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی ان کی جب کہ وہ منفرد تھے سب سے سوائے ابوبکر کے، اور یہ قول باری تعالیٰ کافی ووافی دلیل ہے سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر آپ کے فضل وشرف کی، جب کہ ان کو رسول کریم علیہ السلام نے اپنی ذات کے لیے مخصوص ٹھہرایا ایسی پرخطر حالت میں، حضرت حسان بن ثابت نے آپ کی شان میں فرمایا:

وہ ثانی اثنین ہیں عزت وعظمت والی غار میں جب کہ دشمن لوگ اس کا طواف کر رہے تھے جب وہ جبل ثور پر چڑھ گئے تھے اور ایسی سنگین حالت میں صرف ابوبکر صدیق رسول کریم علیہ السلام کے صاحب ورفیق تھے بغیر دوسری مخلوق کے، حضور اکرم ﷺ نے کسی کو ان کے متبادل اور قائم مقام ہونے کا اہل نہ سمجھا"

افضلیتِ سیدنا ابوبکر صدیق پر چھٹی قرآنی دلیل

الآیۃ السادسۃ:

قال اللہ تبارک تعالٰی:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

(سورۃ مائدۃ، 54:5)

مفہوم آیہ مبارکہ:

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو اپنے دین سے برگشتہ ہوئے تو اللہ تعالٰی لائے گا ایسی قوم جن کو اللہ تعالٰی محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے، مومنین کے حق میں نرم و گداز (اور علو مرتبت کے باوجود متواضع ہوں گے) کفار پر شدت پسند اور غلبہ پانے والے ہونگے۔ اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور (ارشادات الٰہیہ کی تعمیل و اطاعت میں) کسی ملامت کرنے والے اور طعن و تشنیع کرنے والے کی ملامت اور طعن و تشنیع سے ذرہ بھر خوف زدہ نہیں ہوں گے وہ عظیم کمالات اور اعلٰی صفات دیا جانا اللہ تعالٰی کا فضل و کرم ہے، دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالٰی وسیع فضل و قدرت والا اور افضال اور جود کے مواقع اور مستحقین کو کما حقہ جاننے والا ہے"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی نے غیبی خبر دیتے ہوئے مدعیانِ ایمان میں سے بعض کے مرتد ہونے کے بارے میں آگاہ فرمایا اور ان کے خلاف کاروائی کرنے والے مجاہدین کی

شان اور صفاتِ عظیمہ اور اخلاقِ کریمہ بھی بیان فرمائے۔ رضائے خداوندتعالیٰ کے حصول کی خاطر مالی اور جانی جہاد کرنے کا عزمِ صمیم اور تنقید و تنقیصِ خلق کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرنے والا بلند و بالا مقام بیان فرمایا۔ جب کہ یہ حقیقت شک و شبہ اور ریب و تردد سے بالاتر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد مکۂ مکرمہ، مدینۂ منورہ اور جواثا کے علاوہ تقریباً ارتداد نے ہر علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا کچھ لوگ آبائی دین کی طرف لوٹے تو کچھ جھوٹے نبیوں کے دامِ فریب میں پھنسے، کچھ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکاری ہو گئے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غصبِ اموال سے تعبیر کرنے لگے، تو اس سنگین صورتحال اور پہاڑوں کے دل دہلا دینے والے حالات میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے ان مرتدین کے خلاف جہاد کرنے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے یا واپس اسلام کی چوکھٹ پر سرنگوں کرنے اور نبی مکرم ﷺ کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈالنے پر آمادہ کیا اور دوزخ کا ابدی ایندھن بننے سے بچایا اور اسلام کو نئی زندگی بخشی اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے موجب بننے کا شرف بخشا، وہ نائبِ رسول خلیفۂ اول حضرت ابوبکر اور ان کی جماعت مہاجرین و انصار اور بالخصوص اہلِ بیت کرام اور اخص الخصوص مولائے مرتضیٰ علی شیرِ خدا ہیں جنہوں نے صدقِ دل سے حضرت صدیق اکبر کے حکم کی تعمیل کی اور ان کے موقف و نظریہ پر دل و جان سے مطمئن ہو کر ہر طرح کی قربانی دی اور دربارِ خداوندتعالیٰ میں سرخروئی حاصل کی اور ان صفاتِ کمال کے مصداق بنے اور اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم کے حق دار بن گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فوج و سپاہ اور معاونین و مددگار حضرات کی شان یہ ہے تو اس عظیم قائد اور سربراہ اور مقتداء و پیشوا کی شان کیا ہوگی جس نے ان کو صحیح راہ دکھائی اور کفر و ارتداد کے خلاف اس کاروائی پر آمادہ اور تیار کیا اور ان کو جرأت اور دلیری سے کام لینے پر اس حد تک آمادہ کیا کہ اکیلے تلوار اور ساز و سامان لے کر ان مرتدین کے حرب و قتال کے لیے نکل پڑے تو سب کو مجبوراً انکے پیچھے نکلنا پڑا اس عظیم کام کے لیے ہر طرح کی قربانی دینا پڑی۔

لہــــــذا ان صفاتِ کمال، اعلیٰ اخلاق اور اس مثالی سیرت وکردار کے عظیم شاہکار ا
اولین مصداق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔اب ان کلمات طیبات کے مصدا
کون ہیں؟ اور کس دور کے حضرات مومنین کی یہ شان والا اور مرتبہ بالا ہے اکابرین ملت ا
مفسرین کرام کی زبانی ملاحظہ فرماویں اور اس آئینہ میں صدیقی عظمت ووجاہت اور رفع
ودرجت کا معائنہ فرماویں:

قاضی محمد ثناء اللہ صاحب عثمانی پانی پتی کا فرمان:

حضرت علامہ فہامہ، حامل شریعت وطریقت، بیہقی وقت، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی تفسی
مظہری میں فرماتے ہیں:

اختلفوا في ذالك القوم من هم ؟ قال علي بن أبي طالب والحسن
والضحاك وقتادة هم أبوبكر وأصحابه الذين قاتلوا أهل الردة ومانعي الزكوٰ
وذالك أن النبي ﷺ لما قبض ارتد عامة العرب الا أهل مكة والمدينة والبحرين م
عبد القيس ومنع بعضهم الزكوٰة وهمّ أبوبكر بقتالهم فكره ذالك أصحاب النبي
ﷺ وقال عمر كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله ﷺ أمرت أن أقاتل الناس
حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قاله فقد عصم مني ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على
الله عزوجل فقال أبوبكر رضي الله عنه والله لأ قاتلن من فرق بين الصلوٰة والزكوٰ
فان الزكوٰة حق المال والله لو منعوني عناقًا كانوا يؤدونها الى رسول الله ﷺ
لقاتلتهم على منعها ـ قال أنس بن مالك كره الصحابة قتال ما نعي الزكوٰة وقالوا هم
أهل القبلة فتقلد أبوبكر بسيفه وخرج وحده فلم يجدوا بُدًّا من الخروج على اثره
ـ قال ابن مسعود كرهنا ذالك في الابتداء ثم حمدناه عليه في الانتهاء ـ قال أبوبكر
بن عياش سمعت أبا حصين يقول ما ولد بعد النبيين مولود أفضل من أبي بكر رضي

اللہ عنہ قام بعد النبی ﷺ فی قتال أھل الردۃ ۔

(تفسیر مظھری جلد ۳ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

''علمائے اعلام اور اکابرینِ ملت کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ جس قوم کی یہ شان بیان کی گئی ہے اس کے مصداق کون ہیں؟ مولائے مرتضیٰ حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ اور حضرتِ حسن بصری، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کے مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین کے خلاف اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد وقتال کیا اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ کا جب وصال شریف ہو گیا اور عام عرب لوگ مرتد ہو گئے سوائے اہل مکہ اور اہل مدینہ کے اور باسیان بحرین قبیلہ عبدالقیس کے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف حرب وقتال کا عزم وارادہ فرمایا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس اقدام کو پسند نہ کیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آپ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف یہ کاروائی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ حرب وقتال کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیں (اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں) تو جس نے بھی کلمۂ توحید زبان سے ادا کر دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے محفوظ کر لیا مگر حقِ اسلام میں (خلل اندازی کی صورت) میں اس کو یہ ضمانت حاصل نہیں ہوگی اور اس کا حساب اور قلبی معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہوگا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں ضرور بالضرور اس شخص کے ساتھ حرب وقتال کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کی کیونکہ اسلام میں مال کے اندر اللہ تعالےٰ کا حق ہے، بخدا (بالفرض والتقدیر) اگر وہ بکری کا بچہ مجھے بطورِ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے جو رسول مکرم ﷺ کو پیش کیا کرتے تھے تو اب اس کے روکنے پر بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ

کرام علیہم الرضوان نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کو ناپسند کیا اور کہا کہ وہ اہلِ قبلہ ہیں (ان کے خلاف جہاد جائز نہیں ہے) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اکیلے اس جہاد وقتال کے لیے چل پڑے تو دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی خروج وبرآمدگی کے علاوہ کوئی چارہ نہ پایا تو ان کی اتباع میں ان کے پیچھے چل پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اول اول اس جہاد کو پسند نہ کیا لیکن ہم نے ان کے اس اقدام پر ان کو قابلِ صد تحسین سمجھا آخر میں ابوبکر بن عیاش حضرت ابو حصین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کوئی ایسا بچہ پیدا نہیں ہوا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا فضیلت مآب ہو جنہوں نے نبی معظم ﷺ کے بعد اہلِ ارتداد کے خلاف جہاد وقتال میں آپ کا حقِ نیابت وخلافت ادا فرمایا"

عن قتادة قال أنزلت هذه الآية وقد علم أنه سيرتد مرتدون عن الناس فلما قبض النبي ﷺ ارتد عامة العرب عن الاسلام الاثلاثة مساجد أهل مدينه وأهل مكة وأهل جواثا من عبدالقيس وقال الذين ارتدوا نصلى الصلوة ولانزكى والله لا يغصب أموالنا فكلم أبوبكر في ذالك يتجاوز عنهم وقيل اما انهم لو قد فقهوا ادوا الزكوة فقال والله لا أفرق بين شيي جمعه الله لو منعوني عقالاً (مما فرض الله ورسوله لقاتلتهم عليه فبعث الله بعصائب مع أبي بكر فقاتلوا حتى قتلوا أو أقروا بالماعون و هو الزكوة قال قتادة فكنا نتحدث أن هذه الآية نزلت في أبي بكر وأصحابه فسوف يأتي الله بقوم يحبهم ويحبونه (الآية) أخرجه عبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وأبوالشيخ والبيهقي في سننه و بن عساكر منه۔

"حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ کو نازل فرمایا جب کہ اس نے جان لیا کہ عن قریب لوگوں میں سے کچھ دینِ اسلام سے برگشتہ

ہو جائیں گے، چنانچہ جب نبی مکرم ﷺ کی روح اقدس قبض کی گئی تو عام اہل عرب مرتد ہو گئے ماسوائے تین مساجد والوں کے یعنی اہل مدینہ، اہل مکہ اور عبدالقیس کے علاقے جواثا والوں کے اور جو مرتد ہوئے (ان میں سے بعض نے کہا) ہم نماز ادا کریں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے لہذا ہمارے مال غصب نہیں کیے جائیں گے (یا اللہ تعالیٰ ہمارے مال غصب نہیں کرے گا) تو خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر سے ان کے متعلق کلام کیا گیا کہ ان سے درگزر کریں اور کہا گیا جب دین اسلام کو کما حقہٗ سمجھ لیں گے تو زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگ جائیں گے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ جمع فرمایا ہے میں اس کو اس سے جدا نہیں کر سکتا اگر وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی فرض کی ہوئی زکوٰۃ (کا جانور تو دیں لیکن اس کے ساتھ جو) رسہ دیتے تھے وہ رسہ نہ دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا اس رسے کی وصولی کے لیے، تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اہل ایمان کی جماعتوں کو حضرت ابوبکر کا معاون و مددگار بنا دیا چنانچہ انہوں نے جہاد و قتال کیا تو کچھ قتل ہو گئے اور کچھ نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کر لیا قتادہ فرماتے ہیں ہمیں بتلایا جاتا تھا کہ یہ آیت کریمہ اسی موقع پر نازل فرمائی گئی حضرت صدیق اور ان کے ساتھیوں اور رفقائے حرب و قتال کے حق میں یعنی قول باری تعالیٰ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبهم و یحبونه (الآیۃ) اس روایت کو عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابوالشیخ، امام بیہقی نے سنن میں اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے"

فائدہ:

لم یوجد قتال مع المرتدین الا فی زمن أبی بکر رضی اللہ عنه وقد لامه الصحابة و کرهوا ذالك القتال فی الابتداء فلم یخف لو متهم ثم حملوه فی الانتهاء منه۔

"مرتدین کے خلاف قتال و جہاد صرف اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور

خلافت میں وقوع پذیر ہوا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ان پر تنقید و تنقیص بھی کی اور ابتداء میں اس اقدام کو ناپسند فرمایا لیکن آپ ان کے طعن و تشنیع سے خوف زدہ نہ ہوئے پھر انہوں نے انتہائے کار میں اس کو نظر تحسین سے دیکھا اور آپ کو اس پر داد دی اور تعریف کی"

سوال:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ اہل یمن اور کندہ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ میں حلفی طور پر بیان کرتا ہوں وہ قوم اہل یمن سے ہے، تو اس کا مصداق حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے رفقاء جہاد کو ٹھہرانا کیونکر درست ہوگا؟

الجواب:

جواب دیتے ہوئے قاضی ثناء اللہ عثمانی فرماتے ہیں:

قلت وقع قتال عسكر أبي بكر مع أهل الردة بامداد أهل اليمن منه۔

(تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۱۲۸)

"میں کہتا ہوں (کہ دونوں طرح کی روایات میں کوئی تخالف اور تعارض نہیں ہے کیونکہ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لشکر اور افواج کا قتال و جہاد مرتدین کے خلاف اہل یمن کی امداد و اعانت سے وقوع پذیر ہوا"

لہٰذا دونوں طرح کی روایات باہم متطابق اور متوافق ہوگئیں اور اوہام فاسدہ اور ظنون کاسدہ کی بنیادیں منہدم ہو کر رہ گئیں۔

علامہ اسماعیل حقی کا ارشاد گرامی:

روح البیان میں اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

ثم ان اللّٰہ تعالٰے لما قبض نبیہ علیہ السلام ارتد عامۃالعرب الا أھل مکۃو أھل المدینۃ و أھل البحرین من عبدالقیس (الیٰ)فقال أبوبکر واللّٰہ لو منعونی عتوداًمما ادوا الی رسول اللّٰہ ﷺ لقاتلتھم علیہ فبعث اللّٰہ عزوجل عصائب مع أبی بکر رضی اللّٰہ عنہ فقاتل علی ما قاتل علیہ نبی اللّٰہ ﷺ حتی أقروابالزکوۃ المفروضۃ ۔

قال أنس رضی اللّٰہ عنہ کرھت الصحابۃ قتال مانعی الزکاۃ ۔قالواھم أھل قبلہ فتقلد أبوبکر سیفہ وخرج وحدہ فلم یجدوا بُدًّامن الخروج علی اثرہ۔

قال بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰے عنہ کرھنا ذالک فی الابتداء ثم حمدناہ فی الانتھاء قیل ما ولد بعد النبیین مولود أفضل من أبی بکر لقد قام مقام نبی فی قتال اھل الردۃ ، قال الشیخ العطار فی نعت أبی بکر رضی اللّٰہ عنہ :

ہر چہ بود از بارگاہِ کبریا ریخت درصدر شریفِ مصطفےٰ

آن ھمہ درسینۂ صدیق ریخت ۔ لا جرم تابود از و تحقیق ریخت

قال الحسن رحمہ اللّٰہ تعالٰے لولاما فعل الصدیق أبوبکرلألحدالناس فی الزکوۃ الیٰ یوم القیامۃ ۔ (جلد۲ ص ۴۱۱، ۴۱۲)

اقول:

علامہ حقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام کا بنیادی مضمون ومفہوم وہی ہے جو کہ تفسیر مظہری کے حوالے سے ذکر کیا جاچکا ہے حضرت انس خادمِ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے ارشادات اور ان کا ترجمہ بھی ذکر ہو چکا ہے البتہ وہاں انبیاء علیہم السلام کے بعد ابوبکر صدیق جیسے فضیلت مآب مولود کا روئے زمین پر نمودار نہ ہونا جن سے منقول تھا ان کے اسم مبارک اور کنیت کو اور ان سے روایت لینے والے کا اسم شریف مذکور تھا مگر یہاں اس مضمون کو قیل کے ساتھ تعبیر کردیا گیا ہے لیکن پہلا [illegible]

اورابہام کلیۃ مرتفع ہوجائے گا نیز وہاں بعد النبی ﷺ کا ذکر تھا جس سے متبادر طور
ہمارے نبی ﷺ معلوم ہوتے ہیں اور آپ کا حق خلافت کما حقہ ادا کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن رو
البیان کی عبارت میں مقام نبی فی قتال الردہ فرمایا گیا ہے جس میں مزید مبالغہ آپ کی شا
میں ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا یہ کارنامہ دور سابق کے کسی نبی کے کارنامہ سے کم نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبر کا فنا فی الرسول اور بقا بالرسول کے مرتبہ عالیہ پر فائز ہونا

حضرت شیخ عطار کے ارشاد سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فنا فی الرسول اور
بالرسول کے مقام پر فائز ہونا واضح ہوتا ہے، یعنی جو کچھ بارگاہِ کبریا کی طرف سے سینۂ مصطفےٰ
میں القاء کیا گیا تھا وہ سب کچھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینۂ اقدس میں آنحضرت ﷺ
طرف سے القاء کردیا گیا لہذا جب تک زندہ رہے تو حق ہی حق ان کی طرف سے برآمد ہوتا ر
اس مضمون کی روایت بھی مروی ومنقول ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

عنہ علیہ السلا م ما صب اللہ فی صدری شیئا الاصببتہ فی صدر أبی بک

اگر چہ محدثین حضرات کو اس کی صحت میں کلام ہے لیکن صوفیائے کرام اس کو حدیث تسلیم کر
ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ فنا فی الرسول اور بقاء بالرسول کی اس کو د
بناتے ہیں جیسے کہ حضرت شیخ عطار کا نظریہ اور عقیدہ ہے اگر اس حدیث قدسی کو سامنے رکھا جا
یعنی فاذا أحببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ (الیٰ) فوادہ الذی یعقل بہ تو مضمون کی ص
واضح ہوجاتی ہے کیونکہ فناء فی اللہ اور بقاء باللہ اگر برحق ہے تو فناء فی الرسول ا
بالرسول میں استبعاد کیوں؟ اگر حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ کا نان بائی آپ کے مہ
کا کھانا پیش کرنے پر اور مالی اجرت طلب کرنے کی بجائے مرا مثل خود سازید ک
عرضداشت پر اڑ جاتا ہے تو آپ اس پر توجہ اتحادی ڈال کر اپنی صورت وسیرت اور جسم
وروحانی کمالات کا مظہر بنا سکتے ہیں تو اپنے تمام تر مال ومتاع اور بچوں اور بیوی کی عزت

بچوں کی جانیں فدا کرنے والے اور اپنی جان کو حضور اکرم ﷺ کی نیند پر قربان کرنے والے اور اس قدر سنگین اور خطرات و مشکلات سے بھرپور انتہائی لمبے سفر میں مصاحبت کی قربانی دینے والی ذات آپ کی توجہ اتحادی کی مستحق کیونکر نہ بن سکی؟

اہل مدینہ جنہوں نے پہلے آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا ہوا تھا وہ حضرت ابو بکر صدیق کو نبی اللہ اور رسول اللہ سمجھ کر کیوں ان کے پاؤں اور ہاتھوں کے بوسے رسول گرامی ﷺ سے پہلے لے رہے تھے؟ کیا صرف عمر رسیدہ نظر آنے کی بنا پر اس طرح کر رہے تھے؟ کیا رخ والضحی نہیں بتلا رہا تھا کہ نبوت ادھر ہے؟ کیا زلف واللیل نہیں بتلا رہی تھی کہ نبوت ادھر ہے؟ کیا ماینطق عن الھوی والے ہونٹ اور یٰسین والے روشن اور نورانی اندھیروں کو اجالوں میں قہقہہ کی صورت میں بدلنے والے دانت مخبری نہیں کر رہے تھے کہ نبوت ادھر ہے؟ کیا الم نشرح لک صدرک والا محیط کائنات سینۂ اقدس غمازی نہیں کر رہا تھا کہ نبوت و رسالت ادھر ہے؟ کیا یداللہ کی شان والے ہاتھ شہادت نہیں دے رہے تھے کہ سرچشمۂ نبوت ادھر ہے؟ کیا عنبر کستوری کو شرما دینے والی خوشبوئے اقدس گواہی نہیں دے رہی تھی کہ نبوت و رسالت ادھر ہے؟ کیا لباس اطہر پر مکھی تک نہ بیٹھنا اور اس کا سایہ تک نہ ہونا خواہ کمبل کالا ہی زیب تن کیوں نہ ہو زبان حال سے پکار پکار کر نہیں کہہ رہا کہ منبع فیوض و برکات اور سرچشمہ رسالت ادھر ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ لہذا ماننا پڑتا ہے کہ اس سراپا کرم اور مجسمۂ رحمت نبی ﷺ نے اپنے اس فدائی اور عاشق زار کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا اور اپنے خداداد کمالات ظاہرہ اور اختصاصات باطنہ کا مظہر کامل بنا دیا تھا نیز سید عالم ﷺ مبہم انداز میں راز کی باتیں کرتے اور صحابۂ کرام میں سے اس راز تک رسائی صرف اور صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو جاتی جیسے عندالوصال اختیار دیے جانے اور آپ کے قرب خداوندی کو اور دارِ آخرت کی طرف منتقل ہونے کو اختیار کرنے کا علم و انکشاف صرف اور صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوا اور آپ رونے

لگے اور فدیناك آباء نا وامھا تنا کہنے لگے، جب کہ صحابۂ کرام اس پر تعجب وحیرت
اظہار کرنے لگے لیکن بعد میں پکار اٹھے: کان ابوبکر اعلمنا "ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم
رکھنے والے تھے" اور ارتداد کے مرتکبین کے خلاف جہاد وقتال کی حقانیت کو پہلے سمجھے تو صرف او
صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، اور ارشادِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی محبت قوم اور محبو
قوم میں شامل ہی نہ ہوئے بلکہ ان اہل کمال کے مقتداء اور پیشوا بنے اور برحق خلیفۂ رسول ا
امام الھدی بن کر منظر عام پر جلوہ گر ہوئے، والحمدللہ علی ذالك

لہذا واضح ہو گیا کہ علم اسرار اور قرآنی رموز کو سمجھنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ ع
اپنی مثال آپ تھے اور نبوی علم کے مظہر کامل تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتد
کے خلاف حرب وقتال کی جراءت اور جسارت نہ کرتے اور صحابۂ کرام کے مشورہ پر لچک
کر لیتے تو قیامت تک کے لیے لوگ زکوٰۃ کے معاملہ میں الحاد اور بے دینی کا شکار ہو کر رہ جا
اور اس فریضۂ خداوند تعالیٰ اور فریضۂ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ونشان ہی مٹ جاتا تو یہ ان
انتہائی دلیرانہ اقدام اور احقاق حق اور ابطال باطل پر مبنی اقدام ہے اور سب صحابہ علیہم الرضوان
بالآخر حضرت صدیق کی رائے کو حرفِ آخر اور ان کی راہ کو راہِ راست اور راہِ مستقیم سمجھ کر اس
اتباع اور پیروی کرنا پڑی۔

نیز آپ کا اکیلے تلوار سنبھال کر مرتدین کے خلاف کاروائی کے لیے نکل پڑنا آپ
اشجع ہونے کی روشن دلیل ہے اور بقول کسے انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ" ک
ارباب فضل کو فضیلت مآب لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں" اسی لیے مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بر
منبر اپنے نیاز مندوں اور عقیدت کشوں کے مجمع میں دورانِ خلافت فرمایا کہ سب لوگوں سے زیاد
شجاع اور بہادر حضرت ابوبکر صدیق تھے رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابة ۔

(۴) فخر المفسرین حضرت امام فخر الدین رازی قدس سرہ العزیز کے ارشاداتِ عالیہ:

اختلفوا فی أن أولئك القوم من هم؟ فقال علی بن أبی طالب والحسن وقتادة والضحاك وابن جريج هم أبوبكر وأصحابه رضی الله عنهم لأنهم هم الذين قاتلوا أهل الردة وقالت عائشة رضی الله عنها مات رسول الله ﷺ وارتدت العرب واشتهر النفاق ونزل بأبی مالو نزل بالجبال الراسيات لهاضها (ص : ۳۷۸)

"علماء مفسرین کے ان صفاتِ کمال اور مدارج عالیہ کے مصداق قوم کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ وہ کونسی قوم ہے؟ حضرت سیدنا علی مرتضی، حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ ضحاک اور ابن جریج رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ قوم ابوبکر صدیق اور ان کے رفقائے کار اور معاونین اور مددگار حضرات ہیں، کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین کے خلاف جہاد فرمایا۔

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور پورے عرب میں لوگ مرتد ہوگئے اور نفاق نے ستر و پردے اتار پھینکے اور میرے والد گرامی کو ایسے سنگین اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو بلند و بالا اور مضبوط بنیادوں والے پہاڑوں پر نازل ہوتے تو ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتے"

المقام الثانی:

انا ندعی أن هذه الآية يجب أن يقال انها نزلت فی أبی بكر رضی الله عنه الی آخره

"مقام ثانی یہ ہے کہ ہم دعوی کرتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں واجب و لازم ہے کہ کہا جائے کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس دعوی پر ہمارا استدلال

دو وجہ سے ہے"

الوجہ الأول:

یہ آیتِ مقدسہ مرتدین کے خلاف حرب وقتال کے ساتھ مختص ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی اس محاربہ و مقاتلہ کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کو کما حقہ نبھایا جیسے کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اس جگہ رسولِ گرامی ﷺ کی ذاتِ اقدس مراد لی جائے کیونکہ آپ ﷺ کو ظاہری حیاتِ مقدسہ میں مرتدین کے خلاف جہاد اور حرب وقتال کا اتفاق نہیں ہوا، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا فسوف یأتی اللہ بقوم جب کہ یہ مستقبل زمانہ کے متعلق ہے نہ کہ زمانہ حال اور آیتِ کریمہ کے نزول کے وقت، لهذا ضروری ہے کہ یہ قوم نزول آیت کے وقت اور اس خطاب کے موقع پر موجود نہ ہوں۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ یہ بات تو تمہارے دعوے کے خلاف ہوگئی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اس وقت موجود تھے تو اس کا جواب دو طرح پر ہے:

اول:

یہ ہے کہ جس قوم کی معیت میں حضرت صدیق نے مرتدین کے خلاف جہاد فرمایا وہ قوم موجود نہیں تھی۔

ثانی:

یہ کہ آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ میں ایسی قوم ان مرتدین پر مسلط کروں گا جو اس حرب وقتال پر مکمل قدرت وطاقت رکھنے والے ہوں گے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ نزولِ آیت کے وقت موجود تھے لیکن اس وقت وہ اس قتال اور اس کے متعلق امر ونہی میں مستقل طور پر صاحبِ اختیار واقتدار نہیں تھے۔ (کیونکہ ارتداد بھی رحلت

مصطفوی ﷺ کے بعد پایا جاتا تھا اور مرتدین کے خلاف یہ اقدام بھی بعد میں ہونا تھا) لہٰذا یہ سوال مندفع ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اس ارشادِ خداوندی کے مصداق رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نہیں ہیں۔

نیز یہ بھی ممکن نہیں کہ اس سے مراد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوں کیونکہ انہیں مرتدین کے خلاف کاروائی کا موقع ہی نہیں ملا اور نہ ہی ایسی قیادت وسیادت ان کے حصہ میں آئی (اگرچہ حضرت صدیق کے لشکری کے طور پر اس میں حصہ لیا کما سنبین) نیز جب خود مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ارشادِ خداوند تعالےٰ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ہم نوا ہیں تو یہ قول گویا ان کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور ایسا کون عقل مند اور دانشور ہو سکتا ہے جو اپنے محبوب کو سچا ماننے کو تیار نہ ہو بلکہ جھٹلانے پر کمربستہ ہو۔

سوال:

یہ ہو سکتا تھا کہ روایات سے ثابت ہے کہ اس آیتِ کریمہ سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قوم مراد ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم اس کا مصداق ہے تو امام المفسرین نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

ولا یمکن أیضا أن یقال انها نازلة فی أهل الیمن أو فی أهل فارس لأنه لم یتفق لهم محاربة مع المرتدین و بتقدیر أن یقال اتفقت لهم المحاربة ولکنهم کانوا رعیة وأتباعا وأذنابا وکان الرئیس المطاع الأمر فی تلك الواقعة هو أبوبکر رضی الله عنه ومعلوم أن حمل الآیة علی من کان أصلاًفی هذه العبادة ورئیسا مطاعًا فیها أولی من حملها علی الرعیة والأتباع والأذناب فظهربما ذکرنا من الدلیل الظاهر أن هذه الآیة مختصة بابی بکر رضی الله عنه۔ (جلد ٤ ص ٣٧٩)

الجواب:

یہ کہنا ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ اہل یمن یا اہل فارس کے حق میں نازل ہو
ہے، کیونکہ انہیں مرتدوں کے خلاف جہاد کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا اور اگر ان کا جہاد اہل ارتداد کے
خلاف پایا جانا ثابت ہو بھی تو وہ حضرت صدیق کی رعیت اور آپ کے اتباع و اطاعت کر
والے لوگ تھے اور ان کے رئیس اور واجب الاطاعت امیر اس واقعہ میں ابو بکر صدیق ہی تھے
یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا محمول کرنا اس ذات پر اولیٰ اور انسب ہے جو
عبادت و ریاضت میں اصل اور متبوع تھے اور واجب الاطاعت رئیس تھے بنسبت اس کے حم
کرنے اور اس کا مصداق بنانے کے ان کو جو خلیفہ کے تابع اور مقتدی اور فرماں بردار تھے تو ہما
اس روزِ روشن کی طرح واضح دلیل سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ ع
کے ساتھ مختص ہے۔

تفسیر طبری اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت: (تنبیہ نبیہ)

أقول:

حضرت رازی علیہ الرحمہ کے اس جواب اور حضرت قاضی ثناء اللہ کے جواب
مفسر جلیل حضرت ابن جریر طبری کا تردد بھی زائل ہو جائے گا اور ان کے نزدیک بھی اس آیت
مصداق اولین حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے مصاحبین اور رفقاء کار ہی رہ جائیں گے جب
انہوں نے خود پہلا قول یہی نقل کیا ہے کہ اس قول باری تعالیٰ کے مصداق ابو بکر صدیق اور ا
کے اصحاب ہیں رضی اللہ عنہم۔

(ا) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے چار اسنادات کے ساتھ نقل فرمایا: هذا واللہ
أبو بكر وأصحابه

(ب) حضرت ضحاک سے یہی تفسیر نقل فرمائی کہ سوف یاتی اللہ بقوم (تا) ولا یخافون لومة لائم کے متعلق فرمایا: ھو أبوبکر وأصحابه لما ارتدمن العرب من ارتد عن الاسلام جاھدھم أبوبکر وأصحابه حتی ردھم الیٰ الاسلام۔

(ج) حضرت قتادہ سے نقل کیا کہ قول باری تعالےٰ: من یرتد منکم عن دینه (تا) واسع علیم اس آیت کریمہ کو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا، جب کہ اس کے علم میں تھا کہ کچھ لوگ اسلام سے برگشتہ ہوجائیں گے چنانچہ جب رسول رحمت علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو اکثر اہل عرب مرتد ہوگئے سوائے تین مراکز والوں کے اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل بحرین میں سے قبیلہ عبدالقیس کے، قالوا نصلی ولانزکی واللہ لاتغصب أموالنا "ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے، بخدا ہمارے مال غصب نہیں کیے جاسکتے"

تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے بارے میں کلام کیا گیا اور عرض کیا گیا جب انہیں دین اسلام کی مکمل سوجھ بوجھ حاصل ہوجائے گی تو وہ فرض زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگ جائیں گے بلکہ زیادہ بھی دینے پر آمادہ ہوجائیں گے تو آپ نے جواب میں فرمایا:

لاواللہ لا أفرق بین شیئی جمع اللہ بینه ولومنعوا عقالاً مما فرض اللہ ورسوله قاتلت علیه فبعث اللہ عصابة مع أبی بکر فقاتل علی ما قاتل علیه نبی اللہ ﷺ حتی سبی وقتل وحرق بالنیران أناسا ارتدوا عن الاسلام ومنعواالزکوة فقاتلھم حتی أقروا بالماعون وھی الزکوٰة

"نہیں (ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوسکتی) بخدا میں اس چیز کو جدا نہیں کرسکتا جس کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا (نماز کے ساتھ) اگر وہ لوگ مجھے زکوٰۃ کے جانور کا رسہ بھی نہیں دیں گے جس کا دینا ان پر اللہ تعالیٰ اور رسول معظم ﷺ کی طرف سے فرض ہے تو بھی میں ان کے خلاف علم جہاد بلند کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے ان صفات کمال کے مالک حضرات کی عظیم جماعت

حضرت ابوبکر صدیق کی امداد واعانت کے لیے مقرر فرمادی، چنانچہ آپ نے ان مرتدین کے خلاف قتال کیا اسلام کے مکمل طور پر نفاذ کے لیے جس طرح کہ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم مقصد کے لیے جہاد فرمایا، حتیٰ کہ بعض کو قیدی بنایا اور بعض کو ہلاک کیا اور بعض کے گھروں کو جلایا جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اور جو زکوٰۃ دینے سے انکاری ہو گئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے جو بچ گئے زکوٰۃ ادا کرنے کا التزام کر لیا"

(د) حضرت ابن جریج کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا جو اسلام سے برگشتہ ہو گئے رسول کریم علیہ الصلوات والتسلیم کے وصال شریف کے بعد فقاتلهم أبو بكر تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال و جہاد فرمایا۔

(ھ) مولائے مرتضیٰ حضرت سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نقل فرمایا:

عن أبي أيوب عن علي رضي الله عنه في قوله تعالى يا ايها الذين آمنوا من يرتد منكم عن دينه قال علم الله المؤمنين وأوقع معنى السوء على الحشو الذي فيهم من المنافقين ومن في علمه أن يرتد وقال يا ايها الذين آمنوا من يرتد منكم عن دينه فسوف ياتي الله المرتدة عن دينهم بقوم يحبهم ويحبونه بأبي بكر وأصحابه رضي الله عنهم (جلد ٤ ص ١٨٣ و كذا علىٰ ص ١٨٤)

حاصل مرتضوی ارشاد کا یہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان اور مخلصین کو بھی جان لیا اور جو فالتو اور بے کار لوگ ان میں شامل ہو چکے تھے، ان کو بھی جان لیا یعنی منافقین کو تو ان پر عاقبت بد والی آفت ڈھائی اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ مرتد ہو جائیں گے تو ان کو بھی یہ وعید سناتے ہوئے فرمایا۔ اے ایمان والو جو تم میں سے ارتداد کا مرتکب ہو دین حق سے تو اللہ تعالیٰ

مرتدین کے خلاف کاروائی کے لیے ایسی قوم لائے گا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کو محبوبِ حقیقی سمجھتے ہوں o گے یعنی ابوبکر صدیق اور ان کے معاونین و مددگاروں کو۔ رضی اللہ عنہ وعنہم وأرضاهم - اور ایسے ہی (ص:۱۸۴پر) حضرت اسد اللہ غالب رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر اور ان کے اصحاب کا اس آیتِ کریمہ میں مراد ہونا آپ سے صراحۃً منقول ہے۔

حضرتِ علامہ طبری کا عذر:

اقوال مذکورہ بالا مولائے مرتضیٰ اور تابعین اکابرین رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیریہ ہیں جب کہ مرفوع احادیث میں نبی الانبیاء ﷺ کی طرف سے ان کلماتِ قدسی سمات کا اہل یمن مومنین کی صفات ہونا اور اہل فارس مومنین کا ان کا مصداق ہونا نیز انصارِ مدینہ کا اس ارشادِ گرامی کا مصداق ہونا مروی ہے۔ لہذا! ترجیح انہیں اقوال مرفوعہ کو ہونی چاہیے اگر صحیح روایات اس طرف وارد نہ ہوتیں تو پھر اس ارشادِ خداوند تعالیٰ کا مصداق صرف اور صرف ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب ہوتے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

وأولى الأقوال عند نا بالصواب ما روى فى الخبر عن رسول الله ﷺ أبى موسى الاشعرى ولولا الخبر الذى روى فى ذالك عن رسول الله ﷺ بالخبر الذى روى عنه ما كان القول عندى فى ذالك الاقول من قال هم أبوبكر وأصحابه و ذالك أنه لم يقاتل القوم الذين كانوا أظهروا الاسلام على عهد رسول الله ثم ارتدوا على أعقابهم كفارًا غير أبى بكر وأصحابه ممن كان مع من قاتل أهل الردة معه بعد رسول الله ﷺ ـ لكنا تركنا القول فى ذالك للخبر الذى روى فيه عن رسول الله ﷺ لأنه كان معدن البيان عن تأويل ما أنزل الله من وحيه وآيات كتابه۔

(تفسیر طبری جلد ٤ ص ١٨٥)

"ہمارے نزدیک ان اقوال میں اولیٰ بالصواب وہ ہے جو رسول معظم ﷺ سے

مروی ہے کہ اس قوم سے مراد حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہے جو کہ اہل یمن ہیں، اسی طرح اگر
وہ روایات مرفوع نہ ہوتیں جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قوم مراد ہونے پر دلالت کرتیں
ہیں اور جو انصار اور اہل مدینہ کے مراد ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو ہمارے نزدیک صرف او
صرف وہ قول معتبر ہوتا جس میں ارشادِ خداوندی کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق اور انکے اصحاب
کو بنایا گیا ہے، رضی اللہ عنہم۔ اور اس ترجیح اور اختیار کی بنیاد واساس یہ ہوتی کہ جن لوگوں نے
رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں اسلام کا اظہار کیا پھر الٹے پاؤں اسلام سے برگشتہ
ہو گئے دراں حالے کہ کافر تھے تو سوائے ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب کے کسی نے ان کے
خلاف جہاد وقتال نہیں کیا جو آپ کے ساتھ اس حرب وقتال میں معاون ومددگار تھے۔

لیکن ہم نے اس قول کو ترک کر دیا بسبب ان مرفوعہ روایات کے کیوں کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم معدن بیان تھے اللہ کی نازل فرمودہ وحی اور کتاب اللہ کی آیات کے، تو اگر حضرت صدیق
اور ان کے ہمنوا حضرات اس آیتِ مقدسہ کے مصداق ہوتے تو لامحالہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا
مصداق ہونا بھی بیان فرماتے" (یہاں علامہ ابن جریر کا کلام ختم ہوا، اب اس پر حضرت اشرف
العلماء قدس سرہ کا کلام ملاحظہ ہو)

سیالوی تبصرہ:

(۱) کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک فرضی اور غیر محقق صورتِ حال سے خبر دی یا وصال
مصطفوی کے بعد پیش آنے والے عظیم حادثہ کی غیبی خبر دی؟ اور جس طرح فرمایا اسی طرح پر ہوا
کہ یہ کلمات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقبل زمانہ سے متعلق اخبار بالغیب والا معجزہ بن گیا اور آپ کے
نبی برحق اور رسولِ صادق ہونے کی عظیم دلیل بن گیا جس کے وقوع کا اعتراف اس مفسر جلیل نے
کیا اور وہ بھی بطورِ حصر اور اختصاص اور دیگر اکابر مفسرین نے بھی اس کو آپ کے بعد زمانہ مستقبل
سے متعلق علمِ غیب والا معجزہ قرار دیا۔

(۲) اگر پہلا تفسیری قول دوسرے تین اقوال کے مخالف ومنافی ہونے کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے تو کیا وہ تینوں اقوال آپس میں متنافی اور متخالف نہیں ہیں؟ کیا حضرت سلمان فارسی یمن سے تعلق رکھتے تھے یا فارس سے اور یہ دونوں ایک ذات کے نام تھے اور ایک علاقہ میں بسنے والے تھے یا ذاتیں بھی جدا تھیں اور علاقے اور عوام بھی جدا تھے؟ نیز انصار رضی اللہ عنہم حضرت سلمان فارسی کے علاقہ میں بسنے والے تھے اور ان کی قوم سے تھے یا حضرت ابوموسیٰ اشعری کے علاقے اور قوم سے تعلق رکھتے تھے تو پھر روایات مذکورہ کو اس واضح اور ظاہر سقم اور خرابی کی بنا پر ترک کیوں نہ کیا جائے؟ اور اس تعارض وتناقض سے بچنے کی سعی مشکور کیوں نہ کی جائے؟

(۳) جو شخص اپنی سوچ اور فکر کے مطابق تفسیر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے کما قال النبی ﷺ من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار تو کون مائی کا لال ہے جو حضرت حسن، حضرت قتادہ اور حضرت ابن جریج کو بالخصوص مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے متعلق خواب میں بھی یہ خیال دل میں لا سکے، جب کہ ان کی شان یہ ہے علی مع الحق والحق مع علی، علی مع القرآن والقرآن مع علی اور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: انا مدینة العلم وعلی بابها۔ وغیر ذالك، لہذا ان کے قول کو قابل اعتبار اور لائق اعتداد نہ سمجھنا جائز نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری یا حضرت سلمان فارسی یا انصاری حضرات رضی اللہ عنہم کے حق میں وارد روایات میں کیا کلمۂ حصر موجود ہے؟ اور مفہوم مخالف مراد لینے کے وجوہات میں سے کوئی وجہ یہاں موجود ہے؟ بلکہ یہ قول خداوند تعالیٰ عموم میں نص ہے کما قال اللہ تعالیٰ: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الخ نیز ارشاد خداوند تعالیٰ: لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى تو ان کو یہ عظیم درجات اور بے مثال مراتب محبوب خداوند تعالیٰ بننے کے بغیر مل گئے؟ وغیر ذالك

(۵) کیا حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قوم یا سلمان رضی اللہ عنہما کی قوم اور خود وہ اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ، 10,11:56) میں داخل تھے؟ یا اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ، 100:9) میں داخل تھے اور حرب وقتال اور جہاد میں حصہ لینے والے تھے؟ یا وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ، 100:9) میں داخل تھے اور ان سابقین اور اولین کے طفیل اور ان کی اتباع واقتداء کی بدولت رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ، 100:9) کا اعزاز پانے والے تھے؟

تاریخی حقائق اس امر کے شاہد برحق ہیں کہ دونوں حضرات جنگِ خندق کے بعد حاضر خدمت اقدس ہوئے تو روزِ اول سے قربانیاں دینے والے اور اپنا مال ومتاع، وطنِ عزیز اور قرابت واقرباء کو قربان کرنے والے بلکہ بیویوں اور بچیوں کی عزتوں کو اور بچوں کی جانوں کو بلکہ اپنی جان کو بھی آپ پر نثار کرنے والے اور اپنے گھر خالی کر کے مہاجرین کو پیش کرنے والے ،دو دو بیویوں والے مہاجر کی پسندیدہ بیوی کو طلاق دے کر عدت گزرنے پر مہاجروں کے نکاح میں دینے والے، اپنے بچوں کے مونہوں سے لقمے بچا کر خود بھی بھوکا رہ کر اور ان کو بھی بھوکا رکھ کر مہاجرین فی سبیل اللہ اور فقراء ومساکین مہاجرین کے خورد ونوش وغیرہ کے انتظامات کرنے والے انصار اس ارشادِ خداوند تعالیٰ کے مصداق اولین کیوں نہیں اور ان کا قائد اور امام اور رئیس ومقتداء اور مہاجرین وانصار جیسے صادقین اور مخلصین کے امام اور خلیفہ اس کا مصداق اولین کیوں نہیں بن رہے؟

(۶) کیا یہ مسلم حقیقت نہیں کہ صحابی کا وہ قول جس میں عقل وقیاس اور درایت کا دخل نہ ہو تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تفسیری قول کو مرجوح قرار دینا اور بعد والے اقوال کو راجح اور مختار قرار دینا راجح قول کے ترک اور مرجوح قول کو ترجیح دینے کے مترادف ہے جس کا عقلاً بلکہ نقلاً بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ نیز واضح ہو گیا کہ نقلیات

میں مہارت اور رجحان عقلیات میں رجحان اور مہارت کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے اور افراد عظیمہ ہیں جو منقول کو معقول کے میزان اور ترازو پر پرکھتے ہیں جیسے فخر المفسرین امام الرازی فللہ درہ وخیرہ الکثیر۔

اعجوبۂ عجیبہ ولطیفۂ غریبہ :(علامہ ابن جریر کا تسامح)

حضرت علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں ایک سوال وجواب نقل کیا ہے جو بڑا حیران کن ہے، فرماتے ہیں کہ اہل یمن جو نبی مکرم ﷺ کے دورِ نبوت ورسالت میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ مرتدین کے خلاف کاروائی کرتے وقت حضرت صدیق کے معاون ومدد گار تھے یا معاون نہیں تھے؟ پہلی صورت میں ان کو حضرت صدیق کے معاونین اور آپ کی جماعت سے خارج کرنے اور اس آیتِ کریمہ کا مصداق نہ بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی؟ اور اگر مرتدین کے خلاف کاروائی کرنے والوں میں داخل نہیں تھے تو اللہ تعالٰی کے وعدہ کی خلاف ورزی لازم آئے گی حالانکہ اس کے وعدے کا خلاف محال وممتنع ہے؟

جواب:

اللہ تعالٰی نے اہل ایمان کے ساتھ وعدہ فرمایا جو بوقت نزول آیت موجود تھے کہ ان کے بدلے میں ایسی قوم کو لائے گا اور ان کے بعد جلد لائے گا جو کہ ان مرتدین سے خیر اور بہتر ہوں گے، عن قریب انہیں لائے گا نہ کہ عرصہ بعد، اور اللہ تعالٰی نے اس وعدہ کو پورا فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تو اس قول باری تعالٰی کے لیے یہ موقع ومحل متعین کرنا اسلام اور اہل اسلام کے لیے بہترین موقع ومحل ثابت ہوا اور اہل یمن، اہل اسلام کے اعوان ومددگار تھے اور ان کے لیے بہت مفید اور نفع رساں ثابت ہوئے بہ نسبت ان کے جو رسول گرامی ﷺ کے بعد مرتد ہوئے یعنی اعراب اور دیہاتی لوگ اور بادیہ نشینوں میں سے جو کہ اہل اسلام

پر سراسر بوجھ تھے نہ کہ نفع رساں تھے۔ (ص: ۸۵)

أقول وعلی توفیقه أعول:

سبحان اللّٰہ ربی الذی لا یضلّ و لا ینسٰی ، خود اس مفسر جلیل نے تصریح فرمائی کہ صدیق اکبر کے دور میں مرتدین کے خلاف جہاد اور حرب وقتال کی نوبت آئی نہ کہ اس کے بعد تو اس آیتِ کریمہ کا مصداق حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور والے مجاہدینِ اسلام اور عساکرِ اہل اسلام کو ٹھہرانے کا کیا جواز ہے؟ جب کہ وہ جہاد وقتال قیصر روم اور عیسائیوں کے خلاف تھا یا کسرائے فارس اور مجوسیوں اور آتش پرستوں کے خلاف تھا نہ کہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر پھر اس سے برگشتہ ہونے والوں کے خلاف، اور ان مرتدوں کو اللہ تعالیٰ نے تہدید وتوبیخ فرمائی کہ تم پر ایسی قوم کو مسلط کروں گا جو ان اعلیٰ اخلاق اور ان صفات کاملہ اور اس امتیازی سیرت وکردار کے مالک ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا غیبی ارشاد اور مصطفوی معجزہ حضرت صدیق اور ان کے رفقاء کار کے حق میں ہی وقوع پذیر ہوا اور وہی اس کے مصداق بنے۔ رہا یہ شبہ کہ وہ تو نزولِ آیت کے وقت تھے پھر ان کو مستقبل میں لانے کا کیا مطلب؟

تو جواب واضح ہے کہ مرتدین کا زمانۂ ظہور بھی نزولِ آیت کے بعد والا تھا اور ان حضرات صحابہ رضوان اللّٰہ علیہم أجمعین کا ان پر مسلط کیے جانے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے یا واپس اسلام کی چوکھٹ پر جھکانے کا ظہور بھی بعد میں ہونے والا تھا اس لیے فرما دیا: فسوف یاتی اللّٰہ بقوم اور یہ جیسے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام پہلے ہی لوگوں میں موجود ہوتے ہیں، لیکن جب ان کو اعزازِ نبوت اور امتیازِ رسالت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے تو ارسال اور بعثت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے گویا کہ وہ اب ایک نئی شخصیت کے طور پر لوگوں میں جلوہ گر ہو رہے ہوتے ہیں اسی طرح یہاں بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اب خلیفۃ الرسول اور حاکمِ اسلام کی حیثیت سے اور ان کے ہمنوا ان کے لشکری اور سپاہی ہونے کی حیثیت سے فتنۂ ارتداد کا قلع قمع

کر رہے تھے تو یہ بھی گویا کہ نئی شخصیات بن گئے تھے۔

علاوہ ازیں وہ مرتد سارے کے سارے تو نیست و نابود نہیں ہو گئے تھے کچھ واپس حلقۂ اسلام میں داخل بھی ہو گئے تھے تو ان پر دوسری آیتِ کریمہ میں بعد والوں کی فوقیت اور برتری اور ثابت قدمی اور اسلام و ایمان پر ثبات و دوام بیان کر دیا گیا ہو، کیا ضروری ہے کہ ارشاد خداوند تعالےٰ: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ (محمد، 48: 38) کا مصداق اور اس آیت کریمہ کے علیحدہ علیحدہ مصداق متعین کیے جائیں؟

کیا مرتدین کے خلاف کاروائی کرنے والوں میں سے خود سیدنا عمر فاروق اور ان کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام قیصر روم اور کسرائے فارس کے خلاف کاروائیوں میں شامل نہیں تھے؟ لہذا مرتدین کو دو طرح کی سرزنش کر دی گئی، ایک تو ان کو مغلوب و مقہور کرنے والی جماعت کا ان پر تسلط کرنا دوسرا ایسی قوم کو لانا جن میں اس طرح کی تردد و تذبذب والی صورت نہیں ہوگی بلکہ ایمان لانے کے بعد اس پر پوری طرح ثابت قدم اور راسخ الاعتقاد رہیں گے، ھذا واللّٰہ أعلم بالصواب

خلاصۂ کلام:

لھذا صحیح اور مختار صرف اور صرف وہی ہے جو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کی زبانی اور فخر المفسرین حضرت امام رازی کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ آیتِ کریمہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کی افضلیت و اعظمیت کی واضح ترین دلیل و برہان ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالے کے بیان فرمودہ بقیہ نکات:

المقام الثالث:

انا ندعی دلالة هذه الآية على صحة امامة أبي بكر الصديق و ذالك لأنه

لما ثبت بما ذکر أن هذه الآية مختصة به فنقول انه تعالی وصف الذين أراد هم بهذه الآية بصفات أولها أنه يحبهم ويحبونه الخ (جلد ٤ ص ٣٧٩، ٣٨٠)

اس آیتِ کریمہ میں تیسرا مقام یہ ہے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر دلیل ہونے کا اور اس دعویٰ کی بنیاد و اساس یہ ہے کہ جب ہماری ذکر کردہ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیتِ کریمہ آپ کے ساتھ مختص ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جن حضرات کا اس آیتِ کریمہ میں ارادہ فرمایا ان کو چند صفات کے ساتھ موصوف فرمایا:

اول:

یحبهم ویحبونه، اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کو محبوب رکھتے ہیں اور جب ثابت ہو گیا کہ اس آیت سے مراد حضرت ابوبکر ہیں تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ابوبکر کی صفتِ جلیلہ ہے اور جس ہستی کو اللہ جل وعلیٰ ایسی عظیم وجلیل صفت کے ساتھ موصوف ٹھہرائے تو اس کا ظالم و غاصب ہونا ممتنع اور محال ہے اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ آپ امامت وخلافت میں حق پر تھے۔

صفتِ ثانیة:

قوله تعالے: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ(المائدہ، 54:5) یعنی مومنین کے حق میں نرم و گداز اور سراپا تواضع وانکساری اور کفار پر سخت اور قاہر و غالب ــ یہ بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صفتِ جلیلہ ہے اس دلیل کے پیش نظر کہ مرتدین کے خلاف صرف اور صرف آپ نے جہاد و قتال فرمایا اور اس کی تائید و تاکید اس حدیثِ مستفیض سے ہوتی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا: أرحم أمتي بأمتي أبو بكر ''میری امت میں سے میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں'' لهـذا ثابت ہوا کہ آپ اہل ایمان کے لیے

سراسر رحمت اور شفقت تھے اور اس صفتِ عظیمہ کے کامل موصوف تھے۔

وبالشدۃ مع الکافرین ،اور آپ کفار کے خلاف شدت اور سختی کے ساتھ موصوف تھے، کیا ہر ایک کو معلوم نہیں ہے کہ پہلے پہل جب سیدِ عالم ﷺ مکہ شریف میں قیام فرماتے اور ظاہری طور پر ضعف وناتوانی اور بے یاری ومددگاری والی صورت حال درپیش تھی تو حضرت صدیق اکبر کس طرح آپ کا دفاع کرتے تھے اور اپنی ذات کو آپ کے لیے ڈھال بنا دیتے تھے اور کس طرح ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے اور خدمت سرانجام دیتے تھے اور کفار کے جبابرہ اور شیاطین کی پروا نہیں کرتے تھے اور آخر الأمر میں یعنی وقتِ خلافت میں کسی طرح کسی کے قول کی طرف التفات نہ فرمایا اور اس پر مُصِرّ ہو گئے کہ مانعینِ زکوۃ کے خلاف حرب وقتال کے بغیر چارہ نہیں ہے حتیٰ کہ نوبت کار یہاں تک پہنچی کہ اکیلے ان کے خلاف جہاد کے لیے نکل پڑے حتی کہ اکابرِ صحابہ نے حاضر خدمت ہو کر تضرع اور زاری کی اور ان کو جہاد پر جانے سے روکا۔ جب ان کی منت سماجت اور تضرع والحاح انتہاء کو پہنچا تو ان کا مطالبہ قبول کرتے ہوئے خود مدینہ واپس آ گئے اور مرتدین کے خلاف کاروائی کے لیے لشکر بھیج دیا چنانچہ اہل ارتداد ہزیمت سے دوچار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس اقدام کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور اس کے غلبہ وتمکن کا ذریعہ ووسیلہ اور مبدأ واساس بنا دیا، لہذا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین حضرت صدیق ہی کے لائق اور شایانِ شان ہے اور انہیں کے امتیازی اور خصوصی مقام کا اس میں بیان ہے۔

صفتِ ثالثہ :

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوتے، یہ صفتِ کریمہ اگر حضرت صدیق اکبر اور مولائے مرتضیٰ میں مشترک ہے لیکن حضرت صدیق کے لیے اس میں

حظِ وافر اوراتم واکمل حصہ ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کا جہاد کفار کے ساتھ بعثتِ شریفہ کے اولین دور میں تھا جبکہ اس وقت اسلام میں بہت ضعف تھا اور کفر بہت قوی اور توانا تھا اور آپ حسب المقدور کفار کے خلاف جہاد کرتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے انتہائی محنت اور کوشش کے ساتھ جبکہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے پہلے پہل بدر اور احد کے میدانوں میں جہاد کا آغاز کیا اور اس وقت اسلام قوی تھا اور اسلامی لشکر بھی مجتمع تھے تو ثابت ہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جہاد سے دو وجہ سے اکمل ترین تھا:

اول:

حضرت صدیق کا جہاد زمانہ کے لحاظ سے مقدم اور سابق تھا، لہٰذا افضل ٹھہرا، بـ ارشادِ خداوند تعالےٰ: لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (الحدید، 57:
"تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح سے قبل مال راہِ خدا میں خرچ کیا جہاد وقتال کیا"

ثانی:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جہاد اسلام کے ضعف وناتوانی کے وقت میں تھا جـ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا جہاد اسلام کی قوت وطاقت کے دور میں تھا (جبکہ حضرت صدیق بھی مواقع پر ساتھ ہوتے تھے بلکہ زیادہ خوف ناک مقام پر قیام پذیر ہوتے تھے یعنی رسول کر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاں کفار کا دباؤ زیادہ ہوتا تھا)

صفت رابعة:

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء یہ اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار اور ارفع صفات

خدائے تعالیٰ کا فضل عظیم ہے جس کو چاہتا ہے یہ عطا فرماتا ہے یہ صفت بھی حضرت ابوبکر صدیق کے شایانِ شان اور لائق ہے، کیونکہ یہ مؤید ومتاکد ہے باری تعالیٰ کے ارشاد وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ (النور، 22:24) کے ساتھ یعنی "نہ قسم کھائیں فضیلت مآب اور وسعت مالی والے لوگ تم میں سے" اور ہم بیان کر چکے کہ یہ آیت کریمہ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اوران تمام صفات عالیہ کے موصوف حضرت ابوبکر صدیق ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ نازل ہی ان کے حق میں ہوئی ہے جیسے کہ ہم نے مدلل انداز میں بیان کر دیا ہے۔ تو جب یہ امر متحقق ہو چکا تو ان صفات کمال کے موصوف اولین لامحالہ ابوبکر صدیق ہی ہیں اور جب ان کا ایسے امتیازی اور انفرادی کمالات کا موصوف اولین ہونا ثابت ہو گیا تو ان کی امامت وخلافت کا برحق ہونا بھی قطعی اور حتمی طور پر ثابت ہو گیا، کیونکہ خلافت باطل ہونے اور غاصبانہ وظالمانہ ہونے کی صورت میں یہ صفات قطعاً ان کے لائق نہیں ہو سکتی تھیں۔

مذہبِ امامیہ اور نظریہ روافض کا بطلان:

المقام الأول:

ان هذه الآية من أدل الدلائل على فساد مذهب الامامية من الروافض

مقامِ اول اس آیتِ کریمہ میں یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ مذہب الامامیہ اور روافض کے فساد و بطلان کی بہت بڑی اور عظیم تر دلیل ہے ان کے مذہب کا بیان یہ ہے کہ جن لوگوں نے ابوبکر کی امامت وخلافت کا اقرار واعتراف کیا وہ بھی کافر ومرتد ہو گئے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق میں وارد نص جلی کا انکار کیا، نعوذ باللہ من ذالك

اس کے فساد و بطلان پر استدلال کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ صورتِ حال یونہی ہوتی

تو اللہ تعالیٰ حضرت صدیق اکبر اور ان کے معاونین کے خلاف ایسی قوم کو لے آتا جو ان سے حرب وقتال کرتے اور ان کو مغلوب ومقہور ٹھہراتے یا انہیں واپس دین حق کی طرف لوٹاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہی یہ ہے: من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم (المائدہ، 54:5) اور من کا کلمہ شرط کے مقام میں عموم کے لیے ہوا کرتا ہے، لہذا یہ آیت مقدسہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص بھی دین اسلام سے مرتد ہوا تو اللہ جل وعلیٰ اس پر ایسی قوم کو مسلط کرے گا جو اس کو مغلوب ومقہور بنادیں گے اور ان مرتدین کی قوت وشوکت کو نیست ونابود کردیں گے۔

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منصبِ خلافت سونپنے والے ایسے ہوتے تو اس آیتِ کریمہ کی رو سے واجب ولازم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ایسی قوم کو لے آتا جو ان پر قاہر وغالب ہوجاتے اور ان کے دین ومذہب اور عقائد ونظریات کو باطل ٹھہراتے اور یہ صورتِ حال قطعاً نہیں پائی گئی بلکہ صورتِ حال واقعی اس کے برعکس اور الٹ ثابت ہوئی (بلکہ حضرت صدیق اور ان کے لشکریوں کو اللہ تعالیٰ نے مخالفین پر غلبہ اور تسلط بخشا اور ان کے دین ومذہب اور عقائد ونظریات کو تمکن واستحکام اور پائیداری اور دوام بخشا) بلکہ روافض اپنے ان نظریات باطلہ اور مزعوماتِ فاسدہ کے اظہار وافشاء میں مغلوب ومقہور رہے جب سے وجود میں آئے۔
تو ہم نے یقینی طور پر ان کے اس قول کے فساد اور مذہب کے بطلان کو معلوم کرلیا اور یہ حقیقت ہر صاحبِ انصاف پر عیاں ہے۔

أقول:

بلکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کی بیعت کی ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے رہے، ان کے وزیر ومشیر رہے اور ان کی منت سماجت کرکے واپس مدینۂ طیبہ لوٹایا جب کہ وہ اکیلے مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے تیاری کرکے چل پڑے تھے اور کہا میں

تمہیں انہیں کلمات کا واسطہ دیتا ہوں جو میدانِ احد میں کفار کے خلاف کاروائی کے لیے آگے بڑھتے وقت نبی اکرم ﷺ کہتے تھے کہ واپس آجاؤ میں تمہیں امت کے لیے باقی دیکھنا اور باقی رکھنا چاہتا ہوں۔ نیز حضرت صدیق نے جن کو خلافت کے لیے نامزد کر دیا آپ نے بلا چوں چرا ان کی بیعت کرلی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو چھ رکنی کمیٹی قائم فرمائی بلا تردد اس کے بھی رکن بنے اور ان کے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کرلی تو اس عرصہ میں آپ اس آیتِ کریمہ کا مصداق کیسے بن سکتے ہیں۔ بلکہ آپ اپنی خلافت وامامت کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھتے ہیں:

انه بايعني القوم الذين بايعوا أبابكر و عمر و عثمان على ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد أن يختار و لا للغائب أن يرد

"تحقیق شان یہ ہے کہ اسی قوم نے میرے ساتھ بیعت کی ہے جس نے حضرت ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان ذولنورین رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کی اور انہیں امورِ اسلام اور ارکان و شرائط پر جن کے مطابق ان کے ساتھ بیعت کی تھی، لہٰذا اب نہ کسی موقع پر موجود شخص کو اپنے من پسند فیصلہ کا اختیار ہے اور نہ اس جگہ سے غائب کے لیے اس خلافت اور اس بیعت کے رد کرنے کا اختیار ہے۔

انما الشورى للمهاجرين و الأنصار فان اجتمعوا على رجل و سمّوه امامًا كان ذالك لله رضى

"انتخابِ خلیفہ کا حق صرف اور صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے پس اگر وہ ایک شخص پر مجتمع اور متفق ہو جائیں اور اس کو امام نامزد کردیں تو وہی اللہ تعالیٰ کا منتخب اور پسندیدہ امام اور خلیفۃ المسلین ہوگا"

لہذا نعوذ باللہ اگر وہ جماعت جنہوں نے ابوبکر صدیق کو خلیفہ نامزد کیا وہ مرتد تھے تو آپ بھی ان میں شامل، نیز ان کی بیعت کرنے والوں کی آپ کے ساتھ بیعت آپ کے برحق خلیفہ ہونے کی دلیل کیسے بن گئی؟ علاوہ ازیں ان کا منتخب خلیفہ اور نامزد امام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ امام وخلیفہ کیسے بن گیا؟

(اس بحث کو ہماری کتاب لاجواب تحفۂ حسینیہ میں ملاحظہ فرماویں، محمد اشرف السیالوی کان اللّٰہ لہ)

جہادِ مرتضوی کی حقیقت:

البتہ چوتھا خلیفہ بننے کے بعد آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف جنگ اور حضرت امیر معاویہ کے خلاف بھی جنگ کی لیکن ان کو مرتد سمجھ کر ان کے خلاف جنگ نہیں کی تھی بلکہ بغاوت کی بنا پر جنگ کی تھی کیونکہ اطاعتِ امیر اور اتباع خلیفہ واجب ہے اور وہ حضرات اپنے اجتہاد کے تحت ابھی آپ کی خلافت وامامت کے صحیح اور درست ہونے کے قائل نہیں تھے، اگرچہ وہ اجتہادی خطا پر تھے اسی لیے امام رازی قدس سرہ نے فرمایا:

قلنا هذا باطل من وجهين الأول أن اسم المرتد انما يتناول من كان تاركًا للشرائع الاسلامية والقوم الذين نازعوا عليًا ما كانوا كذالك في الظاهر

''ہم کہتے ہیں کہ اہل تشیع اور روافض کا محاربین مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مرتد کہنا دو وجوہ سے باطل ہے:

اول:

مرتد کا لفظ ان لوگوں کو شامل ہوتا ہے جو شرائع اسلامیہ کے تارک ہوں اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نزاع وخلاف رکھنے والے بظاہر ایسے نہیں تھے اور نہ ہی کوئی اس کا قائل تھا

کہ حضرت علی ان کے خلاف جہاد اس لیے کررہے ہیں کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی یقیناً ان کو مرتد کے ساتھ موسوم نہیں کیا بلکہ فرمایا اخــوانــنـا بغوا علینا یرون أنهم علی الحق ونری أننا علی الحق (نهج البلاغة) "ہمارے مسلمان بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں"

نیز امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا اور دس سال تک امام حسن رضی اللہ عنہ کا ان کی مخالفت نہ کرنا اور بیس سال تک امام حسین کا ان کی مخالفت نہ کرنا بلکہ ان سے وظائف لیتے رہنا اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ یہ جنگ مرتدین کے خلاف جنگ نہیں تھی۔ بلکہ خود مولائے مرتضیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

والـظـاهـرأن ربـنـا واحـد ونبيـنـا واحـد ودعوتـنـا فی الاسلام واحدة لا نستـزيـدهـم فی الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيد وننا ۔الأمر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان والله يعلم انامنه براء (نهج البلاغة)

"اور یقینی امر ہے کہ ہمارا اور امیر معاویہ کا اور ہمارے اور ان کے معاونین کا رب ایک ہے، ہم سب کا نبی ایک ہے اور مسلمانی کا دعویٰ ہمارا ایک ہے، نہ ان سے ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں زائد ہونے کا دعویٰ ہم کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ ہم پر اس ایمان وتصدیق میں زائد ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں- ہمارا معاملہ ایک ہے سوائے خون عثمان رضی اللہ عنہ میں اختلاف کے اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ ہم اس خون (میں کسی قسم کی حصہ داری) سے بری الذمہ اور پاک دامن ہیں (والتفصيل فی التحفة الحسينية لمحمد أشرف السيالوی غفرله۔)

فهـذاالـذی يـقـوله هولاء الروافض لعنهم الله بهت علی جميع المسلمين وعلی علی رضی الله عنه أيضاً۔(جلد٤ ص ٣٧٩)

"لہذا روافض لعنہم اللہ کا یہ دعویٰ کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے تمام مسلمانوں پر بہتان وافترا ہے بلکہ خود مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر بھی

ثانی:

لو کان کل من نازع علیًا فی الامامة مرتدا لزم فی أبی بکر وفی قومه أن یکونوا مرتدین ولو کان کذالك لوجب بحکم ظاهر الآیة۔ الخ

اگر بالفرض والتقدیر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلاف ونزاع رکھنے والے ان کی خلافت بلا فصل یا بالفصل کے بارے میں مرتد تھے تو حضرت ابوبکر صدیق اوران کی قوم رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ارتداد لازم آئے گا اور اگر واقع میں بھی اور عنداللہ بھی صورت حال یہ ہوتی تو اس آیت کریمہ کے ظاہر اور واضح معنیٰ ومفہوم کے مطابق لازم اور ضروری تھا کہ اللہ تعالےٰ ان کے اوپر ایسی قوم کو مسلط کرتا جو انہیں مغلوب ومقہور ٹھہراتے اور انہیں دین حق کی طرف لوٹاتے اور جب یقیناً یہ صورت حال وقوع پزیر نہیں ہوئی تو ہمیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ (ان کے عملی طور پر خلیفہ ہونے کے باوجود) جنگ اور محاربت ردت اور دین اسلام سے برگشتگی نہیں ہے اور جب یہ ردت نہ ہوئی تو آیت مقدسہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محمول اور منطبق کرنا ممکن نہ رہا کیونکہ وہ ان کے حق میں نازل ہوئی جو مرتدین کے خلاف حرب وقتال اور جنگ وجدال میں مصروف تھے۔

(نیز ان لوگوں کے اوپر مدعی سست گواہ چست والی مثال بچی آگئی کیونکہ آپ ان کو اپنے جیسے مومن سمجھتے ہیں اور ایمانی رشتہ میں بھائی بھائی سمجھتے ہیں۔ کما سبق منا تقریره ، محمد اشرف السیالوی عفی عنه)

والوجه الثانی:

فی أن هذه الآية مختصة بأبی بکر رضی الله عنه هو أنا نقول هب أن عليًا کرم الله وجهه کان حارب المرتدين لکن محاربة أبی بکر مع المرتدين کانت علی حالًا وأکثر موقعا فی الاسلام من محاربة علی رضی الله عنه مع من خالفه فی الامامة وذالك لأنه علم بالتواتر أنه ﷺ لما توفی اضطربت الأعراب وتمردوا وان ابابکر هو الذی تولّی قهر مسيلمة وطليحة وهو الذی حارب الطوائف السبعة المرتدين وهو الذی حارب ما نعی الزکوة ولما فعل ذالك استقر الاسلام وعظمت شوکته وانبسطت دولته ۔أما لما انتهی الأمر الیٰ علی علیه السلام فکان الاسلام قد انبسط فی المشرق والمغرب وصار ملوك الدنيا مقهورين وصار الاسلام مستوليا علی جميع الأديان والملل فثبت أن محاربة أبی بکر رضی الله عنه أعظم تاثيرًا فی نصرة الاسلام وتقويته من محاربة علی علیه السلام ومعلوم أن المقصود من هذه الآية تعظيم قوم يسعون فی تقوية الدين ونصرة الاسلام ولما کان أبوبکر هو المتولی لذالك وجب أن يکون هو المراد بالآية ۔

(التفسير الکبير لفخر المفسرين الامام الرازی جلد ٤ ص٣٧٩)

وجہِ ثانی :

"اس آیت کریمہ کی اس مدعا پر دلالت میں یہ ہے کہ یہ مختص ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ، وہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں (بزعم شیعہ) مان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف حرب وقتال فرمایا تھا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مرتدین کے خلاف جنگ وجدال اور حرب وقتال اعلیٰ حالت میں تھا اور موقع ومحل کے بہت مناسب اور کثیر الوقوع تھا بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنی امامت میں مخالفت کرنے والوں کے ساتھ حرب وقتال اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر تواتر سے ثابت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا

وصال ہوگیا تو اعراب اور عامی قسم کے عربوں میں اضطراب وتردد کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے تمرد اور سرکشی سے کام لینا شروع کرلیا اور بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی تباہی و بربادی کے متولی بنے اور طلیحہ اسدی مدعی نبوت کو مغلوب ومقہور فرمایا اور آپ نے ہی سات مرتد قبائل کے ساتھ جنگ فرمایا اور آپ نے ہی مانعینِ زکوٰۃ کے ساتھ محاربہ ومقاتلہ کا بازار گرم کیا۔ اور جب حضرت صدیق اور خلیفۂ راشد نے یہ اقدامات فرمائے تو اسلام کو قرار اور ثبات نصیب ہوگیا اور اس کی شوکت عظیم ہوگئی اور اس کا تسلط اور غلبہ وسیع تر ہوگیا لیکن معاملہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو اسلام مشرق ومغرب میں پھیل چکا تھا اور ملوکِ دنیا اور سلاطینِ زمان مغلوب ومقہور ہو چکے تھے اور اسلام کو دوسرے تمام ادیان وملل پر غلبہ وبرتری حاصل ہو چکی تھی تو اس تقریر وتحریر سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت صدیق اکبر کا محاربہ ومقاتلہ نصرۃ اسلام اور تقویتِ دینِ حق میں عظیم تاثیر رکھتا ہے بہ نسبت محاربت مرتضٰی کے اور یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس آیت کریمہ سے مقصود اصلی اور مطلوبِ حقیقی اس قوم کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام بیان کرنا ہے جو دینِ حق کی تقویت اور نصرۃ اسلام میں سعی بلیغ سرانجام دینے والے ہیں اور جب ابوبکر صدیق اور صاحبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے متولی اور متکفل ہیں تو واجب ولازم ٹھہرا کہ اس آیتِ مبارکہ سے وہی مراد ہوں"

سوال:

لم لا یجوز أن یقال انه کان موصوفًا بهذه الصفات حال حیاة الرسول ﷺ ثم بعد وفاته لماشرع فی الامامة زالت هذه الصفات وبطلت۔

یوں کہنا کیونکر جائز نہیں ہے کہ ابوبکر بن ابی قحافہ ان صفات کے ساتھ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موصوف تھے پھر آپ کے وصال شریف کے بعد جب امامت میں مشغول ہوئے

تو یہ صفات زائل اور باطل ہو گئیں (لہذا اس آیت کریمہ سے ان کی افضلیت اور حقانیت خلافت پر استدلال درست نہ رہے گا)

جواب:

قلنا ھذا باطل قطعًا لأنه تعالے قال : فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونه فأثبت کونھم موصوفین بھذه الصفات حال اتیان اللّٰہ بھم فی المستقبل و ذالك یدل علی شھادۃ اللّٰہ له بکونه موصوفًا بھذه الصفات حال محاربته مع أھل الردۃ وذالك ھو حال امامته فثبت بما ذکرنا دلالة ھذه الآیة علی صحة امامته ۔

(جلد ٤ ص ٣٨٠)

”ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قول یقیناً باطل ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے فرمایا وہ ضرور مستقبل میں لائے گا ایسی قوم کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ اس سے محبت رکھتے ہوں گے (الخ) تو اللہ تعالٰے نے ان کا صفات کمال کے ساتھ اتصاف ثابت فرمایا ہے اس قوم کے مرتدین کے خلاف حرب وقتال کے دورانیہ میں، اور وہی دور ہے آپ کی امامت کا تو ہماری اس مذکور تقریر سے اس آیت کریمہ کا ان کی امامت وخلافت کے برحق ہونے کی بین دلیل اور واضح برہان ہونا واضح ہو گیا۔

اقول :

یہ سوال سراسر لغو وباطل ہے اور شیطان بھی ایسا نہیں سوچ سکتا کیونکہ اللہ تعالٰے نے اس کو فرمادیا تھا: اِنَّ عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیھِمْ سُلْطَان (بنی اسرائیل، 65:17) ”بے شک میرے مخصوص بندوں پر تجھے تسلط اور غلبہ نہیں ہے“ بلکہ شیطان کو بھی اعتراف ہے: لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِینَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِینَ (الحجر، 39,40:15) ”میں سب انسانوں کو گمراہ

کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کرسکوں گا" تو ان صفات کمال اور اخلاق عالیہ کے مالک اور نفس کے خلاف اور کفار کے خلاف بلا لومة لائم جہاد کرنے والے اگر اس کے مخلص بندے نہیں تو پھر وہ کون ہو سکتے ہیں؟ اور محبّ ہو اللہ قادر وقدیر ان کا، اور اس کا دعوٰی بھی یہ ہو لیکن شیطان ان محبوبوں کو اپنے زیرِ تصرف لے آئے تو اللہ تعالٰی کی خبر بھی نعوذ باللہ جھوٹی ہو جائے گی اور شیطان کا اللہ تعالٰی سے زیادہ قادر وقدیر اور مقتدر ہونا لازم آئے گا کیونکہ محبّ بھی ہو اور قدیر ومقتدر بھی اور شیطان سے اپنے محبوب بندوں کو نہ بچائے اور نہ اس کا ارادہ اور سعی فرمائے تو اس کے محبّ ہونے کا فائدہ ہی کیا ہوا اور محبوب ہستیوں کو فائدہ نہ پہنچا سکے تو دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکے گا؟ اور ابلیس کے اپنے اعتراف کا کیا مطلب ہو گا سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے، گویا شیطان بھی اپنے متعلق وہ خوش فہمی نہیں رکھتا جو یہ لوگ شیطان کے بارے میں رکھتے ہیں۔ سچ ہے:

"خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے"

بلکہ کوئی انہیں بطور الزام کہہ سکتا ہے کہ پھر شیطان کو اپنا خدا اور معبود تسلیم کریں۔ اللہ تعالٰی کو جب شیطان کے مقابل مجبور ومغلوب مانتے ہیں تو پھر غالب وقاہر کا ساتھ دیں۔ اللہ تعالٰی کو معاون ومددگار اور ناصر وکردگار ماننے کا کیا فائدہ؟

اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ

(المائدہ، 56:5)

"جو مومن اللہ تعالٰی کی اطاعت اور اتباع امر سے محبت رکھیں رسول محترم ﷺ اور مومنین سے محبت رکھے تو وہ اللہ تعالٰی کی خاص جماعت سے ہے یعنی مہاجرین وانصار اور ان کے تابعین بالاحسان سے محبت رکھیں تو وہ اللہ تعالٰی کی خاص جماعت ہیں اور وہی غالب

وقاہر ہیں کفار ومشرکین اور منافقین پر اور فاتح ومنصور ہیں (نہ کہ ابلیس لعین اور اس کی یہ جماعتیں
) والحمدللہ علیٰ ذالک

کاش یہ لوگ اللہ تعالے کے اعلانات کا بھی خیال کر لیتے!!!

نیز اگر کوئی بدبخت خارجی کہہ دے کہ خیبر کی جنگ کے موقعہ پر نبی مکرم ﷺ کے بیان
فرمودہ صفات:

لأعطين الراية غدًا رجلاً يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله الحديث

مولائے مرتضے میں پہلے موجود تھے آپ کے خلیفہ بننے کے بعد زائل ہو چکے تھے تو اس
کا کیا جواب ہوگا؟ لہذا جمیع اطراف وجوانب پر نظر رکھ کر بات کرنی چاہیے ورنہ ذلت اور خواری
سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ فتأمل حق التأمل۔

رافض کی جوابی کاروائی اور اس کا ردبلیغ (ازفخرالمفسرین رحمہ اللہ تعالے)

اعتراض:

یہ آیت کریمہ ابوبکر کے حق میں نازل نہیں ہوئی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں
نازل ہوئی ہے لہذا اس سے حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت یا ان کی خلافت پر استدلال کی کوئی
وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ صفات حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت ہیں، بدلیل:

انه عليه السلام قال يوم خيبر لأعطين الراية رجلاً يحب الله ورسوله
ويحبه الله ورسوله وكان ذالك هو علي رضي الله عنه

دلیل یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ نے خیبر کے موقع پر فرمایا:

"میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوگا اور
اللہ تعالے اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہوں گے" اور وہ شخص حضرت علی مرتضیٰ ہی تھے۔

الجواب (اولاً):

هـذا الخبر من باب الآحاد وعندهم لا يجوز التمسك به في العمل فكيف يجوز التمسك به في العلم الخ۔ (ص ۳۸۰)

"یہ خبر اور روایت اخبارِ آحاد کے قبیل سے ہے اور ان کے نزدیک اخبار احاد سے تـــمسک واستدلال عمل میں بھی جائز نہیں تو یقینی اور اعتقادی امور میں اس کے ساتھ استدلال کیونکر جائز ہوگا؟

(ثانیاً) أيـضا ان اثبات هذه الصفة لعلي لا يوجب انتفاء ها عن أبي بكر رضي الله عنهما (الخ)

نیز اس صفت کے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں ثابت ہونے سے اس صفت کی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے نفی لازم نہیں آتی (اوّل: جیسے کہ قرآن مجید نے پوری قوم) کے لیے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ والی صفت ثابت فرمادی ہے اور فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران، 31:3) وغیر ذالك، لهذا اسے حضرت صدیق سے نفی کی دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ (ثالثاً) نیز اللہ تعالےٰ نے یہ صفات حضرت صدیق اور ان کی قوم کے لیے ثابت فرمائی ہیں ان کے مرتدین کے خلاف کاروائی کے موقع پر، لہذا اگر (فاتح ہونا خیبر وغیرہ) اس وقت ثابت نہ ہو لیکن مرتدین کے خلاف محاربت کے موقع پر ان صفات کے آپ میں بلکہ آپ کی پوری قوم کے حق میں ثبوت وتحقق سے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے؟

(رابعًا) ولأن مـاذكرنـاه تـمسك بـظـاهـر القـرآن ومـا ذكروه تمسك بـالخبر المذكور المنقول بالآحاد

"علاوہ ازیں یہ ہے کہ جو ہم نے استدلال پیش کیا ہے اس میں قرآن مجید کے ظاہری معنی ومفہوم کے ساتھ استدلال ہے اور جو شبہ انہوں نے پیش کیا ہے اس میں بطریق آحاد منقول

روایت سے استدلال ہے"

(خامسًا) ولأنه معارض بدليل الأحاديث الدالة على كون أبي بكر محبًا لله ورسوله وكون الله محبًا له وراضيًا عنه قال تعالى في حق أبي بكر ولسوف يرضى وقال عليه السلام ان الله يتجلّى للناس عامةً ويتجلى لأبي بكر خاصةً وقال :ماصب الله في صدري شيئًا الا وصبه في صدر أبي بكر وكل ذالك يدل على أنه كان يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله۔ (جلد٤ ص٣٨١)

"اوران کا یہ استدلال ان صحیح احادیث کے معارض ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے محب اللہ اور محب رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ان کا محب ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان سے راضی ہونے پر، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے والا یہ قول باری تعالیٰ بھی دلیل ہے کہ ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے عمومی طور پر تجلی فرمائے گا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصی تجلی میں جلوہ گر ہوگا" اور رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے جو کچھ میرے سینے میں انڈیلا اور القاء فرمایا ہے وہ سب کچھ ابوبکر صدیق کے سینے میں انڈیلا اور القاء فرمایا ہے" (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کا مظہر بنادیا لیکن نیابةً خلافةً جیسے کہ فناء فی الرسول اور بقاء بالرسول کا تقاضا ہے) اور یہ بھی (اور اس کے علاوہ بہت سی آیات اور احادیث) اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے محب بھی ہیں اور ان کے محبوب بھی ہیں"

(۵) تفسیر مدارک التنزیل از حضرت علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی قدس سرہ العزیز:

قوله تعالے : "یاایهاالذین آمنو من یرتد منکم عن دینه " أی من یرجع منک
عن دین الاسلام الی ماکان علیه من الکفر۔ فسوف یاتی اللّٰه بقوم یحبهم ویحبو
أی یرضی أعمالهم ویثنی علیهم بها ویطیعونه ویوثرون رضاء ه هوفیه دلیل نب
علیه حیث أخبرهم بما لم یکن فکان کما أخبر واثبات خلافة الصدیق رضی ا
عنه لأنه جاهد المرتدین وفیه صحة خلافة عمررضی اللّٰه عنه ۔

(برحاشیه تفسیرخازن جلد اول ص٥٠٤)

قول باری تعالے یا ایهاالذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه یعنی تم مدعیان ای
میں سے جو شخص بھی دینِ اسلام سے منحرف ہو کر سابقہ کفریہ نظریہ کی طرف پھر گیا تو اللہ تعالےٰ
پر ایسی قوم مسلط کرے گا جن سے وہ محبت رکھتا ہوگا اور وہ قوم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتی ہوگی ا
اللہ تعالےٰ انکے اعمال کو پسند فرماتا ہوگا اور ان کی بدولت ان کی مدح وثنا فرماتا ہوگا اور وہ لوگ
تعالےٰ کی اطاعت کرتے ہوں گے اور اس کی رضا اور خوشنودی کو ترجیح دیتے ہوں گے۔

بیانِ فوائد:

(۱) اس آیتِ کریمہ میں نبی الانبیاء ﷺ کی حقانیتِ نبوت اور صداقتِ رسالت کی دل
ہے جب کہ آپ نے اہلِ ایمان کو ایسے امر کی خبر دی جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا پس وہ ا
طرح وقوع پذیر ہو گیا جیسے کہ آپ نے خبر دی تھی۔

(۲) اس آیتِ کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برحق خلیفہ ہونے کی
دلیل ہے کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین کے خلاف جہاد فرمایا۔

(۳) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت ہی حضرت سیدنا فارو
اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق اور عنداللہ پسندیدہ وموعود ہونے کی دلیل ہے (جس م
ایک لمحے کے لیے بھی توقف وتردد نہ ہوا بلکہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ا

صدیق اگر لفافہ میں ملفوف و مستور آرڈر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے تو اس لفافہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں ورنہ نہیں تو آپ نے فرمایا انہیں کے متعلق میں نے حکم خلافت جاری کیا ہے

(۶) مفسر جلیل علامہ خازن کا فرمان:

تفسیر الخازن کے مصنف الامام العلامہ محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد بن ابراهیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن فرماتے ہیں:

یعنی من یرجع منکم من دینه الحق الذی هو علیه وهو دین الاسلام فیبدله ویغیره بدخوله فی الکفر بعد الایمان فیختارا ما الیهودیة أو النصرانیة أوغیر ذالك من أصناف الکفر فلن یضر الله شیئا وانما ضر نفسه برجوعه عن الدین الصحیح الذی هو دین الاسلام قال الحسن رحمه الله تعالیٰ علم الله تعالیٰ أن قوماً سیرجعون عن دین الاسلام بعد موت نبیهم ﷺ فاخبر أنه سیأتی بقوم یحبهم ویحبونه ۔

یعنی تم میں سے جو شخص دینِ حق دینِ اسلام سے برگشتہ ہو گا جس پر اب ہے پس اپنے دین میں تغیر و تبدل پیدا کرے گا ایمان کے بعد کفر میں داخل ہونے کی بناء پر، پس یہودیت نصرانیت یا دیگر اصنافِ کفر میں سے کسی کو اختیار کرے گا تو وہ شخص ہرگز ذرہ بھر ضرر و نقصان اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچا سکے گا اور اس نے دینِ اسلام سے پھر کر صرف اور صرف اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچایا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ اہل ایمان میں سے ایک گروہ اپنے نبی برحق ﷺ کے وصال شریف کے بعد دینِ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خبر دے دی کہ میں ان کے قلع قمع کے لیے ایسی قوم ان کے سروں پر لاؤں گا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہوں گے اور اس سے محبت رکھنے والے

بھی ہوں گے۔

اختلف العلماء فی المعنی بقوله تعالے فسوف یاتی الله بقوم یحبھم ویحبونه فقال علی کرم الله وجھه والحسن والقتادة أنھم أبوبکر وقومه رضی الله عنھم الذین قاتلوا أھل الردة ومانعی الزکوٰة الخ (الحلد الاول ص ٥٠٤)

علمائے کرام اور مفسرینِ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آیتِ کریمہ میں مذکور صفات کمال اور اخلاقِ عالیہ اور بلند و بالا سیرت و کردار کے موصوفین کون خوش نصیب ہیں؟ تو مولا مرتضٰی حضرت علی شیرِ خدا اور حضرت حسن بصری اور قتادہ کے نزدیک وہ اعلٰی مرتبہ و مقام والی قو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم اور مصاحب اور ہم نوا لوگ ہیں جنہوں مرتدین اور زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف جہاد و قتال فرمایا (تا) جب بالعموم عرب میں ارتداد کی دوڑ گئی ماسوائے اہلِ مدینہ، اہلِ مکہ اور اہلِ بحرین کے کیونکہ یہ لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے اللہ تعالےٰ نے ان کے ذریعے دینِ اسلام کی امداد و نصرت فرمائی اور جب مرتد ہونے والے ہو گئے اور بعض نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دیا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان خلاف قتال کا ارادہ مصمم کر لیا اور اصحابِ رسول ﷺ میں سے بعض نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف اس حرب و قتال کو پسند نہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ ان کے خلاف اس قد انتہائی قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں جبکہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے:

أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الاالله

”مجھے اس امر کا مامور ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں یہاں تک کہ لاالہ الااللہ کہہ لیں، فمن قالھا فقد عصم منی ماله ودمه الا بحقه وحسابه علی الله۔“ لہذا جس نے یہ کلمہ توحید کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور خون کو محفوظ کر لیا ماسوا حق اسلام کے اور اس کا حساب قلب اور محاسبۂ باطن اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے“

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں ہر اس شخص کے خلاف حرب وقتال سے کام لوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفرقہ اور امتیاز برتا، کیونکہ زکوٰۃ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے (جیسے کہ بدن میں نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ دونوں حق اسلام میں داخل ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کے قول واقرار سے مراد ہے اس کے حقوق لازمہ سمیت اس کا اقرار واعتراف کرنا) بخدا اگر وہ (بالفرض) بکری کا بچہ یا زکوٰۃ کے جانور کا رسہ جو رسول گرامی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے تھے تو اس کے روکنے پر بھی ان کے خلاف حرب وقتال کروں گا۔

حضرت انس بن مالک انصاری خادمِ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کو پسند نہ کیا اور کہا وہ اہل قبلہ ہیں (اور ہمارا ان کے خلاف جہاد جائز نہیں ہے) فتقلد أبو بكر سيفه وخرج وحده فلم يجدوا بُدًّا من الخروج على أثره

"تو حضرتِ صدیقِ اکبر اکیلے تلوار کا قلادہ بنائے ہوئے ان منکرین ومرتدین کے خلاف جہاد وقتال کے لیے نکل پڑے تو صحابۂ کرام کے لیے ان کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كرهنا ذالك في الابتداء ثم حمدناه عليه في الانتهاء

"ہم نے ابتداء میں تو اس اقدام کو پسند نہ کیا لیکن آخر کار اس پر حضرت صدیق کے مدح خوان اور شکرگزار بن گئے"

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں:

سمعت أبا حصين يقول ما ولد بعد النبيين أفضل من أبي بكر لقد قام مقام نبي من الأنبياء في قتال أهل الردة

میں نے حضرت ابوحصین کو فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی بچہ پیدا

نہیں ہوا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو (بلکہ ان کے مساوی ہو) البتہ تحقیق وہ انبیا
کرام علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی نبی کے قائم مقام ٹھہرے مرتدین کے خلاف جہاد کرنے میں

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

توفی رسول اللّٰہ ﷺ وارتدت العرب واشرأب النفاق ونزل بأبی بکر
مالونزل بالجبال الراسیات لہا ضہا

"نبی رحمت ﷺ کا وصال شریف ہو گیا اور اہل عرب بالعموم ارتداد کا شکار ہو گئے اور
لوگوں کے رگ و پے میں نفاق سرایت کر گیا اور حضرت ابو بکر صدیق پر حوادث اور مصائب اس
قدر وافر مقدار میں ٹوٹ پڑے اور ایسے آفات سے دوچار ہو گئے کہ بلند و بالا چوٹیوں اور راسخ
بنیادوں والے پہاڑ بھی ان کے متحمل نہ ہو سکتے بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے"

بعث أبوبکر الصدیق خالد بن الولید فی جیش کثیر الی بنی حنیفہ
بالیمامۃ وھم قوم مسیلمۃ الکذاب فأھلک اللّٰہ المسیلمۃ علی ید وحشی غلام
مطعم بن عدی الذی قتل حمزۃ رضی اللّٰہ عنہ فکان وحشی یقول قتلت خیر الناس
فی الجاھلیۃ وأشر الناس فی الاسلام۔

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن الولید سیف اللّٰہ کو کثیر
التعداد لشکر دے کر بنو حنیفہ کے خلاف کاروائی کے لیے یمامہ کی طرف روانہ کیا جو کہ اس مسیلمہ
کذاب کی قوم تھی تو اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو مطعم بن عدی کے غلام وحشی کے ہاتھوں ہلاک فرمایا تو
وحشی کہا کرتا تھا کہ "میں نے اپنی جاہلیت کے دور میں سب سے بہترین شخصیت کو شہید کیا اور
اسلام لانے کے بعد بدترین شخص کو ہلاک کیا"

(۷) حضرت شیخ علامہ عارف باللہ احمد صاوی کا ارشاد:

مرتد قبائل کی تفصیل اور انجام کار:

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی ظاہری زندگی میں تین قبائل بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہوگئے:

اول:

بنو مدلج جن کا رئیس اور مقتداء اسود عنسی تھا جو کہ کاہن تھا اور اس نے نبوت کا دعوی کردیا یمن کے علاقہ میں اور ان شہروں پر مسلط ہوگیا، اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عمال اور نائبین کو وہاں سے نکال دیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لکھا اور یمن کے سرداروں کو آرڈر دیا کہ وہ اس کے خلاف حرب وقتال کا بازار گرم کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس کذاب کو حضرت فیروز دیلمی کے ہاتھوں ہلاک فرمایا اور انہوں نے شب خون مار کر اس کو جہنم واصل کیا فاخبر رسول اللہ ﷺ بقتله ليلة قتله فسر المسلمون بذالك الخ۔

"رسول معظم ﷺ نے اس کے قتل ہوجانے کی اسی رات معجزانہ طور پر خبر دے دی تو اس مژدہ سے اہل اسلام کو بہت مسرت ہوئی"

اگلے دن نبی محتشم ﷺ راہی ملکِ بقاء ہوگئے اور ربیع الاول کے آخر میں اس کے قتل کی خبر بذریعہ قاصد پہنچی۔

دوم:

بنو حنیفہ جو کہ مسیلمہ کذاب کی قوم تھی، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا کی طرف خط لکھا:

من مسيلمة رسول الله أما بعد فان الارض نصفها لي و نصفها لك

''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے، امابعد: زمین آدھی میری ہے اور آدھی تمہاری ہے''

(لہٰذا میرا حصہ میرے حوالے ہونا چاہیے)

تو محبوبِ کریم علیہ السلام نے اس کی طرف اس مضمون کا خط بھجوایا:

من محمد رسول اللّٰہ الی مسلیمۃ الکذاب أمابعد :

''زمین ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اپنے بندوں میں سے اور حسنِ عاقبت متقین کے لیے ہے''

یہ کذاب حضرتِ صدیقِ اکبر کے دورِ خلافت میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا اور وہ کہا کرتا تھا میں نے اپنے دورِ جاہلیت میں خیر الناس کو شہید کیا اور اپنے دورِ اسلام میں شر الناس کو جہنم واصل کیا''

سوم:

بنو اسد جو کہ طلحہ بن خویلد کا قبیلہ تھا اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف حضرت خالد سیف اللہ کو امیرِ لشکر بنا کر بھیجا، قتال کے بعد شکست کھا کر میدان کارزار سے شام کی طرف بھاگ نکلا بعد ازاں حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور مخلص مسلمان بن گیا۔

سات قبائل:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سات قبائل ارتداد کی لپیٹ میں آئے:

(ا) بنو فزارہ عیینہ بن حصن فزاری کی قوم

(ب) غطفان قرہ بن مسلمہ قشیری کی قوم

(ج،د) بنو سلیم اور بنو یربوع مالك بن بریدہ یر بوعی کی قوم

(ہ،و) بعض بنو تمیم اور بنو کندہ اشعث بن قیس کندی کی قوم

(ی) بنو بکر بن وائل۔

فکفی اللّٰہ أمرھم علی ید أبی بکرن الصدیق حین خرج لقتالھم حیث منعوا الزکوۃ فکرہ ذالك الصحابۃ وقالواھم أھل القبلۃ کیف نقاتلھم فتقلد أبو بکر سیفہ وخرج وحدہ فلم یجدوا بُدًّا من الخروج علی اثرہ فقال ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ کرھناذالك فی الابتداء وحمدناہ فی الانتھاء وقال بعض الصحابۃ ما ولد بعد النبیین أفضل من أبی بکر لقد قام مقام نبی من الأنبیاء فی قتال أھل الردۃ والفرقۃ التی ارتدت فی زمن عمر بن خطاب رضی اللّٰہ عنہ ھم غسان فکفی اللّٰہ أمرھم علی ید عمر رضی اللّٰہ عنہ۔ (جلد اول ص ۲۰۲)

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان قبائل کے معاملہ کا حضرت صدیق اکبر کے ہاتھوں استیصال فرمایا، جب ان کے خلاف حرب وقتال کے لیے نکلے، وہ زکوۃ دینے سے انکاری ہوگئے تھے تو صحابہ کرام نے اس اقدام کو ناپسند کیا اور کہا وہ اہل قبلہ ہیں ہم ان کے خلاف کیسے جہاد کریں؟ تو حضرتِ صدیق نے تلوار حمائل کی اور اکیلے ان مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے چل پڑے تو ان (صحابہ) کے لیے ان کے پیچھے جہاد کے لیے نکلنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس اقدام کو آغازِ کار میں تو ناپسند کیا لیکن انجام کار اس اقدام کو اور اس کے قائد کو قابل صد ستائش اور لائق صد آفرین سمجھا۔ اور بعض صحابۂ کرام نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے بعد ابو بکر صدیق جیسا کوئی بیٹا کسی ماں نے نہیں جنا وہ اھل ردۃ کے خلاف جہاد وقتال میں ایک عظیم نبی جیسا کارنامہ سرانجام دے گئے۔ اور وہ فرقہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ارتداد کا شکار ہوا وہ قبیلہ غسان تھا اللہ

تعالیٰ نے ان کے اس فتنہ کو حضرت فاروق اعظم کے ہاتھوں نیست و نابود فرمایا۔

والأقرب أن الآية عامة لأصحاب رسول الله ﷺ ومن كان على قدمهم الى يوم القيامة بقرينة التسويف (صاوی جلد اول ص ۲۰۱)

''صواب اور حق کے قریب تر یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی شامل ہے اور ہر اس شخص کو جو قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلے گا جس کا قرینہ سوف کا لفظ ہے جو مستقبل بعید کو بھی شامل ہے (جیسے کہ فاء کا لفظ اتصالِ زمان پر دال ہے) لیکن الفضل للمتقدم کے تحت اور من سن فی الاسلام سنة حسنة کے تحت یہ سب کریڈٹ حضرت صدیق اکبر کو ملے گا اور اس حرب و قتال میں وہ سب کے امام و مقتداء اور متبوع و پیشوا ثابت ہونگے، لہذا انکی افضلیت واضح ہوگئی۔

فائدہ عظیمہ:

صرف حضرت صدیق جہاد و قتال پر مصر تھے جبکہ سب صحابہ اس قدام کے خلاف تھے مگر آپ کے حرب و قتال کے لیے تیار ہو کر چل پڑنے پر اپنے اجتہاد اور علمی دقیقہ سنجیوں کو آپ کے فیصلہ پر قربان کر دیا اور صرف متفق اور مجتمع ہو کر اس ایک ہستی کو روکا نہیں اور واپس پلٹنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کی اقتداء و اتباع اور اطاعت و امتثال کو اپنے اوپر لازم سمجھا جس سے حضرت صدیق اکبر کی شخصیت کی عظمت اور افضلیت بھی واضح ہوگئی اور ان کا علم میں فائق اور بلند تر مقام پر فائز ہونا بھی واضح ہو گیا اور بالآخر سب کو وہی مصلحت و حکمت سمجھ آ گئی جو آپ کے پیش نظر تھی اور اول نظر و فکر میں جہاں آپ کی عقل رسا پہنچی تھی، نیز آپ کی شجاعت و بسالت اور جرءت و دلیری بھی مہر نیم روز کی طرح واضح ہوگئی۔ کہاں ہیں مولائے مرتضیٰ شیر خدا اسد اللہ الغالب کو تقیہ کا مرتکب ٹھہرانے والے اور صحابہ کرام کے ساتھ چھوڑ جانے کے ڈر سے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کا الزام لگانے والے اور ان کی مرضی کی بات زبان پر اور ان کا پسندیدہ عمل اپنانے کا الزام عائد

کرنے والے کہ لشکری چھوڑ نہ جائیں اور میں اکیلا نہ رہ جاؤں لہذا ایک ظاہری اسلام اور دوسرا باطنی اسلام جاری کردوں، سبحانك هذا بهتان عظيم ولعنة الله على الكاذبين ـ

نیز سنی نما شیعہ مجتہدین کو بھی یہاں ایمان کی نظر سے مشاہدہ کرنا چاہیے کہ ان فضائل واختصاصات کی بنا پر خلافت کا منصب آپ کو سونپا گیا یا خلافت وحکومت کی وجہ سے یہ اعزاز وامتیاز آپ کو حاصل ہوا؟ الآن حصحص الحق وبان وانمحق الكفر ومان والحمدلله على ذالك ـ

افضلیتِ صدیقِ اکبر کی ساتویں قرآنی دلیل

الآیة السابعة:

قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖن
وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی
بِاللّٰہِ عَلِیْمًا۔ (سورۃ النساء،69,70:4)

''اور جو لوگ اللہ تعالےٰ اور رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کریں گے تو وہ ان حضرات
کی معیت میں ہوں گے (روحانی طور پر) جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیائے
کرام علیہم السلام، صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ اور وہ سبھی بہت اچھے رفیق
ہیں وہ فضل عظیم اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالےٰ کافی ہے از روئے علیم ہونے
کے۔ (ان کے ظواہر و بواطن اور ان کے لائقِ اجور و مثوبات ہونے کا)

اقول:

یہ کلماتِ قدسیہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئے جن کے دلوں میں محبوب کریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عشق کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے آپ کے چہرۂ
والضحیٰ کے دیدار سے محرومی ان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی تھی اور جب وہ اس صورت
حال کا تصور کرتے جو سرورِ عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد اور اس شمع نبوت کے پروانوں کی
وفات کے بعد پیش آنے والی تھی کہ حبیبِ کریم علیہ السلام جنت کے کس قدر بلند و بالا مرتبہ اور

مقام میں ہوں گے اور ہم بھی بخشے گئے تو کہیں جنت کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور اتنے عظیم فاصلوں اور مختلف حجابات و موانع کے ہوتے ہوئے جب دولت دیدار سے محروم رہے تو وہ جنت ہمارے کس کام؟ بلکہ دوزخ کی مانند بلکہ عام دوزخ سے بھی رنج و الم اور عذاب و عقاب میں ہزاروں گنا بڑی ثابت ہوگی اور اپنی اس حسرت و یاس اور حرمان نصیبی کا بارگاہ رحمۃ للعالمین میں اظہار کرتے تو اللہ رحمٰن و رحیم نے ان کے درد کے درماں بلکہ ان کی مسرت و شادمانی اور فرحت و سرور کا سامان مہیا کرتے ہوئے اور ان کے اطمینان قلب اور تسکین روح کا انتظام اور بندوبست کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ اور رسول خدا کی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری سے کام لینے والوں کو اس لطف و کرم سے نوازوں گا کہ ان کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی ان انعام یافتہ ہستیوں کی روحانی معیت کا شرف بخشوں گا جب چاہو گے ان کا دیدار بھی کر سکو گے اور صرف دور دراز مسافت سے نہیں بلکہ ان کی مقدس بارگاہ میں حاضر ہو کر بھی اور صرف اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت ہی نصیب نہیں ہوگی بلکہ ان کے طفیل اور تصدق میں تمام انبیاء و رسل علیہم السلام صدیقین و شہداء اور صالحین کی روحانی معیت بھی عطا کروں گا اور وہ بہت بڑے شفقت و رحمت سے پیش آنے والے مصاحب و رفیق ہیں اور تمہیں یہ فضیلت بخشنا یا ان مقدس ہستیوں کو یہ اعزازات و امتیازات عطا کرنا اللہ جل و علیٰ کا فضل عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے از روئے علیم ہونے کے۔

وجہ استدلال:

بطور اجمال یہ کہ باری تعالیٰ نے ان انعام یافتہ حضرات کو بطور عطف ذکر کیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے مصداق جدا جدا ہیں کیونکہ یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام باقی حضرات سے الگ ہیں تو لامحالہ ان میں بھی تغایر ہونا چاہیے، جبکہ فی حد ذاتہ انعام یافتہ ہونے میں شریک بھی ہیں تو جس طرح انبیاء علیہم السلام پہ جو اللہ کریم کا انعام ہے اس کی برابری تینوں فریق مل کر بھی نہیں کر سکتے اسی طرح صدیقین کی

برابری اور مساوات شہداء کی رسائی سے بالاتر ہے اور عام صالحین کی رسائی شہداء کرام کے مرتبہ ومقام تک مشکل ہے۔ پھر صدیقین سابقہ امتوں میں بھی تھے اور اس امت میں بھی بجثیرے ہیں، کما قال تعالی: وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (الحدید، 19:57) اور کیوں نہ ہوں جب کہ یہ امت سب انبیائے کرام کی امم سے افضل واعلیٰ اور خیر وبرتر ہے کما قال تعالیٰ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران، 110:3) اور یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے اور مستغنی از بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امتِ محمدیہ کے صدیق اکبر ہیں تو سب امم ومِلَل کے صدیقین سے بھی آپ صدیق اکبر ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں جہاں بھی انبیاء اور دیگر مقبولان بارگاہِ اقدس کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے متصل بعد صدیقین کا ذکر ہی فرمایا ہے تو جس طرح انبیاء کرام کی سب مقبولان خداوند تعالیٰ پر فوقیت وبرتری ثابت ہوئی اسی طرح صدیقین کی دوسرے طبقات والے حضرات پر رفعت اور بلندی مرتبت ثابت ہوئی اور سب صدیقین پر اس صدیق اکبر کی سبقت اور تقدم ثابت ہوگیا جبکہ اہلِ سنت کا نظریہ وعقیدہ ہے أفضل البشر بعد الأنبياء أبو بكر ن الصديق (الخ) شمع رسالت کے وہ پروانے جو دنیا میں چند لمحات کے لیے چہرہ والضحیٰ کے آنکھوں سے اوجھل ہونے پر صبر وقرار کا دامن ہاتھوں سے چھوڑ بیٹھتے تھے اور سراپا اضطراب وسرگردانی بن جاتے تھے جب آخرت میں آپ کے درجات کی رفعت وبلندی اور اپنے درجات ومقامات کی پستی اور درمیانی طویل ترین فاصلوں اور مسافتوں اور حائل ہونے والے حجابات وموانع کا تصور کرتے تو مرنے سے پہلے مرنے کی حالت کو پہنچ جاتے تھے تو ان کو مژدہ بشارت سناتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل کی گئی تھی کہ مطمئن رہو محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دیدار اور زیارت میں تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی بھی ان کے عشق، پیار کا صدقہ تمہیں ان مقامات عالیہ پر پہنچا کر دیدار کرایا جائے گا اور بھی وہ

ازروئے ذرہ پروری اپنے ارفع ترین مقام سے تنزل فرما کر تمہیں اپنی اپنی منازل میں دیدار سے مشرف فرمادیں گے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ سب انبیاء علیہم السلام کے دیدار کا مژدہ بھی سنا دیا گیا اور صدیقین و شہداء اور صالحین کی زیارت کی بشارت بھی عطا کردی گئی اس آیتِ کریمہ سے ان چار اصناف کے مراتب کی رفعت و بلندی پر بھی تنبیہ ہوگئی اور ان حضرات کے شوق و ذوق کی تکمیل و تتمیم بھی اتم و اکمل طریقہ پر کیے جانے کا مژدہ عظمیٰ بھی ان کو سنا دیا گیا کہ صرف رسول معظم ﷺ کا ہی نہیں بلکہ سب انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء و صالحین کے دیدار سے بھی تمہارے دلوں کو سکون و قرار بخشا جائے گا اور تمہاری آنکھوں کو ان کے انوار سے منور کیا جائے گا۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح اطاعتِ خداوندی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں یہ تینوں اصناف بھی اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ مصطفوی کے اعلیٰ و ارفع مراتب پر درجہ بدرجہ فائز ہیں اور عام مطیعین ان کے مدارج و معارج کی قطعاً برابری نہیں کرسکتے بلکہ ان کے دیدار کو غنیمت اور نعمتِ عظمیٰ سمجھیں گے۔

تنبیہ:

رسولِ گرامی ﷺ کے عاشقانِ زار کی طمانیتِ قلب اور تسکینِ روح کا سامان تو ان حضرات کی معیت کا مژدہ سنا کر کردیا گیا تو جن حضرات کا انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام کے ساتھ بطور شرکاء انعام ذکر کیا گیا ہے ان کے درجات و مراتب کا عالم کیا ہوگا؟ خصوصاً صدیقین کا اور پھر ان کے سردار اور مقتداء و پیشوا صدیق اکبر کا مرتبہ و مقام کس قدر بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہوگا؟

مرتبۂ صدیقیت کا مفصل بیان، از فخر المفسرین حضرت امام رازی:

الصدیق اسم لمن عادتہ الصدق (الخ) یعنی صدیق ہر اس ہستی کا لقب خاص ہے

جس کی عادتِ عالیہ صدق ہو" اور جس سے عادتِ غالبہ کے طور پر کوئی فعل صادر ہوتا ہو تو جب
اس کے ساتھ موصوف کیا جائے گا تو فـــعیـــل کے صیغہ سے تعبیر کیا جائے گا جس طرح
سکیر ،شریب اور خمیر کہا جاتا ہے ان کو جن پر سکر ،شربِ خمر اور شراب کا خمار غالب
رہتا ہو تو صدق صفتِ کریمہ فاضلہ ہے صفاتِ مومنین میں سے ،اور صدق کی فضیلت میں یہی قد
کافی ہے کہ ایمان صرف اور صرف تصدیق کا نام ہے اور کذب کی مذمت کے لیے یہی قدر کا
ہے کہ کفر تکذیب ہی کا نام ہے، جب یہ معلوم ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ مفسرین کرام نے صدیق
کے معنیٰ ومفہوم میں کئی وجوہ ذکر فرمائے ہیں:

اول: ان كل من صدق بكل الدين لا يتخالجه فيه شك فهو صديق الخ

"ہر وہ شخص جو مکمل دین کی تصدیق کرے اور اسے اس میں ذرہ بھر شک وتردد درپیش
ہو سکے تو وہ صدیق ہے" اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

وَالَّـذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ(الحديد، 19:57) "اور
لوگ ایمان لائے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسل کرام پر وہی لوگ ہی صدیقین ہیں"

ثانی:

قـال قوم : أفاضل أصحاب النبی ﷺ "علمائے اعلام کی ایک قوم کا کہنا ہے کہ ان
سے مراد اصحابِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام میں سے افضل ترین حضرات صحابہ
ہیں،رضی اللّٰہ عنہم ۔"

ثالث:

ان الصديق اسم لمن سبق الى تصديق الرسول عليه الصلوة والسلام فصار
فی ذالك قدوة لسائرالناس واذا كان الأمر كذالك كان أبوبكرن الصديق رضی اللّٰه

عنه أولى الخلق بهذا الوصف الخ۔

"صدیق نام ہے اس شخص کا جو رسول گرامی علیہ السلام کی تصدیق میں سبقت لے گیا ہو اور دوسرے لوگوں کے لیے قائد اور رہبر بن گیا ہو اور جب صدیق کا معنیٰ ومفہوم یہ ہے تو حضرت ابوبکر سب مخلوق سے اس لقب وامتیازی وصف کے زیادہ لائق اور سزاوار ہیں۔

تصدیقِ رسول علیہ السلام کی طرف سب پر سبقت کی دلیل رسول مکرم ﷺ سے بطور شہرت ثابت یہ روایت ہے ماعرضت الاسلام على أحد الاوله كبوة فيه غير أبي بكر فانه لم يتلعثم "میں نے جس شخص پر اسلام کو پیش کیا اس نے پس وپیش سے کام لیا سوائے ابوبکر صدیق کے انہوں نے ذرہ بھر تردد وتوقف سے کام نہیں لیا"

اگر فرض کریں ان کا اسلام کسی دوسرے مسلمان سے متاخر ہے تو پھر یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا کہ یہ کوتاہی العیاذ باللہ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے پائی گئی کہ آپ نے ان پر اسلام پیش کرنے میں تاخیر فرمادی تو یہ نقص اور عیب ابوبکر صدیق کی طرف راجع نہیں ہوسکتا بل يكون قدحافي الرسول وذالك كفر۔ بلکہ رسول معظم ﷺ میں یہ نقص اور عیب لازم آئے گا جبکہ ایسا کہنا بلکہ سوچنا بھی کفر ہے لہذا ان دونوں امور سے مجموعی طور پر حضرت ابوبکر صدیق کا سب لوگوں سے اسلام لانے میں سابق اور متقدم ہونا واضح طور پر ثابت ہوگیا۔

حضرت صدیق کا اسلام اہل اسلام کے لیے قائد ومقتداء:

اس امر کی دلیل صادق اور برہان ناطق یہ ہے کہ حضرت صدیق دوسرے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، تاجر پیشہ تھے لوگوں پر ان کے احسانات تھے اور وہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے کراتے تھے، امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے اور صدق وامانت میں معروفِ زمانہ تھے اور عمر بھی اڑتیس (38) سال کے قریب تھی، جب کہ آپ سیدِ عالم ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہوئے تو ایسے شخص کا آپ پر ایمان لانا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا لامحالہ دوسرے لوگوں

کی اسلام میں رغبت اور نبی مکرم ﷺ کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی ترغیب وتشویق کا موجب ہوگا۔ اس کے برعکس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آپ پر اسلام لانے میں (تین دن کی) سبقت تسلیم بھی کرلی جائے تو بلاریب و تردد وہ لوگوں کے لیے قائدوراہنما اور قابل تقلید مثال ونمونہ نہیں بن سکتے تھے جس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) وہ چھوٹے بچے تھے بقول بعض سات سال کے بقول بعض آٹھ سال اور بقول بعض دس سال کے تھے۔

(۲) آپ اس وقت نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہاں زیر تربیت تھے (کیونکہ جناب ابوطالب مالی پریشانی میں مبتلا ہو چکے تھے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کی ان کی امداد واعانت کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ ان کا ایک بیٹا تم سنبھال لو دوسرا میں سنبھال لیتا ہوں تاکہ ان کا بوجھ قدرے ہلکا ہو جائے تو حضرت جعفر کو انہوں نے تربیت میں لے لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے، تو جو صغیرسن بچہ آپ کے دسترخوان پر پل رہا تھا اس کا آپ کی نبوت پر ایمان لانا لوگوں کے لیے کسی کشش کا موجب نہیں ہوسکتا تھا۔

(۳) نیز نسبی لحاظ سے آپ کے ساتھ ان کا قریبی تعلق تھا اور بہت اعلیٰ درجہ کا قریبی تعلق تھا یعنی چھوٹے بھائیوں کی مانند تھے تو اس وجہ سے بھی لوگوں کے لیے ترغیب وتشویق کا کوئی خاص اہم پہلو نہیں تھا۔

لامحالہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا لوگوں کے لیے اسلام میں رغبت اور نبی مکرم ﷺ کے دعوائے نبوت کی تصدیق پر آمادگی کا موجب وباعث بنا اور پھر آپ نے تبلیغ اسلام اور اشاعتِ احکام رسالت میں بھی بھرپور حصہ لینا شروع کردیا اور اس معاملہ میں بھی آپ ثانی اثنین بن گئے اور چند دنوں میں قبائل قریش میں سے اکابر حضرات کو اپنی تبلیغ کے ذریعے اسلام کی چوکھٹ پر جھکا دیا اور نبی رحمت ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل کرا دیا جیسے کہ حضرت عثمان

ذوالنورین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم۔ تو آپ کا اسلام لانا ان اکابر کے اسلام لانے کا موجب بن گیا۔

فثبت لمجموع ما ذکرنا أنه رضی اللہ عنه کان أسبق الناس اسلاماً وان ثبوت اسلامه صار سببًا لاسلام هولاء الأکابر وسببًا لاقتداء هم به فی الاسلام فثبت أن أحق الناس بهذہ الصفة أبوبکر رضی اللہ عنه۔

(تفسیر کبیر جلد ٤ ص ١٣٤)

"ہمارے اس مجموعی کلام سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر از روئے اسلام لانے کے بھی سب سے سابق ومتقدم تھے نیز ان کا اسلام لانا ان اکابرین کے اسلام لانے کا موجب بھی بن گیا اوران کی اسلام میں آپ کی اقتداء واتباع کا موجب بن گیا لہذا ثابت ہو گیا کہ اس صفت صدیقیت کے سب لوگوں سے زیادہ حق دار حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں"

حضرت ابوبکر أفضل الخلق بعد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب آپ کا أسبق الناس ہونا از روئے اسلام اور قدوۂ اہل اسلام ہونا ثابت ہو چکا تو اب یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد أفضل الخلق ہیں جس کا بیان دو وجہ سے ہے:

وجہ اول:

جب آپ کا اسلام سب سے سابق اور مقدم ہے تو لازم ٹھہرا کہ آپ کا اجر وثواب سب سے زیادہ ہو کیونکہ ارشادِ نبوی ہے: من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله أجرها وأجر من عمل بها الی یوم القیامة "جس نے اسلام میں اچھا طریقہ قائم کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں کے تا قیام قیامت اجر وثواب کی مثل بھی اجر وثواب ملے گا"

وجہ دوم:

انہوں نے اسلام لانے کے بعد اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کیا اور ان کا جہاد اکا
صحابہ کے ایمان لانے کا موجب بن گیا مانند حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن
ابی وقاص وعثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کے۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
جہاد فرمایا (بدر میں) احد اور احزاب میں کفار کے قتل کی صورت میں، لیکن ابوبکر صدیق کے جہ
نے ایسے اکابر اور اعیان صحابہ کو مشرف باسلام کیا اور یقیناً یہ جہاد قتل کفار سے افضل ہے۔

نیز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں جہاد فرمایا کہ اسلام ضعف و ناتو
سے دوچار تھا اور نبی مکرم بھی معاونین و مددگاروں کی قلت سے دوچار تھے اور شیر خدا رضی اللہ ع
نے جب جہاد شروع فرمایا تو اسلام نسبتاً مضبوط و توانا تھا اور نبی مکرم ﷺ کے معاون و مددگ
بھی کافی تعداد میں تھے، ومعلوم أن الجهاد وقت الضعف أفضل من الجهاد وق
القوة ''اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ ضعف و ناتوانی کی حالت میں جہاد کرنا بہت افضل ہے قو
و توانائی کی حالت میں جہاد کرنے سے'' اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِي
اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا۔ (سورہ حدید، 10:57)

''تم میں سے وہ لوگ درجہ و مرتبہ میں برابر نہیں ہو سکتے ان کے ساتھ جنہوں نے
سے قبل مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور قتال و محاربہ کیا وہ عظیم ترین از روئے درجہ کے ا
سے جو فتح کے بعد انفاق مال اور حرب و قتال میں حصہ دار بنے''

اس آیت کریمہ نے واضح فرمادیا اسلام کے ضعف کے وقت اس کی امداد و نصرت عظ
تر ثواب کی موجب ہے قوت و توانائی کی حالت میں امداد و نصرت سے لہٰذا ہمارے اس بیا
سے واضح ہو گیا کہ سب لوگوں کی نسبت حضرت صدیق اس وصف کے ساتھ اتصاف کے زیا
حق دار ہیں، ولهذا أجمع المسلمون على تسليم هذا اللقب له الامن لا يلتفت ال

فانہ ینکرہ "اسی لیے اہل اسلام کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ یہ لقب حضرت ابوبکر کے لیے مسلم بلکہ واجب التسلیم ہے سوائے ایسے لوگوں کے جن کی ذاتیں بھی اور اقوال بھی نا قابل التفات ہیں تو وہ آپ کے اس لقب کے منکر ہیں"

صدیقیت بعد از رسالت ارفع ترین مرتبہ ہے:

ہم نے جو صدیق کی تفسیر ذکر کی ہے وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبوت کے بعد اگر کوئی بلند تر مرتبہ ہے فضل وشرف اور علم وحکمت میں تو وہ ہے مسلمان کا منصب صدیقیت پر فائز ہونا۔ نیز جس طرح سابقہ تقریر اس پر دلالت کرتی ہے کلام مجید کا اسلوب بیان بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جہاں بھی نبی اور صدیق والے درجوں کا ذکر کیا گیا تو ان کے درمیان کوئی واسطہ اور فاصل امر ذکر نہیں کیا گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں فرمایا، اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم، 54:19) اور حضرت ادریس علیہ السلام کے حق میں فرمایا : اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (مریم، 56:19) اور اس آیت کریمہ میں بھی فرمایا: مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ (النساء، 69:4) یعنی صدیقیت کے درمیان کوئی واسطہ ہی نہیں ہے دوسری آیت کریمہ میں فرمان باری تعالےٰ: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ (الزمر، 33:39) تو اس میں رسول صدق اور انکے مصدق کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

فائدہ عظیمہ:

جس طرح ان دلائل کی رو سے نبوت وصدیقیت میں واسطہ اور امر متخلل نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس خیر امت والی صفت سے موصوف امت کو بھی یہ توفیق بخشی کی انہوں نے متفقہ طور پر وصال مصطفوی کے بعد بلا فصل امام وخلیفہ حضرت ابوبکر صدیق کو بنایا اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو امت مرحومہ نے متفقہ طور پر آپ کو پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کیا:

وما ذالك الا أن الله رفع الواسطة بين النبيين و الصديقين فى هذه الآية فلا جرم ارتفعت الواسطة بينهما فى الوجوه التى عددناها ۔

(تفسير كبير جلد ٤ ص ١٣٤، ١٣٥)

"اور اس اتصال و مقارنت کا سبب موجب صرف اور صرف یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صدیقین کے درمیان سے واسطہ اور امر متخلل کو اس آیت کریمہ میں سے اٹھا دیا تھا تو لامحالہ ان دو ہستیوں کے درمیان ان صورتوں میں بھی امر فارق و فاصل اٹھا دیا گیا"

(امام رازی کے بیان فرمودہ نکات اختتام کو پہنچے)

علامہ خازن کا ارشاد:

(2) امام علامہ علاء الدین علی بن محمد البغدادی المعروف بالخازن فرماتے ہیں:

الصديقون هم أتباع الرسل الذين اتبعوهم على مناهجهم بعدهم حتى لحقوا بهم۔ وقيل الصديق هو الذى صدق بكل الدين حتى لا يخالطه فيه شك والمراد بالصد يقين فى هذه الآية أفاضل أصحاب رسول الله ﷺ وعليهم وسلم كأبى بكر فانه هو الذى سمى بالصديق من هذه الأمة وهو أفضل أتباع الرسل عليهم السلام ۔ (جلد ١ ص ٤٠١)

"ارشادِ خداوند تعالیٰ میں انعام یافتہ حضرات میں دوسرے درجہ پر صدیقوں کا ذکر فرمایا گیا اور وہ رسل کرام کے ایسے متبعین ہیں جنہوں نے ان کے بعد ان کی راہ و روش اور سنت طریقہ پر عمل کیا حتی کہ ان کے ساتھ لاحق ہو گئے اور کہا گیا ہے کہ صدیق وہ ہے جو مکمل دین کی تصدیق کرے حتی کہ اس کو اس میں ذرہ بھر ریب و تردد درپیش نہ ہو، اور اس آیت کریمہ میں صدیقین سے اصحاب رسول علیہ السلام میں سے افاضل و اکابر حضرات مراد ہیں جیسے کہ حضرت

ابوبکر کیونکہ انہیں اس امت میں سے صدیق کا امتیازی نام دیا گیا ہے اور سب رسل کرام کے متبعین اور امتیوں سے افضل ہیں۔

أقول :

حضرت علامہ خازن کی تصریح کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق سب رسولوں کے متبعین سے افضل واعلیٰ ہیں جس سے اہل سنت کا عقیدہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

(3) حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

ذکر اللّٰہ سبحانہ وتعالے للذین أنعم اللّٰہ علیہم أربعۃ أصناف علی ترتیب منازلھم فی القرب وحث کافۃ الناس أن لا یتاخروا عنھم (الی) ثانیھم الصدیقون وھم المبالغون فی الصدق المتصفون بکمال متابعۃ الأنبیاء ظاھرًا وباطنًا المستغرقون فی کمالات النبوۃ والتحلیات الذاتیۃ الصرفۃ الدائمیۃ بلا حجاب بالوراثۃ والتبعیۃ۔ (جلد۲،ص ۱٦۱)

اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ حضرات کے چار انواع واصناف کا ان کے منازل قرب کی ترتیب کے مطابق ذکر فرمایا اور تمام لوگوں کو ان کی اتباع اور پیروی پر برانگیختہ کیا کہ ان سے پیچھے نہ رہ جائیں (تا) دوسرا صنف اور نوع ان میں سے صدیقین کا ہے اور یہ وہ حضرات ہیں جو صدق اور راست بازی میں انتہا کو پہنچنے والے ہیں۔ انبیائے کرام کی کمال متابعت کے ساتھ متصف ہیں ازروئے ظاہر کے بھی اور باطن کے بھی جسمانی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی اور کمالات نبوت میں مستغرق ہونے والے ہیں اور تجلیات ذاتیہ خالصہ دائمہ میں غرق ہونے والے ہیں بطور وراثت نبویہ وتبعیت کاملہ کے بلاحجاب وپردہ۔

أقول :

حضرت امام رازی اور علامہ خازن کی زبانی نظر نواز ہو چکا کہ ان سب صدیقین کے
مقتداء وپیشوا اور امام وراہنما اور صدیق اکبر کے لقب سے اولین ملقب حضرت ابوبکر ہیں تو
ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ مقام ہمارے وہم وگمان اور عقل وفراست اور فہم وکیاست سے
بالاتر ہے، خصوصاً فخر المفسرین کی نقل کردہ روایت، ما صبَّ اللّٰه فی صدری شیئًا ا
وقد صبّ فی صدر أبی بکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور حدیث قدسی: فواده الذی یعقل ب
مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو أفضل البشر بعد الأنبیاء علیهم السلام ورضی اللّٰه عنه تسل
کیے بغیر چارہ نہیں ہے، جیسا کہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ونظریہ ہے۔

امام بیضاوی کا فرمان:

(4) حضرت علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

قوله تعالی و من یطع اللّٰه والرسول فاولئك مع الذین انعم اللّٰه علیه
(الآیة) مزید ترغیب فی الطاعة بالوعد علیها مرافقة أکرم الخلائق وأعظمهم قدرًا م
النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین بیان للذین أو حال منه أو ضمیر علیه
۔قسمهم اربعة أقسام بحسب منازلهم فی العلم والعمل وحثّ کافة الناس أن ل
یتأخروا عنهم وهم الأنبیاء الفائزون بکمال العلم والعمل المتجاوزون حد الکمال
الی درجة التکمیل ثم الصدیقون الذین صعدت نفوسهم تارةً بمراقی النظر فی
الحجج والآیات وأخری بمعارج التصفیة والریاضات الی أوج العرفان حتی اطلعو
علی الأشیاء وأخبروا عنها علی ما هی علیها الخ۔

خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ اہل ایمان کو پہلے کئی طرح اطاعتِ خداوند تعالےٰ اور اطاعت

رسول ﷺ کی ترغیب دی پھر اس میں مزید تاکید پیدا کرتے ہوئے انہیں اس اطاعت کی صورت میں اکرم الخلائق اور عظیم القدر حضرات کی مرافقت کا وعدہ دیا یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی رفاقت ومعیت کا، ان مکرمین و معظمین کو چار اقسام پر تقسیم فرمایا باعتبار علم وعمل کے درجات کے اور دوسرے لوگوں کو ان کی اطاعت وپیروی پر برانگیختہ کیا کہ ان سے پیچھے نہ رہیں،

پہلا قسم:

انبیاء علیہم السلام ہیں جو کمال علم وعمل کے ساتھ فائز ہونے والے ہیں اور حد کمال سے تجاوز کرتے ہوئے حد تکمیل تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں۔

دوسرا قسم:

صدیقین کا ہے جن کے نفوس مقدسہ کبھی حجج وبراھین اور دلائل وآیات میں نظر وفکر کی سیڑھیوں کے ذریعے اور کبھی تصفیۂ باطن وتزکیہ ارواح اور مجاہدات وریاضات کی سیڑھیوں کے ذریعے عرفان کے بالاخانہ تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں حتی کہ وہ موجودات عالم پر مطلع ہو گئے اور ان کی صورت حال واقعی کے مشاہدہ کے بعد دوسرے لوگوں کو بھی ان حقائق سے مطلع اور آگاہ فرمایا۔ الخ(بیضاوی مع شیخ زادہ ج۳ص۳۰۸)

ولك أن تقول ان المنعم عليهم هم العارفون بالله وهولاء اما أن يكونوا بالغين درجة العيان أو واقفين في مقام الاستدلال و البرهان و الأولون اما أن ينالوا مع العيان القرب بحيث يكونون كمن يرى الشيئى قريبًا وهم الأنبياء عليهم الصلوة والسلام أولا فيكونون كمن يرى الشيئى من بعيد وهم الصديقون والآخرون اما أن يكونوا عرفانهم بالبراهين القاطعة وهم العلماء الراسخون الذين هم شهداء الله في أرضه واما أن يكون بامارات واقناعات تطمئن اليها معهم وهم الصالحون ـ

تیرے لیے یوں سمجھنے اور کہنے کی گنجائش موجود ہے کہ منعم علیہم حضرات عارف باللہ
مرتبہ ومقام والے حضرات ہیں اور وہ یا تو مشاہدہ ومعائنہ کے مقام پر فائز ہوں گے یا مقا
استدلال وبرہان میں رکھنے والے ہوں گے اور پہلا قسم یا تو ایسے حضرات ہوں گے جو معا
ومشاہدہ کے ساتھ ساتھ مقامِ قرب پر بھی فائز ہوں گے باین طور کہ اشیاء کو قریب سے دیکھیں تو
مقدس گروہ انبیاء علیہم السلام ہیں یا اس قدر مقامِ قرب پر فائز نہیں ہوں گے بلکہ ذرا فاصلہ پر
اشیاء کا مشاہدہ کرنے والے ہوں گے تو وہ مقدس جماعت صدیقین کی ہے اور دوسری شق میں
داخل حضرات کا عرفان براہینِ قاطعہ کے ذریعے حاصل ہونے والا ہوگا تو وہ علمائے راسخین ہیں
جو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے گواہ ہیں یا ان کا عرفان علامات وامارات اور اقناعی امو
کے ذریعے حاصل ہونے والا ہوگا جس پر وہ قناعت کرنے والے اور اظہار اطمینان کرنے وا
ہوں گے تو وہ ہے جماعتِ صالحین۔

(5) حضرت محی الدین شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

الصدیق مبالغة الصادق کالفجیر والفسیق وھو الذی لم یدع شیئاً أظھر
بلسانه الا حققه بقلبه وعمله وھذه صفة السابقین الی متابعة الأنبیاء علیھم الصلوٰة
والسلام وھم أفاضل أصحابھم رضوان اللّٰه علیھم أجمعین۔ (جلد ۳ ص ۳۵۷)

"یعنی صدیق صادق میں مبالغہ ہے بہت ہی سچے جس طرح فجیر فاجر میں اور
فسیق، فاسق میں مبالغہ کے لیے ہے۔ اور صدیق وہ ذاتِ مقدسہ ہے کہ جس شے کا دعویٰ کرے
اور زبان سے ظاہر کرے اس کو اپنے قلب وباطن کے ذریعے بھی اور عمل وکردار کے ذریعے بھی
ثابت کردے اور یہ صفت ہے متابعت انبیاء علیہم السلام کی طرف سبقت لے جانے والوں کی اور
یہ ان کے اصحاب میں سے افاضل حضرات ہیں"

اقول:

حضرت علامہ قاضی بیضاوی اور حضرت شیخ زادہ محی الدین کے کلام سے واضح ہوا کہ اکرم الخلائق اور عظیم القدر ہستیوں کے چار اصناف واقسام ہیں اور ان میں علم وعمل کے لحاظ سے درجہ بندی فرمائی گئی ہے۔ جن میں سے انبیاء کرام علیہم السلام حد کمال تک رسائی کے بعد تکمیل خلق کے درجہ پر فائز ہیں اور صدیقین حجج و براھین میں نظر وفکر اور تصفیہ وریاضت کی بدولت اوج عرفان پر فائز ہیں اور حقائق اشیاء پر مطلع ہیں اور دوسروں کو آگاہ کرنے کے منصب کے مالک ہیں اور عرفان باللہ کی بدولت ان حقائق کا معائنہ ومشاہدہ کرنے والے ہیں اور انبیاء کرام کی متابعت میں سبقت کی بدولت اس مقام رفیع اور منصب جلیل پر فائز ہیں اور یہ حقیقت دوپہر کے سورج سے بھی روشن تر ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ سب نبیوں سے افضل ہیں اور ان کی امت سب امتوں سے افضل ہے تو اس امت کے صدیقین یقیناً سب صدیقین سے درجات ومراتب کے لحاظ سے افضل واعلیٰ اور خیر و برتر ہوں گے تو جو اس امت میں سے صدیق اکبر اور صدیق اولین ہیں پھر ان کی شان عرفان اور حقائق اشیاء پر اطلاع کے معارج ومدارج کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول علیہ السلام ہی ان کی قدر ومنزلت سے کما حقہ آگاہ ہیں اس لیے آپ ﷺ نے ان کو نماز جیسی اہم عبادت اور رکن اسلام میں امت کی امامت اور اپنی نیابت کا شرف بخشا۔ جبکہ شرعاً افضل ترین ذات کے ہی یہ منصب شایان اور لائق ہوتا ہے اور اسی کو ہی یہ منصب دینا لازم ہے تو جن کو نبی مکرم افضل سمجھیں اور عملی طور پر بھی ان کی اعلمیت و اعرفیت اور افضلیت کا اظہار فرمادیں تو ان کے اس خداداد امتیاز میں کس مومن کو شک وشبہ ہو سکتا ہے؟ خصوصاً آل رسول ﷺ ہونے کے دعوے داروں کو اپنے جد امجد اور مورثِ اعلیٰ ﷺ کی سنت اور روش کریمہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو مینار نور سمجھتے ہوئے اقتباس نور وضیاء میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیے اور دوسروں کے لیے قابل تقلید بننا چاہیے۔ واللہ الموفق

(6) امام جلیل محی السنۃ حسین بن مسعود بغوی فرماتے ہیں:

من یطع اللّٰہ فی أداء الفرائض والرسول فی السنن فأولئك مع الذین أ
اللّٰہ علیہم من النبیین أی لا تفوتہم رؤیة الأنبیاء ومحالستہم لأنہم یرفعون
درجة الأنبیاء علیہم السلام والصدیقین وہم أفاضل أصحاب النبی ﷺ والصا
البالغ فی الصدق والشہداء قیل ہم الذین استشہدوا فی یوم أحد وقیل ال
استشہدوا فی سبیل اللّٰہ وقال عكرمة النبیون ہہنا محمد والصدیق أبو ب
والشہداء عمر وعثمان وعلی رضی اللّٰہ عنہم والصالحین سائر الصحابة رضی
عنہم۔ (جلد ۱ ص ٤٥٠)

یعنی جس شخص نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی فرائض کی ادائیگی میں اور رسول مکرم ﷺ
آپ کی سنتوں میں پس وہ ان حضرات کی معیت میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یعنی ا
علیہم السلام کی زیارت اور ہم نشینی سے محروم نہیں ہوگا کیونکہ ایسے لوگوں کو (زیارت و دیدار
مشرف کرنے کے لیے) درجات انبیاء تک بلندی پر پہنچا دیا جائے گا -اور صدیقین (
زیارت سے محروم نہیں ہوں گے) اور وہ اصحاب نبی ﷺ کے اصحاب میں سے افضل ترین
ہیں اور صدیق اس کو کہا جاتا ہے جو صداقت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو-اور نہ زیارات شہداء سے
ہوں گے اور ان سے مراد جنگ احد میں شہید ہونے والے حضرات ہیں-دوسرا قول یہ ہے
مطلقا راہ خدا میں شہادت پانے والے حضرات مراد ہیں اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا
النبیین سے یہاں پر محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں (کیونکہ وہ جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں)
صدیقین سے مراد ابوبکر صدیق ہیں (کیونکہ صداقت میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں گویا
صدیقین کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت
رضی اللہ عنہم ہیں اور صالحین سے مراد بقیہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں-)

اقول:

عمومی طور پر صدیقین مراد ہوں تو بھی سرفہرست آپ ہیں اس لحاظ سے بھی انبیاء علیہم السلام کے بعد دوسرا مرتبہ ودرجہ آپ کا متحقق ہوگیا اور حضرت عکرمہ کے قول کے مطابق بالخصوص آپ نبی الانبیاء ﷺ کے متصل بعد اس درجۂ علیا کے مالک ثابت ہوگئے اور ترتیب ذکری چونکہ ترتیب رتبی پر دال ہے تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر اور تمام دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر آپ کی افضلیت ثابت ہوگئی اور اہل سنت کا عقیدہ مکمل طور پر اس آیت کریمہ سے ثابت ہوگیا یعنی

أفضل البشر بعدالأنبياء أبوبكر ن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ثم علي المرتضى رضى الله عنهم۔

(7) علامہ آلوسی کی تحقیق:

خاتمة المحققين عمدة المدققين حضرت علامه أبوالفضل شهاب الدين سید محمود الآلوسی البغدادی "روح المعانی" میں فرماتے ہیں:

من يطع الله بالانقياد لأمره ونهيه والرسول المبلغ ما أوحى اليه منه باتباع شريعته والرضاء بحكمه والكلام مستأنف فيه فضل ترغيب فى الطاعة ومزيد تشويق اليها ببيان أن نتيجتها أقصى ما تنتهى اليه همم الأمم وأرفع ما تمتد اليه أعناق أمانيهم وتشرأب اليه أعين عزائمهم من مجاورة أعظم الخلائق مقدارًا وأرفعهم منارًا ومتضمن لتفسيرما ربهم وتفصيل ما أجمل فى جواب الشرطية السابقة (الیٰ) فاولئك مع الذين انعم الله عليهم بما تقصر العبارة عن تفصيله وبيانه ۔من النبيين بيان للمنعم عليهم (الیٰ) والتعرض لمعية الأنبياء دون نبينا ﷺ خاصة مع أن الكلام فى بيان حكم طاعته لجريان ذكرهم فى سبب النزول مع الاشارة الى

أن طاعته متضمنة لطاعتهم۔ (جلد ٥ ص ٦٨)

جس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس کے امرو نہی کی اتباع میں اور رسول معظم ﷺ کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کے مبلغ ہیں ان کی شریعت کی اتباع اور ان کے حکم پر رضامندی ظاہر کی، یہ علیحدہ کلام ہے اور اس میں اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ کی بہت زیادہ ترغیب ہے اور اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ کا نتیجہ ذکر کر کے اس کا بہت شدید اشتیاق دلایا گیا ہے (اور وہ نتیجہ وہ چیز ہے) جو ان کی ہمتوں کا نقطۂ انتہاء اور وہ بلند ترین مقام ہے جس کی طرف ان کی آرزئیں گردن کشاں رہتی ہیں اور ان کے عزائم کی آنکھیں جن کی منتظر ہیں، یعنی تمام مخلوقات میں عظیم ترین درجات والوں اور بلند ترین مرتبہ و مقام والوں کی مجاورت اور ان کا پڑوس۔

یہ کلام اس مبہم امر کی تفسیر اور مجمل امر کی تفصیل پر مشتمل ہے جو سابقہ شرطیہ کے جواب میں وارد ہے (تا) فاولئك مع الذين (الآیة) میں اس انعام کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل بیان کرنے سے عبارت اور مقال قاصر ہے من النبیین (الآیة) یہ انعام یافتہ خوش نصیب حضرات کا بیان ہے (تا) اس مقام میں تمام انبیاء علیہم السلام کی معیت (کا مژدہ سنانے کا) قصد و ارادہ فرمایا گیا ہے حالانکہ یہ مقام ہمارے نبی ﷺ کے بالخصوص ذکر کا متقاضی تھا کیونکہ کلام ان کی اطاعتِ حکم میں تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شانِ نزول میں صحابۂ کرام نے جنت میں آپ کے درجات کا انبیاء علیہم السلام کے درجات کے ساتھ بلند تر ہونے کا اور اپنے جنت میں جانے پر بھی محروم دیدار رہنے کا خدشہ ظاہر کیا تھا تو ان کے اس انداز سے ذکر کیے جانے پر آیتِ کریمہ میں بھی ان کا ذکر کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ کی اطاعت ان سب کی اطاعت کو متضمن ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

(تـا) بـدأ بـذكـر النبيين لعلو درجتهم وارتفاعهم على من عداهم وقد نقل الشعراني عن مولانا الشيخ الأكبر قدس سره أنه قال فتح لی قدرخرم أبرة من مقام النبوة تحليًا لا دخولًا فكدت أحترق ثم عطف عليه على سبيل التولى قوله سبحانه والصديقين والشهداء والصالحين والمنازل أربعة بعضها دون بعض :

الأول:

منـازل الأنبيـاء وهـم الـذيـن تـمدهـم قوة الٰهية وتصحبهم نفس فى أعلى مراتـب الـقـدسية ومثلهـم كمن يرى الشئى عيانًا من قريب ولذالك قال تعالى فى صفته نبينا ﷺ افتمارونه على مايرى

والثانى :

منهـج الـصـديـقيـن وهـم الـذين يتأخرون على الأنبياء عليهم السلام فى الـمـعرفة ومثلهـم كـمن يرى الشئى عيانًا عن بعيد واياه عنى علىّ كرم اللّٰه وجهه الكريم حيث قيل له هل رء يت اللّٰه تعالے فقال ماكنت لأعبد ربًالم أره ثم قال لم تره العيون بشواهد العيان ولكن رأته القلوب بحقائق الايمان ـ

والثالث:

منازل الشهداء وهـم الذين يعرفون الشئى بالبراهين مثلهم كمن يرى الشئى فى الـمـرآة مـن مـكان قريب كماقال من قال كأنى أنظر الى عرش ربى بارزًا واياه قصدالنبى ﷺ بقوله أعبد اللّٰه كأنك تراه

والرابع:

منـازل الصالحين وهم الذين يعلمون الشيئ بالتقليد الجازم ومثلهم كمن يرى الشيئ من بعيد فى مرآة واياه قصد النبى ﷺ بقوله فان لم تكن تراه فانه يراك

قالہ الراغب و نقلہ الطیبی وغیرہ

انبیاء علیہم السلام کے ذکر شریف سے منعم علیہم کی تفصیل کا آغاز فرمایا اس لیے کہ ان کے درجات و مراتب باقیوں سے رفیع اور بلند ہیں، چنانچہ امام شعرانی نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "مجھ پر سوئی کے سوراخ کی مقدار مقام نبوت کا انکشاف ہوا بطورِ تجلی کے نہ از روئے اس میں داخل ہونے کے تو قریب تھا کہ میں اس تجلی سے جل جاتا باوجود اس قدر قلیل مقدار ہونے کے" پھر انبیائے کرام کے نچلے درجات بطورِ عطف بیان فرمائے، یعنی صدیقین، شہداء اور صالحین۔

انعام یافتہ لوگوں کے منازل چار ہیں، بعض اوپر بعض نیچے ہیں:

پہلی منزل انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے یہ وہ ہستیاں ہیں کہ قوۃِ الھیمان کی امداد و اعانت فرماتی ہے اور ان کے نفوس ان کو اعلیٰ مراتبِ قدسیہ کی طرف پہنچاتے ہیں اور ان کی حالت و کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی کسی چیز کا قریب سے مشاہدہ و معائنہ کر رہا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم علیہ السلام کے حق میں فرمایا "کیا تم ان کے ساتھ نزاع و خلاف کا اظہار کرتے ہو اس پر جو وہ دیکھتے ہیں"

دوسرا درجہ صدیقین کا ہے یہ وہ مقدس لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے پیچھے پیچھے رہتے ہیں معرفت اور ادراکِ حقائق میں، ان کی حالت و کیفیت ایسے ہوتی ہے جیسے کوئی کسی چیز کا مشاہدہ کرے مگر ذرہ فاصلہ سے اور اسی مرتبہ و مقام کا ارادہ فرمایا مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب کہ آپ سے پوچھا گیا کیا آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا ہے تو آپ نے فرمایا "میرے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس رب کی عبادت کروں جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں ہے" پھر فرمایا کہ "اس خداوند قدوس کو آنکھوں نے محسوساتِ اعیانیہ کے انداز میں نہیں دیکھا بلکہ قلوب (کی آنکھوں) نے حقائق ایمان کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے"

تیسرا درجہ منازل شہداء کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو اشیاء کا عرفان براہین ودلائل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں، ان کی حالت وکیفیت ایسے ہے جیسے کوئی کسی چیز کا قریب سے آئینہ میں مشاہدہ کر رہا ہو جیسے کہ کہنے والے نے کہا "گویا کہ میں عرش ربانی کو کھلم کھلا دیکھ رہا ہوں" اور اسی مقام ومرتبہ کا قصد فرمایا نبی مکرم ﷺ نے اس ارشاد میں "تو عبادت کر اللہ تعالیٰ کی گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے"

چوتھا مرتبہ صالحین کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو حقائق اشیاء کا عرفان وادراک تقلیدِ جازم کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اور ان کی حالت وکیفیت ایسی ہے جیسے کوئی دور سے آئینہ میں کسی چیز کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اس مقام کا قصد وارادہ فرمایا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول میں "پس اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے" یہ قول ہے امام راغب کا اور انہیں سے علامہ طیبی وغیرہ نے نقل فرمایا۔ (علامہ آلوسی کی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

(8) حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی رحمہ اللہ کا نظریہ:

انہ قرر یوما أن مراتب الکمل أربعة نبوة وقطب مدارھا نبینا ﷺ ثم صدیقیة وقطب مدارھا أبوبکر الصدیق ثم شھادة وقطب مدارھا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ثم ولایة وقطب مدارھا علی کرم اللہ وجھہ الکریم وان الصلاح فی الآیة اشارة الی الولایة فسأله بعض الحاضرین عن عثمان رضی اللہ عنہ فی أی مرتبة ھو من المراتب الثلاثة بعد النبوة فقال انہ رضی اللہ عنہ قد نال حظا من رتبة الشھادة وحظا من رتبة الولایة وان معنی کونہ ذوالنورین ھو ذاك عندالعارفین۔

"حضرت شیخ کے بعد تلامذہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک دن یوں تقریر فرمائی کہ کاملین کے مراتب چار ہیں: پہلا مرتبہ نبوت ہے اور اس کے قطب مدار ہمارے نبی مکرم ﷺ ہیں دوسرا مرتبہ صدیقیت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تیسرا

مرتبہ شہادت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، چوتھا مرتبہ ولایت
ہے اور اس کے قطبِ مدار حضرت علی مرتضیٰ ہیں رضی اللہ عنہ ان سے بعض حاضرین خدمت
نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا کہ نبوت کے بعد والے تین مراتب میں سے ان
کا مرتبہ کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے شہادت سے بھی ایک حصہ حاصل فرمایا ہے
اور رتبہ ولایت سے بھی ایک حصہ حاصل کیا ہے اور عرفاء کے نزدیک ان کے ذوالنورین ہونے ک
یہی معنی ہے یعنی نورِ شہادت اور نورِ ولایت والے" (گویا علمائے ظاہر کے نزدیک نبی مکرم ﷺ ک
دو صاحبزادیوں کے خاوند ہونے کی وجہ سے ذوالنورین کہلاتے ہیں لیکن ہر ظاہر کا باطن بھی
ہوتا ہے لہذا کوئی منافات نہیں ہے)

حضرت علامہ آلوسی نے اکابرین سے مستفاد و مستفاض علم و عرفان کے تحت صنف ثانی
یعنی صدیقیت کے متعلق اپنا عندیہ بیان فرمایا:

الصنف الثانی الصديقون وهم المؤمنون بالله ورسله عن قول المخبر
لاعن دليل سوى النور الايماني الذى أعد فى قلوبهم قبل وجود المصدق به المانع
لها من تردد أو شك يدخلها فى قول المخبر الرسول ومتعلقه فى الحقيقة الايمان
بالرسول ويكون الايمان بالله على وجه القربة لاعلى اثباته اذ كان بعض الصديقين
قد ثبت عندهم وجود الحق جل وعلى ضرورة أو نظراً لكن ما ثبت كونه قربة ـ و
ليس بين النبوة والصديقية كما قال حجة الاسلام وغيره مقام من تخطى رقاب
الصديقين وقع فى النبوة وهى باب مغلق وأثبت الشيخ الأكبر قدس سره مقاما
بينهما سماه مقام القربة وهوا لسرالذى وقر فى قلب أبى بكر رضى الله عنه المشار
اليه فى الحديث فليس بين النبى ﷺ وأبى بكر رضى الله عنه رجل أصلا لا أنه
ليس بين الصديقية والنبوة مقام ولها أجزاء علىٰ شعب الايمان ـ

(تفسیر روح المعانی جلد ۵ ص ۶۹)

خلاصۂ مفہوم یہ ہے کہ منعم علیہم حضرات کے اصناف میں سے صنف ثانی صدیقون ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ تعالےٰ پر اور رسل کرام پر قول مخبر کی بنا پر ایمان لاتے ہیں بغیر کسی دلیل کے سوائے نورِ ایمانی کے جو ان کے قلوب منورہ میں تیار کر دیا گیا مصدق بہ کے وجود سے بھی پہلے جو کہ مانع و حاجب ہوتا ہے قول مخبر یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں ریب و تردد اور شک و شبہ کے دخول سے اور حقیقت میں اس کا متعلق ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور ایمان باللہ قربت کے طریقہ پر نہ کہ اثبات بالدلیل اور نظر و فکر کے طریقہ پر کیونکہ بعض صدیقین کے ہاں وجود حق پہلے ہی علی ضرورۃ و بداھۃ یا نظر و استدلال کے طور پر ثابت ہو چکا تھا لیکن اس کا قربت ہونا ثابت نہ ہوا۔

نبوت و صدیقیت کا اتصال:

امام حجۃ الاسلام امام غزالی اور دیگر حضرات کے نزدیک نبوت اور صدیقیت کے درمیان کوئی مقام اور امر فاصل نہیں ہے لہذا جو شخص بھی صدیقین کے کندھوں اور گردنوں سے بلندی کی طرف ترقی کرے گا تو وہ احاطۂ نبوت میں داخل ہو جائے گا لیکن یہ باب بند ہو چکا ہے لیکن شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے نبوت و صدیقیت کے درمیان ایک مقام اور واسطہ ثابت کیا ہے جس کو مقام قربت کا نام دیا ہے اور وہ سرِ خفی اور رازِ حقیقت ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب مطہر میں قرار پذیر ہے جس کی طرف حدیث نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے (کہ ابو بکر صدیق تم سے نماز روزہ کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ اس امر کی بدولت سبقت لے گئے اور تمام امتوں میں سے بلند ترین مقام پر فائز ہو گئے ہیں جو ان کے دل میں قرار پذیر ہے) لہذا نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور حضرت ابو بکر صدیق کے درمیان کوئی آدمی حائل نہیں ہے قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ مطلق صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں

ہے بلکہ مطلق صدیقیت کے اجزاء اس قدر ہیں جس قدر ایمان کے شعبے ہیں۔

بعض صوفیائے کرام کا تفضیلِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دعویٰ اور اس کا ردِ بلیغ:

حضرت امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کا اور حضرت شیخ قدس سرہ ک
نظریہ نبوت و صدیقیت کے باہمی ربط و اتصال کے متعلق معلوم ہو چکا تو اب چند صوفیاء کرام ک
اس سے اختلاف و انحراف بھی ملاحظہ فرمالیں اور پھر اس کا جواب بھی۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ:

بہت سے صوفیائے کرام کا کلام بھی (اہل تشیع کی مانند) رسولِ معظم ﷺ کے بع
مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن ان صوفیہ کے نزدیک
آپ کی یہ خلافت باطنہ ہے جو کہ خلافت الارشاد والتربیۃ اور روحانی امداد و تصرف کے معن
میں ہے نہ کہ خلافتِ صوریہ ہے جو کہ نام ہے اقامتِ حدودِ ظاہرہ کا اور جیوش و عساکر کے کفار ک
خلاف جہاد کے لیے تیار کرنے کا، مملکتِ اسلام کے تحفظ اور کفار کی مدافعت کا اور دشمنانِ اسلا
کے خلاف سیف و سنان کے ساتھ جہاد و قتال کرنے کا۔ کیونکہ یہ خلافت صوریہ ظاہرہ ان ک
نزدیک فی الواقع اور عنداللہ اسی ترتیب پر ہے جس ترتیب پر وقوع پذیر ہوئی جیسے کہ اہل السنۃ
مذہب ہے اور ان کے نزدیک دونوں خلافتوں کا باہمی فرق خول اور مغز (چھلکے اور لباب والا ہ
پس خلافتِ باطنہ خلافتِ ظاہرہ کا لباب اور مغز ہے، خلافتِ باطنہ کے ذریعے اسلام کی حقیقت
دفاع کیا جاتا ہے جبکہ خلافتِ ظاہرہ کے ذریعے صورتِ اسلام کا تحفظ اور اس کا دفاع کیا جاتا ہے

و ہی مرتبۃ القطب فی کل عصر وقد تجتمع مع الخلافۃ الظاہرۃ ا

خلافتِ باطنہ ہر دور کے قطب کا مرتبہ و مقام ہے اور کبھی کبھار خلافتِ ظاہرہ کے ساتھ جمع ہ
ہو جاتی ہے جیسے کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ان میں مجتمع تھی اور حضرت
مہدی کے ظہور پر ان میں مجتمع ہوں گی، نبوت اور خلافتِ باطنہ ایک سرچشمۂ فیض سے مستفیض

ہوتی ہیں، اسی امر کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں جس کو صوفیہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: خلقت وعلی من نور واحد میں اور علی ایک نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ خلافت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں اکمل واتم طریقہ پر موجود تھی۔ اسی لیے اہل اللہ کے سلاسل آپ تک ہی پہنچتے ہیں ماسوائے ان کے جو بیض انوق سے بھی نادرالوجود اور کم یاب ہیں تو وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں جیسے کہ ہمارے ساداتِ نقشبندیہ کا سلسلہ بایں ہمہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی وارد ہوتا ہے۔

خلافت کی اسی تقسیم اور دو قسموں کی طرف منقسم ہونے کی بدولت بعض عارفین نے تطبیق دی اور توافق پیدا کیا ہے ان احادیث میں جو ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی تصریح یا ان کی طرف اشعار و دلالت پر مشتمل ہیں کہ رسول گرامی ﷺ کے بعد یہ حضرات خلفاء ہیں اور بعض ان احادیث میں جن میں حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافتِ نبویہ کی تصریح یا اشارہ ہے آپ کی خلافت بلافصل کی طرف چنانچہ جو احادیث خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر دلالت کرتی تھیں ان کو خلافتِ ظاہرہ پر حمل کر دیا اور جو حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرتی تھیں ان کو آپ کی خلافتِ باطنہ پر محمول کر دیا اور کسی روایت و حدیث کو معطل نہیں چھوڑا اور چاروں حضرات کی خلافت کا اقرار و اعتراف کیا۔

بیانِ مفسدہ بلکہ مفاسدِ لازمہ:

أنت تعلم أن هذا مشعر بأفضلية الأمير كرم الله وجهه الكريم على الخلفاء الثلاثه وبعضهم يصرح بذالك ويقول بجواز خلافة المفضول خلافة ظاهرية مع وجود الفاضل لكن قد قدمنا عن الشيخ الأكبر قدس سره العزيز أنه قال ليس بين رسول الله ﷺ وبين أبي بكر الصديق رضي الله عنه رجل وليس مقصوده الا بيان المرتبة في الفضل فافهم۔ (تفسیر روح المعانی جلد ص ١٦٦)

اے مخاطب! تو اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ یہ تقریر، طرزِ فکر اور اندازِ تطبیق اس امر
مُشعر ہے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اور بعض نے اس
کی تصریح بھی کر دی ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مفضول کی خلافت بصورت افضل کی موجود گی
میں جائز ہے لیکن ہم نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کی زبانی پہلے ذکر کر دیا ہے کہ رسول گرامی ﷺ
اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی مرد کا واسطہ نہیں ہے اور آپ کا مقصودِ اصلی صرف اور
صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرف وفضل میں علوِ مرتبت بیان کرنا ہے (لہذا بعض
صوفیہ کا یہ نظریہ بھی اور ان کی یہ وجہ تطبیق بھی نا قابل قبول ہے)

فائدہ عظیمہ:

بالعموم صدیقیت اور نبوت کے درمیان واسطہ نہ ہو یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی صدیقیت اور مقام نبوت کے درمیان واسطہ نہ ہو تو اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کے مرتبہ ومقام کی رفعت وبلندی اور ان کا بے مثل وبے مثال ہونا دوپہر کے آفتاب کی طرح
واضح اور روشن ہو گیا اور نہ صرف علمائے ظاہر کے نزدیک بلکہ عرفان وحقائق شناسی میں صف اول
کے اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کے نزدیک بھی۔ نیز یہی صدیقیت صدیق کے مرتبہ ومقام
کی امتیازی حیثیت تھی کہ آپ کے اور آپ کے خلفائے ثلاثہ کے جبل احد پر قدم رنجہ فرمانے اور
اس کے فرحت وشادمانی سے جھوم اٹھنے کی صورت میں فرمایا:

اسكن احد فانما عليك نبى و صديق و شهيدان

"اے احد پرسکون ہو جا تجھ پر صرف ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہی ہیں"

(تیرا ذوق وشوق معلوم ہو گیا اب مزید وجد ورقص کی بدولت اپنے محبوبوں کو مشقت
میں نہ ڈال تب وہ پرسکون ہو گیا)

حالانکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان بالعموم صدیقیت کے مقام پر بھی فائز تھے جیسا کہ

علامہ آلوسی نے اس مقام کی وسعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن نبی الانبیاء ﷺ صدیقیت میں ان کے امتیاز اور مقامِ شہادت میں حضرت فاروق اعظم اور حضرت ذوالنورین کی امتیازی شان کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے تھے اس لیے الگ الگ تذکرہ فرمایا۔

اقول (فوائد ثمانیہ):

حضرت علامہ نے صوفیہ کے جواب میں ان کے شیخ اکبر کا قول پیش کر دیا ہے جو ہر منصف مزاج اور صاحبِ بصیرت کے لیے کافی ہے لیکن مزید برآں ان امور پر بھی غور کریں تو حق روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا اور حقیقت بے غبار ہو کر محسوس و مشہود ہو جائے گی۔

(۱) ان صوفیہ نے ہر دور کے قطب کے لیے یہ خلافتِ باطنیہ ثابت کی ہے اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو خلافتِ ظاہرہ قرار دیا جو کہ پہلی خلافت کے مقابل چھلکے اور خول کی مانند ہے اور کوئی دور بھی قطبِ وقت سے خالی نہیں ہو سکتا تو ان سب اقطاب کا خلفائے ثلاثہ سے افضل ہونا لازم آئے گا حالانکہ خلفائے اربعہ کے أفضل البشر بعدالأنبیاء ہونے پر اجماع ہے پھر ان کے بعد بقیہ چھ حضرات کے عشرۂ مبشرہ میں سے افضل البشر ہونے پر اجماع ہے۔ پھر ان چالیس کے افضل البشر ہونے پر اجماع جن کے عدد کے متمم سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہم ہیں پھر اہل بدر (۳۱۳) پھر اہل حدیبیہ (۱۴۰۰) کے افضل البشر ہونے پر اتفاق ہے اور ان سب کو خلافتِ ظاہرہ تو حاصل نہیں تھی تو کیا باطنی خلافت کی بنا پر ان کو افضل تسلیم کیا گیا تو پھر بیک وقت کتنے قطب تسلیم کرنے لازم ہوں گے؟ اگر سینکڑوں اقطاب بیک وقت موجود ہو سکتے ہیں تو صرف چار قطب کیوں نہیں موجود ہو سکتے؟

(۲) حضرات شیخین کے افضل علی الاطلاق ہونے پر امت کے خیر القرون کا اجماع ہے اور سوادِ اعظم حضرت عثمان ذوالنورین کو مولائے مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں تو کیا اس خیرِ امت کے خیر القرون کا اجماع اور سوادِ اعظم کا اتفاق خطا پر اور ضلال پر

ہوسکتا ہے؟

نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

لا تجتمع أمتی علی الضلالة

اور فرمایا:

اتبعوا السواد الأعظم فانه من شذ شذ فی النار۔

بلکہ اللہ کریم کا فرمان ذیشان ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

(النساء،4:115)

"جو شخص (رسول کریم ﷺ کی مخالفت کرے گا ہدایت کے اس پر واضح ہو جانے کے بعد) اور مومنین کی راہ کے ماسوا کی اتباع کرے گا تو ہم اس کو اُدھر ہی پھیر دیں گے جدھر پھرے گا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے"

لہـــــذا اس اجماع کے انعقاد کے بعد اور اس کے معلوم ہونے کے باوجود مسلمان کو دوسری جانب کا تصور اور خیال بھی زیبا نہیں چہ جائے کہ مخالف جانب کو اختیار کرنا۔

(۳) حضرت مولائے مرتضیٰ کو خلافتِ باطنہ کا حاصل ہونا اور اس کا نبوت کی مانند ہونا اور خلافتِ ظاہرہ کے لیے مغزولب کی مانند ہونا کیا خود مولائے مرتضیٰ کو معلوم تھا یا نہیں؟ دوسری شق کا علی تقدیر الثبوت کوئی عقل مند انسان بھی قائل نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ کوئی مسلمان، چہ جائے کہ کوئی صوفی صاحبِ عرفان- کیونکہ اپنی خداداد صفاتِ کمال کا اللہ والوں کو علم حضوری ہوتا ہے، نیز ان صوفیہ کا اس سرچشمۂ ولایت یعنی علی مرتضیٰ پر علم و آگہی اور عرفان میں فائق اور بہت ہی فائق ہونا لازم آجائے گا کہ انہیں اپنے ساتھ قائم صفت کمال کا علم نہ ہوسکا اور انہیں ان کی اس امتیازی شان کا علم آگیا- نعوذ باللہ من ذالك

اور اگر علم تھا اور یقیناً ہونا چاہیے تھا تو اس کا اظہار کیوں نہ فرمایا؟ حتیٰ کہ اپنے لختِ جگر نورِ نظر جانثار بیٹے محمد بن حنفیہ کے استفسار پر بھی فرمایا: رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پوچھا پھر کون؟ تو فرمایا: عمر بن الخطاب افضل ہیں، جب ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ میں اسی انداز میں سوال کروں تو آپ تیسرے نمبر پر حضرت عثمان کا ذکر نہ کر دیں تو اندازِ سوال بدل کر عرض کیا پھر آپ افضل ہیں؟ تو فرمایا میں عام سا بندہ ہوں اہل اسلام میں سے۔ یہ تو ہے آپ کا معاملہ گھر والوں سے اور بر سر منبر اعلان فرما رہے ہیں:

خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر و عمر ۔

"نبی مکرم ﷺ کے بعد اس امت میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سب سے افضل ہیں"

"اور جو مجھے ان پر فضیلت دے گا اس کو اسی کوڑے بھی لگاؤں گا اور اس کی شہادت بھی ہمیشہ کے لیے رد کر دوں گا"

اور جب اس اعلان کے بعد ایک شخص کے متعلق ایسی شہادت مل گئی تو آپ نے عملی طور پر اس کو اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا بھی دی اور اس کی شہادت کو بھی رد کر دیا مزید ارشادات کا بیان باب سوم میں ملاحظہ فرمائیے۔

بہرکیف جس نظریہ کا انکشاف اتنی سنگین سزا کا موجب ہو اس کو کون عقل مند انسان اپنا سکتا ہے؟ حضرت علی جیسے ولی نے ان کی شان کو پہچانا کیونکہ:

ولی را ولی می شناسد

اور ان کے خداداد مرتبہ و مقام کو واضح فرمایا نہ صرف واضح کیا بلکہ اپنی ولایت و خلافت سے انکی ولایت کو بہت ارفع و اعلیٰ قرار دیا اور یہ سوال و جواب چونکہ آپ کی خلافت کے دور میں وقوع پذیر ہوئے جبکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بارگاہ خداوند تعالیٰ میں پہنچ چکے تھے تو یہاں شیعہ کے لیے تو تقیہ کا بہانہ کرنے کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی تو ان حضرات کے لیے تقیہ اور

کتمان کا قول کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ اگر بالفرض آپ نے اپنے لختِ جگر سے بھی اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھا تو ان صوفیاء حضرات کو اس رازِ مخفی کا علم کیسے ہو گیا اور اسے اگلنا کیوں ضروری سمجھا؟

کیا صرف اس لیے کہ لوگ بظاہر شیعہ نہیں بنتے تو ان کو باطنی طور پر شیعہ بنا دیا جائے جس طرح آج ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اور شاہ عبدالقادر قادری صاحب نے یہ ذمہ داری سنبھال رکھی ہے، اور خصوصاً نئی پود کو اہل سنت کے صراطِ مستقیم سے ہٹا رہے ہیں۔

(۴) قرآن مجید نے کھلے کھلے الفاظ میں اعلان فرما دیا ہے:

فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ

اے میرے محبوب! اعلان کر دو کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ نیز مرتدین کے خلاف جہاد و قتال کرنے والوں کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں"

تو جو ان کے بھی سرخیل اور مقتدا و پیشوا ہیں ان کی شانِ محبوبیت کیا ہو گی؟ ارشادِ باری تعالےٰ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ

(یونس، 62:10)

جب عام اہلِ ایمان اور متقی حضرات اللہ تعالےٰ کے دوست ہیں تو جو ایمان و تقویٰ کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہیں اور سرِ قلب سے اور نورِ فراست کی آنکھ سے مشاہدۂ حقائق کرنے والے ہیں اور الاتقی کی شان والے ہیں ان کے محبوبیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ اور اطاعت اللہ اور اطاعتِ رسول کے پیکران مجسم کو جنت میں جن کے

ار اور شرف ملاقات کی بشارات سنائی جارہی ہیں ان صدیقین اور شہداء اور صالحین کی عظمت شان بلکہ ان اصناف کے بھی سرداروں اور پیشواؤں کی شان کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟

(۵) تحقیق یہ ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کے بعد پہلے قطب حضرت صدیق اکبر دوسرے حضرت عمر فاروق تیسرے حضرت عثمان اور چوتھے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر امام حسن پھر امام حسین پھر امام زین العابدین الخ رضی اللہ عنہم۔ لہٰذا ان تینوں حضرات میں بھی خلافت باطنہ اور خلافتِ ظاہرہ جمع تھیں۔ ان کو خلافت باطنہ سے خالی سمجھنا بالکل غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ مزید تفصیل آخر میں مذکور ہوگی۔

(۶) یہ بہانہ کہ افضل کے ہوتے ہوئے صورت ظاہرہ کے لحاظ سے مفضول کی خلافت جائز ہے اس کی بنیاد یہ غلط مفروضہ ہے کہ افضلیت خلافت کی فرع ہے حالانکہ افضلیت اصل ہے اور خلافت اس کی فرع ہے، مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا فرمان

رضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ ﷺ لدیننا ،

"دین کا معاملہ اہم ہے تو جب رسولِ محتشم ﷺ نے حضرتِ صدیق کو منصبِ امامت کے لیے منتخب فرمایا تو ہم بھی اپنی دنیا کے لیے ان کو منتخب کرتے ہیں اور خلیفہ بناتے ہیں"

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انصار کے سامنے یہی دلیل پیش فرمائی کہ جس کو رسول کریم علیہ السلام نے مقدم اور امام ٹھہرایا تو میں کون ان کو پیچھے ہٹانے کی جرأت وجسارت کرے گا تو انہوں نے کہا: "ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس کو مؤخر کریں جسے رسول اللہ ﷺ نے مقدم ٹھہرایا"۔

(۷) افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو حکومت دینا بحالتِ مجبوری جائز ہوتا ہے کہ بحالتِ اختیار تو حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کون سی ظاہری طاقت اور پاور تھی جس کے تحت قریش اور مہاجرین وانصار دبک گئے اگر طاقت وپاور تھی تو عنداللہ کرامت اور

عنـد الرسـول ﷺ قربت ومنزلت کی ہی طاقت وپاور تھی۔اسی پاور نے سب قریش، بنوہاشم عبدالمطلب بالخصوص مولائے مرتضٰی، سیدنا عباس اور تمام مہاجرین وانصار کو اوران کے تبعین بالاحسان کو انہیں امام وخلیفہ تسلیم کرنے کا پابند کردیا بلکہ اللہ تعالےٰ کا یہی فیصلہ تھا جس کے آگے سب کو سر نیاز خم کرنا پڑا جیسے کہ رسول معظم ﷺ نے آپ کے حق میں خلافت کی وصیت لکھنے ارادہ ترک کرتے ہوئے فرمایا: یابی اللّٰہ والمؤمنون الا أبابکر۔

"اللہ تعالےٰ اور تمام مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو امام وخلیفہ ماننے سے انکار کرتے ہیں اورانکار کردیں گے"

(مفصل بحث بعد میں آتی ہے)

(۸) حضرت شیخ اکبر کے کلام سے حضرت ابوبکر صدیق کی صدیقیت کا افضل ہو اور رسول کائنات اور آپ کے درمیان کسی بھی شخص کا حائل نہ ہونا اوراس شخص کا رتبہ ودرجہ ان کے بین بین ہونے کی نفی واضح طور پر ثابت ہوگئی۔لہذا یہ کہنا کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے نزدیک خلافت خلفاء کی ترتیب زمانی ہے رتبی نہیں ہے جیسے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے دعویٰ کیا ہے ملاحظہ ہو (زبدۃ التحقیق) اوراس پر یہ نظریہ متفرع کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صرف زمانۂ خلافت متاخر ہے اوراس سے مرتبے میں تاخر لازم نہیں آتا بلکہ حضرت رتبہ میں مقدم ہیں گو زمانہ کے لحاظ سے متاخر بھی ہیں۔

یہ شاہ جی کی خواہش نفس اور ہوس باطن کا اظہار ہے اور حضرت شیخ اکبر پر بہتان عظیم ہے ان کی تصریح کو نظر انداز کردینا اوراپنی طرف سے کشید کردہ معنیٰ ومفہوم ان کے ذمے لگادینا علمائے حق اور خاندانی لوگوں کی شان سے بعید ہے مزید برآں کیا مولائے مرتضٰی کو جھٹلانا بھی محبت وعقیدت ہے؟

شیخ قدس سرہ کا مطلب ومقصد واضح طور پر سامنے آجاتا ہے کہ جب ان چاروں

حضرات خلفاء راشدین کی خلافت موعود من اللہ ہے تو اگر پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن جاتے تو ان کو معزول کیا نہیں جا سکتا تھا تو بقیہ تینوں حضرات اس موعودہ خلافت سے محروم رہ جاتے، لہذا اللہ تعالےٰ نے ان کو خلافتیں عطا کرنے میں ان کی عمروں کا بھی لحاظ رکھا تا کہ میرا ان کے ساتھ وعدۂ خلافت بھی پورا ہو جائے اور ان میں شرف و فضل کے لحاظ سے ترتیب کو بھی ساتھ ساتھ ملحوظ رکھ لیا جائے، کیا حیات و زندگی کی ترتیب اور شرف و فضل کی ترتیب میں باہم منافات ہے؟ اور ان کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے؟ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ و نظریہ کی مخالفت کی جائے اور ایسے بے جا توہمات کی بنا پر۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

افضلیت صدیق اکبر پر آٹھویں قرآنی دلیل

الآیۃالثامنۃ :قال اللّٰہ تبارک و تعالی:

اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ تَظَاھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ۔(التحریم،4:66)

"اگر تم دونوں (اے عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور رجوع کرلو (تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل حق وصواب سے مائل ہو چکے ہیں اور اگر تم دونوں باہم متحد و متفق ہو جاؤ محبوب کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کے خلاف (تو انہیں کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکتیں) کیونکہ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہے اور جبریل اور صالح مومن ان کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے ان کے معاون و مددگار ہیں"

اقول:

محبوب کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کی محبت والفت اور آپ کی زیادہ سے زیادہ محبت کا شرف حاصل کرنے کے لیے اور اس راہ کی رکاوٹیں مکمل طور پر دور کرانے کے لیے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے باہم اتحاد و اتفاق کر رکھا تھا اور اس مقصد ومطلب کے حصول کے لیے باہم یک جان دو قالب بن چکی تھیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی دلجوئی اور تسکین قلب کو محبوب رکھتے تھے تو اسی ضمن میں آپ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا یا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد نوش فرمانے پر بھی قسم اٹھالی اور حضرت حفصہ کو بھی اس حقیقت سے آگاہ فرما دیا اور ساتھ ہی ان کو خوش کرنے کے لیے یہ انکشاف بھی فرما دیا کہ

میرے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے اوران کے بعد تیرے اباجان عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، اور ساتھ کتمان و اخفاء کا انہیں پابند فرمایا۔

لیکن وہ اس راز کو راز نہ رکھ سکیں اور حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا کو مطلع کردیا جس پر نبیِ مکرم ﷺ کی طبیعتِ اقدس پر بوجھ پڑا اور ناگواری اور ناپسندیدگی لاحق ہوئی حتی کہ بعض روایات کے مطابق آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق بھی دے دی، لیکن اللہ تعالٰے نے آپ کا اپنے مرغوب اور پسندیدہ امور سے اپنے آپ کو محروم رکھنا پسند نہ فرمایا اور آپ کو فرمایا: یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (الآیۃ)۔ یعنی آپ اپنے آپ کو اس حلف کا پابند ٹھہراتے ہوئے شہد استعمال کرنے سے یا ماریہ قبطیہ سے اجتناب کا پابند نہ ٹھہرائیں اور قسم توڑ دیں اور ساتھ ہی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم بھی آپ کو دیا اور فرمایا وہ نماز و روزہ کی پابند ہیں اور جنت میں تمہاری بیوی ہیں۔

پھر ازواجِ مطہرات میں سے ان دو کو بالخصوص فہمائش فرمائی اور بالعموم بھی بارگاہ نبوی کی عظمت شان کو ہمہ وقت مدنظر رکھنے اور نبیِ مکرم ﷺ کے پسندیدہ امور کو پسند کرنے اور ناپسندیدہ امور کو ناپسند سمجھنے کی تلقین فرمائی اور ان کی بے بسی و بے چارگی کو یہاں تک واضح اور روشن فرمایا کہ محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اگر تم سے روگردانی کرلیں اور تعلق توڑ لیں تو تمہارا ہے کون؟ نہ اللہ تعالٰے نہ جبریئل نہ تمہارے ماں باپ بالخصوص اور نہ عام صالح مومنین کا بالعموم تم سے تعلق، نہ ملائکہ کو تم سے کوئی تعلق و واسطہ بلکہ یہ سبھی صرف اور صرف محبوبِ کریم ﷺ کے حامی و ناصر اور معاون و مددگار ہوں گے تو اس قدر خسران و حرمان نصیب بننا تمہیں کیوں کر گوارا ہوسکتا ہے؟ لہٰذا محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رضاجوئی اور ان کی موافقت و متابعت کو اپنے اوپر لازم کرلو اور آپ کی اطاعت و اتباع کو فرضِ اولین سمجھا کرو

استدلال:

مرفوع احادیث سے نیز صحابۂ کرام اور تابعین علیہم الرضوان کے ارشادات سے بھ

ثابت ہے کہ صالح مومنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں

(۱) قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما أراد بصالح المومنین أبابکر

وعمر رضی اللّٰہ عنہما وقد روی ذالک مرفوعا الی النبی ﷺ و به قال عکرم

ومقاتل وهو اللائق بتوسیطه بین جبرئیل والملائکة علیهم السلام فانه جمع بی

الظهیر المعنوی والظهیر الصوری کیف لا و ان جبرئیل ظهیر له علیهما السلا

یؤیده بالتائیدات الالٰهیة وهما وزیراه وظهیراه فی تدبیر أمور الرسالة وتمش

أحکامها الظاهرة ولأن بیان مظاهر تهما له علیه الصلوة والسلام أشد تأثیرا فی

قلوب بنتیهما وتوهینا لأمرهما فکان حقیقًا با لتقدیم بخلاف ما اذا أرید به جنس

الصالحین کما هو المشهور۔

(تفسیر أبی السعود تحت سورة التحریم جلد ۸ ص۲٦۷)

حضرت علامہ قاضی القضاۃ الامام أبوالسعود محمد بن محمد العمادی

تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم میں فرماتے ہیں:

حضرت مفسرامت حبر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے صالح المومنین سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عم

فاروق رضی اللہ عنہما مراد لیے ہیں۔ اور یہی قول حضرت عکرمہ اور حضرت مقاتل کا ہے اور صالح

المومنین کے حضرت جبرئیل اور ملائکہ کے درمیان ذکر کرنے کے لائق بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے معنوی ظہیر اور صوری ظہیر کو جمع فرمادیا ہے کس طرح صالح المومنین سے ان مقدس

حضرات کا ارادہ موزوں ومناسب نہ ہو حالانکہ حضرت جبرائیل آنحضرت ﷺ کے مدومعاون

ہیں آپ کی تائیدات الٰہیہ کے ساتھ تقویت وتائید فرماتے ہیں اور شیخین رضی اللہ عنہما آپ کے

وزیر اور معاون ہیں اور رسالت کی تدبیر میں اور اس کے احکام ظاہرہ کے جاری کرنے میں آپ کی امداد و اعانت فرماتے ہیں۔ نیز اس لیے ان کا مراد ہونا زیادہ موزوں و مناسب ہے کہ ان دونوں حضرات کا رسول معظم ﷺ کا ظہیر و معاون ہونا ان کی بیٹیوں کے دلوں میں زیادہ موثر ہوگا اور ان کے معاملہ کو زیادہ سے زیادہ کم زور کرنے کا موجب ہوگا اس لیے صالح المومنین کا ملائکہ کے ذکر سے پہلے ذکر کرنا زیادہ لائق اور مناسب تھا بخلاف اس کے جب اس سے صالحین کی جنس مراد لی جائے جیسے کہ مشہور قول ہے۔

فائدہ:

گویا ان دونوں بیویوں کی سرزنش یہ کی جارہی ہے کہ رسول گرامی ﷺ کے خلاف اتحاد و اتفاق کی صورت میں تم نہ صرف اللہ تعالیٰ اور جبرئیل امین کی امداد و اعانت سے محروم رہو گی بلکہ اپنے والدین کی امداد و اعانت سے بھی اور سب ملائکہ کی امداد و اعانت سے بھی محروم رہو گی اور وہ اپنی محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے معاون و مددگار ہوں گے اور تمہارے مخالف، لہذا حرمان و خسران کو کوئی عقل مند قبول نہیں کرسکتا۔

(۲) حضرت علامہ القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی اپنی معروف تفسیر تفسیرِ مظہری میں فرماتے ہیں:

روی عن ابن مسعود وأبی بن کعب أن صالح المومنين أبو بكر و عمر وكذا روی عن ابن مسعود وأبو أمامة عن النبی ﷺ وعن ابن عمر و عن ابن عباس وسعيد بن جبير أنها نزلت فی أبی بكر وعمر۔ (جلد ۹ ص ۳۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صالح المومنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما نے نبی مکرم ﷺ سے روایت نقل فرمائی ہے اور حضرت

عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حض
ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

گویا مرفوع روایات سے بھی اور ارشاداتِ صحابہ کرام سے بھی ثابت ہوگیا کہ ص
المومنین شیخین رضی اللہ عنہما ہیں۔ نیز مشہور قول بھی حضرت قاضی علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا ہے

من صلح من المومنین أجمعین أتباعه وأعوانه وموالیه قال الکلبی
الذین هم مخلصون لیسوا بمنافقین۔ (جلد ۹ ص ۳۴۳)

یعنی تمام تر مومنین میں سے جن میں صلاح وتقویٰ متحقق ہے خواہ وہ آپ کے متبعین
یا معاونین ومؤیدین اور آپ کے موالی اور آزاد کردہ غلام ہیں۔
کلبی فرماتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد بھی مخلص مومنین ہیں کہ نفاق جن
دامن کو بھی نہیں چھو سکتا۔

(۳) تفسیر معالم التنزیل للامام الجلیل محی السنة أبومحمد ح
بن مسعود الفراء البغوی میں منقول ہے:

روی عن عبداللّٰه بن مسعود وأبی بن کعب وصالح المومنین أبو
وعمر رضی اللہ عنهماقال الکلبی هم المخلصون الذین لیسوا بمنافقین۔
(ص ٦٦ جلد ٤ وکذا فی التفسیر الخازن ص ٤٨٦ جلد ٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ
المومنین سے حضرت صدیق اور حضرت فاروق مراد ہیں اور کلبی کہتے ہیں کہ سبھی مخلص، نفاق
پاک مومن مراد ہیں۔

(٤) حضرت فخرالمفسرین حضرت امام رازی علیہ الرحمہ فر
ہیں: قوله تعالیٰ و صالح المومنین قال ابن عباس یرید أبابکر وعمر مولی

صلی اللّٰہ علیه وعلیهما وسلم علی من عاداه وناصرین له وهو قول المقاتل ـ وقال الضحاك خیار المومنین وقیل من صلح من المومنین أی کل من آمن وعمل صالحاً ـ وقیل من برئی منهم من النفاق وقیل الأنبیاء کلهم علیهم السلام و قیل الخلفاء وقیل الصحابة (تفسیر کبیر ص ۷۰ جلد ۳۰)

(۵) روی عن بن مسعود وأبی بن کعب صالح المومنین أبوبکر وعمر وقیل هم المخلصون من المومنین الذین لیسوا بمنافقین وقیل هم الأنبیاء ـ

(تفسیر الخازن جلد رابع ص ۲۸٦)

(٦) حضرت علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

صالح المومنین أبوبکر وعمر زادالحسن البصری وعثمان وقال لیث بن أبی سلیم عن مجاهد وصالح المومنین علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنهم الخ ـ

(ص ۳۸۹ جلد رابع)

گویا صالح المومنین سے مراد خلفاء اربعہ ہیں۔

(۷) حاشیہ شهاب علی البیضاوی میں اگرچہ علامہ قاضی بیضاوی کی طرح صالح المومنین میں عموم کو ترجیح دی ہے لیکن حضرت ابن عباس اور دیگر اکابر سے اس کا نزول حضرت صدیق اور حضرت فاروق کے حق میں بھی تسلیم کیا ہے اور ان کا اس عموم میں دخول اولیت کے طور پر تسلیم کیا ہے:

وان روی عن بن عباس رضی اللّٰہ عنهما أن صالح المومنین عنها أبوبکر وعمر ورفع ذالك الی النبی ﷺ وقد ذهب الیه قتادة وعکرمة وهو مناسب لذکر جبریل والملائکة فان المراد دخولهما بالطریق الأولی لا التخصیص

(ص ۲۱۲ جلد ۸)

(۸) تفسیر الحداد یعنی کشف التنزیل فی تحقیق المباحث والتاویل

لابی بکر الحداد الیمنی الحنفی میں فرمایا:

وصالح المومنین أبوبکر وعمر یتولیانہ وینصرانہ علی من عاداہ۔

(ص ۳۵ جلد سابع)

الغرض صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مرفوع روایات واحادیث سے او
موقوف روایات سے بھی اور اکابر تابعین کے اقوال سے بھی ثابت ہوگیا کہ صالح المومنین
مصداق بالخصوص شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہیں یا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم مر
ہیں اور اگر اس لفظ کو عموم پر رکھا جائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم
دخول اوّلی کے طور پر صالح المومنین میں داخل ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ ان کے صالح المومنی
ہونے کی شہادت دے تو کون سا مسلمان اور مومن ان کے صالح المومنین ہونے میں شک
وشبہ کرسکتا ہے؟

نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کے اخلاص اور کامل ترین محبِ رسول ﷺ
ہونے کی شہادت ہے کہ اولاد کی محبت نبیٔ مکرم ﷺ کی محبت کے مقابل ان کے نزدیک
قابلِ توجہ ہی نہیں چہ جائے کہ آپ کی محبت کے مساوی ہو یا بڑھ کر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپ
طرف سے یہ شہادت دی ہے جبکہ وہ علیم بکل شیئ ہے اور من کل وجہ علیم ہے اور کوئی لچک او
تردد اس میں ان کے متعلق ظاہر نہیں فرمایا اور اس باہمی تظاہر و تعاون پر اڑے رہنے کی صورت
میں کتنا بھیانک انجام ان کا ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے ان کے اخلاص اور حبِ کامل کے لیے
دعا کرنا بھی قطعاً ثابت نہیں جبکہ نوح علیہ السلام نے خود دعا فرمائی تھی: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ
مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا کوئی کافر روئے زمین پر زندہ نہ چھوڑ مگر بیٹا کفر پر اڑ گیا اور باپ پر ایمان
لانے اور حلقۂ غلامی میں داخل ہونے سے صاف انکاری ہے مگر پھر پدری شفقت جوش مار

ہےاوراس کو بچانے کے لیے عرض کرتے ہیں:

اِنَّ ابْنِی مِنْ اَهْلِی وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ (ھود،45:11)

"میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا میرے اہل کو بچانے کا وعدہ برحق ہے"

لہذا اس کو بچا! تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی میری مراد اہل سے روحانی رشتہ والی آل تھی نہ کہ خونی اور جسمانی رشتہ والی۔ شفقت پدری کا جوش سببِ ذہول بن گیا۔ اگر چہ بڑی سے بڑی شان والے امتی کا کسی بھی نبی سے مساوات یا افضلیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن ان دونوں حضرات کا فنا فی الرسول بقاء بالرسول کا مقام بہرحال ظاہر ہے اور واجب الاحترام والتسلیم ہے، جس کے مقابل اپنی ذات کے خیال کی بھی گنجائش نہیں ہوتی چہ جائے کہ اولاد کا خیال دل ودماغ پر نقش رہے۔ الثا حضرت عمر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے

فان الله معك والملائكة وجبريل وميكائل وأبوبكر والمؤمنون معك وقلما تكلمت وأحمد الله بكلام الا رجوت أن يكون الله يصدق قولي الذي أقول نزلت عسى ربه ان طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن –الآية

(تفسیر مظهری برواية الامام البخاري جلد ۹ ص ۳٤۳)

کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے اور تمام ملائکہ بالخصوص جبرئیل ومیکائل اور ابوبکر اور مومنین آپ کے ساتھ ہیں اور معاون ومددگار ہیں اور بہت کم میں نے کوئی کلام کی مگر الحمدللہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا تھا کہ وہ میری کہی ہوئی بات کی تصدیق فرمادے گا تو اللہ تعالیٰ نے مقدس کلمات نازل فرمائے۔ "قریب ہے کہ اگر رسول گرامی ﷺ تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ انہیں تمہاری نسبت بہتر بیویاں عطا فرمادے گا"

نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہے جبرئیل امین، صالح المومنین اور سبھی ملائکہ ان

کے معاون ومددگار ہیں۔

اہم سوال وجواب:

ایک طرف سے دو عورتیں ہیں اور ان کے والدین بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں تو ان
مقابل نبی مکرم ﷺ کے اس قدر کثیر التعداد معاونین ومددگار ذکر کرنے کی کوئی اہمیت م
نہیں ہوتی؟ آپ اکیلے ان کی تادیب کے لیے کافی تھے، پھر اللہ تعالیٰ کی ذات والا کے بع
کی معاونت کی ضرورت کیونکر محسوس ہو سکتی ہے؟

جواب:

یہ ہے کہ رسول محتشم ﷺ کے مد مقابل کی قوت وطاقت مدنظر نہیں ہے بلکہ عظمتِ ر
ﷺ کو واضح کرنا مقصود ہے کہ کسی مسلمان کو خواب میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ہم رســــ
کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی مرضی کے برعکس اپنے اتحاد واتفاق کی بدولت اپنی مرضی
سکیں گے اور ان کو اپنی خواہش اور دلی تمنا کے مطابق عمل پیرا ہونے پر مجبور کر سکیں گے اس
اس قدر معاونین وموالیوں کا ذکر فرمایا ھذا واللہ ورسولہ أعلم۔

کیا نبی مکرم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو یا کسی ایک بیوی کو طلاق دی تھی

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک رجعی طلا
دی تھی جبکہ اس میں بھی اختلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے امر سے آپ نے اس سے رجو
فرمالیا تھا اور یہاں پر مشروط حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر تم سب کو طلاق د
دیں تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو عطا کرے گا وہ تمہیں زوجیت میں رکھنے پر مجبور نہیں
بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون اور مختار ہیں، لہذا تم اپنے اس اعزاز اور شان امتیاز کو بحال
رکھنے کے لیے محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی رضامندی اور پسندیدگی کو مقدم رکھو اور

اپنی انانیت اور خواہش نفس کو مکمل طور پر ختم کردو۔

اہم سوال:

روئے زمین پر ازواج نبی صلی اللہ علیہ وعلیہنّ وسلّم کی خداداد شان اور مرتبہ ومقام کی برابری کرنے والی جب کوئی عورت ہے ہی نہیں، کما قال تعالی: یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب، 32:33) تو ان سے خیر وبرتر اور افضل واعلیٰ مرتبہ والی ازواج کا تصور کیسے ہو سکتا ہے ؟

جواب:

حضرت محی الدین شیخ زادہ حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

فان المذهب أنه ليس على وجه الأرض نساء خير من أمهات المومنين الا أنه عليه الصلوة والسلام اذا طلقهن لعضيا نهن له وايذاء هن اياه كان غير هن من الموصوفين بهذه الصفات مع الطاعة خيرًا منهن وهذه الخيرية لما علّقت بما لم يقع لم تكن واقعة في نفسها وكان الله عالمًا بأنه عليه الصلوة والسلام لا يطلقهن ولكن أخبرعن قدرته على أنه ان طلقهنّ أبد لهٗ خيرًا منهنّ تخويفًا لهنّ كقوله تعالے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ ۔

(ص ۲۵۹ جلد ثامن)

"مذہب حق یہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی عورت نہیں ہے جو ازواج مطہرات سے افضل ہو (یا ان کی شان کی برابری کر سکے) مگر حضور اکرم ﷺ اگر ان کو طلاق دے دیں ان کے عصیان کے اور ان کی اذیت پہنچانے کی وجہ سے تو پھر ان کی بجائے ان صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف اور آپ کی اطاعت گزار ان امہات المومنین سے ضرور بہتر ہوں گی۔ لیکن یہ فضیلت

وخیریت چونکہ معلق ومشروط ہے اس امر کے ساتھ جو وقوع پذیر نہیں ہوا تو دوسری عورتوں کا فی
الواقع ازواجِ مطہرات سے بہتر اور افضل ہونا ثابت نہیں ہوسکا۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ
رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق نہیں دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بارے میں ان کو
آگاہ کردیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو تمہارے بدلے میں ان کو بہتر بیویاں عطا
کردوں گا ان کے ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لیے، یہ اس طرح فرمایا جیسے کہ ارشادِ باری
تعالیٰ ہے کہ۔ اگر تم پیٹھ پھیرو گے اور دین اسلام سے روگرانی کرو گے تو تمہارے بدلے دوسری
قوم کو اللہ تعالیٰ لائے گا پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔ الغرض نہ ازواجِ مطہرات کی طلاق
وقوع پذیر ہوئی اور نہ ہی کسی عورت کا ان سے افضل یا مساوی مرتبہ والا ہونا ثابت ہوا۔

اہم سوال وجواب:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انعام یافتہ حضرات کے چار طبقات ذکر فرمائے ہیں:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصّٰلِحِيْنَ

انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ جبکہ صالحین کا چوتھا درجہ ہے اور
صدیقین دوسرے درجہ میں ہیں، لیکن آیتِ کریمہ سے ان کا صدیقیت کے اعلیٰ مقام پر فائز
ہونے کی بجائے چوتھے درجہ میں ہونا لازم آرہا ہے تو یہ استدلال پہلے دلائل کے خلاف بھی ہوگیا
اور آپ کے مرتبہ کی تنزلی کو بھی مستلزم ہوگیا تو اس کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہوا بلکہ نقصان لازم
آیا؟

جواب:

صالح کا لقب اگر دوسرے القاب کے ساتھ مذکور ہو تو پھر چوتھے مرتبہ پر دلالت

کرتا ہے اور نسبتاً تنزل کی دلیل ہوتا ہے۔ لیکن جب مطلق ذکر کیا جائے تو خداداد مرتبہ ومقام میں درجۂ کمال پر فائز ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ معراج شریف کے موقع پر جب رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی اور آپ نے ان کو فرداً فرداً اسلام دیا اور انہوں نے سلام کا جواب بھی دیا تو بعض نے مرحبا بالنبی الصالح والأخ الصالح کہا اور بعض نے مرحباً بالنبی الصالح والابن الصالح کہا، حالانکہ وہ آپ کی اقتداء میں بیت المقدس میں نماز بھی پڑھ آئے ہیں اور آپ کی جسمانی ترقی اور بلند پروازی کا اور جبرئیل علیہ السلام کی خادمیت کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہاں صالح سے مراد نبوت کا کامل واکمل درجہ ہوگا اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کے لیے صدیقیت کا اعلیٰ درجہ اور حضرت عمر فاروق اعظم کے لیے شہادت کا اعلیٰ درجہ مراد ہوگا۔ ھذا ما عندی واللہ ورسولہ أعلم۔

خلافت بلافصل کا بیان بزبان رسالت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ أَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثاً فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (التحریم،3:66)

اس دوران حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی دور کرنے کے لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا کہ میں نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا ہے اور یہ کہ ان أبابکر یلی الخلافۃ من بعدی ثم أبوک

”بے شک ابوبکر صدیق میرے بعد خلیفہ ہوں گے پھر تمہارے والد گرامی اس منصب پر فائز ہوں گے اور اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کرنا“

لیکن نسوانی اور بشری کمزوری کے تحت ان سے ضبط نہ ہو سکا اور حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کو آگاہ کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ماریہ قبطیہ کی تحریم کے راز کے افشا کرنے کا گلہ فرمایا لیکن خلافت والے راز کے افشاء کے بارے میں چشم پوشی اور روگردانی فرمائی جس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ انکشاف نگاہِ نبوت میں ناپسندیدہ امر نہیں تھا اور اس کے شیوع اور شہرت میں کوئی حرج آپ نے محسوس نہ فرمایا۔

نیز جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خوش کرنے اور ان کے دل پر سے گرانی اور ناگواری کو دور کرنے کے لیے یہ مژدہ سنایا جا رہا تھا تو اس کا وقوع پذیر ہونا بھی یقینی تھا اور اس خلافت کا خلافتِ حقہ اور موھوب من اللہ ہونا بھی یقینی تھا کیونکہ غاصبانہ اور ظالمانہ خلافت کا خوشخبری کے مقام میں ذکر کیے جانے کا کون عقلمند تصور کر سکتا ہے؟

لہٰذا خلافت کا برحق ہونا بھی ثابت ہو گیا اور آپ نے خداداد علمِ غیب کے تحت اس کی خبر دی تھی تو اس کا ازلی اور عرشی فیصلہ ہونا بھی حتمی قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔ لہٰذا اس کو محض بندوں کا انتخاب قرار دینا جیسے کہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اس قسم کے وساوس لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں ڈال رہے ہیں، سراسر بے بنیاد اوہام و وساوس ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ ازلی اور عرشی فیصلے ظاہر بندوں کے ذریعے ہو جائیں، رسول گرامی ﷺ نے کاغذ اور قلم و دوات طلب فرمائے تا کہ ابوبکر صدیق کے لیے خلافتی آرڈر لکھ دیں پھر خداداد علم کے مطابق فرما دیا یابی اللّٰہ والمومنون الا أبابکر "اللہ تعالیٰ اور مومنین سوائے ابوبکر صدیق کے کسی پر راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تحریر کی ضرورت نہیں ہے"

الغرض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عند اللہ اور عند الرسول ﷺ خلیفۂ برحق اور خلیفۂ بلافصل ہونا بھی واضح طور پر ثابت ہو گیا اور اس کو ظالمانہ اور غاصبانہ قرار دینے کا بطلان بھی واضح ہو گیا اور محض بندوں کا انتخاب قرار دینے کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔

افضلیتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نویں قرآنی دلیل

الآیۃ التاسعۃ:

قولِ باری تعالے ہے:

اھدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ (6) صِرَاطَ الَّذِینَ أنعَمتَ عَلَیھِم غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّالِّینَ (7) (الفاتحۃ)

مفہومِ آیہ:

(اے اِن صفاتِ کمال کے موصوف برحق! معبودِ برحق! حاجت روائے خلق اور مشکلات کشائے ہمہ!) ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا! یعنی منعم علیہم حضرات کی شاہ راہِ ہدایت پر گامزن فرما! جو تیرے قہر وغضب سے سالم ومحفوظ ہیں اور ضلالت وگمراہی سے دامن بچانے والے ہیں"

اللہ تبارک وتعالے نے اس سورۂ کریمہ میں اہم دعا کی تعلیم دی اور اس کا طریقہ وسلیقہ بھی بیان فرمایا، یعنی میری حمد وثناء کرو میرے صفاتِ کمال کے ساتھ، پھر اپنے عابد ہونے اور میرے معبودِ یکتا ہونے کا اظہار کرو، میرے ساتھ اپنا ظاہری وباطنی روحانی وجسمانی تواضع وانکساری اور عبادت وریاضت والا تعلق ظاہر کرو، پھر اپنی حاجت اور ضرورت میری بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے یوں عرض کرو کہ ہمیں صراطِ مستقیم تک واصل فرما اور اس پر گامزن فرما یعنی ان مقدس ہستیوں کی شاہراہِ حیات پر جن پر تیرا انعام ہے جو قہر وغضب سے محفوظ اور ضلالت وگمراہی سے بچنے والے ہیں۔

القرآن یفسر بعضہ بعضا کے تحت قرآن مجید اپنی تفسیر آپ بتلاتا ہے تو ان ا
یافتہ حضرات کی بھی قرآن مجید نے خود تفصیل بتلا دی ہے کما قال اللہ تعالیٰ من یطع
والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ من النبیین والصدیقین والشھداء والصالح
یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے گا تو وہ اطاعت گزار لوگ ان مق
حضرات کی معیت میں ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء کرام علی
السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ایک طریقہ اس مصاحبت و مرافقت کے حصول کا اطاعتِ الٰہیہ اور اطاعتِ مصطف
بیان فرمایا تو دوسرا طریقہ اس انداز سے دعا کرنے کا بتلایا جو عنداللہ مقبول و مستجاب طریقہ
کیونکہ اپنی عبادت کو مقبولانِ بارگاہ کی عبادت میں ملا کر اور اپنی حاجت کو ان کی حاجت میں ما
جب پیش کیا جائے تو وہ عبادت اُن کی عبادات کے طفیل اس بے نیاز کی بارگاہ میں شرفِ قبول
پالیتی ہے اور وہ حاجت ان کی حاجات کے طفیل اس کریم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شرفِ اجا
حاصل کر لیتی ہے۔

اس لیے نماز باجماعت کا حکم دیا گیا ہے اور اجتماعی حج کا تاکہ جب یہ عبادات با
صمدیت میں اکٹھی پیش ہوں تو کاملین و اکملین کے طفیل ناقص مسلمانوں کی یہ عبادات بھی شر
قبولیت حاصل کر لیں۔

پھر سورت کی تلاوت واجب ہے نوافل و سنن اور وتر کی ہر رکعت میں اور فرض منفرد
پر ادا کرنے پر بھی ہر رکعت میں تلاوت کی جائے گی اور باجماعت ادائیگی کی صورت میں بعض
ائمہ کے نزدیک امام مقتدیوں کی اس ذمہ داری کو ادا کرے گا جیسے کہ حدیث میں ہے من کا
لہ امام فقراء ۃ الامام لہ قراء ۃ یعنی جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو امام کی قراءت
اس کی قراءت بن جائے گی جیسے کوئی امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی رکعت

پوری طرح ادا ہوگی اور بعض ائمہ حضرات فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے بھی لازم ٹھہراتے ہیں جیسے کہ کتبِ فقہ میں اس کو مفصل اور مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تہجد خوان حضرات تہجد کے نوافل میں اور رمضان شریف میں تراویح کے اندر اس سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس میں اس دعا کو بار بار دہرایا جاتا ہے تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دعا کی شریعتِ مطہرہ اور اس دینِ متین میں کتنی اہمیت ہے اور یہ کس قدر مؤکد ہے۔

فرمانِ رسول ﷺ لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب کوئی نماز سورۂ فاتحہ کے بغیر جائز نہیں ہے یا اس کے بغیر کامل واکمل طور پر ادا نہیں ہوسکتی ہے تو اس سے صراط مستقیم اور منعم علیہم حضرات کی شاہراہِ حیات اور اس پر گامزن ہونے کا وجوب ولزوم اور ضرورت وفرضیت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے اور اس سے انحراف وعدول کی ذرہ بھر گنجائش باقی نہیں رہتی۔

النبیین میں سرفہرست خاتم النبیین، رحمۃللعالمین ﷺ ہیں کیونکہ ان کی بعثت کے بعد پیغمبرانِ کرام علیہم السلام کو اطاعت واتباع اور نصرت وامداد کے بغیر چارہ نہیں ہے کما قال تعالےٰ: ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ (ال عمران، 81:3) اور ان کی شریعتوں کا کوئی حکم جو اسلامی احکام کے موافق ومطابق نہ ہو قطعاً قابلِ قبول اور لائقِ اتباع نہیں ہے، کما قال تعالےٰ: ان الدین عنداللہ الاسلام- وقال تعالےٰ: و من یبتغ غیرالاسلام دینافلن یقبل منہ (ال عمران، 85:3) البتہ ان کے جو احکام اور اعمال واخلاق اسلام کے خلاف نہیں اور ان کے امتیازی شان اور انفرادی کمال سے تعلق رکھتے ہیں وہ سبھی نبی مکرم ﷺ نے اپنے اندر جمع فرمالیے اور جامع جمیع کمالات انبیاء علیہ وعلیہم السلام بن گئے، کما قال تعالیٰ اولٰئک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ (الشوریٰ، 32:42) تو اندریں صورت آپ کی اتباع گویا تمام پیغمبرانِ کرام اور سب انبیاء ورسل علیہم السلام کی اتباع ہے اور سب کی اطاعت وپیروی ہے۔

صدیقین وشہداء اور صالحین کے متعلق پہلی امم وملل کے اس مرتبہ ومقام والے حضرات کے اقوال بھی بعض مفسرین کرام نے ذکر فرمائے ہیں لیکن قطعاً یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ صرف اور صرف پہلی امتوں کے صدیقین اور شہداء وصالحین کی راہ ہدایت تک وصول اور اس پر چلنے کی توفیق اللہ تعالےٰ سے طلب کی جائے کیونکہ یہ امت خیر امم ہے جو لوگوں کی خیر اور بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے اور قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اپنے فریضۂ نبوت کی ادائیگی کے حق میں اور کافر امتوں کے انکار کے رد وابطال میں اس امت کو گواہ کے طور پر پیش کریں گے اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفائی کے گواہ ہوں گے امر خداوندی کے مطابق انہیں کی شہادت قبول کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء کرام کے حق میں فیصلہ فرمائے گا اور قرآن مجید فرقان حمید ان کی یہ امتیازی شان بیان کر رہا ہے کما قال تعالےٰ: کنتم خیر امة اخرجت الناس (ال عمران، 110:3) وقال فی مقام آخر: و کذالك جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا (البقره، 143:2)۔ نیز دنیا میں ظہور کے لحاظ سے سب انبیاء وامم ان سے سابق اور مقدم ہوں گے لیکن آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انبیاء کرام علیهم السلام سے مقدم ہوں گے اور آپ کی امت بھی تمام امتوں سے دخول جنت میں سابق اور مقدم ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

ان الله حرم الجنة علی الانبیاء حتی ادخلها وعلی الامم حتی تدخلها امتی – وغیر ذالك من الاختصاصات والامتیازات تو اس خیر امت کے صدیقین وشہداء اور صالحین کی اقتداء واتباع اور ان کے مدارج ہدایت اور معارج عرفان جیسے مدارج ومعارج کی طلب وآرزو اور ان کے مطابق وموافق نظریات وعقائد اور اعمال واخلاق اور روش وکردار کی تمنا اور خواہش سے کون سا مسلم ومومن خالی ہوسکتا ہے۔

لہذا اولین درجہ اور مرتبہ میں اس امت عظیمہ کے ان عظیم المرتبت مقتداؤں اور

راہنماؤں کی شاہراہ ہدایت پر ہی چلنا ارفع و اعلیٰ مقصد اور اہم ترین مدعا اور مطلب ہے اور اگر دوسری امتوں کے صدیقین و شہداء اور صالحین مراد ہوں تو بھی ان کے طفیلیوں اور متبعین کی طرح ہی مراد ہوں گے جیسے کہ خود ان کے مقتدایان کرام اور متبوعین عظام یعنی انبیاء و رسل سابقین علیہم السلام کی شان اور مقام ہے کہ نبی الانبیاء ﷺ کے متبعین میں شامل ہیں اور نماز اسراء اس کی شاہد صادق ہے

نماز اسراء میں تھا یہی سر، عیاں ہو معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب تصریحات اکابر ملاحظہ فرماویں

(۱) حضرت علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی الجامع لاحکام القرآن میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی المنعم علیهم فقال الجمهور من المفسرین انه أراد صراط النبیین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین و انتزعوا ذالك من قوله تعالى : و من یطع الله و الرسول فاولئك مع الذین انعم الله علیهم من النبیین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین و حسن اولئك رفیقا ۔ فالآیة تقتضی ان هولاء علی صراط مستقیم وهو المطلوب فی آیة الحمد و جمیع ما قیل الی هذا یرجع فلامعنی لتعدید الاقوال والله المستعان (جلد اول ص ۱۹۳)

منعم علیہم کے بیان مصداق میں لوگوں کا اختلاف ہے پس جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین و شہداء اور صالحین کی راہ کا ارادہ فرمایا ہے اور ان مفسرین کرام نے اپنے اس نظریہ کو ارشاد خداوند تعالیٰ و من یطع اللّٰہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللّٰہ سے اخذ کیا ہے۔

لہذا یہ آیت کریمہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ حضرات صراط مستقیم پر ہیں اور یہی امر سورۂ حمد کی اس آیت کریمہ میں بھی مطلوب و مقصود ہے اور منعم علیہم کے مصداق میں جس جس نے جو جو قول بھی کیا ہے وہ سبھی اس قول جمہور کی طرف راجع ہے اور اسی میں مندرج ہے لہذا ان سب کی گنتی کی اور الگ الگ ذکر کی ضرورت نہیں۔ واللہ المستعان۔

یہی مفسر عظیم الصراط المستقیم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال عاصم الأحول عن أبی العالیة الصراط المستقیم رسول اللہ ﷺ وصاحباہ من بعدہ قال عاصم فقلت للحسن ان أبا العالیة یقول الصراط المستقیم رسول اللہ ﷺ وصاحباہ قال صدق ونصح۔ (ص ۱۹۲)

عاصم احول نے کہا ابو العالیہ سے روایت کرتے ہوئے کہ الصراط المستقیم رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے بعد ان کے دونوں صاحب یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔ عاصم نے کہا پس میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالٰی سے کہا بیشک ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم کا مصداق رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے دونوں مصاحب ہیں تو آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے اور سراسر خلوص و صحیح نظریہ کا اظہار کیا ہے۔

اقول:

صراط الذین انعمت علیہم۔ جب الصراط المستقیم سے بدل کل ہے تو اس کا مصداق بھی ان حضرات کے نزدیک رسول مکرم ﷺ اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما ہوں گے اور ظاہر ہے ماسوا کی نفی کے طور پر نہیں بلکہ اولیت اور اولویت کے طور پر۔ کیونکہ پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام رسول اکرم ﷺ کے متبعین ہیں اور پہلی امتوں کے کاملین اس صدیق اکبر اور شہید اعظم کے تابع ہیں۔ لہذا ان کے اس امتیاز و اختصاص پر تنبیہ کے لیے ان کو نامزد کیا گیا ہے جیسے کہ رسول کریم ﷺ کی اسی متبوعیت اور اصالت پر تنبیہ کے لیے آپ کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ لہذا ان

مقدس ہستیوں کی اولیت اور افضلیت ثابت ہو گئی۔

(۲) حضرت علامہ الحافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی اپنی معروف زمانہ تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں:

اختلف عبارات السلف والخلف من المفسرین فی تفسیر الصراط وان کان یرجع حاصلها الی شئی واحد وهو المتابعة لله وللرسول الخ۔

"مفسرین کرام میں سے سلف وخلف کی عبارات اس صراط کی تفسیر میں مختلف ہیں اگرچہ ان کا حاصل امر واحد ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی متابعت"

پہلا اور دوسرا قول:

اس سے مراد کتاب اللہ ہے جیسے کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف طور پر منقول ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور چند دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے۔

تیسرا اور چوتھا قول:

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حق ہے جیسے کے مجاہد سے منقول اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول معظم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں جیسے کہ عاصم احول کے واسطہ سے ابو العالیہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے (اور قرطبی کے حوالے سے عبارت ذکر کی جا چکی ہے)

حضرت علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

کل هذه الأقوال صحیحة وهی متلازمة فان من اتبع النبی ﷺ واقتدی باللذین من بعده أبی بکر وعمر رضی الله عنهما فقد اتبع الحق و من اتبع الحق فقد

اتبع الاسلام ومن اتبع الاسلام فقد اتبع القرآن وهو كتاب الله وحبله المتي
وصراطه المستقيم فكلها صحيحة يصدق بعضها بعضا۔

(جلد اول ص ۲۷،۲۸)

"یہ سبھی اقوال صحیح ہیں اور یہ باہم متلازم ہیں کیونکہ جس نے نبی مکرم ﷺ کی اتباع ک
اور آپ کے بعد والے حضرات یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اقتداء کی تو ا
نے حق کی اتباع کی اور جس نے حق کی اتباع کی تحقیق اس نے دینِ اسلام کی اتباع کی اور جس
نے اسلام کی اتباع کی تو اس نے قرآن یعنی کتاب اللہ کی اتباع کی جو کہ اللہ تعالےٰ کی جبلِ متی
اور مضبوط نورانی رسہ ہے جو متمسک لوگوں کو ذات باری تک رسائی بخشنے والا ہے اور اللہ تعالےٰ
صراط مستقیم ہے۔لہٰذا یہ سبھی اقوال صحیح ہیں اور واقعہ کے مطابق ہیں اور ایک دوسرے کی تصدی
کرنے والے ہیں"

قول باری تعالی صراط الذين انعمت عليهم کی تفسیر میں فرمایا:

والذين أنعم الله عليهم المذكورون فى سورة النساء حيث قال ومن يطي
الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليم من النبيين والصديقين والشهدا
والصالحين۔الآية الخ

جن پر اللہ تعالےٰ کا انعام ہے وہ وہی حضرات ہیں جن کا سورت نساء میں ذکر کیا
گیا ہے جس مقام پر فرمایا جو شخص اللہ تعالےٰ اور رسول معظم ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کی
معیت میں ہوگا جن پر اللہ تعالےٰ کا انعام ہے یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت
میں ہوگا اور وہ بہت اچھے اور مستحسن رفقاء ہیں اور وہ عظیم فضل اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اللہ
تعالےٰ کافی ہے از روئے علیم ہونے کے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

صراط الذین انعمت علیهم بطاعتك وعبادتك یعنی ملا ئکتك وانبیائك والصدیقین والشهداء والصالحین وذالك نظیر قوله تعالی من یطع اللّٰه و الرسول۔

یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا اپنی اطاعت کے طفیل اور عبادت کے سبب یعنی اپنے ملائکہ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء وصالحین کی راہ یہ قول باری تعالیٰ نظیر ہے اس کی جو اللہ رب العزت نے فرمایا جس نے اطاعت کی اللہ اور رسول اللہ کی تو وہ ان کی معیت میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔الخ

ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ الذین انعمت علیهم سے انبیاء کرام مراد ہیں۔ابن جریج حضرت ابن عباس سے ناقل ہیں اس سے مومنین مراد ہیں اور ایسے ہی مجاہد نے بھی نقل کیا ہے اور عبدالرحمن ابن زید ابن اسلم سے مروی ہے هم النبی ﷺ ومن معه اس سے مراد نبی مکرم ﷺ اور جو حضرات آپ کے ساتھ ہیں مگر حضرت ابن عباس والا پہلا قول اعم اور اشمل ہے تفسیر بغوی میں ان اقوال کے علاوہ عبدالرحمن بن زید ان سے یوں منقول ہے:

رسول اللّٰه و أهل بیته اور شہر بن حوشب نے کہا: هم أصحاب رسول اللّٰه ﷺ و أهل بیته۔

اقول:

سرورِ عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”میں تم میں دو قیمتی چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک ان سے وابستہ رہو گے گمراہ نہیں ہو گے،ایک قرآن مجید اور دوسری چیز اہل بیت اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ مل کے میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے“

اور فرمایا:

”میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے بہتر دوزخی ہوں گے اور ایک

فرقہ جنتی ہوگا جو میری راہ اور میرے صحابہ کی راہ کو اپنائے ہوئے ہوگا"

اور یہ بھی باہم متلازم ہیں اور سب تفسیریں صحیح ہیں کما قال ابن کثیر

قول باری تعالےٰ صراط الذین انعمت علیہم صراط مستقیم کے لیے مفسّر ہے اور وہ نحویو

کے نزدیک صراط مستقیم سے بدل ہے اور اس کو عطف بیان بنانا بھی جائز ہے۔

اقول:

جب ثابت ہو چکا کہ اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقتدائے شیخین حق کی اتباع واقتداء ہے ا

اتباع حق دینِ اسلام کی اتباع ہے اور دینِ اسلام کی اتباع قرآن مجید کی اتباع ہے اور جب قو

باری تعالے صراط الذین انعمت علیہم بدل کل یا عطف بیان ہے تو ان دونوں کی تفا

میں بھی لامحالہ تلازم ثابت ہو جائے گا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتداء انبیاء کرام جملہ صدیقین اور تم

شہداء وصالحین کی اتباع واقتداء کو مستلزم ہو جائے گی۔ تو اس سے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظم

شیخین واضح طور پر ثابت ہو جائے گی اور مقام صدیقیتِ صدیق، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ـ

ساتھ بلا تفرقہ وفاصلہ متصل ولاحق ہے تو ان کی اعظمیت وافضلیت بعد از رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نیم روز کی طرح واضح ہوگئی۔ والحمدللہ تعالے

(۳) فخر المفسرین حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فائدہ:

قولہ تعالے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم یدل علی

امامۃ أبی بکر رضی اللہ عنہ لأنا ذکرنا أن تقدیر الآیۃ اہدنا صراط الذین أنعم

علیہم واللہ قد بیّن فی آیۃ أخری ان الذین أنعم اللہ علیہم من ہم؟ فقال فأولئک م

الذین أنعم اللہ علیہم من النبین والصدیقین ولا شک أن رأس الصدیقین ورئیس

أبو بكر الصديق رضى الله عنه فكان معنى الآية أن الله أمرنا أن نطلب الهداية التى كان عليها أبو بكر الصديق و سائر الصديقين ولو كان أبو بكر ظالما لما جاز الاقتداء به فثبت بما ذكرناه دلالة هذه الآية على امامة أبى بكر رضى الله عنه۔

(تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۲۲۱)

دوسرا فائدہ:

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اھدنا الصراط المستقیم الخ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ ہمیں چلا انعام یافتہ حضرات کی راہ پر اور اللہ تعالےٰ نے دوسری آیت کریمہ میں بیان فرما دیا کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ کون ہیں، پس فرمایا وہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالےٰ کا انعام ہے یعنی انبیاء اور صدیقین۔ اور اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ صدیقین کے راس و رئیس ابوبکر صدیق ہیں تو اس آیت کریمہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے وہ راہِ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور دیگر صدیقین تھے اور اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء قطعاً جائز ہی نہ ہوتی۔ تو ہمارے اس مذکور بیان سے ثابت ہو گیا اس آیتِ کریمہ کا حضرت ابوبکر صدیق کی امامت کی دلیل و برہان ہونا۔

اقول:

امامت صغریٰ بھی ہوتی ہے اور کبریٰ بھی۔ اور دونوں میں اصل یہی ہے کہ امام سب سے افضل ہونا چاہیے اور خاص طور پر خلافت و امامت کا تیس سالہ دور خلافتِ نبوت کا دور ہے تو اس میں بلاشک وشبہ حضرات شیخین بالاجماع افضل علی الاطلاق ہیں اور عند الجمھور حضرت عثمان مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور باری باری امامت صغریٰ بھی انہیں

کے پاس رہی اور امامت کبریٰ بھی اور قول باری تعالے واجعلنا للمتقین اماماً۔

دونوں طرح کی امامت کی افضلیت کی روشن دلیل ہے نبی مکرم ﷺ نے نماز جیسے اہم
دینی رکن میں حضرت صدیق کو منصب نیابت سونپا۔ نیز فرمایا کہ جس قوم میں ابوبکر صدیق موجو
ہوں ان کی شان کے یہ لائق نہیں کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امام بنائیں اور اسی امامت سے
امامت کبریٰ کے لیے حضرت صدیق کی اولویت اور اولیت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے
استدلال فرمایا اور انصار مدینہ سبھی ان سے متفق ہو گئے کہ ہم اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب
کرتے ہیں کہ جس کو رسول گرامی ﷺ نے مقدم اور سابق ٹھہرایا ہے ہم اس کو پیچھے ہٹا دیں او
اسی کو مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دلیل بناتے ہوئے فرمایا :رضینا لدنیانا من رضیه
رسول اللہ ﷺ لدیننا۔

"ہم اپنی دنیا کے لیے بھی اسی ہستی کی امامت وحکومت پر راضی ہیں جس کو رسول گرامی
ﷺ نے ہمارے دین کا امام وپیشوا بنا دیا"

اور اسی خداداد علم کے تحت کہ ابوبکر صدیق دونوں طرح کی امامت کے ساتھ موصوف
ومتصف ہو جائیں گے اور کوئی شخص بھی ان کے مزاحم ومخالف نہیں ہوگا فرمادیا کہ میرے ان کے
لیے خلافت اور امامت کبریٰ کی وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ (یابی اللہ والمومنون
الا ابابکر) اللہ تعالےٰ بھی اور تمام اہل ایمان بھی ابوبکر کے علاوہ کسی دوسرے کو یہ منصب سونپنے
سے انکار کر دیں گے۔

نکتۂ لطیفہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے واجعلنا للمتقین اماما تو
اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کو کیا قبولیت اور پذیرائی بخشی کہ خیر القرون کے متقی
حضرات کے لیے ان کو امام بنا دیا اور دونوں طرح کی امامتیں ان کو عطا فرما دیں جیسے کہ

خیر القرون والے حضرات کی اس دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے قطبِ مدار نبوت سید الانبیاء ﷺ کی اور قطب مدار صدیقیت اور قطب مدار شہادت اور قطب مدار صالحیت وولایت کے راہِ راست اور صراطِ مستقیم کی ان کو اقتداء واتباع کی توفیق بخشی۔ والحمدللہ علی ذالک

نیز اللہ تعالےٰ کا اپنے عبادت گزار بندوں کو دوران نماز اس انداز سے دعا کرنے کی تعلیم دینا اس طرح کی تمنا وآرزو بارگاہِ اقدس میں پیش کرنے کا حکم دینا اس حقیقت کی بین دلیل اور روشن برہان ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح ہدایت کے اعلیٰ ترین مقام ومرتبہ پر فائز ہیں اسی طرح درجہ بدرجہ صدیقین وشہداء اور صالحین بھی ہدایت کے اعلیٰ مراتب ومدارج پر فائز ہیں لھذا ہر عبادت گزار کی نظران کے عنداللہ درجات ومراتب پر رہنی چاہیے اور اس قسم کی ہدایت کی اللہ تعالےٰ سے دعا اور التجا کرتے رہنا چاہیے بالخصوص نبوت کے قطب مدار اور صدیقیت کے قطب مدار اور ولایت وصالحیت کے قطب مدار جیسی ہدایت کی تو اگر ان حضرات کو نمازی اور دعا کرنے والے اپنے سے افضل واعلیٰ اور خیر وبرتر نہ سمجھیں گے تو ایسی دعا کیوں کر کریں گے حالانکہ یہ دعا کرنا ان پر واجب ولازم ہے تو لامحالہ ان کی افضلیت وسربلندی کا عقیدہ رکھنا بھی واجب ولازم ہے۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ عالی مرتبت حضرات سیر الی اللہ کی تکمیل کے بعد سیر فی اللہ کے مقام بالا پر فائز ہو چکے اور دولت وصل اور معائنہ ومشاہدہ اور بقاء باللہ کے درجات عالیہ پر فائز ہو چکے تو ان کی اس قدر کامل واکمل ترین ہدایت جیسی ہدایت کی طلب اپنی استعداد اور صلاحیت سے بڑا مطالبہ ہے اور ایاز قدر خود بشناس کے بظاہر خلاف ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں ذاتی استعداد پر مدار نہیں ہے بلکہ اس کریم کے کرم اور اس کے جود ونوال پر دارومدار ہے اور اس کی قدرت سے بعید نہیں ہے کہ وہ ان مقدس ہستیوں کے طفیل اور ان کے وسیلۂ جلیلہ سے اور ان کی تبعیت ومظہریت کے طور پر ان ضعفاء اور ناتوانوں کو بھی اس مقام بالا پر فائز

فرمائے

همت بلند دار که نزدِ خدا و خلق باشد بقدر همت تو اعتبار تو

گر نشاید بدوست ره بردن شرط عشق است در طلب مردن

نیز نبوت کا دروازہ بند ہے لیکن بقیہ کمالات کے حصول میں کوئی بندش نہیں ہے اور اگر بندش ہوتی تو اللہ تعالےٰ اس طرح دعا کرنے کی تعلیم ہی کیوں دیتا اور اس کو واجب ولازم ہی کیوں ٹھہراتا۔ فتامل حق التأمل

افضلیت حضرت ابوبکر صدیق کی دسویں قرآنی دلیل

الآیۃ العاشرۃ :

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔

(سورہ مجادلۃ، 11:57)

"بلند فرمائے گا اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان کے جو علم عطا کیے گئے درجات"

اس ارشاد خداوند تعالےٰ سے معلوم ہوا کہ ایمان اور علم درجات کی بلندی کے سبب کامل ہیں اور بذاتِ خود ایمان کے درجات بھی مختلف ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین تو جو ہستی ایمان میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوگی اس کا درجہ و مرتبہ دوسرے مراتب ایمانیہ کے مالک حضرات سے ارفع و اعلیٰ ہوگا اور علم کے درجات و مراتب بھی مختلف ہیں کوئی علم بالشرائع میں درجہ کمال پر فائز ہوتا ہے تو کوئی اس کے ساتھ ساتھ ان احکام کے اسرار و رموز پر بھی کماحقہ مطلع ہوتا ہے تو اس کا درجہ و مرتبہ پہلے قسم کے حضرات سے بہت بلند ہوگا اور جب قوت یقین اور علم ظاہر و باطن میں حصول کمال کے بعد اعمالِ شرعیہ پر عمل ہوگا تو وہ عمل بھی بہت زیادہ رفعت درجت اور بلندی مرتبت کا موجب بن جائے گا اور خوش قسمتی سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قوتِ ایمانیہ اور کمالِ یقین کے لحاظ سے بھی تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان پر سبقت لے جانے والے تھے اور رموز و اسرارِ شریعت اور احکامِ خداوندی اور احکامِ رسالت مآب ﷺ کی کنہ و حقیقت تک رسائی حاصل کیے ہوئے تھے جس تک دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی رسائی نہیں تھی۔لہذا آپ کا درجہ و مرتبہ اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق کا قوتِ یقین میں کمال:

(۱) ارشادِ مصطفوی ہے ما فضلکم أبوبکر بکثرۃ صوم ولاصلوۃ ولکن بشی وقرفی صدرہ۔ (بھجۃ النفوس ص : ۸۹)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تم سے سبقت اور فضیلت نہیں لے گئے روزوں کی کثرت اور نمازوں کی کثرت سے بلکہ ان کے فضل وشرف کا مدار وہ شے ہے جو ان کے سینۂ اقدس اور قلب اطہر میں قرار پذیر ہے۔ (کذا فی المرقاۃ شرح المشکوۃ)

حضرت ابوجمرہ اندلسی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قد يريد به اليقين لأنه معنى من المعاني ويكسب به أعلى الدرجات والمقامات يشهد لهذا قوله عليه السلام فى حق أبى بكر: مافضلكم أبوبكر بكثرة صوم ولاصلوة ولكن بشيىء وقر فى صدره والشي الذى كان وقرفي صدره هو قوة اليقين فنال أبوبكر رضى الله عنه أعلى المقامات وفضل غيره بذالك المعنى الذى وقرفي صدره دون تعب فى العمل بحارحة ـ وهذا يسرلا شك فيه ـ

یعنی کبھی الدین یسر میں دین سے مراد یقین والا معنی لیا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی معانی میں سے ایک معنی ہے اور اس کے ذریعے اعلیٰ درجات ومقامات حاصل کیے جاتے ہیں اور اس کا شاہد صادق اور برہانِ ناطق سرورِ عالم ﷺ کا حضرت صدیق کے حق میں یہ ارشاد گرامی ہے:

ابوبکر تم سے فضیلت نہیں پا گئے اور سبقت نہیں لے گئے صیام کی کثرت سے اور نہ صلوات کی کثرت سے لیکن ان کا فضل وسبق تم پر ہے بسبب اس چیز کے جو ان کے سینہ مبارک اور قلب منور میں جاگزیں اور قرار پذیر ہے۔

اور وہ شے جو صدر شریف اور قلب انور میں قرار پذیر اور حلول فرما تھی وہ قوت یقین ہے پس اسی کی بدولت پایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلیٰ مقامات اور شرف وفضل کو دیگر تمام صحابہ

کرام پر اسی معنی کی وجہ سے جوان کے سینہ میں قرار پذیر تھا بغیر اعضاء اور جوارح کے ساتھ مشقت اٹھائے اعمال شرعیہ میں اور یہ سراسر یسر ہے جس میں ریب وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فائدۂ عظیمہ:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان بلکہ تمام امت بلکہ تمام امم سے افضل واعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ جمع مخاطب کی ضمیر سب صحابہ کو شامل ہے اور کوئی تخصیص اور استثناء مذکور نہیں اور وہ اس امت سے بھی افضل ہیں اور امم سابقہ سے بھی اور جو افضل سے بھی افضل ہیں ان کا افضل علی الاطلاق ہونا واضح طور پر ثابت ہوگیا۔

نیز جب اس فضل وشرف کا سبب موجب قوتِ یقین ہے تو اس میں بھی آپ کی انفرادیت اور امتیازی شان ظاہر ہوگئی۔ اگر دیگر حضرات بھی قوت یقین میں آپ کے شریک ہوتے تو علت میں اشتراک معلول ومسبب میں اشتراک کو مستلزم ہوجاتا تو آپ کا علی الاطلاق افضل واکرم ہونا ثابت نہ ہوسکتا۔ فتامل حق التأمل۔

(۲) دوسری حدیث:

بخاری شریف، مسلم شریف اور مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص گائے کو ہانک کرلے جارہا تھا جب چلتے چلتے تھک گیا تو گائے پر سوار ہوگیا اس نے کہا:

انا لم نخلق لهذا انما خلقنا لحراثة الأرض فقال الناس سبحان الله بقرة تكلم۔

ہماری جنس سواری کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہم صرف کھیتی باڑی (اور اس کے متعلقہ امور) کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو حاضرین مجلس نے یہ ارشاد نبوی اور حکایت سن کر ازراہِ تعجب

کہا سبحان اللہ گائے بولتی ہے (اور وہ بھی انسانی بولی کے طور پر) فقال رسول اللہ

فانی أومن به أنا وأبوبکر وعمر وما هما ثمه۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پس تحقیق میں خود اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی"

پھر آپ نے فرمایا:

اس دوران کہ ایک شخص اپنی بھیڑ بکریوں میں موجود تھا تو ایک بھیڑیے نے ایک بکر

پر حملہ کر دیا اور اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو چرواہے نے اپنی بکری تک رسائی حاصل کر لی

اس کو بھیڑیے سے چھڑا لیا تو بھیڑیے نے کہا:

فمن لها يوم السبع يوم لا راعی لها غيری فقال الناس سبحان الله ذئب

يتكلم فقال أومن به أنا وأبوبكر وعمر وما هما ثمة۔ (متفق عليه)

"کون ہوگا اس بکری کے لیے سبع کے دن جب کہ میرے سوا اس کا کوئی نگران نہ

ہوگا تو حاضرین مجلس اقدس نے ازرو تعجب کہا: سبحان اللہ بھیڑیا بولتا ہے (انسانی بولی) تو سر

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی حالانکہ وہ دونو

حضرات وہاں پر موجود نہیں تھے"

وجہ استدلال:

صحابۂ کرام کا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ دونوں واقعات سن کر ریب وتردد کا شکار ہونا

ناممکن ہے کیونکہ وہ حضرات آپ کے ہر فرمان پر ایمان لاتے تھے اور ان کو علم الیقین حاصل

ہوتا تھا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو صفت ایمان میں اپنے ساتھ ملا کر ان کے عین الیقین

بلکہ حق الیقین تک رسائی کا اعلان واظہار فرمایا اور ان سے تعجب کی نفی حتمی انداز میں فرما دی کہ

تعجب امور غریبہ کے ادراک کا نام ہے۔ اور وہ دونوں حضرات میرے طفیل حقائق شناس اور خفیہ

امور کا کامل عرفان رکھنے والے ہیں۔ لہٰذا وہ ان واقعات پر ذرہ بھر تعجب کا اظہار نہ کرتے جیسے کہ

تم تعجب کا اظہار کر رہے ہو۔

علامہ تورپشتی نے فرمایا:

انما أراد بذالك تخصیصهما بالتصدیق الذی بلغ عین الیقین و کوشف صاحبه بالحقیقة التی لیس وراء ها للتعجب محال ۔

”حضرات شیخین کو اپنے ساتھ وصف ایمان میں شریک ٹھہرانے مقصود ان دونوں حضرات کو اس تصدیق کے ساتھ مخصوص ٹھہرانا ہے جو عین الیقین کے درجہ تک واصل ہو اور اس تصدیق والے پر اس حقیقت کو منکشف کر دیا گیا ہو جس انکشاف کے بعد وہاں تعجب کی مجال ہی نہ رہے“

ابن الملک فرماتے ہیں:

قوله به ای أصدق أنا بما أخبرنی به الملك من تکلم البقر وأبوبکر وعمر لقوة ایمانهما بما أخبرت ۔

میں اس پر ایمان رکھتا ہوں یعنی اس کی تصدیق کرتا ہوں جس کی فرشتہ نے مجھے خبر دی ہے یعنی بیل کے کلام کرنے کی اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا بھی اس پر ایمان ہے اس لیے کہ ان کا میری دی ہوئی خبر پر قوی ایمان ہے۔

قال ابن حجر : هو محمول علی أنه ﷺ کان أخبرهما به فصدقاه او أطلق ذالك لما اطلع علیه من أنهما یصدقان بذالك ولا یتردد ان فیه والأخیر هو الصحیح لما یدل علیه مقام المدح و کما یشعر الیه قول الراوی وماهما ثم والا فکل مومن یصدق النبی فیما أخبره فلا بد من و جه یمیزهما عن غیرهما کما یشیر الیه مشارکتهما فی الایمان المنسوب الیه ﷺ ۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد ۱۱ ص ۲۱۲،۲۱۳)

"ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ حدیث محمول ہے اس صورت پر کہ آنحضر
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ خبر دی تھی پس دونوں حضرات نے آپ کی تصدیق فرمائی یا آپ نے اس خبر
ایمان لانے کا اظہار فرمایا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر مطلع تھے کہ وہ اس پر ایمان لائیں
اور تصدیق کریں گے اور ذرہ بھر تردد اور تذبذب کا شکار نہیں ہوں گے اور آخری وجہ ہی صحیح اور
ہے کیونکہ یہ حدیث پاک شیخین کی مدح کے مقام میں مذکور ہے اور مقام کا تقاضا بھی یہی ہے
راوی کا قول کہ "وہ دونوں حضرات وہاں موجود نہیں تھے" بھی اسی طرف مشعر ہے کہ ایمان
تصدیق میں وہ دونوں حضرات امتیازی اور انفرادی مقام رکھتے تھے، ورنہ ہر مومن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ہر خبر کی تصدیق کرتا ہے تو ایسی وجہ کا پایا جانا ضروری ہے جو ان کو اغیار سے ممتاز کرے جیسا
ان دونوں حضرات کو اس ایمان میں شریک ٹھہرانا جو آپ کی طرف مسند اور منسوب ہے اس امتیا
طرف اشارہ کرتا ہے" (یعنی ایمان کامل واکمل جو عین الیقین بلکہ حق الیقین کے قبیل سے ہے)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دهلوی اشعة اللمعات میں فرماتے ہیں:

تخصیص ایشاں بذکر از برائے اشارت است بقوت و کمال ایمان ایشان
اگر گویند که ابوبکر وعمر رضی الله عنهما آنرا نداستند ونشنید ند وصادرنشد
ازایشاں ایمان بداں، پس چوں فرمود ایمان می آرند بداں ابوبکرؓ وعمر ؟
جوابش آنکه مراد آنست که ایں امر ہست که از شان او آنست که اگر
مطلع شوند برآں ایمان آرند بآں و تصدیق کنند بداں و تردد و شك نکنند درآں
وماهما ثم ـنه بودند ابوبکر وعمر آنجاحاضر۔ایں مبالغه است در مدح وقدر
ایشاں یعنی اگر حاضر می بودند او احتمال داشت که تخصیص ذکر ایشان
اتفاقی بتقریب حضور ایشاں می بود وچوں مدح وذکر ایشاں دریں باب غائبانه
کرد ادخل شد در مقصود وصریح شد درآنکه ذکر بجهت کمال وقوت ایمان

است۔ (جلد ٤، ص ٤٦٣)

''حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے اس ارشاد کو جانا اور نہ ہی سنا اور ان کی طرف سے اس حکایت کے ساتھ ایمان صادر اور وقوع پذیر بھی نہ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے کیسے فرمادیا کہ اس واقعہ پر ابوبکر و عمر ایمان رکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا واضح اور بدیہی امر ہے کہ اس کی شان سے یہ ہے کہ اگر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس پر مطلع ہوں تو ضرور ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور اس میں ذرہ بھر شک و تردد سے کام نہ لیں سوماھماثم ''وہ دونوں حضرات آپ کے ساتھ اس ارشاد کے موقعہ پر وہاں موجود نہیں تھے'' یہ جملہ ان کی مدح شان اور ان کی قدر و منزلت کے بیان میں مبالغہ ہے یعنی اگر وہ حاضر ہوتے تو احتمال تھا کہ ان کا بالخصوص ذکر کیا جانا اتفاقاً تھا کیونکہ وہ مجلس شریف میں موجود تھے اور جب آپ نے ان کی مدح و ثناء اور ان کا ذکر خیر غائبانہ اور ان کی عدم موجودگی میں فرمایا تو اس کا مقصود یعنی مدحتِ شیخین اور ان کی افضلیت کے بیان میں زیادہ دخل اور تاثیر ثابت ہوگئی اور صراحت کے طور پر ثابت ہوگیا کہ ان کا بالخصوص ذکر ان کے کمال ایمان اور اس کی قوت کی بنا پر ہے۔

(۳) تیسری دلیل:

محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے امداد و اعانت مالی کا حکم دیا تو ہر صحابی نے گھر کی ضروریات اور واپسی تک بال بچے کے اخراجات کے لیے مال رکھا حتی کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جذبہ کے ساتھ گھر مال لینے کے لیے گئے تھے کہ آج میرے گھر میں بہت سا مال پڑا ہے اگر میں کبھی بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہی ہوسکتا ہے چنانچہ آدھا مال گھر رکھا اور آدھا سرور عالم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کردیا۔ آپ نے دریافت فرمایا گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا آدھا۔ اتنے میں حضرت صدیق حاضر ہوگئے اس حال میں کہ گھر کی ساری پونجی اور اثاثہ حتی کہ بدن کے اچھے

کپڑے بھی پیش کر دیے اور کانٹوں کے بٹنوں والی عبا میں حاضر خدمت ہوئے تو رحمت مجسم
نے دریافت فرمایا: "تم نے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟" تو عرض کیا أبقیت لھم ا
ورسولہ ، میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کو اور رسول مقبول ﷺ کو چھوڑا ہے، مال دنیا ان
لیے نہیں چھوڑا۔ آپ نے فرمایا: بینکما مابین کلمتیکما "تمہارے درجات ومراتب
درمیان وہی فرق ہے جو تمہارے جوابوں میں فرق ہے"

وجہ استدلال:

سفر کی طوالت بھی حضرت صدیق کو معلوم تھی اور وہاں جنگ کے دوران شہید ہو جا
کا امکان بھی تھا اور بیوی بچیاں تو کمانے کے قابل ہی نہیں تھیں اور بچے بھی چھوٹے اور نا تجربہ
تھے۔ لیکن گھر والوں کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں رکھا بلکہ سوئی دھاگہ بھی بچا نہیں رکھا
اللہ تعالیٰ کی شان رزاقی پر کمال ایقان اور اعلیٰ ایمان کا مظاہرہ کیا اور نبی مکرم ﷺ کی نگاہِ کرم ا
شان رحمۃ للعالمینی پر کامل بھروسہ اور وثوق کا مظاہرہ کیا جس سے آپ کا کمال ایمان اور ق
ایقان میں جملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے سابق اور افضل ہونا ظاہر اور واضح ہو گیا۔ تفصیل
روایات احادیث والے باب میں ملاحظہ فرماویں۔

فائدہ:

پچھلی روایت میں عطف کے طور پر دونوں حضرات کا ذکر کمال ایمان اور قوت یقین
میں مساوات اور برابری پر دال نہیں ہے جس طرح کہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ عین الیقین اور حق
الیقین کے درجات ایمانیہ میں مساوات کو مستلزم نہیں بلکہ تقدم فی الذکر تقدم فی الرتبہ
کی دلیل ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت صدیق اکبر کا حضرت فاروق اعظم سے افضل ہونا جیسے کہ سرور
عالم ﷺ کا حضرت صدیق سے افضل ہونا واضح ہے اور نبی اکرم ﷺ کے مطالبہ پر سب کچھ

قربان کر دینا اور بال بچوں کا خیال بھی نہ رکھنا بلکہ اپنا خیال بھی نہ رکھنا حضرت صدیق کے کمال ایمان اور قوتِ ایقان میں منفرد اور ممتاز مقام کے مالک ہونے کی واضح دلیل اور بین برہان ہے۔

کمال علمی میں امتیاز صدیق:

پہلی دلیل:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو خطاب فرمایا: وقال ان اللہ خیر عبداً بین الدنیا وبین ما عندہ فاختار ذالک العبد ما عند اللہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور اپنے پاس موجود بے مثال نعمتوں میں اختیار دیا تو اس بندۂ خاص نے ان نعمتوں کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ـ تو حضرت ابوبکر رو پڑے ہم ان کے رونے پر حیرت زدہ ہو گئے کہ رسول مکرم ﷺ کسی بندے کو اختیار دیے جانے کی بات کر رہے ہیں فکان رسول اللہ ﷺ ہو المخیر و کان أبوبکر أعلمنا (تو آپ کے جلد وصال فرما جانے پر ہمیں معلوم ہوا کہ خود رسول کریم علیہ السلام ہی عبد مخیر تھے اور ابوبکر صدیق سب سے زیادہ علم والے تھے بعض روایات میں قلت فی نفسی اور بعض میں ہے فقال الناس انظروا الی ھذا الشیخ ـ یخبر رسول اللہ ﷺ عن عبد وھو یقول فدیناک حضرت ابوسعید نے اپنے دل میں کہا اور دوسری روایت کے مطابق لوگوں نے کہا اس بزرگ کو دیکھو رسول خدا ﷺ کسی بندے کے متعلق فرما رہے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم آپ پر اپنے آباؤ امہات کو فدا کرتے ہیں اور باہم تطبیق ان میں یہ ہے کہ حضرت ابوسعید نے بھی اپنے دل میں یہ کہا اور دوسرے حضرات کی طرف سے بھی یہ ردعمل ظاہر ہوا تو دونوں ملا کر عجبنا لبکائہ سے تعبیر کیا گیا ـ فکان أبوبکر أعلمنا فی روایۃ مالک کان أبوبکر ھو أعلمنا بہ أی بالنبی

أو بـالـمـراد مـن الـكلام المذكور "ابوبکر ہم سب سے زیادہ صاحب علم تھے" اور مالک
روایت میں أعلمنابه وارد ہے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ نبی اکرم کے متعلق زیادہ علم والے تھے یا اس
مذکور کی مراد کو ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے"

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۰)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ میں فرمایا:

فبكى أبوبكر أي لكمال فهمه وادراكه حيث عرف مفارقته ﷺ من ال
بقرينة المرض أو لأن اختيار ما عندالله وترك زهرة الدنيا بحسب الظاهرمن مقد
مراتب الأولياء ومن المعلوم أنه لايناسب مقام سيدالأنبياء فانتقل الى أن
بطريق الاشارة اختيارالموت واللقاء وترك الحياة والبقاء۔

(جلد ۱۱ ص ۲۳۶)

"پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے یعنی کمال فہم وادراک کی وجہ سے جس م
انہوں نے جان لیا، رسول کریم ﷺ کی دنیا سے مفارقت کو حالت مرض کے قرینہ سے یا ا
سے کہ ماعنداللہ کو اختیار کرنا اور دنیوی زیبائش وآرائش کو ترک کرنا باعتبار ظاہر کے اولیاء کرا
مقدمات مراتب سے۔ جبکہ ہر ایک معلوم ہے کہ وہ سیدالانبیاء ﷺ کے مقام بالا کے مناسب
ہے تو آپ کا ذہن اس طرف منتقل ہوگیا کہ آپ بطور اشارہ موت کو اور لقائے باری تعالیٰ کو ا
کرنے کی خبر دے رہے ہیں اور حیات دنیا اور اس میں بقا کے ترک کی خبر دے رہے ہیں"

كان أبوبكر أعلمنا أي أكثر علمّامنا حيث علم اولا ان المخيرهو ر
الله ﷺ فأعلم اسم تفضيل ولا يبعد أن يكون فعلاً ماضيًا أي وقد كان أ
بالقضية لكنا ما فهمنا ها بالكلية (جلد ۱۱ ص ۲۳۷)

ابوبکر صدیق اعلم تھے یعنی ازروئے علم ہم سے اکثر تھے جس مقام پر انہوں نے

کلام میں معلوم کرلیا کہ عبد مخیر رسول گرامی ﷺ ہیں لہذا اندریں صورت اعلم اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ فعل ماضی کا صیغہ ہو یعنی حضرت صدیق نے ہمیں آگاہ کردیا اصل قضیہ اور مراد رسول علیہ السلام سے لیکن ہم اس کو بالکل سمجھ نہ سکے۔

قول:

دوسرا معنی پہلے کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کی فرع اور اس کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ زیادہ علم والے تھے اور ارشادات نبویہ کے حقائق سے آگاہ تھے تبھی فوراً مرادِ رسول علیہ السلام کو سمجھ بھی لیا اور حاضرین مجلس صحابہ کو آگاہ بھی کردیا۔

استدلال:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سب حضرات پر حضرت صدیق کی اعلمیت کا اعلان کر رہے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں تو گویا یہ اجماعی امر ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق أعلم الصحابہ ہیں، رضی اللہ عنہ وعنہم

سنن دارمی کی روایت میں یوں منقول ہے:

ان عبداً عرضت عليه الدنيا وزينتها فاختار الآخرة قال فلم يفطن لها غير أبي بكر فذرفت عيناه وبكى ثم قال بل نفديك بآبائنا وأمهاتنا وأنفسنا وأموالنا يا رسول الله!

"بے شک ایک بندے پر پیش کی گئی دنیا اور اس کی زینت تو اس نے آخرت کو اختیار کیا۔"

ابوسعید فرماتے ہیں کہ مراد رسول ﷺ کو نہ سمجھا کوئی بھی سوائے ابوبکر صدیق کے پس ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور روئے۔ پھر کہا بلکہ ہم فدا کرتے ہیں آپ پر اپنے آباؤ

واجبات کو اور اپنی ذاتوں کو اور اپنے اموال کو یا رسول اللہ ﷺ۔

اس روایت میں تصریح موجود ہے کہ سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص
حاضرینِ محفلِ اقدس سے مرادِ رسول اللہ ﷺ کو نہ سمجھ سکا۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں:

نبی مکرم ﷺ نے عبدِ مبہم (کوئی بندہ کے الفاظ) سے اپنی ذات کو تعبیر فرمایا:

ليظهر فهم أهل المعرفة ونباهة أصحاب الحذق كان ذالك في مرض
ولما كان أبو بكر أعلم الصحابه اذلم ينكر أحد منهم ممن حضر حين قال أبو
وكان أبو بكر أعلمنا اختصه الشارع بالخصوصية العظمى۔

"تا کہ اہلِ فہم کا مقامِ فہم اور اہلِ مہارت کی عمدگی اور بلندیٔ مرتبت ظاہر ہو جائے
ارشاد آپ سے صادر ہوا مرضِ موت میں پس جب کہ ابوبکر سب صحابہ سے زیادہ علم وا
کیونکہ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے بھی حضرت ابو سعید پر انکار و اعتراض نہیں کیا جب
نے کہا ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے تو سید عالم ﷺ نے انہیں مزید خصوصیت عظم
ساتھ نوازتے ہوئے فرمایا سب سے بڑا مجھ پر احسان کرنے والا اپنی صحبت اور مال کے لحا
ابوبکر ہے اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن اخوتِ اسلا
مودتِ ایمانی ہم میں موجود ہے مسجد شریف میں کوئی دروازہ باقی نہ رکھا جائے بلکہ بند کر دیا
سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔ (عمدة القاري جلد ٤ ص ٢٤٣، ٢٤٤)

فظهر أن للصديق من الفضائل والحقوق مالايشاركه في ذالك مخ

پس ظاہر ہو گیا کہ حضرت صدیق کے لیے فضائل اور حقوق ہیں جن میں دوسری کوئی مخلوق ا
ساتھ شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔

فوائد حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الخامسة ان فیه دلیلاً علی أن أبابکر أعلم الصحابة۔

(جلد٤ ص ٢٤٦)

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس میں دلیل ہے اس امر پر کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اعلم ہیں یعنی زیادہ علم والے ہیں اور چونکہ آپ کا نماز میں امام بنایا جانا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا آخری عمل ہے اور قاعدہ حدیثیہ یہی ہے انما یؤخذ بالآخرفالآخرمن فعل النبی ﷺ یعنی آپ ﷺ کے آخری عمل کو واجب الاتباع اور لائق اطاعت سمجھنا چاہیے لہذا بالفرض والتقدیر، أبی بن کعب رضی اللہ عنہ آپ سے اقرأ ہوں بھی تو آپ کی تقدیم اعلم کی تقدیم کی بین اور نا قابل تنسیخ دلیل ہے۔فتامل حق التامل۔

(۲) دوسری دلیل:

منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد میں صحابہ کرام علیہم الرضوان ریب وتردد کا شکار ہوئے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ان کے ساتھ نرمی برتنے کا مشورہ دیا تو آپ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جاہلیت میں بہت دلیر اور بہادر تھے اور اب اسلام میں کمزوری کا مظاہرہ کررہے ہو۔نماز اللہ تعالےٰ کا بدن میں حق ہے اور زکوٰۃ اس کا مال میں حق ہے اور اس نے دونوں کو اکٹھاذکر کیا ہے۔لہذا جن دو حقوق کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھالازم ٹھہرایا ہے ابوبکر ان میں تفریق وجدائی کیسے پیدا کرے اگر وہ لوگ جو پہلے زکوٰۃ کے جانور کا رسہ بھی ساتھ دیتے تھے اب جانور تو دیں لیکن رسہ نہ دیں تو میں ان کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔دین تام اور کامل ہو چکا اور وحی منقطع ہو گئی تو اس میں کیا میرے جیتے جی نقص اور کمی واقع ہو سکتی ہے؟ قطعاً نہیں۔بالآخر سب صحابہ کرام آپ کے ساتھ اس نظریہ میں متفق ہو گئے اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور حضرت صدیق کی مدح وتحسین فرمائی۔اس سے بھی واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کے احکام شرع کی

کُنہ حقائق پر ایسی نظر تھی کہ دوسرے صحابۂ کرام کی اس طرح پر گہری نظر نہیں ہوتی تھی۔

(۳) تیسری دلیل:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ والے لشکر کو روک لینے پر سارے صحابۂ کرام مُصر تھے کہ ہمیں خود شہر مدینہ میں خطرات کا سامنا ہے، ارتداد نے تمام علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے سوائے مدینہ اور مکہ اور جواثا کے اور مدینہ شریف کے قرب و جوار میں مرتدین کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ وہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، لہـــــذا وہ لشکر اپنی مہم پر روانہ نہ کیا جائے لیکن حضرت صدیق نے کہا: جس لشکر کی روانگی کا حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دیں اور اس کا عَلَم اپنے دست اقدس سے آپ باندھیں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی مجال نہیں کہ اس لشکر کو روکے یا اس پرچم کو کھولے، خواہ ہمیں جیسے شدائد و مشکلات سے دوچار کیوں نہ ہونا پڑے۔

گویا جو حکمت رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھی حضرت صدیق اس کو سمجھتے تھے اور دوسرے حضرات کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ چنانچہ جب شاہِ روم کے خلاف کاروائی کے لیے یہ لشکر روانہ ہوا، راستے میں موجود قبائل جو ارتداد کے لیے تیار ہو رہے تھے ان کو دیکھتے تو حیرت زدہ ہو جاتے کہ ہم سمجھے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان میں اب دم خم باقی نہیں رہا اور یہ بے جان جسموں کی مانند ہو چکے ہیں، لیکن ان میں تو جرءت و جسارت اور طاقت و توانائی اسی طرح موجود ہے کہ پادشاہِ روم کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔ ذرا ان کا انجام دیکھ لیں اگر مغلوب ہو جاتے ہیں تو اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جانا اور اگر غالب و فاتح بن کر لوٹتے ہیں تو اسلام پر ثابت قدم رہنا۔ چنانچہ جب وہ لشکر کامیاب و کامران ہو کر اور فتح یاب ہو کر لوٹا تو وہ سبھی قبائل اسلام پر ثابت قدم ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی نیست و نابود کر دیے گئے دوبارہ اسلام کی چوکھٹ پر سرنگوں کر دیے گئے اور حضرت صدیق کی اس کاروائی کو سابق انبیاء علیہم السلام کی کاوروائیوں کی مانند قرار دیا گیا۔

(۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر نبوی سوچ اور صدیقی سوچ کا باہمی توافق:

نبی مکرم ﷺ نے غزوۂ خندق سے اگلے سال عمرے کا پروگرام بنالیا اور چودہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی آپ کی معیت میں یہ شرف حاصل کرنے کے لیے ساتھ ہو لیے مگر کفار نے رکاوٹ پیدا کردی اور عمرہ کی ادائیگی میں مانع ہوئے۔ ہر طرح کی سعی اور کوشش کے باوجود وہ اس سال عمرہ کرنے کی اجازت دینے سے انکاری رہے کہ اس سے ہماری بہت بے عزتی اور ہتک عزت ہے تم ہمارے دشمن ہو اور مخالف۔ اور ہماری اجازت کے بغیر عمرہ کرنے آگئے ہو، اگر تم نے عمرہ کرلیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی، لہٰذا اس سال واپس چلے جاؤ مصالحت کا معاہدہ تحریر ہو جائے اس کے تحت اگلے سال عمرہ کر لینا۔

معاہدہ کے شرائط یہ تھے:

(۱) مشرکین میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے وہ واپس ہمارے حوالے کرنا ہوگا اور جو مسلمان ہمارے پاس آجائے ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔

(۲) اگلے سال مکہ میں داخل ہوں گے اور صرف تین دن ٹھہر سکیں گے۔

(۳) ہتھیار ساتھ ہوں تو اپنے تھیلوں میں بند ہوں ان کو ظاہر نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار پر شدید اور سخت ہونے کی وجہ سے مصطفوی بارگاہ میں اس عہد کو ختم کرانے کے ارادے سے حاضر ہوئے اور عرض کیا، کیا آپ برحق نبی نہیں ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! اسی طرح ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا: فلم نعطی الدنیة فی دیننا اذًا ؟ پھر ہم کیوں اپنے دین میں کمزوری پیدا کر رہے ہیں؟ (اور کفار کی مرضی کی شرائط تسلیم کر رہے ہیں؟)

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانبرداری نہیں کرتا، وہی میرا ناصر و مددگار ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا: کیا آپ فرماتے نہیں تھے ہم بیت اللہ

شریف میں حاضر ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے (پھر حاضری بھی نہیں ہوئی اور نہ طواف کیا اور واپسی کا ارادہ کر رہے ہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے یوں کہا تھا، کعبہ کی زیارت اور طواف کا کہا لیکن کیا اس سال کا کہا تھا؟ حضرت عمر نے عرض کیا: نہیں، یہ تو نہیں فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ضرور بیت اللہ شریف میں حاضر ہو گے اور طواف کرو گے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں: پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: اے ابوبکر! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا بالکل برحق رسول ہیں۔ میں نے کہا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور ہمارے دشمن بالکل ناحق نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ایسے ہی ہے۔ تو میں نے کہا: ہم اپنے دین میں کمزوری کیوں پیدا کر رہے ہیں؟ ابوبکر صدیق نے فرمایا: أیھا الرجل! انه رسول اللہ ﷺ ولیس یعصی ربه وھو ناصره اے جوان! وہ اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نافرمانبرداری نہیں کر سکتے اور اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہے فاستمسك بغرزه فواللہ انه علی الحق۔ لہٰذا ان کی رکاب تھام پس بخدا وہ حق پر ہیں!

میں نے عرض کیا، کیا آپ ﷺ فرماتے نہیں تھے ہم بیت اللہ کے پاس حاضر ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے، تو آپ نے فرمایا: ہاں فرماتے تھے لیکن کیا یہ بھی فرماتے تھے کہ اس سال بیت اللہ کو آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ میں نے کہا: نہیں! اس سال کی بات تو نہیں کرتے تھے۔ تو حضرت صدیق نے فرمایا: تو ضرور بالضرور بیت اللہ شریف کے پاس حاضر ہوگا اور طواف بھی کرے گا۔

علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أما جواب أبی بکر لعمر رضی اللہ عنھما بمثل جواب النبی ﷺ فھو من الدلائل الظاھرة علی عظم فضله وبارع علمه وزیادة عرفانه ورسوخه وزیادته فی کل ذالك علیٰ غیره ۔ (مرقاة جلد ٨ ص ٨٤)

"ابوبکر صدیق کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے مماثل ومطابق جواب دینا حضرت صدیق کے فضل عظیم اور اعلیٰ وفائق علم اور کمال عرفان اور اس کے رسوخ اور فراوانی کے دلائل ظاہرہ میں سے ہے جو ان کی ان امور میں دوسرے حضرات پر سبقت اور فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔

اقول:

اس صلح میں جو مصلحتیں اور حکمتیں اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انعام فرمائیں جو بظاہر کمزور معلوم ہوتی تھیں اور در حقیقت غلبہ اور تقویت کا موجب تھیں ان کا فیضان حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی فرمادیا: کما قال ﷺ ما صب اللّٰه فی صدری شیئا الا وقد صب فی قلب أبی بکر کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز میرے سینہ میں القاء فرمائی تو اسے ابوبکر صدیق کے سینہ میں بھی القاء فرمادیا۔

تنبیہ نبیہ:

قال العلماء لم یکن سوال عمر رضی اللّٰه عنه و کلامه المذکور شکاً بل طلبًا لکشف ما خفی وحثًا علی اذلاله للکفار وظهور الاسلام کماعرف فی خلقه وقوته فی نصرة الدین واذلال المبطلین۔

علمائے اعلام نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال اور کلام مذکور شک وشبہ کی بنا پر ان سے سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ مخفی حقیقت کے انکشاف کے لیے تھا اور کفار کی تذلیل پر برانگیختہ کرنے کے لیے تھا اور اسلام کے غلبہ و برتری کے لیے تھا جیسے کہ آپ کی معروف خصلت وعادت تھی شدت علی الکفار اور نصرت دین اور مبطلین کی تذلیل میں قوت وتوانائی۔

اقول:

جیسے ابراہیم علیہ السلام نے باری تعالٰی کے احیائے اموات پر قادر ہونے کے علم یقینی ہونے کے باوجود اس کا مشاہدہ کرنے کا مطالبہ کردیا تا کہ اطمینان قلب اور عین الیقین حاصل ہوجائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اور مکالمہ نبی مکرم ﷺ اور حضرت صدیق کے ساتھ اس قبیل سے ہے اور اس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلے سے اس اعلیٰ درجۂ یقین پر فائز ہونا ثابت ہوگیا جو کہ ان کے علمی تفوق اور کمال عرفان بلکہ فنا فی الرسول کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی بین دلیل ہے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق کے اپنے آپ سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کا یقین رکھتے تھے اور اصل فضیلت علمی فضیلت ہے تو اس سلسلے میں کمال اطمینان اور اعلیٰ درجہ کا ایقان حاصل ہوگیا کہ حضرت صدیق صاحب سرِرسول اللہ ہیں اور علمی لحاظ سے سرورِ انبیاء کے مظہر کامل ہیں۔

(۵) پانچویں دلیل:

نبی مکرم ﷺ کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو منصب امامت سونپنا اور اپنا مصلی ان کے سپرد فرمانا ان کے أعلم الصحابہ ہونے اور أفضل الصحابہ ہونے کی دلیل محکم ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عنوان بھی یہی قائم فرمایا ہے:

أهل العلم و الفضل أحق بالامامة اور اس کے تحت پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں پہلی حدیث حالت اشتداد مرض میں فرمانا

(۱) مروا أبابكر فليصل بالناس الخ ذکر فرمائی جس کی شرح میں علامہ زین العابدین ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

استدل البخاری بهذا الحديث على أن أهل الفضل و العلم أحق بالامامة من غيرهم فان النبی ﷺ أمر أبابكر من بين الصحابة كلهم بالصلوة بالناس وراجع فی ذالك مراراً وهو يأبی الا تقديمه فی الصلوة على غيره من الصحابة و انما قدمه

لعلمه وفضله ۔فأما فضله علی سائر الصحابة فهو مما اجتمع علیه أهل السنة والجماعة وأما علمه فکذالك وقد حکی أبوبکر بن السمعانی وغیره اجماع أهل السنة علیه أیضًا ۔

(فتح الباری شرح البخاری للامام العلامه ابن رجب الحنبلی جلد ٤ ص ١١)

"امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث سے اس امر پر استدلال فرمایا کہ اہل فضل اور اہل علم دوسروں کی نسبت امامت کے زیادہ حقدار ہیں، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے تمام صحابہٴ کرام میں سے ابوبکر صدیق کو لوگوں کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا- حالانکہ آپ سے اس حکم میں نظر ثانی کے لیے بار بار رجوع کیا گیا جبکہ آپ ﷺ نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ماسوا صحابہ کی تقدیم سے انکار فرماتے رہے اور آپ کو کیوں مقدم ٹھہرایا آپ کے علم اور فضل کی وجہ سے-رہا آپ کا سب صحابہ پر فضل وشرف تو وہ اس قبیل سے ہے جس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے، آپ کا علم میں (صحابہ سے) فائق ہونا بھی اسی طرح (متفق علیہ) ہے، ابوبکر بن السمعانی وغیرہ نے اس پر بھی أهل السنة کا اجماع نقل کیا ہے"

(۲) علامہ شہاب الدین قسطلانی ارشاد الساری میں اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

مطابقة الحدیث للترجمة ظاهرة فان أبابکر أفضل الصحابة وأعلمهم وافقههم کمایدل علیه مراجعة الشارع فانه هوالذی یصلی والأصح أن الأفقه أولی بالامامة من الأقرأ والأورع۔ (جلد۲ ص ۳۲۱)

"حدیث شریف کی مطابقت عنوان کے ساتھ ظاہر ہے، کیونکہ ابوبکر صدیق سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل اور اعلم اور افقہ ہیں جیسے کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اہل مراجعت کو یہی جواب دیا کہ ابوبکر ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور اصح یہی ہے کہ افقہ

شخص امامت کا زیادہ حقدار ہے، بنسبت اقرأ اور اورع کے"

(۳) علامہ کرمانی علیہ الرحمہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ اس عنوان کے تحت فرما

ہیں:

لما کان النبی ﷺ لا یستحق أن یتقدمه أحد فی الصلوٰة وجعل ما کان ال

بمحضر من الصحابة لأبی بکر کان جمیع أموره تبعًا للصلوٰة فهو أفضل الأمة۔

(جلد خامس ص ۶۱)

"جب نبی کریم ﷺ پر نماز میں کوئی شخص سبقت کا مستحق نہیں تھا اور آپ نے اپ

استحقاق کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق کے حوالے فرمادیا اور با

تمام دینی معاملات نماز کے تابع تھے تو آپ کا افضل الامت ہونا ثابت ہوگیا"

(۴) حضرت علامہ ابن بطال "مستحق امامت کون ہے" کے متعلق مختلف اقوال ذک

کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فأما وقت قوله ﷺ مروا أبابکر یصلی بالناس فقد کان تقرر الاسلا

و کثر حفاظ القرآن وتفقهوا فیه فلم یکن الصدیق رضی اللّٰه عنه علی جلالته و ثاقب

فهمه وتقدمه فی کل خیر یتأخر عن مساواة القراء بل فضلهم بعلمه وتقدمهم فی

کل أمره ألا تری قول أبی سعید و کان أبو بکر أعلمنا۔

(جلد۲ ص ۲۹۹)

"لیکن نبی مکرم ﷺ کے اس فرمان کے وقت کہ "ابوبکر کو پابند کرو کہ وہ لوگوں کو نماز پ

پڑھائیں" اسلام مستقر اور پائیدار ہو چکا تھا اور حفاظ قرآن کثیر التعداد ہو چکے تھے اور قرآن

مجید میں فقاہت حاصل کر چکے تھے پس نہیں تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی جلالت قوت

اور مضبوط فہم و دانش کے اور ہر امر خیر میں مقدم اور سابق ہونے کے کہ وہ قراء کی برابری سے قاصر

ہوں بلکہ ان پر علم کی وجہ سے بھی فضیلت رکھتے تھے اور اپنے تمام امور میں ان پر مقدم تھے کیا تو دیکھتا نہیں ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ حضرت ابو بکر صدیق ہم سب سے زیادہ علم والے تھے"

نیز فرمایا:

صح أنه أفضل الأمة بعده لقيام الحجة بأن أولى البرية بعقد الخلافة أفضلهم وأقومهم بالحق وأعدلهم و أوفرهم أمانة وأحسنهم على حجة الحق استقامة و كذالك كان الصديق رضى الله عنه ـ (جلد۲ ص ۳۰۰)

"یہ حقیقت پایہ صحت اور واقعیت کو پہنچی ہوئی ہے کہ ابو بکر صدیق رسول گرامی ﷺ کے بعد افضل الامت ہیں واسطے قائم ہونے حجت و برہان کے اس امر پر کہ ساری مخلوق میں عقد خلافت اور عہد امامت کا زیادہ حقدار وہی ہوتا ہے جو ان سب سے افضل ہو اور حق کو زیادہ سے زیادہ قائم اور برقرار رکھنے والا ہو اور سب سے زیادہ عادل ہو اور وافر امانت والا ہو اور شاہراہِ حق پر خوب ترین استقامت کا مالک ہو اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی انہیں صفات کے ساتھ موصوف تھے اور انہی اخلاق سے متخلق تھے"

الغرض اس آیت کریمہ اور حقائق وواقعات کی تائید وتصدیق سے اور اکابرین ملت کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق کمال ایمان اور قوت عرفان کے لحاظ اور کمال علم اور معلومات میں وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل واعلیٰ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

والظاهر أن النبى ﷺ انما قدم أبابكرلكونه جامعًا للقرآن والسنة والسبق الهجرة والسن والورع وغير ذالك مما لم يجتمع فى غيره من الصحابة وبهذا صار

أفضلهم ولاينافي أن يكون في المفضول مزية من وجه على الأفضل فتأمل ف

موضع زلل ومحل خطل۔ (مرقاۃ جلد ۳ ص ۸۱)

"اورظاہر یہ ہے کہ بے شک نبیء کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ ع

آگے کیا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کے جمع کرنے والے ہیں اور سبقت

بالایمان، ہجرت، پرہیزگاری اور عمر کی وجہ سے اس کے علاوہ ان امور کی وجہ سے جو آپ ک

علاوہ کسی میں جمع نہیں ہوئے، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہو گئے اور یہ ا

بات کے منافی نہیں ہے کہ مفضول میں ایسی جزوی فضیلت ہو جو افضل میں نہ ہو پس تو غو

کیونکہ یہ پھسلنے کا مقام ہے اور لغزش کی جگہ۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وشیخ ابن الهمام گفته که أقرأو أعلم بکتاب بود چنانکه دعوی کرده ا

وانچه حدیث دلالت دارد بران آنست که اگر در قرأت وعلم باحکام کتاب برا

بود پس امامت کند آنکه أعلم بکتاب بسنت است ونیز گفته اند که بهترین ان

استدلال کرده شود بدان بر تقدیم اعلم براقرأحدیث تقدیم ابی بکر ست درای

مرض باوجودآنکه درصحابی اقرأ ازوی بودند نه اعلم دلیل اول قول آنحضرت

ﷺ اقرأ کم أبی ودلیل ثانی قول ابی سعید کان أبوبکر أعلمنااین در آخر امر بو

از آنحضرت کذا قال الشیخ۔

(اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۵۱۴)

"شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قاری اور سب

سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے جس طرح انہوں نے دعویٰ کیا ہے وہ بات کہ جس پ

حدیث دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر علم قرات اور علم احکام کتاب جاننے والے برابر ہو جائیں

وہ شخص جو اعلم بالکتاب ہے امامت کروائے اور علمائے اعلام نے یہ بھی فرمایا کہ بہترین استدلال اعلم کو اقراء پر مقدم کرنے پر حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ حالت مرض میں رسول اکرم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے مقدم کیا حالانکہ صدیق اکبر سے أقرا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے (نہ کہ اعلم) امرِ اول کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان أقرأکم ابی ہے اور امر ثانی کی دلیل ابو سعید کا قول کان أبو بکر أعلمنا ہے اور یہ آپ ﷺ کے آخری ایام میں تھا اور ایسے ہی شیخ علیه الرحمة نے فرمایا ہے"

الغرض حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان وایقان اور علم وعرفان کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہیں اور اس ارشادِ خداوندی کے مطابق رفعتِ درجات اور بلندیٔ مراتب کے لحاظ سے سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے رفیع الدرجات اور أعلی المراتب ہیں۔

تلك عشرة كاملة والحمدلله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وآله وأصحابه أجمعين۔

بابِ ثانی

افضلیتِ سیدنا ابوبکر صدیق ازروئے احادیثِ رسول ﷺ

قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کی چند آیاتِ مبارکہ سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ ع
افضلیت ثابت کردی اور اجماعِ امت کی اساسِ اول اور بنیاد پر تنبیہ کردی۔ اگرچہ اکابرین
مزید بہت سی آیاتِ مقدسہ سے استدلال واستشہاد فرمایا لیکن بندہ اربابِ دانش وبینش اور اہلِ ع
وانصاف اور نظر بصیرت کے مالک حضرات کی توجہ کے لیے اسی مقدار کو کافی ووافی سمجھتا ہے۔

تمہیدی مقدمہ: (سنتِ رسول ﷺ کی حجیت قرآن وسنت کی روشنی میں):

کتاب اللہ کے بعد درجہ سنتِ مصطفویہ اور ارشاداتِ نبویہ علی مصدرھا الصلاۃ
السلام کا ہے اور اہلِ اسلام کے لیے ان سے راہنمائی اور نورِ ہدایت حاصل کرنا ضروری ہے
امت بیانِ رسول ﷺ کے بغیر قرآنِ حکیم سے قطعاً راہنمائی حاصل نہیں کرسکتی اسی لیے اللہ تع
نے فرمایا:

لتبین للناس مانزل الیھم۔(النحل،44:16)

"اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت کو نازل فرمایا تاکہ تم لوگوں کو بیان کرو جو ان ک
لیے نازل کیا گیا"

نیز فرمایا:

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔(التغابن،12:64)

"اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

و ماآتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا(الحشر،7:59)

''جس بات کا رسول اکرم ﷺ تمہیں حکم دیں اس کی پابندی کرو اور جس عمل و فعل سے روکیں اس سے رک جاؤ''

فرمانِ رب العزت ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ (الاحزاب،21:33)

''البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں اچھی اقتداء اور پیروی ہے''

بلکہ اطاعتِ خداوندی بھی اطاعتِ رسول ﷺ میں منحصر ہے، کماقال اللّٰہ تعالی:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

''جس نے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''

وغیر ذالک من الآیات البینات۔

لھذا کسی مسلمان کے لیے ازروئے قرآن حضورِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ کے عادات اور اعمالِ حسنہ اور اعمالِ مشروعہ سے روگردانی اور سرتابی کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز رسول گرامی ﷺ نے اپنے اقوال و اعمال اور اسوۂ حسنہ اور سنتِ سنیہ کی عظمت اور اہمیت اور اس کی اتباع کے وجوب و لزوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ:

أما بعد فان خیرالحدیث کتاب اللّٰہ وخیرالھدی ھدی محمد ... الأمور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بعد (حمد وثنائے خداوند و صلوٰۃ وسلام بر ذاتِ مصطفیٰ کے) پس تحقیق بہترین حدیث و کلام

کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ اور پسندیدہ سیرت، طریقہ وسیرت محمدیہ ہے اور بدترین ا
اور اشیاء نو پیدا امور واشیاء ہیں اور ہر بدعت ضلالت وگمراہی ہے (یعنی بدعتِ سیئہ وغیرش
جس کی بنیاد کتاب وسنت پر نہ ہو)

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ جاء ت ملائکۃ الی النبی ﷺ وھون
الیٰ) فمن أطاع محمداً فقد أطاع اللہ ومن عصی محمداً فقد عصی اللہ ومح
رق بین الناس۔ (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرشتے رسولِ گرامی ﷺ کی خدمت
حاضر ہوئے جبکہ آپ سوئے ہوئے تھے (تا) تو انہوں نے کہا:
"جس شخص نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس ش
نے محمد ﷺ کی مخالفت اور عصیان سے کام لیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانبرداری کی اور محمد ﷺ
فرق وامتیاز قائم کرنے والے ہیں (مومن وکافر اور مطیع وفاسق کے درمیان)"

(۳) عن مقدام بن معدیکرب قال رسول اللہ ﷺ:
ألا انی أوتیت القرآن ومثله معه (الحدیث)
(رواہ ابو داؤد)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الص
والتسلیم نے فرمایا:
"آگاہ رہو اور غور سے سنو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ"

(٤) عن مالك بن أنس مرسلا قال قال رسول اللہ ﷺ:
ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ وس
رسوله ﷺ۔ (رواہ فی الموطا)

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے تم میں دو امر اور دو چیزیں چھوڑی ہیں، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے جب تک ان سے وابستہ رہو گے ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے"

(۵) عن أنس رضی اللہ عنه قال قال لی رسول اللہ ﷺ:

یابنی ان قدرت أن تصبح و تمسی ولیس فی قلبك غش لأحد فافعل ثم قال یابنی و ذالك من سنتی و من أحب سنتی فقد أحبنی و من أحبنی کان معی فی الجنة۔(رواه الترمذی)

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! اگر تو اس پر قدرت رکھے کہ صبح کرے اور شام کرے اس حال میں کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کینہ اور کھوٹ نہ ہو تو ضرور اس طرح کر!

پھر فرمایا:

"اے میرے بیٹے! وہ عظیم امر میری سنت سے ہے اور جو میری سنت سے محبت رکھے تو اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جو میرے ساتھ محبت رکھے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا"

قیاس اقترانی کی شکل اول کے مطابق نتیجہ یہ نکلا کہ جس نے میری سنت سے محبت کی اسے جنت میں میری معیت حاصل ہوگی اور یہ کتنا بڑا اعزاز و اکرام ہے محب سنت کے لیے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملةً و تفترق أمتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة ـ کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا: من هی یا رسول اللہ ﷺ قال ماأنا علیه وأصحابی۔ (رواه الترمذی)

"بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ وہ سبھی دوزخ میں ہوں گے سوائے ملتِ واحدہ کے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: وہ نجات پانے والی اور جنت میں جانے والی ملت کون سی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں جس راہ پر ہوں اور میرے صحابہ جس راہ پر ہیں" (اس کو اپنانے والی ملت جنت میں ہوگی)

(۷) حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافًا کثیرًا۔ فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھاوعضواعلیھابالنواجذ۔الحدیث

(رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجة)

"تحقیق جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ اس کو ہاتھوں کے ساتھ تھامنے کی کوشش کرنا (اگر ہاتھوں سے نکلتی محسوس ہو تو) ڈاڑھوں کے ساتھ اسے قابو کرنا"

(۸) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اتبعوا السواد الأعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔

(رواہ ابن ماجة من حدیث انس رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

"عظیم ترین جماعت (جس میں اکثر علماء ہوں) کی اتباع کرو کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوگا تو اس کو آتشِ دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا"

اس روایت کو ابن ماجہ نے حضرت انس سے نقل کیا ہے۔

فائدہ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے سوادِ اعظم کا محمل اس جماعتِ عظیمہ کو قرار د

ہے جس میں علمائے کرام کثرت سے ہوں، کیونکہ ظاہر ہے کہ عوام کالأنعام کی اکثریت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا (اور صحابہ کرام میں سے بھی قدیم الصحبت حضرات کے ساتھ علمی لحاظ سے آخر آخر میں ایمان لانے اور شرف صحبت حاصل کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے)

(۹) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

"شیطان انسانوں کے لیے بھیڑیا ہے جس طرح کہ بھیڑ بکریوں کے لیے بھیڑیے ہوتے ہیں جو گلہ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے اور گلہ سے دور چلی جانے والی اور گلے سے ایک جانب پر رہنے والی کو

وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة۔ (رواہ أحمد)

لهــــذا تم بھی شیطان کے تسلط سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو مختلف گھاٹیوں میں پراگندگی سے بچاؤ اور اہل اسلام کی جماعت اور ان کی اکثریت کو لازم پکڑو۔

فائدہ:

اشارت است بآنکه معتبر اتباع اکثر و جمهور است چه اتفاق کل درهمه احکام واقع نه بلکه ممکن نیست۔

"جماعت اور عامہ کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ معتبر اکثریت اور جمہور کی اتباع ہے کیونکہ سب کے سب حضرات کا اتفاق و اجماع تمام احکام میں نہ فی الواقع پایا گیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی امکان ہے" (لہذا جمہور کا اور وہ بھی اہل علم جمہور اور سواد اعظم کا دامن تھامنا اور ان کی روش کو اپنانا لازم ہے)

(۱۰) عن أبی ذر رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ : من فارق الجماعة شبرًا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو بالشت بھر بھی اہل اسلام کی جماعت سے الگ ہوا تو اس نے اسلام والی رسی ا

گردن سے اتار دی"

فائدہ:

ان احادیث مبارکہ سے سنت کی اہمیت اور اس کی اتباع کا وجوب ولزوم بھی ثابت ہوگیا اور خلفائے راشدین کی سنت کا لزوم اتباع بھی اور سوادِ اعظم اور جمہور اہل اسلام اور ارباب علم کی اتباع کا وجوب ولزوم بھی ثابت ہوگیا۔ اور چونکہ محبوب کریم ﷺ کے ارشاد سے اس اتب کا وجوب ولزوم ثابت ہو رہا ہے تو یہ بھی دراصل سنت رسول ﷺ کی اتباع ہے۔

نیز جمہور ارباب علم کے مقابل دو چار افراد کی اتباع کو اختیار کرنا اور اس اتباع کو جم کے مقابل جائز سمجھنا جیسے شاہ عبدالقادر صاحب نے بدعت ایجاد کی ہے وہ بوجہ مخالفت ارشادِ نب بدعت سیئہ کے قبیل سے ہے اور امت مصطفویہ پر افتراق کی راہیں بند کرنے کی بجائے ان مزید وسیع کر کے انتشار وافتراق سے دوچار کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

افضلیت شیخین پر احادیثِ جلیلہ:

اب احادیث رسول ﷺ اس اجماعی نظریہ وعقیدہ پر بطور شہادت پیش کی جاتی ہیں ا تائید وتقویت اور جزم واطمینان کا سامان کیا جاتا ہے اور ریب وتردد اور شکوک وشبہات کی راہیں مسدود کی جاتی ہیں اور اوہام ووساوس کی گرد وغبار دور کی جاتی ہے۔

أما المذهب عند أهل السنة ما روى الحاكم وابن عدى والخطيب عن أبي هريرة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: أبوبكر وعمر خير الأولين والآخرين وخير أهل السموات وخير أهل الأرضين الا النبيين والمرسلين

(النبراس شرح شرح عقائد ص٤٨٤ و کذا فی الصواعق المحرقة ص٧٦)

"بے شک اہل سنت کا مذہب یہ ہے جس کو حاکم ابن عدی اور خطیب رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ابوبکر وعمر تمام پہلوں اور پچھلوں سے افضل ہیں اور تمام آسمان والوں سے افضل اور تمام زمین والوں سے افضل ہیں سوائے انبیاء اور مرسلین علیهم الصلوة والسلام کے"

پہلی حدیث:

(١) عن أنس رضی الله عنه قال رسول الله ﷺ :أبو بكر وعمر سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين الاالنبيين والمرسلين۔

(رواه الترمذی وابن ماجة عن علی رضی الله عنه مشكوة شريف ص ٥٦٠)

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بزرگ اور عمر رسیدہ جنتیوں کے سردار ہیں، خواہ وہ اولین امم سے ہوں یا آخری امت سے سوائے انبیاء ومرسلین کے"

(و كذا أخرجه أحمد عن علی وابن ماجة عن أبی جحيفة و أبو يعلی فی مسنده وأيضا فی المختارة عن أنس والطبرانی فی الأوسط عن جابر وعن أبی سعيد رضی الله عنهم)

اور خطیب نے اپنی تاریخ میں اس روایت کے بعد یہ اضافہ نقل فرمایا ہے وان أبابكرفی الجنة مثل الثريا فی السماء۔ (صواعق ص٧٨)

"تحقیق ابوبکر جنت میں مرتبہ ومقام کے لحاظ سے مانند ثریا کے ہوں گے آسمان میں" (بہ نسبت زمین کے)

اقول:

جب بزرگ اہلِ جنت سے افضلیت اور رفعت و برتری ثابت ہوگئی تو نوجوان او
نوخیزوں سے بطریقِ اولی ثابت ہو جائے گی۔ اور پہلی روایت اسی عموم پر صراحۃً دلالت کر رہی
ہے اور عبارت النص کے طریق پر۔ لہذا ان میں کسی قسم کی تخصیص و تقیید کی گنجائش نہیں
ہے گویا اہلِ سنت کا عقیدہ و نظریہ خود نبی کریم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ثابت ہوگیا:
أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ن الصديق ثم عمر الفاروق اور اس سے
انحراف راہِ نبوت سے انحراف ہے، العیاذ باللہ

دوسری حدیث:

(۲) عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ:

انی لاأدری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذين من بعدی أبی بکر و عمر

(رواه ترمذى مشكوة ص ٥٦٠)

حضرت سیدنا حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"میں (بذاتِ خود بلا اطلاعِ باری تعالیٰ) نہیں جانتا کہ میری تمہارے اندر بقیہ زندگی
کتنی ہے؟ لہذا اقتداء کرو ان دو حضرات کی جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر صدیق اور حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہما کی"

طبرانی میں اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

فانهما حبل الله الممدود من تمسك بهما فقد تمسك بالعروة الوثقى
لاانفصام لها وله طرق أخرى۔ (صواعق محرقة ص ٧٧)

"وہ دونوں اللہ تعالیٰ کا نورانی اور روحانی رسہ ہیں جو اس نے لٹکایا ہوا ہے (لامکان
سے اس مکان کی طرف) جس نے بھی ان دونوں مقتداؤں کا دامن تھام لیا تو اس نے مضبوط
ترین حلقہ کو تھام لیا"

فائدہ عظیمہ:

نبی مکرم ﷺ نے عمومی طور پر صحابہ کرام اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو ان دونوں حضرات کی اقتداء اور پیروی کا اور ان کے احکام کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا جس سے ان دونوں کا ساری امت سے افضل ہونا واضح ہو گیا اور حضرت ابوبکر کو پہلے ذکر فرما کر ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شرف و فضل کو واضح فرمادیا۔ نیز ان دونوں حضرات کے بارے میں خداداد علم کے مطابق واضح فرمادیا کہ وہ میرے بعد زندہ رہیں گے اور وہ میرے نائب اور خلیفہ ہیں میرے وصال شریف کے بعد۔

اگر حضور اکرم ﷺ نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت اور نیابت کا اعلان فرمادیا تھا تو پھر اس اعلان کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟ نیز شیعہ اور سنی تفاسیر میں قول باری تعالیٰ: واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا (التحریم، 3:66) کے تحت تصریح کی گئی ہے کہ جو بات بطور راز نبی رحمت ﷺ نے حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بتلائی تھی اس میں یہ بشارت دی تھی:

ان أبا بكر يلي الخلافة من بعدي ثم أبوك

"بے شک ابوبکر صدیق میرے بعد بلا فصل خلیفہ ہوں گے پھر عمر بن خطاب خلیفہ ہوں گے" رضی اللہ عنہما

اس راز سربستہ میں نبی مکرم ﷺ نے اللہ رب العزت کا ازلی فیصلہ بھی انہیں بتلایا اور اس خلافت کا خلافت حقہ ہونا بھی واضح فرمادیا، کیونکہ ام المومنین حضرت حفصہ کا غم غلط کرنا اور ان کو خوشی و مسرت عطا کرنا مقصود تھا اور ظالمانہ خلافت سے تو یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا، لہذا واضح فرمادیا کہ وہ خلافت حقہ ہے، خلافت نبوت ہے اور سراسر رحمت ہے اور ان کی اتباع و اقتدا کا سب حضرات صحابہ و اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو پابند فرمادیا جو ان کے افضل الامۃ ہونے

کی واضح دلیل ہے، کیونکہ افضل کو مفضول کی اقتداء کا پابند کرنا قطعاً مناسب نہیں ہو سکتا۔

نیز حبل اللّٰہ الممدود قرار دیا اور قرآن مجید کو بھی حبل ممدود من السماء الی الارض فرمایا تو واضح فرما دیا کہ ان کی راہ سراسر قرآن کریم والی راہ ہے۔

تیسری حدیث:

(۳) أخرج الترمذی عن أبی سعید الخدری أن النبی ﷺ قال:

ما من نبی الا ولہ وزیران من أهل السماء ووزیران من أهل الأرض فأما وزیرای من أهل السما فجبرائیل ومیکائیل وأما وزیرای من أهل الأرض فأبو بکر وعمر رضی اللّٰہ عنہما۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"ہر نبی کے لیے دو، دو وزیر ہیں زمین والوں سے بھی اور آسمان والوں سے بھی۔ اور میرے بھی دو دو وزیر آسمان والوں میں سے حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ہیں ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما"

فائدہ:

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ان دو حضرات کو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تمام امت پر شرف و افضلیت حاصل ہے کیونکہ بادشاہ کے وزراء کو تمام رعیت پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ نیز حضرت جبرائیل کو میکائیل علیہما السلام پر بھی اور دیگر ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے تو حضرت صدیق کی حضرت عمر فاروق پر اور دوسرے تمام صحابہ پر بھی فضیلت ثابت ہوگی رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ ذکر میں تقدم و سبقت شرف اور فضل میں تقدم کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ نیز اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جو مقام حضرت جبرائیل کو ملائکہ میں حاصل ہے وہی مرتبہ و مقام حضرت صدیق کو

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں حاصل ہے سفر معراج میں حضرت جبرائیل کی رفاقت اور سفر ہجرت میں حضرت صدیق کی رفاقت اس باہمی مناسبت اور معنوی قربت کی واضح دلیل ہے۔

چوتھی حدیث:

(٤) وعن محمد بن الحنفية قال : قلت لأبي أي الناس خير بعد النبي ﷺ؟ قال : أبوبكر، قلت : ثم من؟ قال: عمر و خشيت أن يقول عثمان قلت : ثم انت؟ قال ما أنا الا رجل من المسلمين۔

(رواه البخاري و مشكوة شريف ص ٥٥٥)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کے لخت جگر اور نور نظر اور حسنین کریمین کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے روایت نقل کی ہے کہ

”میں نے والد گرامی مولا علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ تمام انسانوں میں سے نبی مکرم ﷺ کے بعد کون سا انسان افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان ابوبکر صدیق ہیں۔ میں نے عرض کیا ان کے بعد افضل کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: عمر فاروق اور مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ تیسرے درجے میں عثمان ذوالنورین نہ کہہ دیں تو میں نے سوالیہ انداز بدل کر عرض کیا کہ پھر عمر فاروق کے بعد آپ افضل ہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان فرد ہوں“

فائدہ:

اس حدیث سے یہ حقیقت حضرت حیدر کرار کی زبانی اور ان کے لخت جگر کے واسطہ سے ثابت ہوگئی کہ نبی مکرم ﷺ کی امت میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بطور اشارۃ النص حضرت عثمان ذوالنورین کا

تیسرے درجے میں ہونا بھی ثابت ہو گیا تو جب مولائے مرتضٰی خود افضل البشر بعد الانبیاء علیہم السلام ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق کے قائل ہوں تو مولائے مرتضٰی کے محب صادق و غلام اور مرید کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مولا و مرشد کو جھٹلائے اور ان کے عقیدہ کے برعکس اعتقاد رکھے اور نظریہ اپنائے۔ نیز معلوم ہوا کہ آپ صرف عوام کو ہی اپنا یہ نظریہ نہیں بتلاتے تھے بلکہ گھر والوں کو علیحدگی میں بھی اپنا عقیدہ بتلاتے تھے۔ لہٰذا آپ کے حق میں دو طرح کے بیانات اور نظریات ثابت کرنا کہ عوام کو اپنے ساتھ منسلک رکھنے کے لیے کھلے عام شیخین کی تعریف کرتے تھے اور خواص کے سامنے ان کی مذمت کرتے تھے یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

پانچویں حدیث:

(۵) عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال عمر لأبی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ اما انک ان قلت ذالک فلقد سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:

ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔

(رواہ ترمذی ومشکوۃ شریف ص ۵۵۸)

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کہا:

"رسول گرامی ﷺ کے علاوہ تمام انسانوں سے خیر و بہتر اور افضل و برتر آپ کی شخصیت ہے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا: اگر تم نے یہ کہا (اور میری خداداد شان بیان کی ہے تو مجھ سے بھی اپنی خداداد شان جو زبان رسالت مآب ﷺ سے ثابت ہے وہ سن لو) پس تحقیق میں نے رسول پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا ہے"

فائدہ:

مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی زبان حق ترجمان سے ثابت ہو چکا کہ حضرت صدیق کے بعد حضرت عمر سب سے افضل ہیں۔لہذا اس روایت کے پچھلے حصے کا مرام و مقصود آپ کے فرمان سے واضح ہو گیا کہ یہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد والی افضلیت ہے،اور نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ۔

(رواہ الترمذی)

"بے شک اللہ تعالٰی نے حق کو عمر فاروق کی زبان اور دل میں پیدا کر دیا ہے"

یہ تو امام ترمذی کی روایت ہے اور ابوداؤد شریف میں حضرت أبو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان اللّٰہ وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ۔

رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالٰی نے حق کو عمر فاروق کی زبان پر رکھ دیا ہے لہذا وہ اس کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور وہی حق ان کی زبان سے جاری و ساری رہتا ہے"

لہذا جو کچھ ان کی زبان سے صادر ہوا اور حضرت صدیق کو اس کے ساتھ مخاطب فرمایا وہ سراسر حق ہے اور جو اس فرمان کو برحق نہ مانے اس نے خود رسالت مآب ﷺ کی تکذیب کی۔گویا محمد ﷺ کا بھی باغی اور نافرمانبردار ہو گیا اور مولائے مرتضٰی کا بھی۔نیز اس میں خیر الناس کے لفظ سے اور بعد رسول اللہ ﷺ کی تقیید سے واضح ہو گیا کہ اگر مستثنٰی ہیں تو صرف نبی کریم ﷺ باقی سب امت پر آپ کو فوقیت و برتری حاصل ہے اور جب اس امت سے افضلیت ثابت ہوئی تو تمام امتوں سے بھی افضلیت ثابت ہو گئی۔والحمدللّٰہ

چھٹی حدیث:

(٦) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:

أتاني جبرائيل أخذ بيدي و أراني باب الجنة الذي يدخل منه أمتي فقال أبوبكر يا رسول الله ﷺ وددت أني كنت معك حتى أنظر اليه فقال رسول الله ﷺ أما أنك يا أبا بكر أول من يدخل الجنة من أمتي

(رواه ابو داؤد مشکوۃ شریف ص ٥٥٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول محتشم ﷺ نے فرمایا:

''میرے پاس جبرائیل آئے اور میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کاش میں اس وقت آپ کے پاس ہوتا یہ میری دلی تمنا اور قلبی آرزو ہے کہ میں بھی اس دروازہ کو دیکھ لیتا تو آپ نے فرمایا آگاہ رہو اے ابو بکر! بے شک تم جنت میں داخل ہونے والی میری ساری امت سے پہلے شخص ہو گے جو جنت میں (اس دروازہ سے) داخل ہو گی''

اس روایت کو امام ابو داؤد نے روایت کیا۔

فائدہ:

ساری امت اجابت سے پہلے پہل جنت میں داخل ہونے والے جب آپ ہیں تو ساری امت پر آپ کی فضیلت بھی ثابت ہو گئی جیسا کہ یہ امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہو گی اور رسول گرامی ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان الله حرم الجنة على الأنبياء حتى أدخلها و على الأمم حتى تدخلها

الثنی

"اللہ تعالیٰ نے جنت تمام انبیاء پر حرام کردی ہے جب تک کہ میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں اور تمام امتوں پر حرام کردی ہے جب تک کہ میری امت جنت میں داخل نہیں ہوگی"

الغرض نبی اکرم ﷺ کی یہ سبقت آپ کی سب انبیاء پر افضلیت کی دلیل ہے اور آپ کی امت کی دوسری امتوں پر دخول جنت میں سبقت ان امتوں سے افضل ہونے کی دلیل ہے تو لامحالہ حضرت صدیق کا اس امت پر دخول جنت میں سبقت لے جانا ان کے ساری امت محمدیہ سے افضل ہونے بلکہ تمام امم واقوام سے افضل ہونے کی واضح دلیل اور بین برہان ہے۔

علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فیه دلیل علی أنه أفضل الأمة والا لما سبقهم فی دخول الجنة و ایماء الی أنه أسبق الأمة ایمانًا لقوله تعالی والسابقون السابقون أولئك المقربون فی جنات النعیم.

اس حدیث پاک میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اس امت میں سے افضل ہیں ورنہ ان سے جنت میں داخل ہونے میں سبقت نہ لے جاتے نیز اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ساری امت سے ایمان میں سبقت لے جانے والے ہیں بسبب باری تعالیٰ کے اس فرمان واجب الاذعان کے کہ سبقت لے جانے والے (اس جہان میں ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ) سبقت لے جانے والے ہیں اس جہان میں (درجات ومراتب کے لحاظ سے اور اول اول جنت میں داخل ہونے کے لحاظ سے) وہی لوگ مقام قرب پر فائز کیے جانے والے نعیم نعمتوں والے باغات آخرت میں۔

ل:

اس حدیث پاک سے آپ کا اول المومنین ہونا ثابت ہوگیا اور مولائے مرتضیٰ رضی

اللہ عنہ کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ حضرت صدیق سے تین دن پہلے ایمان لائے بطور معارضہ قابل اعتناء اور لائق اعتبار نہیں علاوہ ازیں آپ دعویٰ نبوت کے وقت آٹھ یا دس سال کی عمر میں تھے اور آپ پرورش بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پا رہے تھے اور آپ کے مرہون منت تھے تو آپ کا ایمان لانا قریش کی نظروں میں کس اہمیت کا حامل ہوگا جب کہ حضرت صدیق کی عمر اس وقت اڑتیس سال کے قریب تھی اور تاجر ہونے کی وجہ سے امیر کبیر تھے اور دوسرے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایمان لاتے ہی مبلغ اسلام بن گئے آپ کی تبلیغ سے ہی حضرت عثمان حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشرف با سلام ہوئے جب کہ یہ بھی جنت کی بشارت پانے والے ہیں (اصابہ لابن حجر جلد ۲ ص ۱۰۹۱) اور دیگر حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور مالی و جانی قربانیاں دینے لگے نیز تین دن کے وقفہ کی وجہ آپ کا سفر پر ہونا یا مطلع نہ ہونا بھی ہوسکتا ہے اطلاع ملتے ہی فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بے دام بن گئے بلکہ بقول بعض حضرات آپ بہت پہلے وقت سے آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے جب کہ بحیرہ راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ان کو خوشخبری دی تھی جبکہ حضرت صدیق تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیس سال کی عمر میں تھے، چنانچہ ابونعیم نے فرات بن السائب کے واسطہ سے حضرت میمون بن مہران سے نقل کیا ہے:

واللہ لقد آمن أبوبکر بالنبي ﷺ زمن بحیرة الراهب حین مرّبه

(صواعق محرقة ص ۷۶)

"بخدا! ابوبکر صدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے بحیرہ راہب کے زمانہ سے (جبکہ) اس کے پاس سے آپ کا گزر ہوا"

لہٰذا اہم اولیت اور لائق اعتداد و اعتبار یہ اولیت ہے جو حضرت صدیق کو ایمان لانے میں حاصل ہوئی تھی۔ علامہ طیبی اس مقام پر فرماتے ہیں اور علی قاری اسے نقل کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

لما تمنی رضی اللّٰہ عنہ بقولہ وددت والتمنی انما یستعمل فیما لایستدعی امکان حصولہ قیل لاتتمن النظر الی الباب فان لک ما ھو أعلی منہ و أجل وھو دخولک فیہ اولامتی و حرف التنبیہ ینبعک علی الرمزۃ التی لوحنابھا۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ)

"جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمنا اور آرزو ظاہر کی ان الفاظ سے وددت اور تمنا استعمال ہوتی ہے ان امور میں جن کے حصول کے امکان کا مقتضی بھی موجود ہونا ضروری نہ ہو تو ان سے کہا گیا ایسی تمنا و آرزو کی آپ کو ضرورت نہیں ہے کہ کاش میں جنت کا دروازہ دیکھ لیتا کیونکہ آپ کو اس سے اعلیٰ اور جلیل ترین مقام حاصل ہے اور وہ ہے تمہارا جنت میں میری تمام امت سے پہلے داخل ہونا اور حرف التنبیہ (أما) اس مقام پر ذکر کیا جانا اسی نکتے اور راز کی طرف راہنمائی کر رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے"

ساتویں حدیث:

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے امام ترمذی نے یہ روایت اپنی سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ

لاینبغی لقوم فیھم أبوبکر أن یؤمھم غیرہ۔

(مشکوۃ شریف، ص:555)

رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"اس قوم کے لائق اور مناسب حال نہیں جن میں ابوبکر صدیق موجود ہوں کہ ان کی امامت کوئی دوسرا شخص کرائے بجائے ابوبکر صدیق کے"

فائدہ:

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی فضلہ فی الدین علی جمیع الصحابۃ فکان تقدیمہ فی الخلافۃ أیضًا أولی و أفضل ولھذا قال سیدنا علی المرتضی رضی اللّٰہ عنہ قد ملک رسول اللّٰہ ﷺ فی أمر دیننا فمن الذی یوء خرک فی دنیانا۔

چنانچہ ابونعیم نے فرات بن السائب کے واسطہ سے حضرت میمون بن مہران سے نقل کیا ہے

واللہ لقد آمن أبوبکر بالنبی ﷺ زمن بحیرۃ الراھب حین مربہ ۔

(صواعق محرقۃ ص: ۷٦)

"بخدا! ابوبکر صدیق نبی کریم ﷺ پر ایمان لا چکے تھے بحیرہ راہب کے زمانہ سے جبکہ اس کے پاس سے آپ کا گزر ہوا"

"اس حدیث شریف میں حضرت صدیق کے تمام صحابہ کرام پر دین وایمان میں افضل ہونے کی دلیل ہے۔لہذا ان کا خلافت اور سلطنت اسلامیہ کے نظم ونسق میں بھی مقدم رکھنا اولیٰ اور افضل ہے،اسی لیے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمارے دینی امر میں مقدم فرمایا اور امام بنایا کون ہوتا ہے وہ شخص جو آپ کو ہماری دنیا کے معاملہ میں پیچھے ہٹائے اور امامت وخلافت سے باز رکھے"

علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی أنہ أفضل جمیع الصحابۃ فاذاثبت ھذا فقد ثبت استحقاق الخلافۃ ولا ینبغی أن یجعل المفضول خلیفۃ مع وجود الأفضل۔

اس حدیث پاک میں اس امر پر واضح دلیل موجود ہے کہ حضرت صدیق تمام صحابہ

کرام علیہم الرضوان سے افضل ہیں جب یہ امر ثابت ہو گیا تو ان کا مستحق خلافت ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول اور کم مرتبہ شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے۔

اقول:

یہ صرف بیٹی کی باپ کے حق میں اس فضیلت و برتری کی شہادت نہیں بلکہ نبی مکرم ﷺ نے مرض وصال میں از روئے حکم نبوت مصلائے امامت پر حضرت صدیق اکبر کو فائز فرمایا اور صحابہ کرام کو پابند کیا اور مامور فرمایا کہ ابوبکر صدیق کو پابند کرو کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔

مروا أبا بكر فليصل بالناس۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

قال العلماء فی هذا الحديث أوضح دلالة على أن الصديق أفضل الصحابة على الاطلاق وأحقهم بالخلافة وأولاهم بالامامة۔

(تاريخ الخلفاء ص ٥٢)

"اس حدیث میں واضح ترین دلالت موجود ہے اس حقیقت پر کہ ابوبکر صدیق سب صحابہ سے افضل علی الاطلاق ہیں اور سب سے خلافت کے بھی زیادہ حقدار ہیں اور امامت کے بھی زیادہ حقدار اور اہل ہیں"

قد استدل الصحابة أنفسهم بهذا على أنه أحق بالخلافة منهم عمرو على رضی الله عنه

"تحقیق صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس حدیث سے بذات خود حضرت صدیق کے خلافت کے زیادہ حقدار ہونے پر استدلال کیا جن میں حضرت عمر فاروق بھی شامل ہیں اور مولیٰ علی بھی رضی اللہ عنہما۔

قال العلماء قد كان معروفاً بأهلية الامامة فى زمان النبى ﷺ ۔

(تاریخ الخلفاء ۵۲،۵۳)

"علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق زمانہ رسول ﷺ میں امامت کی اہلیت کے

ساتھ معروف تھے"

مولائے مرتضیٰ کی طرف سے اس حقیقت کا اقرار واعتراف آپ پہلے پڑھ چکے ہیں

جبکہ اهلِ تشیع کے نزدیک نماز میں بھی امام معصوم ہونا ضروری ہے تو گویا نبی الانبیاء ﷺ کی

نظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا معصوم اور محفوظ کوئی نہیں تھا اور ایسا کیوں نہ ہو

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاتقی کا عظیم وجلیل لقب ان کو عطا فرمایا اور ساری امت سے ان کو بڑا متقی

قرار دیا اور جو بڑا متقی ہوگا وہی سب سے زیادہ عنداللہ عزت وکرامت والا ہوگا اور وہ ہیں صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ اور واضح فرمایا کہ وہ مال کو بانٹتے ہیں نفس کا تزکیہ حاصل کرنے کے لیے بلکہ

جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ سب لوگوں میں بانٹتے ہیں اور بارگاہ مصطفیٰ کریم میں پیش کردیتے

ہیں تاکہ آپ خود اپنی صوابدید کے مطابق جہاد وغیرہ کی تیاری اور مجاہدین کی ضروریات میں

صرف کریں حتیٰ کہ بدن کے اچھے کپڑے بھی اتار کر دے دیتے ہیں اور ٹاٹ وغیرہ استعمال کر

لیتے ہیں اور اہل خانہ کے لیے بھی کچھ نہیں بچاتے اور اگر محبوب کریم ﷺ دریافت فرمادیں

مـا ابـقـيـت لاهلك تم نے گھر والوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے تو وہ عرض کرتے ہیں: ابقيت

لهم الله ورسوله ﷺ میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑا حتیٰ کہ سید عالم

ﷺ نے فرمایا: مانفعني مال احد قط ما نفعني مال ابى بكر۔

(رواہ ترمذی)

مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا کہ ابوبکر صدیق کے مال نے نفع دیا ہے وما لاحد عنده من نعمة تجزی الاابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی "اور کسی کی نعمت اس کے پاس نہیں جس کی جزا ان کی طرف سے دی جارہی ہے سوائے اپنے رب اعلیٰ کی رضا طلب کرنے کے اور وہ ضرور بالضرور ان سے راضی ہو جائیں گے"۔ بچپن میں بھی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا جب کہ اس کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کو اپنے والد گرامی جناب ابوقحافہ نے انگلی پکڑ کر ساتھ لے جا کر کہا یہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں کھلاتا پلاتا ہے لہذا اس کی عبادت کرو وہ آگے نکل گئے تو فرماتے ہیں کہ میں نے اس بت سے کہا انی جائع فاطعمنی فلم یجب میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا اس نے جواب نہ دیا میں نے کہا انی عطشان فاسقنی فلم یجب میں پیاسا ہوں مجھے پلا تو اس نے جواب نہ دیا تو میں نے کہا انی عار فاکسنی فلم یجب میں برہنہ ہوں مجھے لباس پہنا تو اس نے جواب نہ دیا آپ نے فرمایا انی ملق علیك هذا الحجر فان کنت الها فامنع نفسك عنی فلم یجب۔ میں پتھر مارنے لگا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا لے تب بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا فالقیت علیه الصخرة فخر لوجهه میں نے اس پر پتھر گرا دیا تو وہ منہ کے بل گر گیا (گویا اس کو اپنے قدموں میں سجدہ ریز کر دیا) اسی دوران میرا باپ پہنچ گیا اس نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا هو الذی تری یہ وہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو وہ مجھے میری ماں کے پاس لے گئے اور ان سے صورتحال کہی تو انہوں نے کہا اس بچے کو مت چھیڑو یہ وہ بچہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا حضرت صدیق فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ میرے بارے میں کیا

کلام فرمایا تو انہوں نے کہا کہ جب مجھ پر زچگی کا عالم طاری ہوا تو میرے پاس کوئی فرد انسا
موجود نہیں تھا تو میں نے ہاتف غیبی کو یوں کہتے ہوئے سنا :یاأمۃاللّٰہ علی التحقیق أبشری
بالولدالعتیق اسمہ فی السماء الصدیق لمحمد صاحب ورفیق

''اے اللہ کی برحق باندی بشارت قبول کر ایسے بچے کی جو صاحب کمال ہے او
آبرومند ہے یا بے عیب نسب والا ہے اس کا نام آسمان میں صدیق ہے وہ محمد ﷺ کا مصاحب
اور رفیق ہے''

فلما انقضی کلام ابی بکرنزل جبرئیل وقال صدق ابوبکر۔

جب حضرت صدیق کا کلام ختم ہوا تو جبرائیل نازل ہوئے اور کہا ابوبکر صدیق رض
اللہ عنہ نے سچ بیان کیا ہے۔

علامہ زبیدی نے معالی العرش الی عوالی الفرش نامی کتاب میں حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم نبی کریم علی
الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں جمع تھے فقال أبوبکر وعیشك یا رسول اللہ ﷺ
لم أسجد لصنم قط و کنت فی الجاھلیۃ کذا و کذا الخ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے آپ کی حیاتِ مقدس
کی قسم میں نے کبھی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا اور میں جاہلیت کے دور میں ایسا تھا یعنی لغویات ا
بے ہودگیوں سے منزہ ومبرا تھا'' (جو اہل جاہلیت میں روزمرہ کا معمول تھا)

آپ نے بت کے آگے اپنی طرف سے سجدہ نہ کرنے بلکہ توہین وتذلیل کرنے ک
تفصیل یوں بیان فرمائی کہ آپ نے ملتِ ابراہیمی کو مبداءِ ولادت سے ہی اپنا رکھا تھا اور ب

پرست نہیں بلکہ بت شکن بنے ہوئے تھے اور آپ ایسے کیوں نہ ہوتے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام آسمانوں میں صدیق لکھوا دیا تھا اور ان کے لیے محمد مصطفی علیہ التحیۃ و الثناء کی مصاحبت ورفاقت کا فیصلہ فرما دیا تھا۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے نقل فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

واللہ ماقال ابوبکر شعرا لافی الجاھلیۃ ولافی الاسلام

"بخدا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی شعر نہیں کہے نہ جاہلیت کے دور میں اور نہ اسلام میں"

گویا طبعی طور پر نبوی سنت وطریقہ پر کاربند تھے کیونکہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی شعر نہیں کہتے تھے نہ قبل از نبوت اور نہ بعد از نبوت، کما قال اللہ تعالیٰ:

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (یٰسین، 69:36)

"ہم نے ان کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا تھا اور نہ ہی یہ امر ان کے شایان شان تھا"

و لقد ترک ھو وعثمان شرب الخمر فی الجاھلیۃ۔

(أخرجہ ابن عساکر بسند صحیح)

فائدہ:

حالانکہ شراب نوشی کی حرمت آغاز اسلام میں نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ بہت بعد میں اور وہ بھی مرحلہ وار تھی کہ پہلے پہل صرف حالت نماز میں نشہ والی حالت پر ہونے سے منع فرمایا گیا تھا یعنی اس وقت میں مت پیا کرو کہ نماز کے وقت تک نشہ باقی رہے بلکہ اس وقت حالت صحو ہونی ضروری ہے تا کہ پتہ ہو منہ سے کیا بول رہے ہو؟ قال اللہ تعالی: لاتقربوا الصلوۃ وأنتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون۔ (النساء، 43:4) اور کافی عرصہ بعد اس کو رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ (المائدہ، 90:5) فرما کر ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا کہ شراب

پلید ہے شیطانی عمل ہے اس سے پرہیز کرو، لیکن ان دونوں حضرات نے اپنے آپ کو فطری طہارت وپاکیزگی کے تحت دور جاہلیت میں ہی اس کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا کر فطرت واسلام پر ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا و غیر ذالک۔

الغرض اسی معصومیت ومحفوظیت کی وجہ سے ان کو سید الانبیاء ﷺ نے سیـــــــادت المسلمین کا صرف اہل ہی نہ سمجھا بلکہ ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو امامت کا اہل نہ سمجھا اور بالخصوص اپنے مصلے پر امامت کا اہل بھی ان کی موجودگی میں دوسرے کسی کو نہ سمجھا حتی کہ مرض الوصال میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے مصلے پر کھڑے ہو کر امامت کرانے سے روک دیا اور حضرت صدیق کو ہی اس منصب پر فائز فرمایا:

أخرج أبو بكر الشافعي في الغيلانيات وابن عساكر عن حفصة رضي الله عنها أنها قالت للنبي ﷺ اذا أنت مرضت قدمت أبابكر قال لست أنا أقدمه ولكن الله يقدمه۔ (تاريخ الخلفاء ص :٥٣)

”حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ بیمار ہونے کی حالت میں ابوبکر صدیق کو ہی امام اور مقدم ٹھہراتے ہیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی ان کو مقدم ٹھہراتا ہے“

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا میں نے تین مرتبہ تیری تقدیم کا مطالبہ کیا لیکن اللہ تعالی نے ابوبکر کے ماسوا کی تقدیم سے انکار فرما دیا:

أخرج الدار قطني والخطيب وابن عساكر عن علي رضي الله عنه سألت الله أن يقدمك فأبى الله الا تقديم أبي بكر رضي الله عنه

(تاريخ الخلفاء ص ٥٣)

تنبیہ:

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث شریف کے متعلق فرمایا:

ھذا حدیث غریب لیکن یاد رہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی، یہ محدثین کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کا راوی ایک ایک ہو، پھر واقعاتی شہادت نے اس کے مضمون کی تاکید اور تسدید وتصدیق کر دی، لھذا کسی سنی کہلانے والے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کے باوفا اور باحیا بیٹے کو اس کا انکار زیبا نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث:

(۸) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت بینا رأس رسول اللہ ﷺ فی حجری فی لیلة ضاحیة اذقلت یا رسول اللہ! ھل یکون لأحد من الحسنات عدد نجوم السماء؟ قال: نعم عمر، قلت: فأین حسنات أبی بکر؟ قال: انما جمیع حسنات عمر کحسنة واحدة من حسنات أبی بکر۔ (رواہ رزین)

"ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس دوران کہ رسول محترم ﷺ کا سرناز ایک چاندنی رات میں میری گود میں تھا تو میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ﷺ آیا کسی شخص کی حسنات وخیرات آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں وہ شخص عمر فاروق ہے رضی اللہ عنہ۔ میں نے (حیرت زدہ ہوکر) کہا ابوبکر صدیق کی نیکیاں کہاں؟ یعنی ان کی نسبت حضرت عمر کی نیکیوں کے ساتھ کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

"عمر کی ساری نیکیاں ابوبکر صدیق کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی مانند ہیں"

فائدہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سید عالم ﷺ کو تفصیلی طور پر امت کے اعمال معلوم ہیں جبھی ان میں توازن قائم فرمایا ورنہ لاعلمی کی صورت میں اس طرح کے موازنہ کا کوئی امکان نہیں

تھا- نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ کے خداداد علم کی وسعت کا عقیدہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ امت کے اعمال کی تعداد اور ان کے شمار سے باخبر ہیں- خود نبی اکرم ﷺ کا اپنے متعلق عقیدہ بھی واضح ہو گیا کیونکہ اگر آپ کو اس قدر تفصیلی علم نہ تھا، نہ آسمان کے تاروں کی گنتی معلوم تھی نہ امت کے اعمال کی گنتی اور شمار اور نہ ان کی قدر و قیمت اور ان کا عنداللہ وزن اور ان میں کارفرما روح اخلاص کا علم تھا تو اس طرح کا موازنہ کیونکر فرماتے؟

عظیم ترین فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ فضیلتِ حقیقی کثرت ثواب کے لحاظ سے ہے نہ کہ نسبی حسبی قرابت سے اور نہ بظاہر حسنات کی کثرت تعداد سے- کیونکہ نبی محترم ﷺ کی زبانی اور مولائے مرتضی کی زبانی ان دونوں حضرات کی افضلیت علی الترتیب معلوم ہو چکی اور ان حضرات کو نبی مکرم ﷺ کے ساتھ نسب و حسب کے لحاظ سے وہ قربت حاصل نہیں تھی جو مولائے مرتضی، حضرت عقیل اور حضرت عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم کو حاصل تھی تو گویا وہ فضیلت جزوی جزوی فضائل میں سے ہے جس طرح حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ابا جان جیسے مولا علی کے ابا نہیں ہیں اور نہ ان کی امی جیسی آپ کی امی ہے اور نہ ان کی نانی جیسی آپ کی نانی ہے اور نہ ان کے نانا جیسے آپ کے نانا ہیں تو وہ اس اعتبار سے مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سے افضل ہو جائیں گے مگر یہ جزوی فضیلت ہے اور فضیلتِ مطلقہ کثرت ثواب اور علوِ درجات اور عنداللہ منزلت والی فضیلت ہے اور اس میں ان دونوں شہزادوں کو آپ سے مساوات اور برابری بھی حاصل نہیں چہ جائے کہ فوقیت اور برتری حاصل ہو-

الغرض جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں حضرت صدیق کی صرف ایک نیکی کی مانند ہیں حالانکہ آپ کا ایمان لانا اسلام کے لیے اعزاز اور غلبہ کا موجب اور ایمان اور کفر میں تفرقہ کا موجب ہے نبی مکرم ﷺ کے سسر بھی ہیں اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے داماد بھی

کیونکہ آپ نے ان کو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا سے پیدا ہونے والی اپنی لخت جگر حضرت ام کلثوم کا رشتہ دیا تھا جو اہل تشیع کے ہاں بھی مسلم ہے اور آپ کی خلافت کے دوران قیصر و کسریٰ کا صفایا ہو گیا، ہزاروں شہروں میں سلطنت اسلامیہ قائم ہوئی ہزاروں مساجد بنیں، لاکھوں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، بالخصوص قبلۂ اول بیت المقدس فتح ہوا اور ان لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی اپنی کتب سماویہ کی تصریحات کی رو سے پہچان لیا کہ خداوندی فیصلہ کے مطابق یہ اس شہر کے فاتح اور حاکم ہیں، لہذا لڑائی بے سود اور بیکار ہے، قلعہ بند شہر کے دروازے کھول دیے اور آپ کو اور آپ کے لشکر کو خوش آمدید کہا تو ان علاقوں میں جہاں صلیب کی پوجا ہوتی تھی اور آتش پرستی ہوتی تھی اس شرک کو بھی ملیا میٹ کیا اور رب واحد کی توحید و عبادت کی بنیاد رکھی اور قیصر و کسریٰ سے خوف و خطر کی بنیادیں ختم کر کے رکھ دیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان عالی شان:

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا

(سورۃ نور، 55:24)

"خلفائے نبی ﷺ کے دور خلافت میں ان کا دین مضبوط کر دوں گا، اور ان کے خوف کو امن میں بدل دوں گا" (مفہوم)

کی صداقت عملی طور پر واضح فرما دی۔ لہذا ان علاقوں میں جب تک ایمان و اسلام رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہے گی سب لوگوں کے مجموعی ثواب کے برابر اکیلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر اجر و ثواب ملتا رہے گا اور تراویح کا باجماعت اور مشترکہ طور پر اور بیس رکعت کی تعداد میں ادا کرنا جب سے جاری ہے اور جب تک جاری رہے گا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تمام نمازیوں کے برابر اجر و ثواب ملتا رہا ہے اور ملتا رہے گا وغیرہ وغیرہ لیکن اس کے باوجود سید عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"عمر رضی اللہ عنہ کی ساری نیکیاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک نیکی

مانند ہیں"

تو پھر آپ کی تمام نیکیوں کے اجر وثواب اور ان کی بدولت حاصل ہونے والے

درجات ومراتب کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس کی عطا سے اس کے محبوب محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسی طرح آپ کی شان بھی یہی ہے

بعد از انبیاء بزرگ توئی قصہ مختصر

والحمدللّٰہ علی ذالک

نویں حدیث مبارکہ:

(۹) حدیث بالا کی تائید وتصدیق اور اس میں مذکور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

روایت وحکایت کو نظر انداز کرنے اور بیٹی کے باپ کی شان میں مبالغہ آرائی پر محمول کرنے کی

گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت صدیق کے ایک دن کی نیکی یا ایک رات

کی نیکی کے بدلے زندگی بھر کی نیکیاں پیش کر دینے کی حسرت اور تمنا رکھتے تھے، چنانچہ روایت

ملاحظہ فرماویں:

عن عمر رضی اللہ عنہ قد ذکر عندہ أبوبکر رضی اللہ عنہ فبکی و قال

وددت أن عملی کلہ مثل عملہ یوما واحداً من أیامہ ولیلۃ واحدۃ من لیالیہ

(الحدیث)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ ان کے سامنے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا

ذکر کیا گیا تو آپ رو پڑے اور فرمایا:

"میری دلی تمنا ہے کہ میرے تمام تر اعمال خیر ان کے ایام زیست میں سے ایک دن کے برابر ہو جاتے یا ان کے دور اقدس کی راتوں میں سے ایک رات کے عمل کی مانند ہو جاتے"

پھر اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا،

"ان کی رات جو قابل رشک ہے وہ ہے جس میں وہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ (ہجرت کے موقعہ پر) غار ثور کی طرف نکلے جب وہاں پہنچ گئے تو حضرت صدیق نے عرض کیا:

واللہ لا تدخل حتی أدخل قبلك فان كان فيه شي أصابني دونك

بخدا! آپ اس میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میں آپ سے پہلے داخل ہوں اگر کوئی موذی اور مہلک چیز ہو تو اس کا نقصان اور خسارہ اور ایذاء وہلاکت مجھے پہنچے نہ کہ آپ کو"

چنانچہ غار میں داخل ہوئے پس اس کو صاف کیا یعنی روڑے پتھر اور خار وخس وغیرہ دور کیے اسی دوران غار کی جانب سوراخ اور بلیں دیکھیں تو اپنی چادر کے زائد حصے کو پھاڑا اور ان کو بند کیا اور دو باقی بچ گئیں، فالقمهما رجليه ثم قال للرسول ﷺ أدخل

ان کیلئے اپنے دونوں پاؤں کو لقمہ بنا دیا اور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ آپ اندر تشریف لائیے (گویا میں نے موذیوں کی آپ تک رسائی کا سدباب کر دیا ہے لہذا بے خطر اندر تشریف لائیے)

چنانچہ محبوب خدا عليه التحية والثناء اندر تشریف لائے تو آپ نے ان کے لیے گود پھیلا دی ،

ووضع رأسه فی حجره ونام ولدغ أبوبكر فی رجليه من الجحر و لم يتحرك مخافة أن ينتبه الرسول ﷺ فسقطت دموعه علی وجه رسول اللہ ﷺ

اور آپ نے اپنا سر ناز صدیق کی گود میں رکھ دیا اور سو گئے، صدیق ڈسے گئے دونوں پاؤں میں اس بل سے جس کے آگے پاؤں دے رکھے تھے اور (درد کی شدت اور جانکنی کے عالم

میں بھی) بدن پر جنبش نہ آنے دی اس خوف اور اندیشہ سے کہ (آپ ﷺ کی نیند میں خلل پڑے گا) آپ ﷺ بیدار ہو جائیں گے تو آپ کے آنسو بے اختیار بہہ نکلے اور رسول گرامی ﷺ کے چہرۂ اقدس پر گرے، اور آپ جاگ پڑے اور دریافت فرمایا: فقال مالك يا ابا بكر! اے ابو بکر آپ کو کیا ہوا (رو کیوں رہے ہو) عرض کیا لدغت فداك أبي وأمي میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں تو ڈسا گیا ہوں، فتفل رسول الله ﷺ فذهب ما يجده ثم انتقض عليه فكان سبب موته رضي الله عنه تو محبوب کریم ﷺ نے اس جگہ پر لعاب دہن لگا دیا تو جو درد اور تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ زائل ہو گئی پھر وہی زخم وصال شریف کے وقت پھوٹ پڑا اور آپ کی موت کا سبب بنا اور صدیقیت کے ساتھ ساتھ شہادت کی موت بھی نصیب ہو گئی۔

أما يومه فلما قبض رسول الله ﷺ ارتدت العرب و قالوا لا نؤ دي الزكوة فقال لو منعوني عقالاً لجاهدتهم عليه فقلت يا خليفة رسول الله ﷺ تألف الناس و ارفق بهم فقال أجبارٌ في الجاهلية و خوارٌ في الاسلام انه قد انقطع الوحي و تم الدين أينقص وأنا حي ؟ (رواه رزين مشكوة شريف ص٥٥٦)

''اور ان کا دن جو قابلِ صد رشک ہے وہ دن ہے جس میں رسول گرامی ﷺ کے وصال شریف کے بعد عربوں میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا ہم زکوٰۃ نہیں دیتے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ (جانور بطور زکوٰۃ تو دیں لیکن اس کے باندھنے کا جو رسہ دیا کرتے تھے وہ) رسہ اب نہیں دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ تو میں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول ﷺ ان سے الفت و شفقت کا مظاہرہ کیجیے! تو آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم دور جاہلیت میں جبار اور بہت بہادر تھے اسلام میں بزدلی اور کمزوری ظاہر کرتے ہو (حالانکہ تمہاری شان اشداء على الكفار رحماء بينهم ہے یعنی کافروں کے خلاف شدت و سختی کے مالک مانند حدید کے اور آپس میں رحیم و کریم بانند موم کے) تحقیق صورت حال

واقعی یہ ہے کہ وصال مصطفوی ﷺ کی بعد وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین تام اور کامل ہو چکا (آپ کے وصال شریف سے قبل) کیا اب آپ کے وصال شریف کے بعد اس میں کمی اور تخفیف تغیر و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ میں زندہ موجود ہوں (ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا)

بیان الفوائد :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس آرزو اور تمنا سے اور زندگی بھر کے اعمال خیر ایک رات اور ایک دن کے صدیقی عمل پر قربان کر دینے کے جذبے سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مضمون و مفہوم کی مکمل تائید و تصدیق ہو گئی اور اس رات اور دن کے عمل کی قدر و قیمت اور وزن و رجحان پر دوپہر کے وقت زمین پر سورج کے عکس و پرتو کی طرح روشنی پڑ رہی ہے۔

نیز ایک نیکی جس کی طرف رسول گرامی ﷺ نے اشارہ فرمایا اس کی کسی حد تک وضاحت و صراحت ہو گئی اور بیک وقت دونوں طرح کی نیکیاں مراد لینے اور واو کو واصلہ بنانے کی بجائے او فاصلہ کے معنی میں ہونے کی حدیث رسول ﷺ سے صراحت ہو گئی۔

اس موقع پر صرف دونوں حضرات میں یہ موازنہ پایا جانا اور کسی ہستی کا تذکرہ نہ ہونا بھی علی الترتیب ان حضرات کے باقی تمام امت پر بالعموم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر بالخصوص افضلیت پر بھی واضح دلالت موجود ہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی جانثاری اس روایت سے ظاہر ہے کہ بیوی بچوں اور بچیوں کو کفار و مشرکین کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس کٹھن سفر میں نبی رحمت ﷺ کی رفاقت اختیار کر رہے ہیں اور اسے کما حقہ نبھا رہے ہیں اور اپنی جان کو بھی ہتھیلی پر رکھ رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ حقیقت کسی عقل مند شخص سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ کفار و مشرکین سید عالم ﷺ کو اپنے گھر پر نہ پا کر حضرت ابوبکر کے گھر سے تلاش کریں گے اور گھر والوں پر ظلم و تعدی اور تغلیظ و تشدید کریں گے اور وہاں نہ پا کر تعاقب کریں گے اور ظلم و ستم کی انتہا کر دیں گے اور ایسے ہی ہوا بلکہ حضرت

ابوبکر کو نبی مکرم ﷺ کے ادعائے نبوت اور شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت کا محرک سمجھیں گے (جیسا کہ بعد میں اس کی تصریح شیعی کتب سے عرض کی جائے گی) اور ان کو زیادہ سخت اور سنگین سزا کا مستحق سمجھیں گے چنانچہ غار تک بھی کافر جا پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ان ہستیوں کا تحفظ فرمایا مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بنا دیا اور کبوتری نے گھونسلا بنا کر انڈے دے دیے اور کفار کو گمان بھی نہ ہونے دیا کہ ایسی صورتحال میں بندے بھی غار کے اندر ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ:

جو لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر روئے اور چیخے چلائے تا کہ کافران کی آواز سن کر نبی مکرم ﷺ کو پکڑ لیں ان کی اس طرح کی سوچیں قابل افسوس ہیں، کافر تو اس قدر قریب ہونے کے باوجود وہ آواز نہ سن سکے مگر ان لوگوں کو صدیوں بعد اس قدر دور دراز علاقوں میں ابوبکر صدیق کی چیخ و پکار سنائی دے گئی۔ نیز نبی مکرم ﷺ کو بھی یہ آواز سنائی نہ دے سکی ورنہ لا تبک ولا تصیح فرماتے، یعنی "نہ رو نہ چیخ نہ چلانہ" کہ لاتحزن فرماتے۔ جب کہ حزن قلبی اضطراب اور پریشانی ہوتی ہے۔ اسی لیے اولیاء کرام کے حق میں فرمایا الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون نیز حضرت صدیق کے اس غلط ارادہ کے باوجود ان کو یہ بشارت سنانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا :لاتحزن ان اللہ معنا(التوبہ، 9:40) غم زدہ مت ہونا کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

نیز شیعی کتب میں مروی ہے کہ راستہ میں لوگ حضرت ابوبکر صدیق سے جان پہچان رکھنے والے ملتے تھے تو دریافت کرتے تھے کہ

من معك ؟يقول هذا رجل يهديني السبيل

تمہارے ساتھ جو جوان ہے وہ کون ہے؟ تو آپ کہتے یہ وہ مرد ہے جو مجھے راہ دکھلاتا ہے اور رہبری کرتا ہے۔

وہ سمجھتے تھے کہ زمینی راستہ دکھلانے والا واقف کار شخص ساتھ لیے ہوئے ہیں اور آپ کا مقصد ہوتا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی راہ دکھلانے والی ہستی ہمارے ساتھ ہے تاکہ جھوٹ بولنے پر صدیقیت میں خلل نہ آجائے اور سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی اس عظیم امانت میں خیانت نہ لازم آئے علیہذا ذو معنیین لفظ بولا جس کو اصطلاحی طور پر توریہ کہا جاتا ہے اگر نیت میں فتور ہوتا تو اس موقع پر آپ کا تعارف کرا کر اور آپ کو پکڑوا کر اور کفار سے بھی اور ابوجہل سے بھی انعام عظیم وصول کر لیتے یا جب سراقہ ابن مالک تعاقب کرتے ہوئے قریب پہنچ گیا تھا تو اس کی امداد واعانت کر دیتے، نعوذ باللہ

اللہ تعالیٰ ایمان لیتا ہے تو عقلیں بھی ماؤف فرما دیتا ہے اور انسانوں کو حیوان لا یعقل بنا دیتا ہے۔

غار میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت انتہائی امتیازی اور انفرادی حیثیت کی ہے اور بے مثال خدمت فالتو کپڑے پھاڑ کر سوراخوں اور بلوں کو بند کرنا اور دو بچ جانے والے بلوں کا منہ اپنے قدموں سے بند کرنا بھی عظیم فداکاری ہے پھر سانپ کی موجودگی کا احساس کرنے پر آپ کو جگایا نہیں اور باہر نکلنے کا مشورہ نہیں دیا بلکہ آپ کی نیند پر اپنی جان عزیز کو اپنی طرف سے قربان کر دیا، امام اہل سنت نے مولائے مرتضیٰ کی قربانی اور حضرت صدیق کی قربانی کا موازنہ کرتے ہوئے بہت پیارا انداز واسلوب اختیار فرمایا ہے:

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں ان پہ دے چکے اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

اور برحق فیصلہ فرمایا کہ مولا علی کی قربانی بھی عظیم ہے کہ نماز عصر جیسی تاکیدی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر قربان کر دی مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سب فرائض سے جو اہم

اور مقدم فریضہ ہے یعنی جان کی حفاظت (اسی لیے جہاں جان کو خطرہ ہو نماز ادا کرنا درست نہیں ہوتا) اس کو نبی مکرم ﷺ کی نیند اور آرام پر قربان کر دیا لہٰذا ان کی قربانی بے نظیر و بے مثال ہے۔

سوال:

کسی کی بھی کوئی قربانی نہیں ہے کیونکہ دعا کر کے سورج الٹا پھروا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضا نماز کو ادا کروا دیا اور لعاب دہن لگا کر صدیق کی جاتی جان واپس کر دی گئی؟

جواب:

امام اہل سنت نے اس کا جواب بہت پیارے انداز میں دیا کہ رسالت مآب ﷺ نے حضرت صدیق کو جان لوٹا دی مگر انہوں نے یہ قربانی اس علم واعتقاد پر نہیں دی تھی کہ آپ میری جاتی جان واپس کر دیں گے اور مولائے مرتضیٰ کی نماز لوٹا دی گئی لیکن انہوں نے یہ قربانی اس نیت اور ارادے پر نہیں دی تھی کہ میری نماز ادا کروا دی جائے گی اور وہ اپنی طرف سے جان قربان کر چکے تھے اور یہ نماز اور اہم ترین نماز قربان کر چکے تھے۔

اہم نکتہ:

جو لوگ نماز میں نبی مکرم ﷺ کی طرف توجہ کو توحید کے منافی سمجھتے ہیں اور اسے شرک قرار دیتے ہیں ان کو ان دونوں عظیم ہستیوں کے اس عمل میں غور وفکر کرنا چاہیے اور نبی مکرم ﷺ کے ردِ عمل پر بھی کہ ان کو زجر وتوبیخ نہیں فرمائی بلکہ ان کی بہت عزت افزائی فرمائی ہے۔ تو کیا تینوں مقدس ہستیاں توحید کے اسرار و رموز سے لاعلم اور بے خبر تھیں؟ اور تینوں مشرک ہو العیاذ باللہ۔

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا آپ کے بستر پر سونا اور پہرہ دینے والے کفار کو غلط میں مبتلا رکھنا اہم کارنامہ ہے، لیکن اگر کافروں نے سونے کی حالت میں حملہ کرنا ہوتا تو سا

رات انتظار میں کیوں گزارتے؟ نیز مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر اور قبیلہ میں ہیں تو آپ کے لیے اتنے خطرات نہیں ہیں جتنے کہ سفر ہجرت کے طویل ترین ہونے اور وقت طلب سفر میں خطرات تھے اور حضرت صدیق نے اس میں یہ عظیم ترین قربانی دی۔

نیز معلوم ہوا کہ صرف زور بازو اور شمشیر زنی ہی کمال نہیں ہے بلکہ حکمت اور تدبیر اور عاقبت اندیشی میں بھی بہت کمال ہے۔ جس طرح حضرت صدیق نے آنحضرت ﷺ کا دفاع اس طرح کیا کہ یہ ہمیں راہ دکھانے والے جوان ہیں ورنہ آپ کے لیے خطرات پیدا ہو جاتے۔

حضرت صدیق کی شان شجاعت اس رفاقت سے بھی ظاہر ہے اور جھوٹے نبیوں اور مرتدوں کے خلاف جہاد میں بھی اور زکوۃ میں صرف جانور کا رسہ دینے سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کا اعلان اور دین اسلام کو اپنی اصلی اور کامل و اکمل حالت پر بحال کرنا اور آنے والے خلفاء کے لیے داخلی طور پر استحکام پیدا کر کے عظیم فتوحات کی راہ ہموار کرنا بھی عظیم ترین کارنامہ ہے۔ جبکہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دورانیہ میں بھی مجبوراً ان کے ہی سنن وطرائق اور اعمال و کردار اور سیرت و اخلاق پر عمل کرتے تھے اور آپ کو خطرہ تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو ذرا بھی اس راہ سے انحراف کا حکم دوں تو میرا سارا لشکر مجھ سے منحرف ہو جائے گا اور میں اکیلا رہ جاؤں گا (جیسے کہ تحفہ حسینیہ میں بندہ نے مفصل طور پر اس کو بیان کر دیا ہے)

اور مزید برآں یہ کہ ان خلفاء کو بھی اور ان کے متبعین کو مرتد بھی سمجھتے تھے لیکن رعیت کو ساتھ رکھنے اور اپنے ساتھ ہم نوا اور معاون و مددگار بنانے کے لیے خلفاء ثلاثہ بالخصوص سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت و مطابقت کا تاثر دیتے رہے حرب وقتال میں ان کے سپاہی بن کر کبھی ان کے وزیر و مشیر اور نائب و خلیفہ بن کر ان کا ساتھ دیتے رہے اور نمازوں میں ان کی اقتدا کرتے رہے تو اگر وہ مرتد ہو چکے تھے العیاذ باللہ اور

صراط مستقیم کو چھوڑ چکے تھے تو ان کی مطابقت وموافقت اور متابعت ومطابعت آپ کی شان
(اسد اللّٰھی کے قطعاً موافق نہیں تھی بلکہ اپنے آپ کو بھی اس گمراہی میں مبتلا کرنے کی موجب تھی
لہذا ہمارا عقیدہ ان سب کی شان کے لائق ہے کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی ان کے ساتھ، لہذا
حق بھی ان کے ساتھ اور قرآن علی مرتضی کے ساتھ اور علی مرتضی ان کے ساتھ، لہذا قرآن بھی
ان کے ساتھ۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ ارتداد کے خلاف جہاد کرنے والے عظیم المرتبت صحابہ کرام علیہم
الرضوان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارتداد کا خیال رکھنے والوں کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا:

یاأیھاالذین آمنوامن یرتدمنکم عن دینه فسوف یأتی الله بقوم یحبھم و
یحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل الله ولا یخافون
لومة لائم ذالك فضل الله یؤتیه من یشاء والله واسع علیم (سورہ مائدہ، 54:5)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص بھی دینِ اسلام سے مرتد ہوا تو ضرور بالضرور
ایسے لوگوں کے خلاف اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان کو محبوب رکھتا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ
سے محبت کرنے والے ہوں گے، مومنین کے حق میں سراپا تواضع اور نرم وگداز ہوں گے جبکہ کفار
پر غالب وقاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور کسی ملامت اور طعن
تشنیع کرنے والے سے خوفزدہ نہیں ہوں گے وہ عظیم فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو جسے
چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شی کو محیط ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے ہر شے کا بذاتِ خود
علم رکھنے والا ہے"

لامحالہ جھوٹے نبیوں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے خلاف، آباؤ اجداد کے
شرک والے دین کی طرف لوٹنے والوں کے خلاف اور زکوۃ کی معمولی مقدار بھی ادا کرنے سے
انکار کرنے والوں کے خلاف حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امارت وخلافت میں آپ

کے حکم کے مطابق عظیم ترین جہاد کیا گیا۔ لہـــــذا یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں اور اس کے محب صادق بھی، اور دیگر مذکورہ بالا صفات کاملہ کے مالک بھی۔ تو جو ان کا امام و حاکم اور مقتداء و پیشوا ہے اور اس معاملہ میں انتہائی ثابت قدم اور عالی ہمت اور بلند حوصلہ جس نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف فی الحال نرمی برتنے اور بیک وقت اتنے کثیر اور متعدد محاذ نہ کھولنے کا جو حضرات مشورہ دے رہے تھے ان کو بھی ڈانٹ پلا دی اور عزم صمیم اور جذبۂ مستقیم کا مظاہرہ فرمایا اور جیتے جی دین متین میں ذرا بھر بھی نقص اور نقض برداشت نہ کرنے کا اعلان عظیم اور اس راہ میں اپنی جان تک کو قربان کر دینے کا جذبۂ صادقہ ظاہر فرمایا اور بالآخر اسلام کو دوبارہ اصلی حالت پر بحال کر دکھلایا اور ختم نبوت کے حصین قلعہ میں دراڑیں ڈالنے والوں کا صفایا کر کے دین متین کی نشأۃ ثانیہ کے موجب بنے اور لومۃ لائم کو خاطر میں نہ لائے تو وہ یقیناً ان سب حضرات کے ان صفات کمال میں سرخیل اور امام ہیں اور اعلیٰ مرتبہ و مقام پر فائز ہیں، لہـذا ہمارا عقیدہ افضـل البشر بعد الانبیاء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث سے بڑی صراحت و وضاحت کیساتھ ثابت ہو گیا، والحمدللہ

یہ حقیقت محتاج وضاحت نہیں ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں سے مہاجرین کو دوسرے حضرات پر فوقیت و فضیلت حاصل ہے اور مہاجرین میں سے سابقین کو رضـی اللّٰـہ عنہم۔ اور رسول معظم ﷺ کے اول المـهاجرین اسبق السابقین ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا تو پھر امت میں سے بالعموم اور صحابۂ کرام میں سے بالخصوص اور مہاجرین میں سے اخص الخصوص حضرت صدیق کے اول المهاجرین اور اسبق السابقین مہاجر ہونے میں کس کو شک و شبہ ہو سکتا ہے اور صرف ہجرت میں ہی معیت و رفاقت نہیں بلکہ غار میں تین دن حضرت صدیق کے بیٹے اور غلام خدمت کرتے رہے۔ اور غار ثور سے مدینۂ منورہ تک پندرہ دن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ خدمت کرتے رہے اور راہ پر ملنے والے لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی وجہ

سے خورد ونوش کا انتظام واہتمام کرتے رہے اور خطرات سے تحفظ کی سعی بلیغ فرماتے رہے توا
کی افضلیت میں کسی منصف اور بیدار مغز مسلمان کو شک وشبہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

جیسا کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے:

والسابقون السابقون اولئك المقربون فی جنات النعی

(الواقعہ، 10,11,12:56)

یعنی جو اس جہان میں سبقت لے جانے والے ہیں وہ اگلے جہان میں بھی سبقت
لے جانے والے ہیں اور وہی لوگ جنات نعیم میں قرب خداوندی کے مرتبہ اور درجۂ رفیعہ پر فا
ہونے والے ہیں — والحمدللہ علی ذالك ـ

حضرت صدیق اکبر کا رفاقت ہجرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب
ان کا عہد وفا، اس کا کماحقہ ایفاء اور اس کی عظیم جزاء:

حضرت سیدنا امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تفسیر مطبوعہ ایران (ص:۱۶۴،۱۶۵)
یہ روایت منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی مکرم ﷺ پر نازل ہوئے اور عرض کیا:

ان العلی الأعلی یقرئك السلام و یأمرك أن تستصحب أبابكر فانه ا
آنسك و أسعدك ووازرك وثبت علی ما یعهدك ویعاقدك كان فی الجنة م
رفقاءك و فی غرفاتها من جلسائك۔

"بلند بالاترین مرتبے والا اللہ تمہیں سلام فرماتا ہے (تا) اور آپ کو اس نے حکم دیا ہ
کہ (اس سفر ہجرت میں) ابوبکر کو اپنا مصاحب اور رفیق بنانا پس تحقیق وہ آپ کو انس مہیا کری
اور امداد واعانت کریں اور تائید وتقویت بہم پہنچائیں اور جو آپ سے عہد اور عقد و پیمان کریں اس
پر ثابت قدم رہیں تو جنت میں بھی آپ کے رفقاء میں سے ہوں گے اور جنت کے بالاخانو

میں آپ کے ہم نشینوں میں سے ہوں گے"

(الخ)ثم قال رسول الله ﷺ لأبی بکر أرضیت أن تکون معی یا أبا بکر تطلب کما أطلب و تعرف بأنك انت الذی تحملنی علی ما ادعیه فتحمل عنی أنواع العذاب قال أبوبکر یا رسول اللّٰه أما أنا لو عشت عمر الدنیا أعذب فی جمیعها أشد عذاب لاینزل علی موت مریح ولا فرح منیح و کان ذالك فی محبتك لکان ذالك أحب الیّ من أن أتنعم فیها و أنا مالك لجمیع مما لیك ملوکها فی مخالفتك و هل أنا ومالی وو لدی الا فداءك ۔

"پھر رسول معظم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کیاتم اس بات پر راضی ہو اور اس امر کو پسند کرتے ہو کہ اس سفر میں میرے ساتھی بنو اے ابوبکر تیرا اسی طرح تعاقب اور جستجو کی جائے جیسے کہ میرا تعاقب اور جستجو کی جائے بلکہ تیرے متعلق یہ نظریہ اپنایا جائے اور اس امر کا عرفان و اذعان رکھا جائے کہ تو ہی مجھے اس امر پر ابھارتا اور برانگیختہ کرتا رہا ہے جس کا میں دعویٰ کرتا ہوں یعنی توحید خداوند تعالیٰ اور اپنی رسالت پس تجھے میری وجہ سے اور میری اس رفاقت کے سبب طرح طرح کے عذاب اور تکالیف وشدائد برداشت کرنے پڑیں؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! توجہ فرمائیں اور غور سے سنیں کہ اگر میں دنیا کی عمر کے برابر یعنی قیامت تک زندہ رہوں اور اس قدر طویل عمر اور نہ ختم ہونے والی اس پوری زندگانی میں مجھے سخت ترین عذاب کا نشانہ بنایا جائے نہ موت آئے جو راحت رساں ثابت ہو اور نہ کوئی خوشی اور مسرت کا لمحہ نصیب ہو لیکن اس دوران آپ کی محبت کا دامن میرے ہاتھ میں ہو اور اس محبت کی وجہ سے مجھے اس عذاب الیم سے دوچار ہونا پڑے تو یہ قیامت تک کی دراز مصائب وتکالیف سے بھرپور

زندگانی مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ میں اس طویل ترین زندگانی میں ہر طرح کی نعمتوں سے
لطف اندوز ہوں جبکہ میں ساری دنیا کے ملوک وسلاطین کی مملکتوں کا مالک ہوں آپ کی مخالفت
کرتے ہوئے۔ اور نہیں ہوں میں اور میرا مال اور میری اولاد مگر آپ کے فدائی اور آپ پر قربان
ہونے والے"

فقال رسول اللہ ﷺ لاجرم ان اطلع اللہ علی قلبك ووجده موافقًا لما
جری علی لسانك جعلك منی بمنزلة السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلة
الروح من البدن کعلی الذی ھو منی کذالك۔

تو رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل پر مطلع ہوا اور اس عقیدت ومحبت اور عہد و
پیمان کو تمہاری زبان پر جاری ہونے والے الفاظ کے مطابق پایا تو تجھے میرے ساتھ وہ قربت عطا
کرے گا جو کانوں اور آنکھوں کو سر سے حاصل ہوتی ہے اور سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے جیسے
کہ علی مرتضی میرے ساتھ یہی نسبت رکھتے ہیں۔ رضی اللہ تعالی عنہ

فائدہ:

شیعہ حضرات جو صحابہ کرام کے سراسر مخالف بلکہ دشمن ہیں اور وہ گیارھویں امام حضرت
حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت صدیق کے متعلق اتنا کچھ لکھ دیں تو کہنا پڑتا ہے

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

اگر اللہ تعالیٰ کو حضرت صدیق کے متعلق وفائے عہد اور ہر ضروری خدمت اور ہر
ضروری حاجت کے پورا کرنے کا قطعی علم نہ ہوتا تو وہ اس کٹھن اور مشکلات سے بھرپور طویل ترین
سفر میں ان کو مصاحب اور رفیق بنانے کا حکم کیوں دیتا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ
کا محبّ اکبر ہونے کے باوجود کفار و مشرکین کی ایذا رسانی اور تغلیظ وتشدید سے بچانے کے لیے

ہجرت کر جانے کا حکم دے لیکن رفیق سفر اور مصاحب ایسا مقرر کر دے جس سے ہر لحہ اور ہر آن خطرۂ جان ہو اور عہد شکنی اور بے وفائی کا غالب گمان ہو تو کیا یہ محبت کا اظہار ہوگا؟ جبکہ اس محبت کا تقاضا صرف اور صرف ایسا رفیق سفر مہیا کرنا تھا جو سراسر طمانیت قلب اور تسکین روح کا باعث اور سبب کامل ہو۔ کیا آپ کے لیے وطن عزیز اور وہ بھی مکہ مکرمہ جیسا اور بیت اللہ شریف کے پڑوس سے، صدیوں پرانے آبائی مسکن اور خویش و اقرباء اور اہل خانہ سے الگ ہونا سینکڑوں میل دور جا کر نئے قبائل کا مہمان بننا یہ تھوڑے تکلیف دہ امور تھے کہ ادھر ہمراہی اور ساتھی بھی ایسا دے دیا جائے جو اس رنج والم میں بہت ہی اضافہ کا موجب ہو؟ کوئی عقلمند انسان یہ سوچ سکتا ہے؟

پھر پہلی شرائط میں گویا اللہ تعالیٰ نے حتمی علم سے خود اپنے آپ کو عاری سمجھا اور شک وشبہ میں مبتلا ہونے کا عندیہ دیا اس لیے اس انس و اخلاص اور اعانت و امداد کو مشکوک انداز میں ذکر کیا اور جنت کی رفاقت اور بالا خانہائے جنت میں ہم نشینی کو ان مشکوک شرائط کے ساتھ مشروط مانا۔ کیا کوئی مسلمان کسی کے انجام اور عاقبت کے متعلق اللہ تعالیٰ کو شک وشبہ میں مبتلا سمجھ سکتا ہے؟

نیز نبی مکرم ﷺ کا اللہ تعالے کے حق میں صدیق کے دل اور زبان میں توافق پر مطلع ہونے میں شک وشبہ کا اظہار کرنا کیا آپ کی شان کے لائق ہے؟ اور آپ کا نبی مکرم ﷺ کے جسم اقدس اور بدن اطہر کے لیے کان آنکھ اور سر اقدس اور روح انور کی مانند ہونا اس مشکوک امر کے ساتھ معلق کر دینا کیا آپ کے خداداد وسیع علم اور اللہ تعالے کے علیم بکل شئی ہونے کے لائق ہو سکتا ہے؟ گویا ان راویوں نے حضرت صدیق کی شان بالا و برتر میں نقص اور کمزوری ثابت کرنے کی سعی نامسعود میں خود اللہ تعالے کی توہین کر دی اور نبی مکرم ﷺ کا بھی علم باری کے متعلق ریب و تردد میں مبتلا ہونا ثابت کر دیا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اور کیوں نہ اس طرح ہوتا کیونکہ صدیق اکبر اللہ تعالے کے محبوب بھی ہیں جیسے کے محب اکبر ہیں اور محبوب کی عداوت محب کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب جو شخص میرے کسی دوست سے بھی عداوت رکھے تو میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔لھذا اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ میرے اس محبوب کی تنقیص خود میری اور میرے رسول ﷺ کی تنقیص شان ہے۔

الحاصل شرطیہ جملہ میں بھی شرط اور مقدم کا تحقق جب ثابت ہو جائے تو پھر جزا اور تالی میں ریب وتردد ختم ہو جاتا ہے اور جزا کے متعلق حتمی وقطعی علم تحقق ہو جاتا ہے جب کوئی کہے ،ان طلعت الشمس فالنہار موجود یعنی اگر سورج طلوع ہوگا تو دن موجود ہوگا تو کیا کوئی ایسا عقل مند بھی ہو سکتا ہے جو"ان" شرطیہ کو دیکھتا رہے اور کہے دن کا موجود ہونا مشکوک ہے کیونکہ یہ"ان" شرطیہ کے ساتھ مشروط ہے اور آنکھیں کھول کر نہیں دیکھے گا کہ شمس عین نصف النہار پر ہے اور پوری دنیا روشن ہے۔ یہاں بھی ہمارے بیان کردہ حقائق کو ملاحظہ کرنے والا قطعا اس امر میں ریب وتردد اور شک وشبہ کا شکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت صدیق نے مال واولا داور بیوی بچوں کی عزت کو نبی مکرم علیہ السلام پر قربان کیا اپنی جان کو خطرے میں ڈالا نہ صرف کفار ومشرکین کے حملہ آور ہونے کے خوف کی وجہ سے بلکہ اپنی جان کو نبی مکرم ﷺ کی جانّ کے لیے ڈھال بنا کر اور آپ کی نیند اور آرام وسکون پر قربان کر کے اور تین دن رات غار میں آنحضرت ﷺ کی موجودگی کے وقت سارا گھرانہ معروف خدمت رہا اور غار سے مدینہ منورہ تک تقریبا دو ہفتے کے سفر میں حضرت صدیق نے ہر طرح کی خدمات انجام دیں امداد واعانت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور خورد ونوش وغیرہ ضروریات کی فراہمی میں مقدور بھر سعی کی، لھذا یقینا مشروط امور یعنی جنت میں رفاقت اور اس کے بالا خانوں میں مجلس اقدس کی حضوری آپ کو حاصل ہے اور نبی الانبیاء ﷺ کے ساتھ اس نسبت وقربت پر فائز ہونا جو کانوں اور آنکھوں کو بدن کے ساتھ سر کو جسم اور روح کو بدن کے ساتھ ہوتی ہے وہ نسبت بھی آپ کو حاصل ہے اور گویا حضرت صدیق نبی مکرم کے کان اور آنکھیں ہیں اور سر اقدس اور روح ہیں یہ شرف وفضل بھی آپ کو یقینا حاصل ہے اور

ان شدائد اور مشکلات ونوائب کے برداشت کرنے کے بعد اس بلند وبالا مقام پر فائز ہونا حضرت صدیق کی انتہائی خوش بختی ہے اور اعلیٰ درجہ اور بلند ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔

نوٹ:

اس روایت پر مفصل بحث میری کتاب تحفۂ حسینیہ (جلد دوم) میں ملاحظہ فرمادیں

تنبیہ:

اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی میرے ساتھ اس طرح کی نسبت رکھتے ہیں:

چشم ماروشن دل ماشاد

حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے متعلق سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

هذان السمع والبصر

"یہ دونوں میرے کان اور میری آنکھیں ہیں"

لیکن مہر نیم روز کی طرح روشن دلائل سے واضح ہو چکا کہ صدیق اکبر کی ایک نیکی کے ساتھ حضرت عمر کی ساری نیکیاں مماثل ہیں اور اس کی مانند ہیں۔ رسول محتشم ﷺ نے بھی فرمایا اور مولائے مرتضی نے بھی کہ ساری امت سے افضل و برتر ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہما لہذا تشبیہ سے مساواۃ سمجھ لینا بھی ٹھیک نہیں ہوتا چہ جائے کہ فضیلت اور برتری سمجھ لی جائے۔

مولائے مرتضی شیر خدا ہیں لیکن آپ کی جرات وشجاعت کے ساتھ ان جنگلی شیروں کو برابری حاصل ہو سکتی ہے؟ لا واللہ، هذا والحمدللہ تعالی۔

نیز خود نبی مکرم ﷺ نے اعتراف فرمایا کہ اے ابوبکر! تو صرف میری طرح کفار کو

مطلوب نہیں ہوگا بلکہ تیرے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہوگا کہ محمد بن عبداللہ کو ابوبکر نے ہی ان دعووں پر آمادہ کیا ہے اور اعلان توحید اور ادعائے رسالت پر برانگیختہ کیا ہے اور ہمارے خداؤں کی توہین وتحقیر پر ابھارا ہے اور ہمارے عقائد ونظریات پر ضرب کاری لگانے کا حوصلہ دیا ہے اس قسم کے ظنون اور گمانوں کے تحت میری نسبت تیرے زیادہ دشمن بن جائیں گے اور تمہیں زیادہ سے زیادہ آزار اور تکالیف پہنچائیں گے تو تم اس سنگین صورت حال اور درپیش شدائد تکالیف کو میری خاطر برداشت کرلو گے؟ اور ظاہر ہے کہ جب ان کا نظریہ آپ کے متعلق یہ ہوگا ہر طرح کی شدت وسختی کوروا رکھیں گے کسی قسم کے عذاب میں کوتاہی نہ کریں گے، تو جو ہستی اس طرح کے خطرناک حالات میں رفاقت نبویہ اور مصاحبت مصطفویہ اختیار کرے اس کے فضل وشرف اور افضلیت میں کسی کو شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ اس لیے نبی مکرم ﷺ نے کفار کے غار ثور کے سر پر پہنچ جانے کے بعد حضرت صدیق کو غمزدہ اور حزن وملال میں مبتلا دیکھا تو فرمایا:

لاتحزن ان اللہ معنا غمگین نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے

یہ تو قرآن مجید کی شہادت ہے اور حدیث شریف میں ہے:

ماظنک باثنین اللہ ثالثھما "تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا خود اللہ تعالےٰ ہو"

تو کیا شبہات اور ریب وتردد کے شکار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوسکتی ہے اور وہ بھی ایسی معیت جیسی نبی مکرم ﷺ کو حاصل ہے۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے لشکر کے پیچھے آپہنچنے پر ہلاکت کا اندیشہ لاحق ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتے کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے، کلاان معی ربی چہ لا کھ بنی اسرائیل میں سے کسی کو اپنے ساتھ شامل نہیں فرمایا، یہاں محبوب کریم ﷺ کے ساتھ صرف صدیق کی ذات ہے مگر آپ نے ان کو بھی جدا نہیں کیا اور عظیم ترین اور انفرادی اعزاز کے ساتھ مشرف فرمایا والحمدللہ علی

ذالك

سوال یہ ہے کہ اگر آپ سابق الاسلام نہیں تھے، تبلیغ شریعت میں ثانی اثنین نہیں تھے اور رسول گرامی پر اپنے مال و دولت کو نثار کرنے والے نہیں تھے وغیرہ وغیرہ تو کفار و مشرکین کے لیے آپ کے متعلق اس طرح کے جزم واذعان اور ادراک وعرفان کی کیا گنجائش تھی؟

لہذا جن کے متعلق بدترین دشمنانِ خدا اور اعدائے رسول ﷺ بھی سمجھیں کہ ابوبکر ان کا ساتھ نہ دیتے تو محمد بن عبداللہ نئے دین کے مدعی نہ بنتے، ان کے اخلاص، وفا، جانثاری اور فداکاری میں دوسرے کسی عام مسلمان کو بھی ریب و تردد نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول کو شک و شبہ ہو العیاذ باللہ۔

علاوہ ازیں حضرت صدیق نے عرض کیا کہ قیامت تک عمر لمبی ہو اور شدید ترین عذابوں کا نشانہ بنا رہوں بغیر اس کے کہ موت خلاصی کا موجب بنے یا کوئی سکھ اور سکون کا لمحہ میسر آئے مگر تمہاری محبت کا دامن ہاتھ میں ہو، تو یہ سنگین صورت حال میرے لیے صرف قابل برداشت ہی نہیں بلکہ محبوب تر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ممالکِ دنیا کا مالک بنوں شاہانِ دنیا میرے غلام ہوں اور ہر نعمت و راحت اور ہر طرح کا سکھ و چین میسر ہو مگر تمہارا دامنِ محبت میرے ہاتھ میں نہ ہو۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف چوری کھانے والے مجنوں نہیں تھے بلکہ دل و جان سے فدائی رسول تھے اور انہیں کونین میں سے صرف اور صرف رسول گرامی کی ذات ہی مطلوب و مقصود تھی اور اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کی محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی بندۂ مومن اعلیٰ درجات اور بلند تر مراتب پر فائز ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کی برابری نہیں ہو سکتی۔

محبوب کریم علیہ السلام غزوۂ تبوک پر چندہ اور مالی تعاون کا حکم دیتے ہیں حضرت صدیق نے دنیوی ساز و سامان میں سے کوئی چیز گھر رکھنا گوارہ نہ کیا اور کہا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ

اور اس کا رسول ہی کافی ہیں ابقیت لهم الله ورسوله

بلکہ اس اکمل ترین محبت کا فیضان یہ ہے کہ سارے گھر والے بیوی بچے اور بچیاں بھی محبت دنیا سے منزہ و مبرا ہو چکے ہیں اور کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ کچھ تو ہمارے لیے چھوڑ و ہم نے ہوا کھا کے جینا ہے یا مٹی چاٹ کر جینا ہے۔کوئی ہے نظر انصاف اور چشم بصیرت والا جو اس طرح کے واقعات و حقہ سے حضرت صدیق کے محبت رسول میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے اور فنا فی الرسول ﷺ بقابالرسول ﷺ کے مقام بالا پر فائز ہونے کا مشاہدہ کر سکے اور اس اعتراف واقرار میں بھی بخل طبعی اور سینہ کے کینہ کو قطعاً نہ داخل ہونے دے والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم۔

دسویں حدیث:

(۱۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ذات السلاسل والے غزوہ میں امیر عسکر بنایا،فرماتے ہیں اس سے فتح یاب ہو کر جب میں واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا:

فسألت أى الناس أحب اليك قال: عائشة قلت :من الرجال؟ قال أبوها

قلت :ثم من؟ قال :عمر فعد رجالاً فسكت مخافة أن يجعلني في آخرهم

(متفق علیہ ومشکوۃ شریف ص ۵۵۵)

میں نے عرض کیا کون سا انسان آپ کے نزدیک محبوب ترین ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

میرے نزدیک محبوب ترین انسان عائشہ ہے رضی اللہ عنہا،میں نے عرض کیا مردوں میں سے محبوب ترین کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:ان کے باپ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) میں نے عرض کیا:ان کے بعد محبوب ترین کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا عمر فاروق

پس میں اسی طرح سوال کرتا رہا تو آپ نے چند دوسرے اشخاص کا ذکر فرمایا (لیکن میرا ذکر نہ فرمایا) تو میں نے اس اندیشہ کے تحت خاموشی اختیار کرلی کہ کہیں مجھے ان سب سے (محبت میں) موخر ہی نہ ٹھہرا دیں۔

فائدہ:

أحب اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور وہ اضافت کی صورت میں تفضیل کل کا فائدہ دیتا ہے، تو گویا سوال ہی یہ ٹھہرا کہ سب اہل اسلام اور ساری امت اجابت میں سے آپ کے ہاں محبوب ترین کون ہے؟ تو آپ نے علی الترتیب حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم اور چند دیگر حضرات کا ذکر فرمایا۔

بیان فوائد:

اس روایت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا محبت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونا ثابت ہے اسی لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہ نبویہ میں تحائف و ہدایا پیش کرنے کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ کی باری کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ تاکہ ان کی باری ہو اور سید عالم ﷺ ان کے ہاں قیام پذیر ہوں تو اس وقت یہ نذرانے اور تحفے پیش کریں تاکہ حضرت صدیقہ خوش ہو جائیں اور ان کی رضا و خوشنودی کے ذریعے رسول گرامی ﷺ کی رضا اور خوشنودی اعلیٰ طریق حاصل ہو جائے گی۔ آپ کے گروپ کے مقابل گروپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا انہوں نے حضرت زہرا پاک رضی اللہ عنہا کو سفارش کے لیے بھیجا کہ ابا حضور سے عرض کریں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دیں کہ تم نے دراصل یہ تحائف مجھے پیش کرنے ہوتے ہیں لہذا جس بیوی کے ہاں قیام پذیر ہوں وہیں بھیج دیا کرو اور عائشہ صدیقہ کی باری کا انتظار نہ کیا کرو چنانچہ انہوں نے (حضرت فاطمہ زہراء نے) حاضر خدمت ہو کر اپنی ان ماؤں کی سفارش

وشفاعت کرتے ہوئے ان کا مطالبہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

یابنیة أولا تحبین ما أحب قالت :بلی! قال فأحبی هذه (متفق علیه)

اے میری بیٹی! کیا تمہیں اس سے محبت نہیں جس کو میں محبوب رکھتا ہوں؟ عرض ک
ہاں! کیوں نہیں ،تو فرمایا اپنی اس امی سے محبت کیا کرو اور اس کی مخالفت مت کیا کرو اور نہ
مخالفت میں سفارشی بنا کرو۔

الغرض حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بخاری ومسلم کی اس متفق علیہ روایت سے
عندالرسول علیه السلام أحب الناس ہونا ثابت ہوگیا- نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ محبوب تر
ہونا افضل ترین ہونے کو مستلزم نہیں ہے ورنہ حضرت عائشہ کا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے ب
افضل ہونا لازم آجائے گا- حالانکہ یہ نہ شیعہ کا مذہب ہوسکتا ہے اور نہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے
نیز حضرت عائشہ کے علاوہ سب لوگوں سے حضرت صدیق اور حضرت عمر کا محبوب ترین شخصیا
ہونا ثابت ہوگیا- اگر محبوب ترین شخص ہونا مولائے مرتضٰی کے حق میں کما فی حدیث الط
بزعم شیعہ افضل ترین ہونے کی دلیل ہے تو پھر اسی طرز استدلال اور انداز احتجاج کو یہاں بھ
بروئے کار لاتے ہوئے حضرت صدیقہ کو افضل علی الاطلاق اور حضرات شیخین کو ان کے ب
افضل الخلائق تسلیم کریں۔

گیارھویں اور بارھویں حدیث:

(۱۱) عن سلیمان بن یسار قال قال رسول اللہ ﷺ:

خصال الخیر ثلاث مائة وستون خصلة اذا أراداللہ بعبد خیراً جعل فی
خصلةً منها یدخل بها الجنة _قال أبوبکر یا رسول اللہ أفیّ شئی منها؟
قال: نعم جمعًا من کل۔

(أخرجه ابن ابی الدنیا فی مکارم الاخلاق وابن عساکر من طریق صدقة بن میمو

القرشی تاریخ الخلفاء ص۴۹)

(۱۲) اخرج ابن عساکر من طریق أخری عن صدقة القرشی عن رجل قال قال رسول اللہ ﷺ:

خصال الخیر ثلاث مائة وستون فقال أبوبکر یا رسول اللہ ﷺ ألی منها شئی ؟قال کلهافیك فهنیئًالك یاأبابکر۔(تاریخ ص۴۹)

دونوں روایات کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا کہ خصال خیر تین سو ساٹھ ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان میں سے کوئی خصلت اس میں پیدا فرمادیتا ہے جس کی بدولت وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے اندر ان میں سے کوئی خصلت خیر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''تمام خصالِ خیر مجتمع طور پر تجھ میں موجود ہیں'' اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا: ''وہ ساری کی ساری خصال خیر تمہارے اندر موجود ہیں پس خوشگواری اور مبارکبادی ہے تیرے لیے اے ابوبکر'' (رضی اللہ عنہ)۔

فائدہ:

جب ان خصالِ خیر میں سے صرف ایک نیکی دخول جنت کے لیے کافی ہے تو پھر سب کا اجتماعی طور پر جس میں تحقق ہوگا تو وہ لامحالہ اہل جنت کے سرداروں میں سے ہوگا بلکہ تمام امت کا سردار ہوگا تو اس سے بھی آپ کا افضل الامت ہونا واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

تیرھویں حدیث:

(۱۳) أخرج ابن عساکر عن عائشة رضی اللہ عنهامرفوعًا: الناس کلهم یحاسبون الا أبابکر۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۹)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع طور پر مروی ہے کہ ''سب

لوگوں سے حساب لیا جائے گا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے"

فائدہ:

جب ایسی خصالِ خیر کے ساتھ موصوف و متصف ہوں اور وہ بھی مجموعی طور پر تو لامحالہ اس کا ثمرہ یہ ہی ہونا چاہیے کہ بلاحساب جنت میں داخل ہوں اور اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں اگرچہ آپ کی امت میں سے ہزارہا لوگ بلاحساب و کتاب جنت میں جائیں گے لیکن یہ تخصیص بتلاتی ہے کہ ان سب سے مقدم ہوں گے اور ان کے مقتدا ہوں گے تو صرف ابوبکر صدیق ہوں گے۔

چودھویں حدیث:

(۱٤) أخرج ابن عساكر عن أنس رضي الله عنه مرفوعًا: انی لأرجوا لأمتی فی حبهم لأبی بكر وعمر ماأرجولهم فی قول لا اله الاالله۔

(تاريخ الخلفاء ص:٤٥)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع طور پر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اپنی امت کے لیے البتہ امید رکھتا ہوں ان کے ابوبکر و عمر کے ساتھ محبت کی وجہ سے جو امید رکھتا ہوں ان کے حق میں لا اله الا الله کے اذعان و اعتقاد اور اقرار و اعتراف میں"

فائدہ:

سرورِ عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: من قال لا اله الاالله دخل الجنة۔

"جس نے صدقِ دل سے یہ کلمہ کہا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"

تو اسی طرح یہ ثمرہ و نتیجہ اور جزاء و اجر کا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ محبت کی صورت میں بھی آپ مژدہ سنا رہے ہیں تو اس سے ان کی محبت کی اہمیت اور قدر و قیمت بھی واضح ہوتی ہے نیز محبوں کے لیے اگر یہ جزاء و بدلہ خداوندِ کریم کی طرف سے ہے تو پھر اندازہ کیا جا سکتا ہے

کہ ان محبوبوں کے لیے کیا مژدہ اور کیسی بشارت ہوگی؟

پندرھویں حدیث:

(۱۵) ابن عساکر نے مقدام کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے حضرت ابوبکر صدیق کو سب وشتم کیا لیکن انہوں نے قرابت نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے جوابی کاروائی سے گریز کیا اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ان کا شکوہ کیا تو آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فقال: ألا تدعون لی صاحبی؟ ماشأنکم وشأنه فواللّٰه مامنکم رجل الاعلی باب بیته ظلمة الاباب أبی بکر فان علی بابه النور ولقد قلتم کذبت وقال أبوبکر صدقت وأمسکتم الأموال وجاد لی بماله وخذلتمونی وواسانی واتبعنی۔

(صواعق ص ۷۲)

"کیا تم میرے اس مصاحب کو میری خاطر چھوڑتے نہیں ہو؟ تمہارا اس سے اور اس کا تم سے کیا مقابلہ وموازنہ ہے؟ تم میں سے ہر آدمی کے گھر کے دروازے پر ظلمت اور تاریکی ہے سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان کے گھر کے دروازے پر نور ہے میرے دعویٰ نبوت پر تم نے کہا تم نے جھوٹ بولا اور غلط دعویٰ کیا اور ابوبکر نے کہا کہ تم نے برحق فرمایا تم نے اپنے مال ومتاع روک رکھے (اور مجھ پر خرچ نہ کیا) اور انہوں نے اپنے مال کے ساتھ جود وسخا سے کام لیا تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور انہوں نے میری ہمدردی وغمخواری کی اور میری اتباع کی اور رفاقت اختیار کی" (اور اسے کما حقہ نبھایا)

فائدہ(۱):

خداداد علم غیب کے مالک اور ظواہر وبواطن خلق سے آگاہ نبی کو اگر ہر ایک کے مکان کے دروازے پر ظلمت وتاریکی نظر آتی ہے اور صرف ایک مکان کے دروازے پر نور نظر آتا ہے تو

یہ اس مکان کا تو ذاتی کمال نہیں نہ دوسرے مکانوں میں ذاتی نقص اور عیب ہے بلکہ مکینوں کی بدولت ہی یہ اثرات وثمرات نگاہِ نبوت نے مشاہدہ فرمائے تو اس سے حضرت صدیق کا شان ومقام اور فضل وشرف واضح طور پر سامنے آ گیا۔

(۲) نیز بارگاہِ نبوت کی چاکری ہی عزت وعظمت اور رفعت ودرجت اور بلندی مرتبت کی موجب ہے اور اس میں خود ہی کریم ﷺ ان کو اعلیٰ درجہ اور مقام عطا فرما رہے ہیں۔

(۳) علاوہ ازیں آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق بغیر کسی تردد وتوقف کے دلیل افضلیت ہے اور اس کا ثبوت وتحقق بھی وما ینطق عن الھوی والی زبان حق ترجمان سے ثابت ہو گیا۔

(۴) مزید برآں جتنا بارگاہِ نبوت کا ادب واحترام زیادہ ہوگا اتنا ہی مرتبہ ومقام بلندتر ہوگا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبوی قرابت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عقیل کے ساتھ بھی جوابی کاروائی جائز نہیں سمجھی تو جب خونی رشتہ میں منسلک حضرات کے ساتھ ادب واحترام کا یہ حال ہے تو خود سید عالم ﷺ کے ساتھ ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کا عالم کیا ہوگا؟

(۵) نبی کریم ﷺ نے بھی آپ کو صاحبی فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو صاحبہ فرمایا اور جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ صاحب کا اعزاز بخشیں اور صرف انہی کے حق میں ہی یہ وصف خاص استعمال فرمایا گیا ہو تو اس سے ان کی رفعت شان اور افضلیت مقام مہر نیم روز کی طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے کیونکہ وقتی طور پر کوئی حاضر خدمت ہو جائے تو اس پر یہ لفظ نہیں بولا جائے گا بلکہ اس کا اطلاق اسی پر ہوگا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حاضر بارگاہ ہو اور مصاحب ہو۔

(۶) پھر صحبت کے لیے اختیار اسی کو کیا جاتا ہے جو اخلاق وعادات اور عمل وکردار اور مزاج شناسی اور محرمیت اسرار میں کامل مناسبت رکھتا ہو تو جب اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کی طرف سے آپ اس منصب کے لیے منتخب ہیں بلکہ مختص ہیں تو اس سے بھی آپ کی عظمت شان اور رفعت

منزلت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔

سولہویں حدیث:

(۱٦) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:

عرج بی الی السماء فما مررت بسماء الا وجدت فيها اسمی محمد رسول الله وأبوبكر الصديق خلفی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول گرامی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے آسمانوں پر چڑھایا گیا تو میں جس آسمان پر گزرا اس میں اپنے نام کو لکھا ہوا پایا محمد رسول اللہ اور میرے نام کے بعد ابوبکر صدیق لکھا ہوا پایا"

فائدہ:

ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت انس حضرت ابوسعید اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف اسانید سے مروی و منقول ہے، لہذا تعددِ طرق کی وجہ سے یہ حدیث درجۂ حسن تک پہنچ جائے گی اور ہر سند میں ضعف ہو تو بھی دور ہو جائے گا۔

سترھویں حدیث:

(۱۷) عن جبير بن مطعم رضی الله عنه قال بعث الله نبيه ﷺ فظهر أمره بمكة خرجت الی الشام فلما كنت ببصرة أتانی جماعة من النصاری فقالوا لی أ من أهل الحرم أنت؟ قلت: نعم قالوا أ تعرف هذا الذی تنبأ فيكم؟ قلت: نعم فاخذوا بيدی وأدخلونی ديرالهم فيه تماثيل وصور فقالوا انظرهل تری صورة هذا النبی الذی

بعث فیکم فنظرت فلم أر صورته قلت لاأری صورته فأدخلونی دیراأکبر من ذالك
فاذا فيه تماثيل وصور أكثر مما في ذالك الدير فقالوا لي أنظر هل ترى صور
فنظرت فاذا أنا بصفة رسول الله ﷺ وصورته واذا أنا بصفة أبي بكر وصورته آخ
بعقب رسول الله ﷺ فقالوا لي ـ هل ترى صفته قلت نعم ـ قلت لا أخبرهم حتى
أعرف ما يقولون ـ قالوا هل هو هذا ؟ قلت: نعم فأشاروا الى صفة رسول الله ﷺ
فقلت اللهم نعم وأشهد أنه هو قالوا أتعرف الذي آخذ بعقبه ؟ قلت نعم، قالوا نشه
ان هذا صاحبكم وأن هذا الخليفة من بعده ـ

(طبرانی اوسط وطبرانی کبیر وتفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۰۹، الوفا لابن الجوز
ص ٥٦، ٥٧)

حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علی
السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کی نبوت کا مکہ مکرمہ میں چرچا اور شہرہ ہوا تو اس دوران میں شام ک
طرف گیا جب میں بصرہ پہنچا تو نصرانیوں کی ایک جماعت میرے پاس آ گئی اور مجھ سے دریافت
کیا کہ کیا تو اہل حرم سے ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے سوال کیا کیا تو ا
شخص کو جانتا ہے؟ جس نے تم میں سے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے میں نے کہا ہاں! تو انہوں ن
میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ایک عبادت خانہ میں لے گئے جس میں مورتیاں اور تصویریں تھیں او
مجھ سے دریافت کیا دیکھیے کیا ان صور و تماثیل میں اس نبی کی صورت تمہیں نظر آتی ہے جو تمہار
اندر مبعوث ہوئے ہیں میں نے غور سے دیکھا لیکن مجھے آپ کی تصویر نظر نہ آئی تو میں نے انہیں
کہہ دیا کہ مجھے ان کی صورت نظر نہیں آ رہی تو انہوں نے مجھے اس سے بڑے عبادت خانہ میں
داخل کیا تو ناگاہ اس میں بہت زیادہ تماثیل و تصاویر تھیں بہ نسبت پہلے عبادت خانہ کے تو انہوں
نے دریافت کیا کہ کیا تجھے یہاں ان کی صورت نظر آ رہی ہے؟ میں نے نگاہ کی تو ناگاہ رسول گرامی

ﷺ کی شکل وصورت والی تصویر میرے سامنے تھی اور ناگاہ ابوبکر صدیق کی شبیہ اور تصویر بھی نظر پڑی جو کہ رسول مکرم ﷺ کی ایڑی پکڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا کیا تجھے ان کی صفت اور شکل وصورت نظر آ رہی ہے؟ تو میں نے کہا ہاں! لیکن میں نے دل میں کہا کہ میں ان کو پہلے آگاہ نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں معلوم کرلوں کہ وہ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے آپ کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا وہ مدعی نبوت یہ ہیں؟ تو میں نے کہا ہاں! اور انہوں نے رسول محتشم ﷺ کی تصویر کی طرف اشارہ کیا تو میں نے کہا کہ بخدا وہ یہی ہیں میں شہادت دیتا ہوں یہ وہی ہیں پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا جو ان کی ایڑی پکڑے ہوئے ہیں ان کو جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! تو انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہی تمہارے صاحب (اور نبی ورسول ﷺ) ہیں اور یہ ان کے بعد خلیفے ہیں"

فائدہ:(۱)

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اولاد میں سے منصب نبوت پر فائز ہونے والے حضرات کی تصویریں عطا فرمائیں تھیں جو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہوئے بنی اسرائیل کے پاس پہنچ گئیں لیکن ان میں کسی دوسرے نبی کے کسی امتی اور خلیفہ کی تصویر ساتھ نہیں تھی صرف نبی مکرم ﷺ کے اس صاحب ورفیق کی تصویر ساتھ ہے تو اس سے واضح ہوگیا کہ صرف ذات صدیق ذات رسول ﷺ کی مصاحب نہیں بلکہ آپ کی تصویر بھی تصویر رسول ﷺ کی مصاحب ہے جس طرح کہ نام صدیق سرور عالم ﷺ کے اسم گرامی کا رفیق ہے اور اللہ تعالیٰ کو گوارا بھی نہیں ہے کہ ان کے نام کو محبوب کریم ﷺ کے نام سے جدا کرے اور تصویر کو تصویر سے جدا کرے۔

(۲) کسی سنی نے تو دھاندلی کر کے نہ صدیق اکبر کا نام نبی مکرم کے نام اقدس کے ساتھ ہر آسمان پر لکھ دیا تھا اور نہ ہی آپ کی تصویر کے ساتھ تحکم اور سینہ زوری سے ابوبکر کی تصویر کھینچ دی تھی بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذاتی امر اور معاملہ تھا اور اسی مصاحبت کے ثمرات صرف

ظاہری حیات میں ظاہر نہ ہوئے بلکہ مزارات میں بھی ظاہر ہو رہے ہیں اور مزارات سے اٹھ
وقت بھی کما قال : هكذا نبعث يوم القيامة

دائیں بائیں صدیق وفاروق ہیں اور آپ ان دونوں کے ہاتھ تھامے ہوئے مسج
شریف میں آرہے ہیں ان دونوں حضرات پر آپ کی یہ کرم نوازی اور ان کو اس طرح کا مخصوص
شرف معیت بخشنے پر صحابۂ کرام حیرت وتعجب کا اظہار کررہے تھے تو فرمایا:

"تم اس معیت ورفاقت پر تعجب کررہے ہو ہم تو قیامت کو بھی اسی طرح اکٹھے اٹھیں
گے" اور فرمایا:

أنت صاحبی علی الحوض و صاحبی فی الغار۔

(اخرجه البخاری واحمد عن عبدالله ابن عمر رضی الله عنهما)

"ابوبکر تم حوض کوثر پر بھی میرے مصاحب ہو اور غار ثور میں بھی" گویا ہمیشہ سے ہمیش
کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کو صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل تھا حاصل ہے او
حاصل رہے گا۔

(۳) صاحب فی الغار ہونا صاحب علی الحوض ہونے کا سبب ہے لیکن صاحب عل
الحوض ہونا رتبہ و درجہ میں افضل ہے اس لیے ذکر میں اس کو مقدم کردیا ہے اگرچہ ترتیب نفس
الامری کے لحاظ سے موخر ہے۔

(۴) نیز اہل کتاب کو جس طرح نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شناخت بھی ہے او
آپ کی نبوت کا یقینی علم بھی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کی شناخت بھی ہے اور آپ کی
خلافت کا علم بھی ہے اور یہ معلومات ان کو اہل سنت کی طرف سے حاصل نہیں ہوئیں بلکہ اپنے
انبیائے کرام علیہم السلام اور اپنی سماوی کتب اور صحائف سے حاصل ہوئیں تو معلوم ہوا کہ حضرت
صدیق کی خلافت بلافصل کا فیصلہ صرف بندوں کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور

حضرت صدیق صرف بندوں کا انتخاب نہیں ہیں بلکہ خالق کائنات کا انتخاب ہیں۔

(۵) علاوہ ازیں جن کی خلافت کا اعلان محبوب کریم علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ ساتھ ہو رہا ہے تو وہ عام سیاسی اقتدار اور دنیوی اقتدار کی رو سے نہیں ہو سکتا بلکہ خلافت نبوت اور وہ بھی اکمل واعلیٰ درجہ کی خلافت نبوت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے، لہٰذا اس خلافت کو سیاسی اور دنیوی اور بندوں کے انتخاب کی مرہون منت اور فرش زمین تک محدود قرار دینا جیسا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کا اور شاہ عبدالقادر قادری کا نظریہ ہے سراسر باطل ہے اور ناقابل التفات۔

(۶) نیز حضرت صدیق کو تصویر میں سرور عالم ﷺ کی ایڑی ہوئے پکڑے دکھانا آپ ﷺ کے بارگاہ نبوت میں ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کی عظیم دلیل ہے اور سراپا نیاز واخلاص ہونے کی بین برہان ہے کیونکہ قلم قدرت ان کی شان نیاز کو ظاہر کر رہی ہے اور انبیاء سابقین پر بھی اور امم سابقین پر بھی اس کا اظہار پروردگار صدیق کی طرف سے کیا جا رہا ہے، تو یہ ان کے افضل البشر بعد الأنبیاء علیہم السلام ہونے کی بھی واضح دلیل اور بین برہان ہے اور ان کی خلافت کے ظلم وتعدی، جور وجبر، غصب حقوق، ترک واجبات اور ارتکاب منہیات سے منزہ ومبرہ ہونے کی بھی بین دلیل ہے۔

اٹھارھویں حدیث:

(۱۸) أخرج ابن عساكر عن أبي حصين قال ما ولد لآدم في ذريته بعد النبيين والمرسلين أفضل من أبي بكر ولقدقام أبوبكر يوم الردة مقام نبي من الأنبياء ﷺ۔

حضرت ابو حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"آدم علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء ورسل کے بعد ابوبکر جیسا فضیلت مآب فرزند پیدا نہیں ہوا اور (وصال نبوی کے بعد جو) ارتداد کی لہر اٹھی تو اس دوران ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے نبی وقت جیسا کارنامہ سرانجام دیا اور اس طرح کی استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا"

فائدہ:

اولادِ آدم میں بعد الانبیاء ابوبکر صدیق کا فضیلت میں بے مثل ہونا اگر چہ صحابی رسول کا ارشاد ہے، مگر یہ طے شدہ امر ہے کہ صحابی کا ایسا قول جس میں عقل وقیاس کو دخل نہ ہو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا یہ بھی حکماً مرفوع حدیث ہے جس سے آپ کا افضل البشر بعد الانبیاء ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔

انیسویں حدیث:

(۲۹) أخرج الشيخان عن أبي سعيد الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انّ من أمن الناس علّی فی صحبته وماله أبابكر ولو كنت متخذًا خليلا غير ربی لاتخذت أبابكر خليلًا ولكن أخوة الاسلام۔ (تاريخ الخلفاء ص ٤٥)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

"مجھ پر بہت زیادہ احسان کرنے والوں میں سے از روئے مصاحبت کے اور مال صرف کرنے کے ابوبکر صدیق ہیں اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو خلیل بناتا لیکن میرے اور ان کے درمیان اسلامی اخوت ہے"

فائدہ:

خلیل اس دوست کو کہا جاتا ہے جو اپنی محبت ومودت کے لحاظ سے محب کے بدن میں بالعموم اور دل ودماغ میں بالخصوص گھر کر لے اور کسی دوسرے کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑے تو محبوب کریم ﷺ کا ایسا خلیل اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بعد مخلوق میں سے کسی میں ایسی صلاحیت واستعداد اور اہلیت ولیاقت خلیل نبوی بننے کی ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا بعد از خداوند تعالیٰ اگر آپ کے ہاں محبوب ترین ہیں تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو یہاں سے ان کی افضلیت و برتری مہر نیم روز کی طرح واضح ہو رہی ہے۔

نوٹ:

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت جندب بن عبداللہ، حضرت براء بن عازب حضرت کعب بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوواقد لیثی، حضرت ابوالمعلی، حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ وقد سردت طرقهم فی الاحادیث المتواترة میں نے سب کے اسنادات کو "احادیث متواترہ" میں جمع کردیا ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

لہذا اس قطعی الثبوت حدیث سے ثابت ہوگیا کہ بارگاہِ نبوی میں بعد از خدا اس خلت خاصہ کے اہل صدیق اکبر ہیں اور اس وقت نہ آپ صاحب اقتدار تھے اور نہ خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اور نہ حسن تدبیر اور نظم و ضبط کی تمامیت و کمالیت کا مظاہرہ فرمایا تھا، لہذا کسی صاحب عقل و خرد اور مالک فہم و دانش کا وہم بھی ادھر نہیں جا سکتا کہ آپ میں خلیل ہونے کی اہلیت و صلاحیت اس لحاظ سے ہے بلکہ ہر مومن یہی سمجھتا ہے کہ آپ کو یہ اعزاز و امتیاز صرف اور صرف عشق کامل، محبت وافرہ اور جانی و مالی قربانیوں اور انفرادی خدمات کی وجہ سے حاصل ہوا ہے نیز آپ کی افضلیت کو خلافت میں منحصر کرنے والے نظریے کا بطلان، نیز آپ کی خلافت کو بندوں کے انتخاب کا نتیجہ اور اس کے دائرہ کو فرش تک محدود کرنے والوں کے نظریہ کا بطلان بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگیا والحمدللہ علیٰ ذالک۔

دسویں حدیث:

(۲۰) أخرج الطبراني عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : أبوبكر الصديق خير الناس الا أن يكون نبي وفي الأوسط عن أسود بن فرار رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان روح القدس جبرئيل أخبرني أن خير أمتك بعدك أبوبكر (رضي الله عنه).

امام طبرانی نے حضرت سلمہ بن اکوع سے نقل کیا کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق سب لوگوں سے افضل ہیں مگر یہ کہ کوئی شخص نبی ہو (تو اس سے افضل نہیں) اور حضرت اسود بن فرارہ سے نقل کیا کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے روح القدس جبرائیل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ آپ کے علاوہ آپ کی ساری امت سے افضل ابوبکر ہیں رضی اللہ عنہ۔

فائدہ:

جب یہ امت خیر الامم ہے تو جو اس سے افضل ہوگا تو وہ لامحالہ تمام امتوں سے افضل ہوگا تو آپ کا افضل البشر بعد الانبیاء ہونا نبی الانبیاء ﷺ کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا اور روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نزدیک بھی ثابت۔ اور جب نبی الانبیاء کی شان اقدس وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى (النجم، 3,4:53) ہے اور جبرائیل امین کی شان یہ ہے وما نتنزل الا بامر ربك اور هم بامره يعملون والی شان کے مالک ہیں تو گویا یہ سارا بیان اللہ رب العزت کی طرف سے ہے اور اس کے حکم سے ہے تو گویا یہ نظریہ صرف جبرائیل علیہ السلام کا نہیں اور نہ ہی صرف نبی اکرم ﷺ کا ہے بلکہ خود اللہ رب العزت کا بھی نظریہ ہے تو سنی لوگ بڑے خوش نصیب ہیں اور بلند بخت ہیں جن کو ایسی مقدس ذاتوں کا مقدس نظریہ اپنانا نصیب ہوا ہے لھذا یہاں اہل اسلام کے لیے ریب و تردد اور شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

اکیسویں حدیث:

(۲۱) ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بسندِ صحیح روایت نقل کی انہوں نے محمد باقر سے روایت نقل کی انہوں نے امام زین العابدین سے انہوں نے امام حسین سے اور وہ علی مرتضی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ماطلعت الشمس ولا غربت علی أحد أفضل من أبی بکر الا النبیین والمرسلین

اس سند کو سلسلۃ الذھب سنہری لڑی اور سنہری زنجیر کہا جاتا ہے۔سورج نہ کبھی طلوع ہوا اور نہ کبھی غروب ہوا حضرت ابوبکر صدیق کی ذات سے افضل ذات پر سوائے انبیاء و مرسلین کے علیھم وعلیہ الصلوۃ والسلام

بائیسویں حدیث:

(۲۲) عبدالرحمن بن حمید نے اپنی مسند میں اور ابو نعیم اور دیگر حضرات محدثین نے کئی اسنادات کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے کہ میں ایک دن ابوبکر صدیق کے آگے آگے راستہ پر چل رہا تھا تو ناگاہ نبی مکرم ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو ایسے شخص کے آگے چل رہا ہے جو تجھ سے دنیا و آخرت میں افضل و برتر ہے"

ان رسول اللہ ﷺ قال: واللہ ماطلعت الشمس ولا غربت علی أحد أفضل من أبی بکر الا أن یکون نبی وفی لفظ علی أحد من المسلمین بعد النبیین والمرسلین أفضل من أبی بکر۔

رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

"کسی شخص پر بھی سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا جو ابوبکر سے افضل ہو مگر یہ کہ وہ نبی ہو"
اور بعض روایات میں یہ لفظ وارد ہے کہ "کسی مسلمان شخص پر بعد از انبیاء و مرسلین سورج نہ طلوع ہوا نہ غروب ہوا جو ابوبکر صدیق سے افضل ہو" اور طبرانی وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ماطلعت الشمس علی أحد منکم أفضل منہ "تم میں سے کسی پر سورج طلوع نہیں ہوا جو ابوبکر سے افضل ہو"

امام سیوطی فرماتے ہیں:

ولہ شواھد من وجوہ أخر یقتضی لہ بالصحۃ أوالحسن وقد أشار ابن الکثیر الی الحکم بصحتہ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰)

"اس روایت کے بہت سے شواہد اور مویدات دوسرے وجوہ و طرق سے ثابت ہیں جو اس کے مضمون کی صحت یا حسن کے مقتضی ہیں اور علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے"

تنبیہ اول:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل شخص پر سورج کے طلوع و غروب ہونے کی نفی ہے تو اس سے مساوات اور برابری کی بظاہر نفی نہیں ثابت ہو گی لیکن از روئے محاورات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے افضل ہونا ہی مراد ہو گا، علامہ تفتازانی نے فرمایا:

ظاھر ھذا الکلام وان کان نفی أفضلیۃ الغیرولکن انما یساق لاثبات أفضلیۃ المذکور ولھذا أفاد أن أبابکر أفضل من أبی الدرداء والسرفی ذالک أن الغالب من حال کل اثنین ھوالتفاضل دون التساوی فاذا نفی أفضلیۃ أحدھما لآخر لقضیۃ الآخر۔ (شرح المقاصد جلد ۲ ص ۲۹۸)

"بظاہر اس کلام سے غیر کے افضل ہونے کی نفی ہے لیکن ایسا کلام مذکور اور ممدوح کی

افضلیت ثابت کرنے کے لیے صادر کیا جاتا ہے اسی لیے اس کلامِ نبوی سے ابوبکر صدیق کا ابوالدرداء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا اور اس میں راز یہ ہے کہ ہر دو شخص کا غالب حال تفاضل ہوتا ہے نہ کہ مساوات پس جب ایک کی افضلیت کی نفی کر دی گئی ہے تو دوسرے کی افضلیت ثابت ہو گئی۔ نیز محلِ بحث افضلیت ہے نہ کہ مساوات۔ نیز دیگر احادیث مبارکہ بھی آپ کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں تو یہاں پر اس توہم کی قطعاً گنجائش نہیں ہے"

تنبیہِ ثانی:

سورج جن پر طلوع و غروب ہوتا ہے ان سب پر آپ کی افضلیت ثابت ہو گئی سوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر صدیق ہیں۔ جو واضح طور پر ثابت ہو گیا کیونکہ امم سابقہ پر بھی اور آخری امت پر طلوع و غروب ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

تیئیسویں حدیث:

(۲۳) زہری سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تو نے ابوبکر صدیق کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: قل وأنا أسمع فقال: "تو کہہ میں سنتا ہوں"

تو آپ نے یہ کلام سنایا:

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد
طاف العدو به اذ صعدوا الجبلا
وكان حب رسول الله قد علموا
من البرية لم يعدل به رجلا

"اور بلند مرتبہ غار میں دو میں سے دوسرے تھے جبکہ اعداء نے اس کے گرد چکر لگایا ج
وہ پہاڑ پر چڑھے تھے اور ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے جو سبھی کو معلوم ہے اور رسول اللہ
ﷺ نے مخلوق میں کسی کو بھی انکے برابر نہیں ٹھہرایا"

فضحك النبی ﷺ حتی بدت نواجذه ثم قال یاحسان هو كما قلت

پس آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک نمودار ہو گئیں پھر فر
اے حسان! واقعی ابو بکر صدیق اسی طرح ہیں جس طرح تو نے کہا ہے" أخرجه ابن سعد
الزهری۔

چوبیسویں حدیث:

(٢٤) أخرج الطبرانی فی الأوسط عن عمّار بن یاسر رضی اللہ عنه قال :
فضل علی أبی بكر وعمر أحداًمن أصحاب النبی ﷺ فقد أزری علی المهاجر
والأنصار رضی اللہ عنهم۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
"جس نے بھی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر کسی بھی صحابی رسو
فضیلت دی تو اس نے تمام مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو عیب لگایا اور گناہ گار ٹھہرایا"

فائدہ:

ظاہر ہے کہ من حیث المجموع صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بالخصوص مہاج
وانصار کو خطا کار ٹھہرانے والا گمراہ ہے اور جہنم کی راہ پر چلنے والا ہے، کیونکہ تہتر فرقوں میں سے
فرقے کے متعلق آپ نے نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: ماأناعلیه وأصحابی "جس راہ پر
ہوں اور میرے صحابہ کرام وہ راہ راہِ حق ہے" اور اس کا پابند جنتی ہے اور فرمایا: اتبعوا السو

الاعظم فانه من شذ شذ فی النار ''سوادِاعظم اور عظیم اکثریت کی اتباع کرو جس نے سواد اعظم سے عدول وانحراف کیا تو وہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے گا'' لہذا ایسے لوگوں کے لیے انجام بد اور خراب عاقبت سے بچنے کا صرف اور صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ ما أنا علیه و أصحابی اور سوادِاعظم والی راہ جو کہ راہِ راست، صراطِ مستقیم اور صراط الذین انعمت علیهم ہے اس کو اختیار کریں اور شذوذ و خروج اور رفض و تشیع سے دامن بچائیں۔

نوٹ:

اگرچہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں بالخصوص اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے حق میں سینکڑوں احادیث اکابرینِ ملت نے جمع فرمائی ہیں لیکن بندہ اختصار کے پیشِ نظر اور اجماعِ امت کی بنیاد و اساس کے طور پر انہیں مرفوعہ احادیث کو کافی سمجھتا ہے اور چونکہ بندہ کا اصل مقصد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنا ہے اس لیے زیادہ تر اسی مضمون کی روایات کو ذکر کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

تذییل الباب الثانی

محل کلام کون سی فضیلت ہے، اس کا کماحقہ علم وعرفان رکھنے والے کون ہیں اور وہ کیا فرماتے ہیں؟

علمائے اہل سنت اور ائمہ کرام اور متکلمین ملت کے نزدیک محل بحث اور موضوع کلام وہ فضیلت ہے جو عنداللہ قربت وکرامت اور عزووقار کے معنیٰ میں ہے نہ کہ حسبی ونسبی اور جزوی امور میں عندالناس معتبر فضیلت۔ چنانچہ علم ظاہر اور علم باطن کے جامع اور ولایت وروحانیت میں اعلیٰ مرتبہ ومقام کے مالک حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اور علامہ سعدالدین تفتازانی ان سے نقل فرماتے ہیں:

حقیقة الفضل ما هو عندالله تعالیٰ و ذالك مما لا يطلع عليه الا رسول الله ﷺ وقد ورد في الثناء عليه أخبار كثيرة ولا يدرك حقائق الفضل والترتيب فيه الاالمشاهدون للوحي والتنزيل بقرائن الأحوال فلولافهم ذالك لما رتبوا الأمر كذالك اذكان لاتاخذهم في الله لومة لائم ولا يصرفهم عن الحق صارف۔

(شرح مقاصد ص جلد۲ ص۳۰۲)

"حقیقی فضل وشرف صرف وہ ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور اس پر صرف اور صرف (اصالۃً اور بلاواسطہ) رسول اکرم ﷺ ہی مطلع ہو سکتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اور ان کی تعریف وتوصیف میں اور ان کے خداداد شرف وفضل میں بہت سی احادیث اور ارشادات نبویہ ثابت ہیں اور اس شرف وفضل کے حقائق اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں باہم افضلیت کی اس ترتیب کی باریکیوں اور حقائق کا ادراک اور علم صرف انہیں کو ہو سکتا ہے جو وحی خداوند تعالیٰ اور قرآن مجید کی تنزیل کا مشاہدہ کرنے والے اور ان کو علم وعرفان اور ادراک واذعان وحی وتنزیل کے وقت قرائن احوال سے حاصل ہوا کرتا اگر انہیں ان قرائن وشواہد کے ذریعے اس شرف وفضل اور اس کی درجہ بندی کا علم نہ ہوتا تو وہ

اس طرح کی ترتیب اختیار نہ کرتے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتی تھی اور نہ ہی کوئی چیز ان کو راہِ حق سے پھیر سکتی تھی۔

اقول:

آیاتِ کلام مجید کی دلالت بھی واضح ہو چکی اور ارشاداتِ مصطفویہ علی مصدرھا الصلاۃ والسلام سے بھی راہِ حق روشن ہو چکی تو اب وحی و تنزیل کا مشاہدہ کرنے والوں اور قرائن احوال سے بھی علم و ادراک اور عرفان و اذعان حاصل کرنے والوں کے ہاں جو معروف و معلوم اور مسلم و مصدق ترتیبِ فضیلت ہے وہ بھی معلوم کر لیتے ہیں پھر اس پر مضبوطی سے قائم اور ثابت ہو جاتے ہیں اور اس راہِ راست اور صراطِ مستقیم سے انحراف و انصراف کی راہیں اپنے اوپر بند کر لیتے ہیں۔ واللہ الموفق

(1) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان أبوبكر سيدنا وخيرنا وأحبنا الى رسول الله ﷺ۔

(أخرجه الترمذی وصاحب المشكوة)

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار تھے اور ہم سب سے افضل و برتر تھے بارگاہِ نبوی میں ہم سب سے زیادہ محبوب تھے"

(2) نیز یہ روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ آپ حضرت صدیق کو یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ کہ کر پکارتے تھے۔

(3) أخرج ابن عساكر عن أبي هريره رضي الله عنه كنا معشر أصحاب النبي ونحن متوافرون نقول: أفضل هذه الأمة ابوبكر ثم عمر ثم عثمان رضي الله ثم نسكت۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"ہم اصحاب رسول ﷺ کی جماعت کہا کرتے تھے جب کہ ہم وافر مقدار میں تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر ہم خاموش ہو جاتے تھے"

(٤) أخرج البخاری عن جابر رضی اللہ عنہ قال عمر بن الخطاب أبوبکر سیدنا۔ (تاریخ الخلفاء ص ٤٩)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ابوبکر ہمارے سردار ہیں"

(٥) أخرج البیہقی فی شعب الایمان عن عمر رضی اللہ عنہ قال لووزن ایمان أبی بکر بایمان أہل الارض لرجح بہم۔

(تاریخ الخلفاء ص٤٩)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اگر ابوبکر صدیق کے ایمان کا سب اہل زمین کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو اکیلے آپ کا ایمان سب اہالیان زمین کے ایمان سے وزنی اور بھاری ثابت ہوگا"

(٦) ابن ابی خیثمہ نے اور عبداللہ بن امام أحمد نے زوائد الزہد میں نقل کیا ہے: عن عمر أن أبابکر کان سابقا مبرزاً۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"بے شک ابوبکر صدیق (ہر کام میں) سبقت لے جانے والے تھے اور دوسروں پر برتری اور غلبہ پانے والے تھے"

(٧) قال عمر رضی اللہ عنہ وددت أنی شعرة فی صدر أبی بکر۔ أخرجہ مسدد فی مسندہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میری دلی آرزو اور تمنا ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے سینہ کا ایک بال ہوتا“

(۸) قال :

وددت أني من الجنة حيث أرى أبابكر (اخرجه ابن ابی الدنیا وابن عساکر)

سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا:

”میری دلی آرزو ہے میں جنت کی ایسی جگہ میں داخل ہوسکوں جہاں سے ابوبکر صدیق کو دیکھ سکوں (چہ جائے کہ ابوبکر صدیق والی جنت میں ان کے مصاحب ہونے کی آرزو اور خواہش کروں۔)

اقول:

ان ارشادات کو رسول گرامی ﷺ کے اس فرمان ذیشان کے ساتھ ملا کر نتیجہ اخذ کریں:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر۔

”اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان پر رکھ دیا ہے“

لہذا ان کی زبان اقدس سے جو بھی صادر ہوا وہ سراسر حق ہے تو حضرت صدیق کی افضلیت دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو جائے گی۔

(۹) أخرج ابن عساکر عن علی رضی اللہ عنہ أنه دخل علی أبی بکر وھو مسجّی فقال ما أحد لقی اللہ بصحیفته أحب الی من ھذا المسجی۔

حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ حضرت ابوبکر پر داخل ہوئے جبکہ وہ کفن میں لپیٹے ہوئے پڑے تھے تو فرمایا:

”کوئی شخص بھی جو اپنے نامہ اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہو (خواہ جس قدر اعلیٰ اعمال نامہ کا مالک ہو مگر) وہ میرے نزدیک محبوب تر نہیں ہے بہ نسبت اس کفن پوش شخصیت کے“

گویا یہ بھی محبوب تر ہیں اور ان کا اعمال نامہ بھی میرے نزدیک محبوب تر ہے۔

(۱۰) أخرج أبو القاسم الطلحي عن عبد خير صاحب لواء علي رضي الله عنه أن علياً قال ألا أخبركم بأول من يدخل الجنة من هذه الأمة بعد نبيها فقيل له بلى يا أمير المومنين قال: أبوبكر ثم عمر قيل فيدخلانها قبلك يا أمير المومنين فقال علي أي والذي فلق الحبة وبرأ النسمة ليدخلانها واني لمع معاوية موقوف في الحساب

ابو القاسم طلحی نے مولائے مرتضیٰ کے علم بردار شخص عبد خیر سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں نبی مکرم ﷺ کے بعد اس امت میں سے جنت میں داخل ہونے والے پہلے شخص کے بارے میں خبر نہ دوں؟ عرض کیا گیا: ہاں! کیوں نہیں، ضرور بتلائیں! تو آپ نے فرمایا:

سب سے اول شخص جنت میں اس امت میں سے داخل ہونے والا ابوبکر صدیق ہے، ان کے بعد عمر فاروق۔ عرض کیا گیا: اے امیر المومنین! وہ آپ سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور اس سے پودا کو پیدا فرمایا، وہ دونوں ضرور داخل ہوں گے جنت میں جبکہ میں معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ محاسبہ اور جوابدہی کے لیے رکا ہوا ہوں گا"

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص۶۸، ص ۳۱۷)

(۱۱) قال (علي رضي الله عنه):

خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر ثم الله أعلم بالخير بعد وفي المجلس الحسن بن علي فقال والله لو سمّى الثالث لسمّى عثمان رضي الله عنهم۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص۶۸، ص۳۱۷)

مولائے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس امت میں سب سے افضل و برتر ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق۔ ان کے بعد افضل کون ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اسی مجلس میں حضرت حسن مجتبیٰ موجود تھے تو انہوں نے فرمایا: بخدا!! اگر آپ تیسرے شخص کا ذکر فرماتے تو ضرور عثمان بن عفان کا ذکر فرماتے"

فائدۂ اولیٰ:

اہل سنت کا مذہب اور علم کلام کی کتابوں میں مذکور ترتیب افضلیت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے ثابت ہو گئی کیونکہ چوتھا نمبر تو مولائے مرتضیٰ کا ہی تھا۔

فائدۂ ثانیہ:

حضرت امام حسن جب صرف شیخین کو ہی نہیں بلکہ حضرت عثمان کو بھی مولائے مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں تو حضرت صدیق اکبر سے آپ کو افضل کیسے مان سکتے ہیں؟ لہذا جناب شاہ عبدالقادر صاحب نے جو ان کی طرف تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ کی نسبت کی ہے وہ سراسر غلط ہے اور خلاف واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اتباع حق اور اتباع اسلاف کی توفیق عطا فرمائے۔

فائدہ ثالثہ:

متواتر رواه ثمانون نفسا عن علی منهم ابنه محمد بن الحنفية عند البخاری الخ۔

"مولائے مرتضیٰ کا یہ ارشاد متواتر ہے جو ان سے اسی (۸۰) حضرات نے روایت کیا ہے جن میں ان کے لخت جگر حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

(۱۴) ابوعمر نے استیعاب میں حضرت حسن بصری کے واسطہ سے قیس بن عباد سے نقل کیا ہے کہ مجھے علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم چند دن بیمار

رہے نماز کے لیے آپ کو پکارا جاتا تھا تو آپ فرماتے:

مروا أبابکر یصلی بالناس فلما قبض رسول اللہ ﷺ نظرت فاذا الصلو

علم الاسلام وقوام الدین فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللہ ﷺ لدیننا فبای

أبابکر۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ٦٨)

"ابوبکر کو پابند کرو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے"

"جب محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا وصال ہوگیا (اور خلیفہ کے انتخاب

معاملہ درپیش ہوا) تو میں نے اچھی طرح غور وفکر کیا تو ناگاہ عقل وخرد نے فیصلہ یہ دیا کہ نماز د

کا عَلَم اور امتیازی نشان ہے اور دین کا دارومدار ہے (جبکہ حکومت دنیوی معاملہ ہے) تو ہم

اپنی دنیا کے لیے بھی اس ذات والا صفات کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے د

کے لیے بطور امام پسند فرمایا تھا تو ہم نے ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی"

فائدہ:

معلوم ہوا کہ یہ بیعت قہر وجبر پر مبنی نہیں تھی ورنہ اس نظر وفکر اور نبوی عمل وکردار کو

نظری معاملہ میں رہبر ورہنما بنانے کا کیا مطلب ہوسکتا تھا؟ بلکہ یہ خوشی وخرمی اور مکمل رضامن

کے ساتھ کی جانے والی بیعت تھی۔

(١٣) أخرج الدار قطنی عن بن عمر رضی اللہ عنہما قال:

لما برز أبوبکر واستوی علی راحلتہ أخذ علی بن أبی طالب رضی اللہ ع

بزمامھا وقال الی أین یا خلیفۃ رسول اللہ؟ أقول لك ما قال رسول اللہ ﷺ ی

أحد شم سیفك ولا تفجعنا بنفسك، وارجع الی المدینۃ فواللہ لئن فجعنابك

لایکون للاسلام نظام أبداً۔ (تاریخ الخلفاء ص ٦١)

دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضر

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے لیے نکلے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! آپ کدھر جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے میدان احد میں کہی تھی:

اپنی تلوار کو میان میں بند کر لو اور ہمیں اپنی ذات کی جدائی کے صدمہ سے دوچار نہ کرو۔ لہذا آپ مدینہ منورہ کی طرف لوٹیں، بخدا!! اگر ہم آپ کی جدائی والے صدمہ سے دوچار ہو گئے تو کبھی بھی اسلام کا نظم ونسق برقرار نہیں رہے گا۔

فائدہ اولیٰ:

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر کو خلیفۃ رسول اللہ کے عظیم لقب سے پکار رہے ہیں اور ان کے وجودِ مسعود کو اسلام میں نظم ونسق کے بقاء ودوام کا دارومدار قرار دے رہے ہیں تو جو لوگ مانتے ہیں علی مع الحق والحق مع علی انہیں حضرت صدیق کی خلافت کے برحق ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی لازم ہے اور حضرت صدیق کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بانی اور موسس سمجھنا بھی لازم اور ضروری ہے۔

فائدہ ثانیہ:

یہ اس موقع کی بات ہے جب آپ مہاجرین وانصار علیہم الرضوان کے ہمراہ مقام بقعاء تک جو نجد کے بالکل قریب ہے مرتدین کے ساتھ محاربہ ومقاتلہ کرتے ہوئے جا پہنچے اور اعراب اپنے بال بچوں سمیت بھاگ نکلے:

فکلم الناس أبابکر وقالوا ارجع الی المدینة والی الذریة والنساء وأمر رجلا علی الجیش ولم یزالوا به حتی رجع وأمر خالدبن الولید رضی اللہ عنه

توان مہاجرین وانصار نے آپ کے ساتھ کلام کیا اور عرض کیا کہ آپ مدینہ منورہ کی
طرف لوٹیں اور وہاں پر موجود بچوں اور عورتوں کی طرف (ان کی حفاظت کے لیے) لوٹیں اور کسی
دوسرے شخص کو امیر لشکر نامزد کردیں چنانچہ جب ان کا اصرار حد سے بڑھا اور ان میں سے
مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس انداز میں واپسی پر اصرار فرمایا تو آپ نے خود مراجعت
اختیار فرمالی اور حضرت خالد سیف اللہ کو امیر لشکر نامزد فرمادیا۔

فائدۂ ثالثہ:

اس روایت سے مہاجرین اور انصار کے نزدیک بالعموم اور مولائے مرتضٰی بلکہ
سید الانبیاء ﷺ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کی شخصیت کی عظمت اور اہمیت مہر نیم روز کی
طرح واضح ہے اور آپ کا افضل البشر بعدالانبیاء ہونا ہر صاحب بصر وبصیرت پر واضح ہے۔

(١٤) أخرج البيهقي وابن عساكر عن أبي هريرة رضي الله عنه قال:

والذي لا اله الا هو لولا أن أبابكر استخلف ما عبدالله ثم قال الثانية ثم
قال الثالثة فقيل له مه يا أباهريرة! فقال ان رسول الله ﷺ وجه أسامة بن زيد في
سبع مائة الى الشام فلما نزل بذي خشب قبض النبي ﷺ وارتدت العرب حول
المدينة واجتمع اليه أصحاب النبي ﷺ فقالوا رد هولاء توجه هولاء الى الروم وقد
ارتدت العرب حول المدينة؟ فقال والذي لا اله الا هو لوجرت الكلاب بارجل
أزواج النبي ﷺ وعليهن ما رددت جيشا وجهه رسول الله ﷺ ولا حللت لواء
عقده فوجه أسامة فجعل لا يمر بقبيل يريدون الارتداد الا قالوا لولا أن لهولاء قوة
ما خرج مثل هولاء من عندهم ولكن ندعهم حتى يلقوا الروم۔ فلقوهم فهزموهم
وقتلوهم ورجعوا سالمين فثبتوا على الاسلام۔

(تاريخ الخلفاء ص ٦٠)

امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"اس ذات اقدس کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اگر ابوبکر صدیق کو خلیفہ نہ بنایا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جاسکتی"

دوبارہ اسی طرح کہا، پھر سہ بارہ اسی طرح کہا تو ان سے کہا گیا کہ ایسا قول کیوں کر رہے ہو؟ اس کی اساس و بنیاد کیا ہے اے ابو ہریرہ؟ تو آپ نے فرمایا:

"تحقیق رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سات سو افراد کا قائد بنا کر شام کی طرف (رومیوں کے ساتھ جہاد کے لیے) بھیجنے کا فیصلہ فرمایا جب وہ ذی خشب کے مقام پر اترے تو رسول گرامی ﷺ کا وصال ہو گیا اور مدینہ منورہ کے اردگرد والے لوگ مرتد ہو گئے اور سب صحابۂ کرام جمع ہو کر حضرت صدیق کے پاس پہنچے اور یہ مطالبہ کیا کہ ان لشکریوں کو واپس بلا لو۔ آپ ان کو رومیوں کی جنگ کے لیے روانہ کر رہے ہو جبکہ مدینہ شریف کے اردگرد عرب مرتد ہو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا:

(خدانخواستہ بالفرض والتقدیر) اگر درندے نبی کرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاؤں گھسیٹ رہے ہوں (چہ جائیکہ دوسری عورتوں اور چہ جائیکہ مردوں کے خلاف مرتدین عرب کی طرف سے انتہائی تغلیظ و تشدید ہو رہی ہو) تو بھی میں اس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو رسول معظم ﷺ نے ادھر متوجہ فرمایا اور میں کبھی اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول معظم ﷺ نے باندھا۔

تو حضرت اسامہ اپنی منزل کی طرف لشکر لے کر متوجہ ہو گئے، جس قبیلہ کے پاس سے گزرتے تو ان قبائل میں سے جو بھی مرتد ہونے کا ارادہ رکھتے وہ کہتے اگر ان میں قوت و طاقت نہ ہوتی اور دم خم نہ ہوتا (تو اتنے بڑے صدمہ کے بعد) اتنی تعداد میں یہ لوگ مدینہ سے برآمد نہ

ہوتے لہذا ہم ان کو اپنے حال پر چھوڑتے ہیں (اوران کی مخالفت فی الحال ترک کرتے ہیں) حتی کہ ان کی رومیوں سے مڈبھیڑ ہولے۔ چنانچہ اس لشکر اسلام کا رومیوں سے مقابلہ ہوا اور ان کو شکست دی، تہ تیغ کیا اور صحیح سالم واپس لوٹے تو راستہ والے قبائل اسلام پر ثابت قدم رہے (اور مرتد ہونے سے بچ رہے)

فائدہ عظیمہ:

جس حکمت بالغہ اور مصلحت کاملہ کے تحت نبی مکرم ﷺ نے اس لشکر کو تیار فرمایا اسے یہ راز دار نبوت سمجھتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اور کمال ثبات کا مظاہرہ فرما کر اسلام کو مرتدین ومنافقین اور رومیوں وغیرہ کے حملوں سے محفوظ کر دیا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بانی و مؤسس بن گئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش کا سلسلہ بحال رہا۔ آپ کی جگہ کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو وہ اس ثابت قدمی اور رسوخ کا مظاہرہ نہ کر سکتا اور اسلام میں رخنہ پیدا ہو جاتا جس طرح حضرت عمر فاروق جیسی ہستی نے بھی عرض کیا کہ فی الحال منکرین زکوۃ کے خلاف محاذ نہ کھولیں تو آپ نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

کیا تم جاہلیت کے دور میں بڑے جابر تھے اور اب اسلام لانے کے بعد بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو زکوۃ کا جانور تو یہ منکرین دیں لیکن جو رسہ پہلے دیا کرتے تھے اب وہ نہیں دیں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ اور اسی ثابت قدمی کی بدولت ملک عرب فتنوں سے پاک ہو گیا اور فاروقی وعثمانی دور کی فتوحات، تمکین دین اور خوف کو امن میں تبدیل ہونا نصیب ہوا اور حضرت صدیق کا یہ کارنامہ کسی نبی کے دور نبوت کے کارناموں سے کم نہیں، جیسے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لقد قام أبو بکر یوم الردۃ مقام نبی من الأنبیاء۔

(اخرجه ابن عساکر، صواعق ص ۸۵)

لہذا ہمارا یہ دعویٰ سراسر حق ہے أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام أبوبكر الصديق رضى الله عنه ۔

(١٥) أخرج أبويعلى عن على رضى الله عنه قال:

أعظم الناس أجراً فى المصاحف أبوبكر ان أبابكر كان أول من جمع القرآن بين اللوحين۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مصاحف قرآنیہ کے بارے میں تمام لوگوں کی نسبت عظیم ترین اجر کے مالک ابوبکر ہیں، بے شک ابوبکر صدیق پہلے شخص ہیں جنھوں نے کلام مجید کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا"

(تاريخ الخلفاء ص ٦٢)

فائدہ:

اگر مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ قرآن نامکمل ہوتا، محرف ومبدل ہوتا اور ترتیب آیات غلط ہوتی تو اس کی بدولت حضرت ابوبکر صدیق کو عظیم ترین اجر کا مالک قرار دینے کی بجائے عذاب الیم کے حق دار ٹھہراتے۔لہذا ثابت ہوا کہ آپ نے قرآن مجید کے مکمل تحفظ کا انتظام فرمایا اور قیامت تک ان کی تلاوت سے فائدہ اٹھانے والے جتنا اجر وثواب حاصل کریں گے ان کے ثواب کے مجموعے کے برابر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ثواب ملے گا۔

نیز آپ نے یہ قدم حضرت فاروق کے ش... اصرار اور ان کی بار بار کی مراجعت پر اٹھایا۔لہذا یقیناً وہ بھی عظیم ثواب کے مالک ہوں گے۔نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سورتوں کی باہمی ترتیب کے بعد اس کو مرتب فرمایا اور اب تک وہی ترتیب چل رہی ہے، ان کو عظیم اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

(١٦) (الف) أخرج الطبرانى فى مسنده عن الحسن بن على رضى الله عنهما

قال:

لما احتضر أبوبكر قال يا عائشة أنظري اللقحة التي كنا نشرب من لبنها والجفنة التي نصطبغ فيها والقطيفة التي كنا نلبسها فانا كنا ننتفع بذلك حين كنا نلي أمر المسلمين فاذا مت فارديه الى عمر رضي الله عنه فلما مات أبوبكر أرسلت به الى عمر فقال عمر رحمك الله يا أبابكر لقد أتعبت من جاء بعدك۔

(تاريخ الخلفاء ص ۶۲)

طبرانی نے اپنی مسند میں حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ:

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وقت وصال آ گیا تو آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا اس اونٹنی کا خیال رکھنا جس کا ہم دودھ پیا کرتے تھے اور اس پیالہ کا جس میں سالن استعمال کیا کرتے تھے اور وہ کمبل جس کو اوڑھا کرتے تھے۔پس ان اشیاء سے نفع اندوز ہوا کرتے تھے جبکہ ہم امور اہل اسلام کے متولی تھے تو میری موت کے بعد (وہ استحقاق ختم ہو جائے گا) لہٰذا ان چیزوں کو عمر فاروق کے حوالے کر دینا چنانچہ جب آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیں تو انہوں نے کہا:

اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے اے ابوبکر! تم نے اپنے بعد آنے والے خلفاء و امراء کو سخت مشقت میں ڈال دیا ہے (تیرے تقویٰ کے معیار پر کون پورا اتر سکے گا؟ لہٰذا الاتقی کہلانا انہیں کو زیبا ہے اور فقط انہیں کو)

(ب) امام احمد نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرمائی ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہو گیا تو دریافت فرمایا کون سا دن ہے؟ تو عرض کیا گیا سوموار کا دن ہے تو

آپ نے فرمایا:

فان أنامت من ليلتى فلا تنظروا بى لغد فان أحب الأيام والليالى الىّ أقربها من رسول الله ﷺ

"اگر میری موت اس رات میں واقع ہو جائے تو کل کے دن کا میرے لیے انتظار نہ کرنا کیونکہ تمام دنوں اور راتوں میں میرے نزدیک محبوب ترین وہ رات دن ہے جو رسول مکرم ﷺ کے قریب تر ہے"

(۱۷) أخرج الحاكم وابن سعد عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال:

أفرس الناس ثلاثة، أبوبكر حين استخلف عمرو صاحبة موسى حين قالت استاجره والعزيز حين تفرس فى يوسف فقال لامرء ته أكرمى مثواه ـ

(تاريخ الخلفاء ص٦٦)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے:

"سب لوگوں سے زیادہ فراست اور ذہانت ودانش مندی میں سبقت لے جانے والے تین اشخاص ہیں:

اول حضرت ابوبکر صدیق جبکہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا، دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار وصحبت کا شرف حاصل ہوا تو اباجان سے عرض کیا ان کو اجرت پر رکھ لو، تیسرا عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کی شان کو معلوم کر کے اپنی بیوی کو فرمائش کی کہ ان کو باعزت ٹھکانا دینا (محض غلام اور وہ بھی عام غلام مت سمجھنا)

(۱۸) ابن عساکر نے یسار بن حمزہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طبیعت بوجھل ہوئی تو آپ نے کھڑکی سے لوگوں کو جھانکا اور فرمایا:

أيها الناس انی قد عهدت عهدًا أفترضون به ؟ فقال الناس رضينا يا خليف

رسول الله ﷺ فقام علی رضی الله عنه فقال : لانرضی الایکون عمر قال فانه عم

(تاریخ الخلفاء ص ٦٧)

''اے لوگو! میں نے ایک عہد کر دیا ہے اور اپنی خلافت ایک شخص کو دے دی ہے کیا

اس پر راضی ہو؟ تو سب لوگوں نے کہا: ہم راضی ہیں اے رسول گرامی ﷺ کے خلیفہ! تو حضر

علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک

صاحبِ عہد عمر فاروق نہیں ہوں گے تو آپ نے فرمایا: وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ہیں''

فائدہ:

اس روایت سے حضرت شیر خدا کی حضرت صدیق کی خلافت پر رضامندی اور اس

خلافتِ حقہ ہونے کا عقیدہ بھی واضح ہو گیا اور آپ کے بعد حضرت فاروقِ اعظم کی خلافت پر

رضامندی بلکہ بذاتِ خود ان کو خلیفہ بنانے کا مطالبہ اور ان حضرات کا باہم شیر و شکر ہونا بھی ثابت

ہو گیا۔

(۱۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے محبوب کریم علیہ

السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

ماذا أعددت لها؟ قال: لا شیء الا أنی أحب الله ورسوله ﷺ قال: أنت

مع من أحببت۔

''تو نے اس کے لیے تیاری کیا کر رکھی ہے؟ عرض کیا کچھ بھی تیار نہیں کیا سوائے ا

کے کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے محبت رکھتا ہوں تو رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا

''تو انہیں کے ساتھ ہو گا جن سے تجھے محبت ہے''

قال أنس فما فرحنا بشيئ فرحنا بقول رسول الله أنت مع من أحببت قال

انس فأنا أحب النبی ﷺ وأبابکر وعمر رضی اللہ عنہما وأرجوا أن أکون معھم بحبی ایاھم وان لم أعمل بمثل أعمالھم۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۸۷)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہمیں کسی بھی چیز کے ساتھ فرحت حاصل نہ ہوئی جتنی کہ نبی مکرم ﷺ کے اس قول کے ساتھ فرحت حاصل ہوئی انت مع من أحببت۔ حضرت انس فرماتے ہیں: پس میں نبی مکرم ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتا ہوں اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا بسبب ان سے محبت رکھنے کے اگرچہ میں نے ان جیسے اعمال خیر نہیں اپنائے۔

فائدہ:

آپ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول بھی ہیں اور دس سال پورے آپ ﷺ کی خدمت میں گزارنے والے ہیں اور صرف نبی مکرم ﷺ کی محبت پر یہ ثمرہ اور انعام حاصل کرنے پر اکتفا نہیں فرمارہے بلکہ آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ شیخین کی محبت کا التزام بھی کررہے ہیں اور ان کی معیت کے حصول کے آرزومند ہیں، جس سے شیخین کی محبت کی اہمیت اور عظمت واضح ہوجاتی ہے اور آپ کا یہ عقیدہ بھی سمجھ آگیا ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی جنت کے مقاماتِ عالیہ میں نبی الانبیاء ﷺ کی معیت ورفاقت میں ہوں گے ورنہ تینوں مقدس ہستیوں کی معیت کے امیدوار ہونے کا کوئی معنی نہیں ہوسکتا۔ والحمدللہ علی ذالک

(۲۰) حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ زمین کی حدبراری میں جھگڑا ہوگیا اور آپ کی زبان مبارک سے ان کے خلاف سخت کلمہ نکل گیا جس پر آپ سخت نادم ہوئے اور انہیں کہا تم میرے حق میں ایسا کلمہ استعمال کرکے اپنا بدلہ لے لو۔ حضرت ربیعہ نے کہا میں قطعاً ایسا کلمہ تمہارے حق میں نہیں کہوں گا اور زمین پر بیٹھ گئے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کے لیے چلے تاکہ آنحضرت ﷺ سے عرض کریں کہ حضرت ربیعہ کو قصاص لینے پر آمادہ کریں یہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے ادھر آپ کی برادری کے لوگ بھی آپ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے مجھے کہا اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم کرے وہ کس امر میں تمہارے خلاف رسول کریم علیہ السلام سے امداد واعانت طلب کریں گے حالانکہ سخت کلامی اور تغلیظ و تشدید سے خود انہوں نے کام لیا ہے تو آپ نے فرمایا جانتے ہو ابوبکر کون ہیں؟

هذا أبوبكر الصديق ـ هذا ثانى اثنين وهذا ذوشيبة المسلمين ـ اياكم لا يلتفت فيراكم تنصرونى عليه فيغضب فيأتى رسول الله ﷺ فيغضب لغضبه فيغضب الله لغضبهما فيهلك ربيعة، قالوا فماذا تأمرنا قال ارجعوا، فانطلق أبوبكر الى رسول الله ﷺ فتبعته وحدى حتى أتى النبى ﷺ فحدثه الحديث كما كان فرفع الى رأسه فقال يا ربيعة مالك وللصديق قلت يا رسول الله كان كذا قال لى كلمة كرهها فقال لى قل كما قلت حتى يكون قصاصاً فأبيت فقال رسول الله ﷺ أجل فلا ترد عليه ولكن قل غفرالله لك يا أبابكر فقلت غفرالله لك يا أبابكر قال الحسن فولّى أبوبكر رضى الله عنه وهو يبكى (ازالة الخفاء جلد اول ص ٩٤)

یہ ابوبکر صدیق ہے، یہ ہے ثانی اثنین یعنی غار والے دو مصاحبوں میں سے دوسرا یہ ہے اہل اسلام کا پیر مرد اور شیخ، تم مجھ سے دور ہو جاؤ کہیں ابوبکر صدیق پیچھے متوجہ نہ ہوں اور تمہیں دیکھ لیں کہ تم میری مدد کرتے ہو ان کے خلاف تو وہ ناراض ہو جائیں گے، پس نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ ناز میں حاضر ہو کر (صورتِ حال عرض کر دیں) تو نبی مکرم ﷺ ناراض ہو جائیں گے اور ان دونوں حضرات کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا تو ربیعہ ہلاکت سے دوچار ہو جائے گا تو میرے قبیلہ والوں نے مجھ سے کہا ہمارے لیے تمہارا کیا حکم ہے میں نے کہا تم واپس

چلے جاؤ۔

چنانچہ حضرت ابوبکر بارگاہِ نبوی کی طرف چلے تو میں اکیلا ان کے پیچھے چل پڑا حتیٰ کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال واقعی آپ سے عرض کی تو رسول گرامی ﷺ نے سرناز میری طرف اٹھایا پس فرمایا:

اے ربیعہ! تمہارا ابوبکر صدیق سے کیا معاملہ ہے؟ میں نے باہمی اختلاف اور اس کا منظر بیان کیا پھر عرض کیا کہ انہوں نے میرے حق میں ایسا کلمہ کہہ دیا جس کو خود ہی ناپسند کیا پس مجھے کہا کہ تو مجھے اس طرح کہہ لے جس طرح میں نے تجھے کہا تھا تا کہ قصاص بن جائے میں نے اس سے انکار کر دیا تو رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

ہاں وہ الفاظ ان پر مت لوٹاؤ بلکہ یوں کہہ دو، اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے! تو میں نے حکم رسول علیہ السلام کے مطابق کہا: اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے! حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اس حال میں کہ رو رہے تھے (اس خوشی پر کہ ربیعہ نے مجھے معاف کر دیا اور دعا دے دی اور اس خوشی میں کہ نبی اکرم ﷺ نے کرم نوازی فرمائی اور باعزت طریقہ پر قصاص دلوا دیا)

فائدہ اولی:

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے برادری کے سامنے حضرت صدیق کی عظمتِ شان کو ظاہر فرمایا۔ نیز ان کا ساتھ چلنا بھی پسند نہ کیا کہ کہیں ان کی رفاقت حضرت صدیق پر گراں نہ گزرے اور وہ ناراض ہو جائیں جبکہ ان کی ناراضگی رسول معظم ﷺ کی ناراضگی کا موجب بن جائے گی اور دونوں ناراضگیاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بن جائیں گی حالانکہ وہ بھی قدیم الصحبت صحابی ہیں لیکن اس قدر صدیقی عظمت ان کے دل میں موجود ہے۔

(۲) حضرت صدیق کے کلمہ تشدید کے مقابل بذاتِ خود جوابی کاروائی کرنا تو

دور کی بات ہے حضرت صدیق کے کہنے اور بالتکرار و بالاصرار کہنے کے باوجود بدلہ نہیں
رہے حضرت صدیق بھی دھمکی دے رہے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوی میں شکایت کروں گا کہ انہ
نے قصاص نہ لے کر میری غلطی کی معافی تلافی کا سامان نہیں کیا لیکن پھر بھی وہ الفاظ زبان پ
صدیق اکبر کے حق میں گوارا نہیں کیا جس سے صحابۂ کرام کے دلوں میں موجود حضرت صد
اکبر کی تعظیم و توقیر اور ادب و احترام روزِ روشن کی طرح نمایاں اور عیاں ہے۔

(۳) بارگاہِ نبوی میں بھی حضرت صدیق کی قدر و منزلت ظاہر ہے کہ ان الفا
بطور قصاص بھی حضرت صدیق کے حق میں استعمال کیا جانا آپ نے پسند نہیں فرمایا اور تب
صورت بیان فرما دی۔

(۴) نیز معلوم ہوا کہ انسان جتنا بھی بلند تر مرتبہ و مقام پر پہنچ جائے بشری تقا
کچھ نہ کچھ باقی رہ ہی جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور سے واپسی پر قوم کو بچھڑا
میں مبتلا دیکھا تو تورات کی تختیوں سے کیا سلوک کیا اور حضرت ہارون جو پیغمبر بھی ہیں اور بڑ
بھائی بھی ان کے ساتھ کس شدت سے پیش آئے۔

(۲۱) حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے صدیق اکبر رضی اللہ ع
خلافت پر اجماعِ صحابہ سے استدلال کرتے ہوئے نقل کیا:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال ما رأى المسلمون حسنًا ف
عند الله حسن وما رأوه سيئًا فهو عند الله سيئ وقد رأى أصحابه جميعًا
يستخلفوا أبابكر۔ (ازالۃ الخفاء ص ۷۰)

"جس کو اہلِ اسلام اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس امر ک
برا اور قبیح سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی برا ہے اور آپ کے تمام صحابہ کرام علیہم الرضو
نے اسی امر کو پسند کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں لہٰذا یہی امر اللہ تعالیٰ کے ن

مستحسن اور پسندیدہ ہے"

۲۴:الف) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ابوبکر صدیق کے حق میں بھی کچھ کہا ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: میں نے ان کے حق میں یہ اشعار مرتب کیے ہیں اور ان میں یہ بھی شعر تھا:

وکان حب رسول اللّٰہ قدعلموا من الخلائق لم یعدل به بدلا

فتبسم رسول الله ﷺ۔

اور ابوبکر صدیق رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے مخلوقات میں سے، آپ نے کسی شخص کو ان کا بدل اور مد مقابل نہیں ٹھہرایا۔ یہ سن کر رسول خدا ﷺ نے تبسم فرمایا۔

(ب) حاکم نے ہی نقل کیا ہے کہ شعبی سے أول المسلمین کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا تو نے حضرت حسان کا یہ قول نہیں سنا ہے:

اذاتذکرت شجوأمن أخی ثقة فاذکرأخاك أبابکر بما فعلا

خیر البریة أتقاها وأعدلها بعد النبی وأوفاها بما حملا

"اگر تو کسی صاحب وثوق اور قابل اعتماد شخص کے غم واندوہ کو یاد کرے تو (سب سے پہلے) اپنے بھائی ابوبکر کو یاد کر۔ ساتھ اس فعل وعمل کے جو ایسے مواقع پر انہوں نے کیا۔ وہ ساری مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں اور سب سے زیادہ متقی اور سب مخلوق سے بڑے عادل بعد نبی کریم علیہ السلام کے اور سب سے زیادہ وفا کرنے والے اس ذمہ داری میں جس کو اپنے اوپر لازم ٹھہرایا"

الثانی التالی المحمود مشهده وأول الناس من صدق الرسلا

(ازالة الخفاء جلد اول ص ۹۹)

"دو میں سے دوسرے ہیں اور ہمہ وقت قرآن حکیم کی تلاوت کرنے والے ہیں اور آپ کی ہر معاملہ میں اتباع اور پیروی کرنے والے ہیں اور قابل ستائش ہے ان کی موجودگی۔ اور

ان تمام لوگوں میں اول اور سابق ہیں جنہوں نے رسل وانبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی"

(ج) مجاھد نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ میں نے بذاتِ خود حضرت عبداللہ بن عبا
رضی اللہ عنہما سے سوال کیا یا میری موجودگی میں آپ سے سوال کیا گیا کہ کون شخص تمام اسلا
وایمان لانے والوں میں سے اول اور سابق ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیا تو نے حسان بن ثابت
رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہیں سنا ہے اور اوپر مذکور اشعار پڑھ کر سنائے۔

(د) ابو عمر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے حسان بن ثابت سے
دریافت فرمایا: کیا تو نے ابوبکر صدیق کے حق میں کچھ اشعار کہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا
ہاں! اور مذکور بالا تین اشعار پڑھ کر سنائے۔ اور ان میں چوتھا شعر یہ تھا

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذصعلوا الجبلا

فسر النبی ﷺ بذالك وقال أحسنت یا حسان۔

"اور ابوبکر بلند مرتبت، غار میں دو میں سے دوسرے ہیں درآنحالے کہ دشمن اس غا
کے گرد چکر لگا رہے تھے جبکہ پہاڑ پر چڑھے ہوئے تھے"

یہ اشعار سن کر محبوب کریم علیہ السلام مسرور ہوئے اور فرمایا اے حسان تو نے خوب کہ
اور ان دو اشعار میں پانچواں یہ بھی مروی ہے

وکان حب رسول اللہ قدعلموا خیر البریة لم یعدل به رجلا

اور ابوبکر صدیق رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے سب کو اس کا یقینی علم ہو چکا۔ ساری
مخلوق سے بہتر اور برتر ہیں اور آنحضرت ﷺ نے کسی کو ان کے برابر نہیں ٹھہرایا (چہ جائے کہ
افضل ٹھہرائیں)

فائدہ:

ان اشعار میں حضرت حسان کا عقیدہ ونظریہ بھی حضرت صدیق اکبر کے متعلق واضح

ہو گیا اور حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک بھی جو صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل بیتِ کرام میں عظیم مقام کے مالک ہیں اور نبی مکرم ﷺ کے حضرت حسان سے دریافت کرنے میں آپ کی اس امر میں دلچسپی اور اس کی پسندیدگی بھی واضح ہو گئی اور پھر ان کا بارگاہِ صدیقی میں نذرانہ عقیدت سن کر تبسم فرمانا اور دادو تحسین فرمانا آپ کے حضرت صدیق کے متعلق عقیدہ ونظریہ کو روز روشن کی طرح واضح کر رہا ہے تو پھر ہم غلاموں اور نیاز مندوں کو بھی اسی صراطِ مستقیم اور صراط الذین انعمت علیہم پر چلنا لازم ہے۔

نوٹ:

مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول چند روایات افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہاں ذکر ہو چکی ہیں لیکن علی مرتضٰی سے مروی روایات اس ضمن میں بہت زیادہ ہیں جیسے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

اَمّا بیان افضلیت شیخین پس ازوے متواتر شدہ مرفوعًا وموقوفًا ہر چند ایں مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است ۔ اَمّا کسے از صحابہ آنرا مصرح تر ومحکم ترجون علی مرتضی رضی اللہ عنہ نیاوردہ۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص ٦٦)

''افضلیت شیخین کا بیان آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے مرفوع احادیث کے ذریعے بھی اور موقوف روایات کے ذریعے بھی۔ اگر چہ یہ نظریہ سب اہل حق کے ہاں مسلم ہے اور ان کا مذہب ہے لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی نے علی مرتضٰی کی مانند اس کو بہت صراحت ووضاحت کے ساتھ اور کامل تر استحکام اور مضبوطی کے ساتھ ذکر نہیں کیا''

لہٰذا آپ کے ارشادات کو ذرا بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے تا کہ اہل السنت کے قلوب واذہان کو تسکین وطمانیت حاصل ہو جائے اور جھوٹے مدعیان محبت وتولّی کی بے لگام

زبانوں کو لگام دی جا سکے اور آپ کے علاوہ دوسرے اکابرین اہل بیت کے ارشادات کا علم وادراک بھی مزید اطمینان وسکون کا موجب ہوگا تو اس لیے ان کو آپ کے ارشادات کے بعد ذکر کرنا ضروری سمجھا۔

نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ محبوب ترین ہونا افضل ترین ہونے کو مستلزم نہیں ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ نہ شیعہ کا مذہب ہو سکتا ہے اور نہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب لوگوں سے حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا محبوب ترین شخصیات ہونا ثابت ہو گیا اگر محبوب ترین شخص ہونا حضرت مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کے حق میں کما فی حدیث الطیر بزعم الشیعة افضل ترین ہونے کی دلیل ہے تو پھر اسی طرز استدلال اور انداز احتجاج کو یہاں بھی بروئے کار لاتے ہوئے حضرت صدیقہ کو افضل علی الاطلاق اور حضرات شیخین کو ان کے بعد افضل الخلائق تسلیم کریں۔

(۱۲) قال علی رضی اللہ تعالے عنه خیر النا س بعد النبین أبو بکر ثم عمر ثم اللہ أعلم (شرح مواقف شرح مقاصد وکذا فی الاستیعاب)

مولائے مرتضی کا ارشاد گرامی ہے کہ:

انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں بعد ازاں عمر فاروق افضل ہیں پھر ان کے بعد افضل کون ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر طور پر جانتا ہے"

فائدہ:

کیا محبان مرتضی ان کو جھٹلانے کی جسارت کر سکتے ہیں؟ جب نہیں تو پھر آپ کے فرمان کے مطابق سب لوگوں سے افضل و برتر ماننا حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا لازم اور ضروری ہے۔ مولائے مرتضی کا یہ ارشاد آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور تقریبا

بیاسی (۸۲) حضرات نے آپ سے اس کو نقل فرمایا ہے کمافی الصواعق المحرقہ۔

(۱۳) قيل له أما توصی و تعين من يقوم مقامك بعدك؟ قال: ما أوصى رسول الله ﷺ حتى أوصى ولكن ان اراد الله بالناس خيرًا جمعهم على خيرهم كما جمعهم بعد نبيهم على خيرهم۔ (شرح مواقف ص ۷٤۱)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کیا آپ وصیت نہیں فرماتے اور اپنے بعد اپنا قائم مقام مقرر نہیں فرماتے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''رسول ثقلین ﷺ نے وصیت نہیں فرمائی تھی تو میں کیسے وصیت کروں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا تو ان کو ان میں سے بہتر اور برتر پر جمع فرما دے گا جیسے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد انہیں سب سے بہتر و برتر پر جمع فرما دیا تھا''

فائدہ:

مولائے مرتضیٰ سب صحابہ پر حضرت صدیق کو افضلیت دے رہے ہیں کیونکہ انہیں پر اللہ تعالیٰ نے سب صحابۂ کرام کو متفق فرمایا تو کیا ان کو سچا نہ مانا جائے؟ اور کیا حضرت صدیق کو تمام اصحاب رسول علیہ السلام سے خیر اور افضل تسلیم نہ کیا جائے؟

نیز معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک افضلیت بنائے خلافت ہے نہ کہ خلافت بنائے افضلیت جیسے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو مولائے مرتضیٰ سے بھی زیادہ عقل مند اور حقائق شناس سمجھ رکھا ہے۔

نہج البلاغہ سے مولا علی کے ایک خط کا اقتباس:

(١٤) قال علی رضی الله تعالے عنه فی جواب كتاب أمير معاوية رضی الله عنه كان أفضلهم فی الاسلام كما زعمت و أنصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديق ثم

خلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله و جزاهما بأحسن ما عملا الخ۔

(نهج البلاغه مع شرح ابن میثم جلد ٤ ص ٣٦٢ نهج البلاغه مع شرح حدیدی جلد ١٥ ص ٧٦)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے معاویہ! واقعی ان میں سے افضل ذات اسلام میں جیسے تو نے کہا اور عندیہ ظاہر کیا اور سب سے زیادہ مخلص اللہ تعالیٰ کے حق میں اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے حق میں تھے خلیفہ صدیق اور اس خلیفہ کے خلیفہ عمر الفاروق رضی اللہ عنہما، مجھے میری زندگی کے خالق کی قسم ان دونوں کا مرتبہ ومقام اسلام میں عظیم ترین ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے بہت بڑا کاری زخم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کے احسن ترین اعمال کی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ الیٰ اخر ماقال

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شیخین اور مولائے مرتضی کے درمیان تقابل وتوازن قائم کرتے ہوئے ان کو آپ سے افضل کہا تھا تو آپ نے اس پر ردوقدح نہیں فرمایا بلکہ ان کی شان وعظمت کا اقرار واعتراف فرمایا اور ان کے وصال کو اسلام کے لیے شدید زخم اور عظیم نقصان و خسارہ قرار دیا۔ تو پچھلی روایات کی طرح اس سے بھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کا افضل الامت ہونا واضح ہوگیا کیونکہ آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس نظریہ و عقیدہ میں موافقت فرمائی اور ان کی تائید وتصدیق فرمادی۔ کان افضلهم الخ جملہ مستانفہ ہونے کی صورت میں آپ کا اپنی طرف سے ان کا افضل الناس اور انصح ہونے کا اعتراف واقرار ہے اور بصورت دیگر سکوت فی معرض البیان بیان محل بیان اور مقام نزاع میں خاموشی ہی بیان و اظہار ہوا کرتی ہے۔

شافی اور تلخیص سے مولائے مرتضی کا ایک خطبہ:

۱۹) ان علیا علیه السلام قال فی خطبته خیر هذه الأمة بعد نبیها أبو بکر و عمر رضی اللہ عنهما و فی بعض الأخبار أنه علیه السلام خطب بذالك بعد ما انهی الیه أن رجلا تناول ابابکر و عمر بالشتیمة فدعی به و تقدم بعقوبته بعد أن شهدوا علیه بذالك (شافی و تلخیص شافی جلد دوم ص ۴۲۸ مطبوعه نجف اشرف)

مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا:

''اس امت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب سے خیر و برتر ابوبکر اور عمر ہیں رضی اللہ عنہما''

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کے اس خطبہ کا پس منظر اور باعث و موجب یہ ہے کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی توہین و تحقیر کی ہے اور ان پر سب و شتم کیا ہے تو آپ نے اسے بلایا اور شہادتیں مل جانے پر اس کو اپنے ہاتھ مبارک سے تادیب و تعزیر فرمائی اور بعد ازاں ان کی عظمت بیان کرتے ہوئے اس طرح خطاب فرمایا۔

افضلیت شیخین کے منکر کے لیے مولائے مرتضی کی سزا:

۱۹ ب) قال علی رضی اللہ عنه:

لا یفضلنی أحد علی أبی بکر و عمر الا جلدته حد المفتری۔

(الاستیعاب جلد اول ص ۵۸۳)

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو شخص بھی مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے گا میں اس کو

افتراء پردازی اور بہتان تراشی والی حد (اسی کوڑے) لگاؤں گا"

فائدہ:

اگر آپ کو ان دو حضرات پر فضیلت دینا مباح ہوتا یا صرف مکروہ ہوتا تو مفتری والی
لگانے کے اعلان کا اور عملی طور پر حد لگانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ
نظر میں یہ عمل اور قول اشد حرام اعمال و اقوال میں سے ہے۔ نیز اگر ان کی افضلیت قطعی نہ ہو
تو حد لگانے کا کیا جواز تھا۔

(۱۶) روی عن جعفر بن محمد عن أبيه أن رجلا من قريش جاء الى أمير
المؤمنين عليه السلام فقال سمعتك فى خطبتك تقول: اللهم أصلحنا بما أصلحت
به الخلفاء الراشدين فمن هما؟ قال هما حبيباى و عماك أبوبكر وعمر اماما الهدى
شيخا الاسلام و رجلا قريش المقتدى بهما بعد رسول الله ﷺ من اقتدى بهما عصم
و من اتبع آثارهما هدى الى صراط مستقيم

(شافی لعلم الهدی و تلخیص شافی لمحقق طوسی جلد ۲ ص ۴۶۸)

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت
فرماتے ہیں ایک قریشی آدمی امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر
اور عرض کی میں نے آپ سے دوران خطبہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اے اللہ! ہماری ان امور اور اعمال کے ساتھ اصلاح فرما جن کے ساتھ تو نے خلفاء
راشدین کی اصلاح فرمائی ہے تو وہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

"وہ دونوں میرے حبیب اور تمہارے چچا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں
جو ہدایت کے امام اور اسلام (اور اہل اسلام) میں بزرگ ہستیاں ہیں اور قریش میں سے دو
ہیں اور رسول مکرم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بعد مقتداء اور پیشوا ہیں (اہل اسلام کے) جو

نے ان کی اقتداء واتباع کی وہ (شرِ شیطان) سے محفوظ رہا اور جس نے ان کے آثار اور نقوش اقدام کی پیروی کی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی"

(١٧) روى جعفر بن محمد عن أبيه عن جابر بن عبدالله (رضى الله عنهم) قال لما غسل عمر و كفن دخل على عليه السلام فقال ﷺ ماعلى الأرض أحد أحب الىّ من أن ألقى الله بصحيفته من هذا المسجى بين أظهر كم -

(شافی و تلخیص شافی جلد۲ ص ٤٢٨)

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غسل دے دیا اور کفن پہنا دیا گیا تو اس دوران علی المرتضیٰ تشریف لائے پس کہا:

"اللہ تعالےٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اب روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں رہ گیا کہ مجھے یہ امر محبوب ہو اور مجھے اس امر کی تمنا اور آرزو ہو کہ میں بھی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں اور اس کی بارگاہ میں حاضری دوں اس کے صحیفہ اعمال جیسے صحیفہ کے ساتھ بنسبت اس کفن پوش کے جو تمہارے سامنے کفن میں لپٹا ہوا موجود ہے"

بیانِ فوائد:

شیعی کتب کے حوالے سے درج کردہ یہ روایات اور سنی کتب سے منقول سابقہ روایات سے واضح ہو گیا کہ خود مولائے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کو افضل الامت بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء سمجھتے تھے اگر ان کو اپنی ذات سے بھی افضل نہ سمجھتے تو ان کے اعمال جیسے اعمال اور ان کے نامہائے اعمال جیسے نامہ عمل اپنے لیے کیوں طلب کرتے اور اس کو محبوب کیوں سمجھتے؟

اگر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا صحیفۂ اعمال آپ کے لیے قابلِ رشک ہے جن کی

تمام عمر کی نیکیاں حضرت صدیق اکبر کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسے کہ بزبان رسالت مآب ﷺ
ذکر کیا جاچکا اور بزبان فاروق اعظم بھی ان کے ایک دن یا ایک رات کی نیکی کے برابر ہونے کی
تمنا اور آرزو قبل ازیں ذکر کی جاچکی ہے۔ تو پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعمال نامہ حضرت
مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کس قدر قابل رشک ہوگا لہٰذا ان ارشادات مرتضویہ
سے ان دونوں حضرات کی افضیلت دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ واضح ہو کر اہل اسلام اور
ارباب ایمان کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ ہو الھادی الی سبیل الرشاد
نیز مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ثابت ہوگیا کہ وہ صرف اس نظریہ وعقیدہ پر
قائم نہیں تھے بلکہ اس کے مبلغ اور پرچارک بھی تھے تو ایسے عقیدہ کی مخالفت کرنے والوں کا یا اس کو
ترک کرنے والوں کا مولائے مرتضیٰ کے ساتھ کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ جبکہ وہ آپ کو جھٹلانے والے
لوگ ہیں۔

شیعہ کی تاویلات اور مذہب اہل سنت کی حقانیت

بعض شیعہ علماء نے کہا کہ یہ روایات تو اہل سنت کی ہیں صاحب شافی نے تو ان پر ردو قدح کرنے کے لیے ان کو ذکر کیا اور بعض نے کہا یہ اقوال تو واقعی آپ کے ہیں لیکن آپ عوام کو اور اپنی رعیت کو مطمئن کرنے کے لیے اور اپنے ساتھ مددگار اور معاون بنائے رکھنے کے لیے علانیہ یوں فرماتے تھے لیکن اپنا اصلی عقیدہ جو خواص کے سامنے ظاہر کرتے تھے وہ اس سے مختلف تھا گویا اسد اللہ الغالب رعیت کے علیحدہ ہو جانے کے ڈر سے بطور تقیہ اس طرح علانیہ کہتے رہتے تھے (پوری تفصیل مذہب شیعہ مصنفہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ میں اور ان کی کتاب تحفۂ حسینیہ میں ملاحظہ فرماویں)

پہلی صورت میں ان ارشادات اور روایات سے اہل سنت کا مذہب تحقیقی اور برھانی انداز میں ثابت ہو جائے گا یعنی واقعہ میں اہل سنت کے کثیر التعداد روایات سے حضرت علی کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کا افضل الامت ہونا اور ان کے بعد حضرت عمر کا افضل الامت ہونا مسلم حقیقت ہے اور خود سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی یہی ہے تو اس کے خلاف جو بھی قول ہوگا تو وہ اجماع صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی رو سے مردود ہوگا اور اس کا قائل کسی صورت میں بھی سنی نہیں سمجھا جائے گا اور دوسری صورت میں جدلی انداز میں اور الزامی طریقہ پر نظریہ اور عقیدہ ثابت ہو جائے گا کہ تمہاری مذہبی کتب اور مسلم اکابرین کی نقل کردہ ان روایات سے بھی اہل سنت کے مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے تو تمہیں اہل سنت کی مخالفت کا کیا حق پہنچتا ہے؟

جن کی افضلیت علی الاطلاق کے قائل ہو وہ خود تمہیں جھٹلا رہے ہیں اور ان دونوں حضرات کی بالخصوص حضرت صدیق کی افضلیت مطلقہ کا اعلان فرماتے رہتے تھے۔

کیا دو اسلام جاری کرنا امام برحق کی شان کے لائق ہے؟

اگر شیعی تاویل کے مطابق علانیہ اور ظاہر وباہر مذہب ومسلک آپ کا اہل سنت
مسلک تھا اور آپ اس کے پرچارک تھے اور باطنی اور خفیہ مذہب اہل تشیع والا تھا اور آپ نے
اسلام جاری کرر کھے تھے تو آپ امام الہدی شیر خدا اور اسد اللہ الغالب کیسے ہو سکتے ہیں؟

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

الــغــرض سنی شیعہ کتب کی روایات سے، کلام مجید سے اور احادیث رسول ﷺ
حضرت صدیق اکبر کا أفضل البشر بعد الأنبياء عليهم السلام ہونا ثابت ہو گیا اور ان
بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا پھر حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ ع
افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

کیا یہ ترتیب فضائل ظنی ہے اور اعتقاد وعمل میں کار آمد نہیں ہے؟

علامہ تفتازانی اور بعض دیگر حضرات کی عبارات سے تاثر یہ ملتا ہے کہ یہ مسئلہ قطعی نہ
ہے بلکہ ظنی ہے اور نہ ہی اعمال میں مفید و کار آمد ہے اور نہ باب عقائد میں اور نہ واجبات شر
اس مسئلہ کی تحقیق پر موقوف ہیں جب کہ متنازع فریقین کے دلائل باہم متعارض ہیں۔ گویا تی
طرح کے شکوک وشبہات یہاں پر وارد کیے جا سکتے ہیں:

اول　فریقین کے دلائل کا تعارض۔

ثانی۔　یہ مسئلہ عملی نہیں ہے بلکہ اعتقادی ہے اور ظن پر اکتفاء عملیات میں جائز ہے
کہ اعتقادیات میں۔

ثالث　اس مسئلہ میں توقف اور سکوت سے کام لینا واجبات شرع میں کسی طرح بھ
مضر اور خلل انداز نہیں ہے۔

حضرت علامہ محمد عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں شکوک وشبہات او
وساوس کا احسن انداز میں محاسبہ کیا ہے اور ان کو بیخ و بن سے اکھیڑا ہے:

(۱) جواب الاول کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت کے دلائل میں (کلام ...ید کے دلائل کے ساتھ ساتھ) احادیثِ صحیحہ اور واضح دلائل موجود ہیں (جیسے کہ بطور نمونہ چند احادیث ذکر کی گئیں ہیں اور خود مولائے مرتضی کے اعترافات) جب کہ شیعہ کے دلائل موضوعات کے قبیل سے ہیں یا غیر واضح ہیں ازروئے دلالت بر مدعا- (جیسے کہ علامہ تفتازانی نے مقاصد اور شرح مقاصد میں ان پر اجمالی تبصرہ کیا ہے) اور کتبِ احادیث میں درج احادیث سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا اولین وآخرین اور اھل سماوات اور اھل ارضین پر افضل ہونا ماسوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے وغیرہ وغیرہ محقق انداز سے ثابت ہے- لیکن علمائے کلام علمِ حدیث سے کئی مراحل دور ہوتے ہیں ورنہ قرآن وحدیث کے دلائل جو اقاویلِ سلف یعنی صحابۂ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے اجماع و اتفاق کی بنیاد ہیں اور اہل سنت والجماعت کہلانے کی اساس وبنیاد ہیں اسلاف کے ساتھ محض حسن ظن کی بنا پر ان سے ثابت اس نظریہ کو تسلیم کرنے کا کیا مطلب؟

اور محدثینِ کرام کے ان احادیث کو جمع کرنے کا کیا فائدہ اور ان کو اس خاص ترتیب سے ذکر کر کے بیان کرنے کا کیا ثمرہ؟ گویا وہ بھی عبث و بےکار کوشش اور بے ثمر اور بے نتیجہ جدوجہد اور سعی کرتے رہے بلکہ امتِ محمدیہ کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے رہے، معاذ اللہ-

(۲) جواب الثانی:

یہ دعوی کرنا کہ اعتقادیات میں ظن کارآمد نہیں ہے علی الاطلاق درست نہیں ہے لأنا نجد علماء السنة سلفًا و خلفًا یذکرون فی کتب الاعتقادات مسائل مظنونه ...ونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے علمائے سلف ہوں یا علمائے خلف وہ اپنی کتبِ عقائد میں ظنی مسائل ذکر فرماتے رہتے ہیں، مثلا

(۱) انبیاءِ علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں یا ملائکہ ان سے افضل ہیں؟

(۲) ہمارے نبی مکرم ﷺ کے بعد سب انبیاء میں سے افضل حضرت آدم ہ
حضرت ابراہیم یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام؟

(۳) صحابۂ کرام میں سے عشرہ مبشرہ افضل ہیں پھر اہل بدر پھر اہل احد
اصحابِ شجرہ اور اہل حدیبیہ۔

(۴) خلافتِ حقہ متواترہ ومتواصلہ تیس (۳۰) سال تک ہے۔

(۵) ہر مجتہد مخطی اور مصیب ہوتا ہے یا ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

(۶) انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت میں اقوال مضطربہ کا ذکر۔

(۷) ایمان زائد یا ناقص ہوتا ہے یا نہیں و غیر ذالك۔

ورنہ ان مسائل اعتقادیہ کو کتبِ عقائد میں ذکر کرنا اور موضوع بحث بنانا عبث
جائے گا:

فعلم أن عدم جواز الظن فی العقائد انما ھو حیث یطلب الیقین کالتو
والرسالة و اذا کان الظن فاسداً کظن المشرکین الذین نعی علیھم القرآن اتب
الظن و أما اذاأفاد الدلیل الظنی مسئلة اعتقادیة جاز تسلیمھا علی حسب ظن
وجب ذالك للقطع بان الدلیل قدأفاد الظن بکونھاحقا ولئلایلزم اھمال کثیر
الأحادیث الافراد المرویة فی الاعتقادیات وجعل وجودھا کعدمھا کتفصیل بعض
أحادیث أحوال القبر و الحشر۔

''الحاصل معلوم ہوگیا کہ بابِ عقائد میں ظن کا جائز نہ ہونا صرف اور صرف وہاں
ہے جہاں پر یقین مطلوب ہو جیسے کہ توحید و رسالت کا نظریہ وعقیدہ یا اس صورت میں جب ک
ظن فاسد ہو جس طرح مشرکین کے ظن جس کی اتباع پر قرآن مجید نے ان کی مذمت
ہے۔ لیکن جب دلیل ظنی اعتقادی مسئلہ کا افادہ کرے تو اس کا تسلیم کرنا بھی علی حسب الظ

جائز ہوگا (کیونکہ عقائد قطعیہ بھی ہوتے ہیں جن کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے اور ظنی بھی ہوتے ہیں جن کا انکار فسق اور بدعت قرار پاتا ہے اس ظنی کو عوام کے نظریہ کی طرح شک وشبہ اور وسوسہ کے حق میں لینا کسی عقل مند کے نزدیک جائز نہیں ہے) بلکہ اس کو تسلیم کرنا واجب ہے کیونکہ یہ امر ظنی ہے کہ اس دلیل نے اس مسئلہ اعتقادیہ کے برحق ہونے کا فائدہ دیا نیز ظن کا باب عقائد میں اعتبار نہ کرنے کی صورت میں بہت سے اخبار آحاد وافراد جو باب اعتقادیات میں مروی ہیں ان کا مہمل ہونا اور بے فائدہ و بے مقصد ہونا لازم آئے گا اور ان کے وجود کو بمنزلہ عدم ٹھہرانا لازم آئے گا جس طرح قبر وحشر کے بعض احوال کی تفصیل (لہذا جس طرح اعمال کے دلائل کبھی عمل کی فرضیت کا فائدہ دیتے ہیں اور کبھی وجوب کا تو باب عقائد میں اس طرح کے مراتب ودرجات کا اعتبار کیوں نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی وہ فرائض کے درجات میں ہوں جن کا انکار کفر بن جائے جیسے توحید ورسالت اور حشر ونشر وغیرہ اور کبھی واجبات کے درجہ میں ہوں اور ان سے انحراف فسق وضلالت اور ابتداع کا موجب ہو جائے جبکہ یقین اعتقاد جازم مطابق للواقع ثابت کا نام ہے تو جازم نہ ہوا تو شک بن جائے گا مطابق واقعہ کے نہ ہوا تو جہل مرکب بن جائے گا اور ثابت نہ ہوا یعنی تشکیک مشکک سے زائل ہوگیا تو تقلید کہلائے گا تو تقلید والی صورت میں اعتقاد وتصدیق بھی جازم ہوتی ہے اور تقلید مصیب واقع کے مطابق بھی ہوتی ہے صرف اتنی لچک اس میں ہوتی ہے کہ شکوک وشبہات ڈالنے سے زائل ہو سکتی ہے تو ایسے عقائد درجہ تقلید مصیب میں آئیں گی نہ کہ سرے سے عقائد ہی نہ رہیں گے۔ فتامل حق التامل- سیالوی غفرلہ

جواب الثالث:

فلأن المسائل التي يتوقف عليها الواجبات قليلة جدا فعلم أن فائدة الاعتقاديات ليست محصورة في توقف الواجبات عليها بل الاعتقاد مقصود بنفسه ولو سلم فنقول هذه المسئلة يدور عليها ابطال مذهب الشيعه فان أول

أصولهم أن عليارضى الله عنه أفضل الكل ثم يفرعون عليه أنه أشبه الصحابة بالنبي
ﷺ فهو الخليفة و أن منهبه هوالحق لا منهب غيره و أن الصحابة ظلموه حيث
استخلفوا غيره مع أنه أفضل و أعلم و أشجع و أن الظالمين غير عدل فلا يص
رواية الحديث عنهم فيبطل كل حديث رواه أهل السنة و هذا هو ترتيبهم ف
تضليل ضعفاء المسلمين و فساده أشد من مفاسد منهب المعتزلة والجبر
و أشباههم فيجب على العلماء الاهتمام بمسئلة الافضيلة۔

(نبراس ص ۴۸۹، ۴۹۰)

”تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے جن مسائل اعتقادیہ پر واجبات موقوف ہیں وہ ب
قلیل ہیں، لہذا معلوم ہو گیا کہ اعتقادیات کا فائدہ صرف یہ نہیں ہے کہ واجبات ان پر موقو
ہوں (جس طرح توحید و رسالت پر) بلکہ اعتقادیات اور ان کے ساتھ اعتقاد بذات خو
مقصود ہوتے ہیں (کیونکہ باطن کے تزکیہ و تصفیہ میں بالخصوص وہ بہت مفید و مفیض ہوتے
)اور اگر علیٰ سبیل التنزل اور علی الاحتمال الأ بعد تسلیم کر بھی لیں تو ہم کہتے ہیں (
نظریہ پر بہت بڑے واجب امر کا دارو مدار ہے)یعنی یہ کہ اس مسئلہ پر اہل تشیع کے مذہ
ابطال موقوف ہے کیونکہ ان کے مذہب کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ علی مرتضی افضل الکل
پھر اس پر یہ تفریعات مرتب کرتے ہیں کہ وہ سب صحابہ کی نسبت نبی کریم ﷺ کے زیادہ م
ہیں لہذا وہی آپ کے بعد خلیفہ ہیں اور انہی کا مذہب برحق ہے نہ کہ دوسرے صحابہ کا اور
صحابہ نے ان پر ظلم کیا جبکہ ان کے ہوتے ہوئے دوسروں کو خلیفہ بناتے رہے حالانکہ وہ افضل
تھے اور اعلم و اشجع بھی اور یہ امور خلافت کے اہم ارکان اور موقوف علیہ ہیں) اور یہ ک
عدالت سے محروم ہوتے ہیں لہذا ان سے احادیث روایت کرنا بھی درست نہیں تو اس کا نتی
نکلے گا کہ ہر وہ حدیث باطل ہو کر رہ جائے گی جس کو اہل سنت نے روایت کیا ہے۔ یہ ہے ال

طرف سے ترتیب ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اجماعی راستہ اور صراط مستقیم سے دور کرنے کی اور اس مذہب کے مفاسد معتزلہ اور جبریہ وقدریہ کے مذہبی مفاسد سے بڑھ کر ہیں لہذا علمائے کرام پر فرض ہے کہ وہ افضلیت والے اپنے نظریہ کو اہمیت دیں اور اس کو اہم ترین واجبات میں سے شمار کریں اور اسکی تقریری وتحریری اور تدریسی انداز میں اشاعت کریں"

بھول پن اور سادگی کی انتہا یا شیعی مذہب سے ناواقفیت:

یہ سمجھ لینا اور تقریری اور تحریری طور پر بیان کرنا ہم نے فریقین کے دلائل کو متعارض پایا بہت ہی عجیب ترین دعویٰ ہے کیونکہ افضلیت میں نزاع واختلاف فضیلت کی نفی نہیں کرتا چنانچہ اہل السنت حضرت صدیق کو افضل ماننے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کے دل وجان سے معترف ہیں اور ان کی محبت کو روح ایمان اور جان اسلام سمجھتے ہیں علی ہذا القیاس جو اہل سنت کا شرذمۂ قلیلہ حضرت علی المرتضیٰ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے وہ سیدنا عثمان کے فضائل اور مناقب کے بھی معترف ومعتقد ہیں لہذا یہاں پر دلائل کا تقابلی جائزہ لیا جا سکتا ہے اور راجح مرجوح، صحیح اور اصح اور قوی واقویٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا اور صحیح نظریہ وعندیہ اپنایا جائے گا۔

لیکن یہاں پر فریق ثانی شیعہ اور روافض ہیں اور وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مرتد اور منافق اور ظالم اور غاصب تسلیم کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی تنقید کرتے ہیں تو ان کو اہل سنت کے مقابل فریق ماننا اور ان کے پیش کردہ دلائل کو اہل سنت کے دلائل کا معارض سمجھنا کب درست ہے؟ پھر وہ اس قرآن پاک کو اصلی قرآن ہی نہیں تسلیم کرتے بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اصلی قرآن حضرت مہدی اپنے پاس چھپائے ہوئے ہیں آئیں گے تو لائیں گے، اور اس میں طرح طرح کی غلطیاں نکالتے ہیں جب اصل دلیل قرآن ہے اور اس کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے تو دلائل کا حال کیا ہوگا؟ جو کہ موضوعات ومخترعات کا مجموعہ ہے یا پھر ہماری ہی کتب حدیث کی

روایات ہوتی ہیں جو ان کی طرف سے گویا الزام وجدل کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

تعارض کا امکان اس وقت ہوتا جب وہ لوگ حضرات خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان بلکہ بالعموم صحابہ کے ایمان واخلاص کے قائل ہوتے حالانکہ ان کا عقیدہ ہے ارتد الناس الا ثلا سلمان و أبوذر والمقداد رضی اللہ عنہم یعنی وصالِ نبوی کے بعد سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے ماسوائے سلمان فارسی ابوذر غفاری اور مقداد رضی اللہ عنہم کے۔تو دلائل تفضیل میں تعارض یہاں پر تصور ہی کون کر سکتا ہے؟فتأمل حق التأمل

نیز جب ایک فریق شیعہ اور رافضی ہیں اور دوسرا فریق اہل سنت ہیں خلفائے ار میں سے افضل کون ہے اس میں ان کے درمیان اختلاف ہے تو جب کہیں ہم نے فریقین کے دلائل کو باہم متناقض ومتعارض پایا تو یہ کہنے والے خود کس کھاتے میں پڑ گئے؟ نہ شیعہ بنے نہ رہے،نعوذ باللہ اور مانتے بھی ہوں ہمارے سلف یعنی صحابہ اور تابعین کا اتفاق اس ترتیب ہے تو ان کا صحابۂ کرام اور تابعین عظام والے راہِ راست اور صراط سے انحراف واجتناب لاز آ گیا تو ان جیسے ذمہ دار علامہ کا یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ کلام ہے خدا جانے اس کلام کے مفاسد سے کیوں اوجھل رہے؟ کیا کسی شیعہ عالم نے بھی اس قسم کی لچک دکھائی ہے اور ہمارے دلائل اپنے دلائل کے معارض ٹھہرایا ہے؟ بالکل نہیں۔

مبحث تفضیل میں فضیلت سے کیا مراد ہے؟

یہ امر بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ موضوع بحث اور محل کلام میں وہ فضیلت مراد ہے جو کثرتِ ثواب اور عنداللہ کرامت وعزت کے معنیٰ میں ہے۔لہذا بعض حسبی ونسبی اور جزوی فضائل میں مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صرف مساوات ہی نہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے افضلیت بھی حاصل ہے،مثلاً نسبی قربت وقرابت،زوجِ بتول ہونا،حسنین کریمین کے والد ہونا اور فاتح خیبر ہونا وغیرہ وغیرہ لیکن اس طرح جزوی فضائل میں دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی

باذن اللہ قاسم الخیرات نبی ﷺ نے اعزازات اور امتیازات بخشے ہیں۔

بعض صحابۂ کرام کے جزوی فضائل بزبان رسالت مآب ﷺ:

(۱) چنانچہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

ان لکل نبی حواریاو حواری الزبیر (رواہ البخاری)

غزوۂ خندق جس کو غزوۃ الأحزاب بھی کہا جاتا ہے جبکہ سارے کافر متفق ہو کر حملہ آور ہو گئے تھے اور صورتحال انتہائی سنگین ہو گئی تھی تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو قوم کفار کی خبر لادے اور ان کی جاسوسی کرے؟ تو حضرت زبیر نے کہا میں ان کی خبر لاتا ہوں! رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا:

ہر نبی کے لیے کوئی نہ کوئی انتہائی مخلص وفادار اور فداکار معاون و مددگار ہوتا ہے اور میرا ایسا معاون و مددگار اور مجسمۂ وفا اور فداکار (حضرت) زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

(۲) نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس جائے اور ان کے سازشیوں کی خبر لائے؟ (جو غزوۂ خندق کے موقع پر عہد شکنی کرتے ہوئے کافروں کا ساتھ دے رہے تھے) حضرت زبیر فرماتے ہیں: میں گیا اور ان کی مساعیٔ مذمومہ اور سازشوں وغیرہ کا جائزہ لے کر جب واپس حاضر ہوا تو

فجمع لی رسول اللہ ﷺ أبویہ وقال فداك أبی وأمی (متفق علیه)

رسول رحمت ﷺ نے میرے لیے اپنے والدین کریمین کو اکٹھا کرتے ہوئے کہا "تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں" (حالانکہ ماں باپ کا اکرام و احترام کتنا ضروری ہے) اور وہ بھی سید المرسلین ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما۔

(۳) مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول گرامی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح کرتے اور کہتے نہیں سنا کہ اپنے ماں اور باپ دونوں کو اکٹھا ذکر

کرکے کہا ہو فداك أمي و أبي سوائے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے، ان کے حق م
میں نے احد کی جنگ کے موقع پر آپ کو فرماتے ہوئے سنا ارم فداك أبي و أمي (متفق علیہ
"تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں"

فائدہ:

مرتضی کریم رضی اللہ عنہ نے اپنے براہِ راست سننے کی نفی کی ہے، لہٰذا یہ روایت حضر
زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد حدیث کے معارض و مناقض نہیں ہو سکتی۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ﴿لكل امة امين و امي
هذه الامة ابو عبيدة بن الجراح رضی اللہ عنه۔

رسول گرام ﷺ نے فرمایا ہر امت کے لیے امین ہے (جیسے امین ہونے کا حق
اس امت (جو خیر امم ہے اس کے لیے) امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں علیہ الرضوان۔

(٥) عن أنس رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ أرحم أمتي بأمتي أبوب
و أشدهم فی أمر اللہ عمر و أصدقهم حياء عثمان و أفرضهم زيد بن ثابت و أقرأه
أبی بن كعب و أعلمهم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل و لكل أمة أمين و أمين ه
الأمة أبو عبيدة بن الجراح رواه أحمد و الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح
روی عن قتادہ مرسلاً أقضاهم علی رضی اللہ تعالی عنهم۔

خاتم الرسل ﷺ نے فرمایا:

"میری ساری امت میں سے میری امت کے ساتھ شانِ رحیمی سے پیش آنے وال
ابوبکر ہیں، اور امر خداوند تعالیٰ میں سب سے سخت اور ثابت قدم عمر ہیں- اور ان سب میں صف
حیا (جو ایمان کا عظیم شعبہ کما قال النبی ﷺ الحياء شعبة من الايمان) میں صاد
وراسخ عثمان ہیں اور امت میں سب سے زیادہ علم میراث میں مہارت رکھنے والے زید بن ثاب

ہیں اور سب سے بڑے کلام مجید کے قاری ابی بن کعب ہیں- ساری امت میں حلال وحرام کا زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں اور ہر امت کے لیے امین ہے اور اس امت مرحومہ کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں- اس حدیث کو امام احمد نے اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح قرار دیا اور قتادہ سے مرسل طور پر اسی حدیث میں مروی ہے کہ ساری امت سے بڑے فیصل علی ہیں رضی اللہ عنہم-

فائدہ عظیمہ:

ان احادیث مبارکہ سے اور اس طرح کی دیگر کتب صحاح میں مروی احادیث سے واضح ہو گیا کہ جزوی فضائل میں دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی اعلیٰ مرتبہ اور بلند مقام پر فائز ہیں اور ہر ایک کسی نہ کسی فضیلت اور امتیازی حیثیت کا مالک ہے- لیکن موضوع بحث اور محل کلام فضیلت بمعنی کثرت ثواب اور عند اللہ اعلیٰ درجات اور عزت وکرامت کا مالک ہونا ہے اور اس میں اس ترتیب پر اجماع امت ہے یا سوادِ اعظم اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہ مسلم حقیقت ہے یعنی

أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي المرتضى رضي الله عنهم۔ والحاصل أن الأحاديث متعارضة و الأدلة متناقضة فالعبرة بما اتفق عليه جمهور الصحابة و بما أجمع عليه أئمة أهل السنة و مع هذا فالمسئلة ظنية لا يقينية فلا فالمن خالف (مرقات جلد ١١ ص ٣٦١)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احادیث متعارض ہیں اور دلائل متناقض ہیں، لہٰذا اعتبار اس عقیدہ نظریہ کا ہے جس پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہیں اور ائمہ اہل سنت کا اجماع ہے بایں ہمہ یہ مسئلہ ظنی ہے نہ کہ یقینی بخلاف اہل اختلاف کے اس میں یقین نہ مطلوب ہے نہ حاصل ہو سکتا ہے (لہٰذا اسکو یقینی سمجھ لینا جیسا کہ شیعہ نے سمجھ رکھا ہے سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور مزید

برآں تفضیل علی کو تسلیم نہ کرنے پر پھر خلیفہ بلا فصل نہ بنانے پر سارے صحابہ کرام کو مرتد قرار دینا بہت بڑی ضلالت اور گمراہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت اور خلافت قطعاً جائز نہیں ہے)

سوال:

جب احادیث متعارض اور دلائل متناقض ہیں تو پھر سب احادیث کو نا قابلِ اعتبار سمجھنا اور نا قابلِ التفات سمجھتے ہوئے ان کے مطابق عقیدہ ونظریہ رکھنا سرے سے جائز ہی نہیں ہونا چاہیے۔ قاعدہ متعارض دلائل کے بارے میں یہی ہے اذا تعارضا تساقطا متعارض دلائل ساقط از اعتبار واستدلال ہو جاتے ہیں۔

جواب:

دلائل اور احادیث میں جو تناقض ہے وہ صرف بظاہر اور سرسری نگاہ میں دیکھنے میں ہے اور جہاتِ مختلفہ اعتبار نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ جب ان جہات کو ملحوظ رکھا جائے تو باہم توافق پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں حالانکہ جنت میں سبھی لوگ جوان ہوں گے تو علی المرتضی رضی اللہ عنہم پر بھی ان کی فضیلت ثابت ہو جائے گی اور اس کا نہ کوئی سنی قائل ہے اور نہ کوئی شیعہ قائل ہو سکتا ہے۔ تو کیا اس حدیث کو قابلِ اعتبار اور لائقِ التفات نہیں سمجھا جائے گا یا حضرت علی کی افضلیت کا دعویٰ نا قابلِ اعتبار ہو جائے گا اور ایسی متعارض احادیث ذکر کرنا محدثین کرام کی طرف سے امت محمدیہ پر بہت بڑی زیادتی بن جائے گی؟ نعوذ باللہ۔ قطعاً نہیں! بلکہ تطبیق یوں دی جائے گی کہ جو دنیا میں جوان اور کم عمر تھے ان کے سردار حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ہوں گے اور جو عمر رسیدہ ہو

کر رحلت فرما ہوئے ان سے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم افضل ہوں گے۔ کیونکہ کہولت کی صورت میں علم ودانش اور تجربہ ومہارت اور ملکہ کاملہ اور اعمال صالحہ کی کثرت ہوگی تو وہ درجہ شباب کے درجہ سے اعلیٰ ہوگا تو اس طرح سے خلفائے اربعہ کا ان سے افضل ہونا ثابت ہو جائے گا۔

نیز سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ نے فرمایا:

ان ابنی هذا سید لعل اللّٰه ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلین ۔

(رواه البخاری)

میرا یہ بیٹا سردار ہے عالی ہمت ہے اور بلند حوصلہ ہے عن قریب اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اہل اسلام کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح وآشتی پیدا فرمادے گا اور آپ نے اس غیبی فرمان کو سچ اور برحق ثابت کر دیا اور دوسری طرف مولائے مرتضیٰ اور سیدہ زہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا:

أنا حرب لمن حاربهم۔ (رواه الترمذی)

"میں سراسر حرب وقتال ہوں اس شخص کے لیے جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ حرب وقتال کیا"

حالانکہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے تو حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ قتال کرنے والے کافر ہونے چاہئیں تو پھر ان کو مسلمانوں کی جماعت کہنے کا کیا جواز تھا؟ حضرت حسن مجتبیٰ کی ان کے ساتھ مصالحت کا کیا جواز تھا؟ نیز حدیث قدسی ہے:

من عاد لی ولیافقد آذنته بالحرب "جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے تو میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے" اور علی المرتضیٰ ولیوں کے سردار ہیں تو ان کے خلاف دلوں میں عداوت والے ہی نہ ہوں بلکہ علی الاعلان جنگ کرنے والے ہوں تو لامحالہ ان

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی جنگ ہوگی تو پھر ان سے مصالحت گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہوگی تو ان میں بھی تعارض و تناقض پیدا ہوا یا نہیں؟ جب بظاہر تعارض ہے تو امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ بشارت اور ان کے لیے اس اعزاز و امتیاز کے اثبات کا جواز کیا ہوگا؟ تو یہ تعارض و تناقض کیا ان کی اس امتیازی خوبی اور اکمل ترین جود وسخا کو ختم نہیں کر دے گا؟ بالکل نہیں! قطعاً نہیں! کیونکہ ان سے محاربت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت محاربت اور کفر ہے جبکہ اس لیے ہو کہ یہ ان کے اہل بیت کیوں ہیں اور ان کا ان سے روحانی و ایمانی تعلق کیوں ہے؟ اگر ذاتی وجوہ مغالطوں کی وجہ سے ہو اور خطا اجتہادی کی بنا پر ہو تو وہ معاملہ الگ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ طور سے واپسی پر جو سلوک کر رہے تھے تو کیا وہ محبت کی بنا پر تھا؟ اس وقت تو حضرت ہارون کو بہت بڑا مجرم سمجھ کر ان کو اپنے غصہ اور عتاب اور تادیبی اور تعزیری کاروائی کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تو ان کی یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ نہیں بن جائے گی؟ بالکل نہیں! قطعاً نہیں! کیوں کہ یہ کاروائی اس غلط فہمی کی بنیاد پر تھی کہ حضرت ہارون کا اس شرکیہ عمل میں دخل ہے اسی طرح یہاں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں لیا جا رہا تھا تو اس خلیفۂ برحق کے حق میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے تساہل و تغافل کے گمان پر یہ جنگیں سرزد ہوئیں تھیں نہ کہ ذاتی عناد اور عداوت اور بغض و کینہ کی وجہ سے۔ لہٰذا ان کے حق میں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حرب و قتال کا ارتکاب نہیں لازم آئیگا نہ أنا حرب لمن حاربهم اور نہ ہی فقد آذنته بالحرب میں ریب و تردد اور شک و ارتیاب پیدا ہوگا اور نہ ہی ان ابني هذا سيد میں کیونکہ حقیقت میں تعارض و تخالف ہے ہی نہیں بلکہ صرف بظاہر اور سطحی نظر میں ہے۔

ایک طرف ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض ا
فرمانِ خداوند تعالیٰ ہے ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض جن سے رسل کرام اور انبیا

عظام علیہم السلام میں باہم تفاضل وتفوق ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے لانفرق بین احدمن رسله یعنی ہم انبیاء ورسل کے درمیان فرق مراتب نہیں کرتے۔ نیز سید عالم ﷺ نے اپنے متعلق اعلان فرمایا: انا سید ولد آدم یوم القیامة "میں قیامت کے دن ساری نسل انسانی کا سردار ہوں گا" ما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الاتحت لوائی "تمام انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن حضرت آدم ہوں یا ان کے ماسوا وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے" اور دوسری طرف آپ کا فرمان ذی شان ہے: لا تخیروا بین الأنبیاء نیز لا تفضلوا بین أنبیاء اللہ تو کیا ان آیات واحادیث کو باہم متعارض ومتناقض سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے گا؟ اور انبیاء ورسل کے باہمی درجات ومراتب میں تفاوت کو مظنون ومشکوک ٹھہرا دیا جائے گا؟ قطعاً نہیں! کیونکہ ان میں باہم تطبیق وتوفیق ممکن ہے۔ جیسا کہ عن قریب ان وجوہ کا بیان آ رہا ہے۔

لہٰذا علمائے اعلام اور ائمہ کرام کا ان کے متعلق تعارض وتخالف اور تضاد وتناقض کا لفظ بول دینے سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے استدلال درست نہیں اور اس نظریہ وعقیدہ کا وجوب ولزوم ان سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

بلکہ میں ان اکابر سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ انہیں مطلقاً تعارض وتناقض کے الفاظ استعمال ہی نہیں کرنے چاہییں، خاص طور پر شیعی دلائل کے مقابل۔ کیونکہ سطحی ذہن اور سرسری سوچ کے مالک اس سے غلط تاثر لے سکتے تھے بلکہ لے رہے ہیں اور شہادتی اور محرمی واعظین لوگوں کو شیعہ کی گود میں ڈال رہے ہیں اور مفت میں ان کے مشن کی تبلیغ اور تکمیل کر رہے ہیں۔ اگرچہ عوام کالانعام کی طرف سے ان پر نوٹوں کی برسات ہوتی ہی رہتی ہے اور فقط یہی مفاد ان کے پیش نظر ہوتا ہے اور دیگر نقصانات اور مفاسد کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔

کثرتِ ثواب اور عنداللہ عزت وکرامت میں زائد ہونا غیبی امر ہے:

رہا یہ توہم کہ عنداللہ کون زیادہ عزت وکرامت اور اجر وثواب کا حق دار ہے یہ غیبی

امر ہے تو اس کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟

تو اس کا جواب واضح ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت وارشاد اور فلاح و بہبود کے لیے مبعوث فرمایا ان کو ان غیوب پر بھی مطلع فرمایا اور انہوں نے ہی ہمیں آگاہ فرمایا۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما کر اور تعلیم دے کر اور اپنے خداداد علوم وافرہ کثیرہ کے تحت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادگرامی ہے:

(۱) لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاو عداللہ الحسنیٰ ۔

نہیں برابر ہو سکتے تم سے وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور قتال کیا (ان لوگوں کے ساتھ جو بعد میں ایمان لائے) وہ لوگ بہت عظیم درجات پر فائز ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے بعد میں اپنے اموال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد وقتال کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے ساتھ جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت واجب التسلیم ہے کہ فتح مکہ سے پہلے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے اور انفاق مال اور جہاد کرنے والے پچھلوں سے بہت افضل ہیں اور بعد والے حضرات ان درجات ومراتب میں ان کی برابری نہیں کر سکتے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہیں۔

(۲) السابقون السابقون اولئك المقربون فی جنت النعیم

دنیا میں ایمان واسلام اور اعمال صالحہ میں سبقت لے جانے والے آخرت میں بھی سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ جنات نعیم میں مقام قربت وکرامت میں تشریف فرما ہوں گے۔ لہٰذا ہر صاحب عقل ودانش سمجھ سکتا ہے اور یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ جو لوگ کفار مکہ کے جبر وتشدد اور ظلم وتعدی کا عرصے تک نشانہ بنے رہے صرف حلقۂ اسلام میں داخل ہونے اور غلامی مصطفیٰ ﷺ کا پٹہ گلے میں ڈالنے کی وجہ سے اور ہجرت کی اجازت ملنے پر مال ودولت اور گھربار

اور خویش واقرباء کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں غنی اور امیر ہونے کے باوجود اب فقیر و مسکین بن کر اہل مدینہ کے ہاں پناہ لے رہے ہیں تو غیر مہاجران کی برابری کیسے کر سکتے ہیں؟ اور جن انصار نے خود فقیر اور درویش ہونے کے باوجود ان مہاجرین کو اپنے ہاں ٹھہرایا مہمان گرامی بنایا اور اپنی ذاتوں پر خورد و نوش اسباب معیشت میں مہاجرین کو ترجیح دیتے رہے یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة ان کے نفوس اور بواطن بخل اور کنجوسی سے پاک ہیں فاولئك هم المفلحون پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ تو کیا بعد والے ان کے برابر ہو سکتے ہیں؟ بلکہ پچھلوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ ان مہاجرین اور انصار اور سابقین کی اتباع و پیروی کریں کما قال تعالی: والذین اتبعو هم باحسان رضی اللہ عنهم و رضوا عنه تو کیا تابعین اپنے متبوعین کے برابر بھی ہو سکتے ہیں چہ جائیکہ کہ ان سے افضل ہوں؟ اور کیا قرآن کریم کے ان فرمودات اور اس مضمون کے دوسرے ارشادات پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے؟ یقیناً واجب ولازم ہے۔

(۳) محبوب کریم ﷺ نے فرمایا:

لو أن أحدکم أنفق مثل جبل أحد ذهبًا مابلغ مد أحدهم و لا نصيفه

(میرے صحابہ کی عزت کیا کرو کیوں کہ وہ تم سے بہتر و برتر ہیں) اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو وہ ان کے خرچ کیے ہوئے سیر یا آدھ سیر جو کھجور کی برابری نہیں کر سکتا۔

تو حضرات صحابہ کرام کے خرچ کیے ہوئے ہزاروں دیناروں اور لاکھوں دراہم اور سینکڑوں ہزاروں سواریوں کا راہ خدا اور جہاد فی سبیل اللہ اور خود رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کے وصال شریف کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اخراجات کی کفالت کرنا کسی چشم بینا سے اور صاحب علم ودانش سے مخفی رہ سکتا ہے؟ اور ان کے اجر وثواب کا افضل و اعلیٰ اور لامحدود وغیر محصور ہونا کسی صاحب خرد سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ لوگوں کے لاکھوں احد پہاڑوں

کے برابر خرچ کیے ہوئے سونے ان کی مالی خدمات کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مولا
مرتضیٰ کا انگوٹھی صدقہ کرنا تو یاد رہے اور یہ مالی قربانیاں لائق توجہ اور قابلِ التفات ہی نہ ہوں تو
سراسر ناانصافی اور ظلم عظیم اور احسان فراموشی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

(۴) خود نبی مکرم ﷺ کو اعتراف ہے:

ان من أمن الناس علی فی صحبته و ماله أبابکر سب سے زیادہ میرے حق میں
مصاحبت کے لحاظ سے اور مال خرچ کرنے کے لحاظ سے اور بڑے محسن لوگوں میں سے ابوبکر
صدیق ہیں۔ ما نفعنی مال أحد قط مانفعنی مال أبی بکر مجھے کسی کے مال نے وہ نفع
نہیں دیا جو ابوبکر صدیق کے مال نے نفع دیا۔ تو حضرت صدیق نے رو کر عرض کیا ما انا و مالی
الالک میں اور میرا مال بلکہ میرا سب کچھ آپ کے لیے ہی ہے یا رسول اللہ

(أخرجه أحمد و أبو حاتم ابن ماجه)

عن عروة أسلم أبوبکر وله أربعون ألفا أنفقها کلها علی رسول اللہ و فی
سبیل اللہ ۔ أخرجه أبو عمر و ۔

حضرت صدیق اسلام لائے تو اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار (دینار یا درہم)
تھے جو سب کے سب آپ نے رسول گرامی ﷺ پر اور راہِ خداوند تعالیٰ میں خرچ کر دیے۔

(۵) غزوۂ تبوک کے موقع پر گھر کا سارا مال ساری دولت حتیٰ کے بدن کے اچھے کپڑے بھی
راہِ خداوند تعالیٰ میں خرچ کر دیے اور سرکار کے استفسار پر کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے
عرض کیا: أبقیت لهم الله و رسوله میں نے ان (کی کفالت و کفایت) کے لیے اللہ تعالیٰ اور
اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔

(۶) اسماعیل بن قیس سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے عاشق زار و پروانہ شمع نبوت حضرت
بلال کفار کے غلام تھے نبی پاک کی غلامی اختیار کرنے پر ان کے مالک شدید ایذائیں اور سخت

سزائیں دیتے تھے تو حضرت صدیق نے انہیں پچاس اوقیہ سونا دے کر خرید لیا (جبکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) قالوا لولا ابیت اوقیة لبعنا که قال لوابیتم الامائة اوقیة لأخذته (أخرجه فی الصفوة/مرقاة ۱۱ ص ۲۸۶)

انہوں نے کہا کہ اگر تم صرف ایک اوقیہ کے ساتھ خریدنے پر مصر ہوتے تو ہم ایک اوقیہ میں بھی آپ کو دے دیتے آپ نے فرمایا اگر تم سو اوقیہ میں اس پروانہ شمع نبوت کو فروخت کرنے پر ڈٹ جاتے تو بھی میں خریدنے سے گریز نہ کرتا۔

فائدہ:

گویا صرف خدا کی راہ اور ذاتِ رسول پر ہی نہیں بلکہ ان کی رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ کے مخلص بندوں اور نبی پاک کے غلاموں پر بھی دولت نثار کرتے رہتے تھے۔

(۷) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی خدمات اور بارگاہِ نبوت میں قبولیت اور یہ اعزاز اللھم ارض عن عثمان فانی عنه راض اور یہ شہادت ما ضر عثمان ماعمل بعد هذا اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے راضی ہو چکا ہوں (اور ظاہر ہے کہ جس سے رسول گرامی راضی ہوں اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور از راہِ کرم اس سے راضی ہوگا کما یدل علیه قوله تعالی ولسوف یعطیك ربك فترضی) نیز یہ صرف غیبی خبر ہی نہیں بلکہ قبولیت کا اعلیٰ مرتبہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عثمان آج کے بعد کچھ بھی کرے اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا جیسے کہ حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے حق میں فرمایا لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر اس ارشادِ باری میں آپ کے لیے ذنب ثابت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ کرم عمیم بیان کرنا مقصود ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مال کثیر جمع ہو گیا تو آدھا راہ خدا میں صرف کر دیا اور بارگاہِ نبوی میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیا جبکہ ان پر اعتراضات اور تنقیدات کرنے والے

زکوۃ بھی نہیں دیتے اور نہ اس کو فرض سمجھتے ہیں، صدر ایوب یہ حکم نافذ کرنا چاہتا تھا تو شیعہ لوگو
نے کہا تھا ہمارے مذہب میں زکوۃ نہیں ہے۔ الغرض صرف مالی قربانیوں کے لحاظ سے ان
مخالفین ہزاروں لاکھوں احد پہاڑوں کے برابر سونا خرچ کرنے کے باوجود ان لوگوں کے ثوا
عظیم اور اجر جمیل کی برابری نہیں کر سکتے اور یہ اس غیب دان نبی کی طرف سے بشارت ہے جن
اللہ تعالیٰ نے علمك مالم تكن تعلم اور اوحى الى عبده ما اوحى کا اعزاز وا
بخشا ہے اور ماکان و مایکون پر ان کا علم محیط ہے۔

(۹) آپ علیہ السلام سب کی نیکیاں بھی جانتے ہیں اور عند اللہ ان کی قدر و قیمت بھی جا
ہیں جیسے کہ ذکر کیا جو چکا ہے کہ آسمان پر چمکتے ستاروں کے برابر حضرت عمر کی نیکیاں ہیں اور ان
تمام نیکیاں حضرت صدیق کی ایک نیکی کے برابر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ انبیاء و مرسلین
علاوہ جنت میں داخل ہونے والے بزرگ اور عمر رسیدہ حضرات میں سے ابوبکر اور عمر افضل ہیں
و غير ذالك كما ذكرنا

(۱۰) مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو سر چشمہ ولایت ہیں اور عظیم فراست قلب کے مال
ہیں اور مقام محبوبیت پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں بھی نورِ خداوند تعالیٰ سے منور اور قلب
اقدس اور باطن انور بھی نور خداوند تعالیٰ سے منور ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله یعنی مومن کی فراست اور نورِ قلب سے
ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے اور حدیث قدسی میں ہے: كنت سمع
الذی یسمع به و بصره الذی يبصره به (الی) فواده الذی یعقل به (مشکوۃ)
یعنی نفلی عبادت کی کثرت کی بدولت جبکہ فرائض بھی کما حقہ ادا کرے تو بندہ اللہ تعا
کے قریب تر ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ منصب محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے اور اس منصب پر فائز ہو
والے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے کان میں ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور آنکھیں

ں ہوتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اور ہاتھ میں ہوتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور پاؤں میں ہوتا ہوں ن سے چلتا ہے اور زبان میں ہوتا ہوں جس سے بولتا ہے اور دل ودماغ میں ہوتا ہوں جس سے سوچتا ہے۔ تو مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ محبوبیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں تو کیا مولائے رتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعد والے حضرات کی نورِ فراست میں اور نورِ خداوندی سے منور نکھوں اور منورترین دل کا مالک ہونے میں کوئی برابری ہوسکتی ہے بلکہ کوئی نسبت ہوسکتی ہے تو ید الانبیاء ﷺ اور سید الاولیاء رضی اللہ عنہ کی معین فرمودہ راہ کو چھوڑ کر جو حقائق شناس ہیں اور واقبِ امور سے باذن اللہ آگاہ ہیں ان کی شہادت اور شیخین کی افضلیت کے اعلانات کو نظر انداز کرنے اور ناقابلِ اعتبار سمجھنے اور ذاتی اجتہادات اور نفسانی اہواء وخواہشات کے مطابق عمل پیرا ہونے کا کیا جواز ہے؟ بلکہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان جو امت میں اپنی مثال آپ ہیں ان کی راہ چھوڑ کر اور تابعین کرام جو صحابہ کرام کے انوار کے مظاہر ہیں ان کی اجماعی راہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چلنا بہت بڑے حرمان اور خسران کا موجب ہے۔ پھر نمازوں میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم کی دعائیں کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی مزاح اور استہزاء کے مترادف ہے۔

اہم سوال:

ہم یہ دعا ہر وقت زبان پر لاتے ہیں تو دل ودماغ میں اس وقت کوئی تصور بھی ہوتا ہوگا ہوتا ہے کہ ان کے اعمالِ ظاہرہ جو فرائض کے قبیل سے ہوں اور ان کے عقائد جو قطعیات اور ضروریات کے قبیل سے ہوں صرف ان کو اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ یا بالعموم عقائد صحیحہ واقعیہ اور اعمالِ خیر میں ان کی اتباع وپیروی کی توفیق عطا فرما! جب یقیناً اور قطعاً دوسری صورت متعین ہے تو نماز سے باہر تاویلات وتسویلات اور پیچ وتاب اور حیرت واضطراب اور تردد وارتیاب میں پڑنے کا کیا مطلب؟ اور تخصیصات و تقییدات کے درپے ہونے کی گنجائش ہے؟ بلکہ اسی

عموم واطلاق کوملحوظ رکھتے ہوئے جملہ عقائد ونظریات اور تمام تر اعمال صالحہ میں ان کی اقتدا
توفیق اوران کے راہِ راست کی اتباع اوران کے صراط مستقیم کی ہدایت کی اللہ تعالیٰ سے دعا
کرنی چاہیے اوراس راہ کی پیروی کرنی چاہیے تا کہ دعا والتجاء اور عمل وکردار کا تخالف اللہ تعا
کے ساتھ استہزاء اور مذاق نہ بن کررہ جائے۔العیاذ باللہ تعالی۔

ضروری احتیاط،ادبِ حسن اور خلق جمیل کا بیان:

انبیاء ومرسلین علیہم السلام میں باہمی فرق مراتب اور تفاوت درجات مسلم حقیقت
کما قال تعالی: تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض نیز ارشادفرمایا: ولقد فض
بعض النبيين على بعض لیکن اس کوایسے انداز میں بیان کرنا کہ دوسرے حضرات کی تو
تحقیر لازم آئے قطعاً جائز نہیں ہے۔اس لیے محبوب کریم علیہ السلام نے فرمایا:

کمارواه أبو سعيد لا تخيروا بين الأنبياء متفق عليه وفي روايته لا تفض
بين أنبياء الله تعالى

یعنی انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض کوبعض پر ترجیح اور تفضیل نہ دو۔اورکلام
میں ارشادباری تعالیٰ ہے: لا نفرق بين احد من رسله ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے درمی
فرق نہیں کرتے۔

فائدۂ عظیمہ:

ان دونوں طرح کی آیات میں تعارض اور تناقض بیان کر کے اس مسئلہ کوظنی نہ
بنادیا گیااور نہ اس طرح کی احادیث جن میں تفضیل وتفرقہ سے منع کیا گیااور دوسری طرف
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة۔
أنا أول شافع وأول مشفع۔

مامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔

(مشکوۃ، باب فضائل سید المرسلین۔)

میں اولادِ آدم اورنسل انسانی کا سردار ہوں قیامت کے دن۔

میں سب سے پہلا خلق خدا کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مقبول الشفاعت بھی۔

اور روز قیامت ہر نبی خواہ آدم خواہ ان کے بعد والے سبھی میرے پرچم کے نیچے ہوں گے (جیسے سپاہی امیر کے زیرلوا ہوا کرتے ہیں)

ان میں تعارض وتناقض ثابت کر کے ان کی اہمیت کو گھٹایا نہیں گیا بلکہ ان میں مختلف وجوہ سے باہم تطبیق دے دی گئی ہے، چنانچہ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

انما نهى النبى ﷺ عن التفضيل بين الأنبياء عليهم الصلوة والسلام من يقول ذالك من رأ يه لا من يقول بدليل أو من يقول بحيث يؤدى الى تنقيص المفضول أو يجر الى الخصومة أوالمراد لا تفضلوا بجميع أنواع الفضائل بحيث لا يبقىٰ للمفضول فضيلة أوأراد النهى عن التفضيل فى نفس النبوة فانهم متسا وون فيها وانما التفاضل بخصائص و فضائل أخرى قال الله تعالى: تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض، و قال الله تعالى :و لقد فضلنا بعض النبيين على بعض۔

(مرقات جلد ۱۱ ص ۱٦)

(۱) نبی کریم ﷺ نے انبیاء علیہم السلام میں باہم فضیلت دینے سے منع فرمایا تو صرف اور صرف ان کو جو اس طرح کی تفضیل اپنی ذاتی رائے اور قیاس کے تحت بیان کریں نہ کہ دلیل و برہان کی بناء پر۔

(۲) یا جو شخص ان میں باہم فضیلت بیان کرے اس انداز سے کہ مفضول نبی میں نقص اور حقارت سامنے آئے۔

(۳) اس انداز سے فضیلت دے کہ موجبِ خصومت بن جائے۔

(۴) یا مراد یہ ہے کہ تمام انواعِ فضائل میں بعض کو بعض پر اس طرح فضیلت دے کہ مفضول کے لیے سرے سے کوئی فضیلت ہی باقی نہ رہ جائے۔

(۵) یا آنحضرت ﷺ کا ارادہ یہ ہے کہ نفسِ نبوت میں ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت نہ دی جائے کیونکہ وہ سبھی اصلِ نبوت اور نفسِ رسالت میں مساوی ہیں اور جو تفاضل اور ایک دوسرے پر باہمی تفوق و برتری ان میں پائی گئی ہے تو وہ دوسرے خصائص اور فضائل کے اعتبار سے ہے نہ کہ نفسِ نبوت و رسالت میں۔

یونس بن متی علیہ السلام کے متعلق سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

لاأقول ان أحداأفضل من یونس بن متی۔ میں نہیں کہتا کہ کوئی شخص حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے:

أی لا أقول من تلقاءِ نفسی ولاأفضل أحداًعلیه من حیث النبوة والرسالة فان شانهما لا یختلف باختلاف الأشخاص بل نقول کل من أکرم بالنبوة فانهم سواء فیما جاؤوا به عن اللّٰه تعالی وان اختلفت مراتبهم و کذالك من أکرم بالرسالة والیه الاشارة بقوله سبحانه لانفرق بین احد من رسله۔

(مرقاة جلد ۱۱ ص ۱۶)

یعنی میں اپنے طور پر نہیں کہتا اور نہ میں ان پر کسی کو نبوت و رسالت والی فضیلت میں فوقیت دیتا ہوں کیونکہ رسالت و نبوت کا شان و مقام اشخاص و افراد کے اختلاف سے مختلف نہیں ہو جاتا بلکہ ہم کہتے ہیں جس ہستی کو بھی نبوت کی کرامت و عزت کے ساتھ نوازا گیا تو وہ سبھی ان امورِ تبلیغیہ میں برابر ہیں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور ایسے ہی جن کو رسالت والی فضیلت سے مشرف فرمایا اور اسی نفسِ نبوت و رسالت میں برابری کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں کہ "ہم حضرات انبیاء کے درمیان تفریق نہیں کرتے" لہـــذا ارشادات خداوند تعالٰی میں تعارض اور فرمودات رسالت مآب ﷺ میں باہم تعارض وتناقض لازم نہیں آئے گا اور نہ اس بہانے انبیاء علیہم السلام کے باہمی تفاوتِ درجات اور تفاضلِ مراتب کو مظنون ومشکوک ٹھہرادیا جائے گا۔ ایسے ہی صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں نفسِ صحابیت میں اشتراک ثابت کرنے کے ساتھ تفاوتِ درجات اور تفاضلِ مراتب کو تعارض وتناقض کی آڑ میں مظنون ومشکوک ٹھہرانے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے، البتہ تفضیل میں آداب مذکورہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ آمدیم بر سر مطلب

الغرض ثابت ہو گیا کہ خداداد مراتب ومدارج اور خصائص وفضائل بیان کرتے وقت معاملہ انبیاء علیہم السلام کا ہو یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یا اولیاء کرام کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور کسی کے خداداد مرتبہ ومقام کے اعتراف وتسلیم میں ضیقِ صدر، تنگ دلی اور بخیلی کو اپنے قریب پھٹکنے بھی نہیں دینا چاہیے۔ دوسرے حضرات کے خصائص وفضائل بھی بیان کیے جائیں اور افضل ہستیوں کے وجوہِ فضیلت بھی۔ نیز بغیر ضرورت اور مجبوری کے تناقض اور تعارض کی آڑ میں ان دلائل میں ضعف اور نقص نکالنے کے درپے بھی نہیں ہونا چاہیے اور منعم علیہم حضرات کے راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر صدقِ دل اور اخلاص نیت کے ساتھ عمل پیرا رہنا چاہیے اور ضلالت وگمرہی کے شکار لوگوں اور اللہ تعالٰی کے قہر وغضب کا نشانہ بنے ہوئے لوگوں کی راہ سے اجتناب واحتراز کو لازم اور فرض سمجھنا چاہیے۔

الباب الثالث

افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر

از روئے ارشاداتِ اہلِ بیتِ کرام علیہم الرضوان

محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے:

انی تارك فیکم ماان تمسکتم به لن تضلوا بعدی أحدهما أعظم من الآ-
کتاب اللّٰه حبل ممدود من السماء الی الأرض وعترتی أهل بیتی ولن یتفرقا ح
یردا علیّ الحوض (رواه الترمذی)

''میں تم میں دوایسی چیزیں چھوڑنے والا ہوں جن سے وابستہ رہو گے تو ہرگز میر-
بعد گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے ایک بہت عظمت والی ہے دوسری سے-اللہ تعالیٰ کی کتاب
آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے اور دوسری چیز میری عترت میرے اہلِ بیت ہ
اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ دونوں مل کر میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ عترتِ رسول ﷺ اور اہلِ بیتِ کر
سے وابستگی حصولِ ہدایت اور اس پر دوام وثبات کے لیے ضروری ہے-(جیسا کہ سنتِ رسو
ﷺ کی اتباع واطاعت ضروری ہے) چند آیاتِ مقدسہ کا بیان بھی آ گیا اور کچھ احادیثِ مبارک
کا ذکر بھی آ چکا تو اب ہم اہلِ بیتِ کرام اور عترتِ رسول ﷺ کے ارشادات ہدیۂ ناظرین کر-
ہیں تاکہ راہِ ہدایت مکمل طور پر واضح ہو جائے اور اہلِ سنت کے مسلک کی حقانیت روزِ روشن ک
طرح واضح ہو جائے-

مولائے مرتضیٰ کا ارشاد:

(۱) أخرج الدار قطنی وروی معناه من طرق کثیرة عن علی رضی
اللّٰه عنه أنه قال:

والـذی فلق الحبة و برأ النسمة لوعهد الیّ رسول اللہ ﷺ عهداً لجاهدت علیه ولـولـم أجـد الا ردائی ولم أترك ابن أبی قحافة يصعد درجة واحدة من منبره ﷺ ولـكـنـه ﷺ رآى موضعى وموضعه فقال قم فصل بالناس وتركنى فرضينا به لدنيانا كمارضى به رسول اللہ ﷺ لديننا۔ (صواعق ص ۶۲)

دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی اور اس کا معنیٰ ومفہوم بہت طرق واسنادات سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اُس ذات اقدس کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا اگر رسول کریم ﷺ کی طرف سے میرے لیے عہدِ امامت اور خلافت ہوتا تو میں اس پر جہاد کرتا اگر چہ میں سوائے اوپر اوڑھنے والی چادر کے سوا کچھ (ہتھیار وغیرہ) نہ پاتا اور میں کبھی بھی ابن ابی قحافہ کو منبر رسول ﷺ کے ایک درجہ اور پایہ پر بھی نہ چڑھنے دیتا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے مجھے بھی اپنی جگہ پر موجود دیکھا اور ان کو بھی اپنی نشست گاہ میں دیکھا اور ان کو فرمایا اٹھو اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ اور مجھے چھوڑ دیا (اور اس معاملہ میں) نظر انداز فرمایا۔ لہذا ہم ابوبکر پر راضی ہیں اپنی دنیا کے لیے جیسے کہ رسول گرامی ﷺ ان پر راضی ہوئے ہمارے دین کے لیے''

ایک اور ارشادِ گرامی:

(۲) أخـرج الحاكم عن النزال بن سمرة قلنالعلى رضى اللہ عنه يا أمير المؤمنين أخبرناعن أبى بكر فقال:

ذاك امرؤ سـماه اللہ الصديق على لسان محمد ﷺ لأنه خليفة رسول اللہ ﷺ رضيه لـديـنـنـا فرضيناه لدنيانااسناده جيد وصح عن حكم بن سعيد و سمعت عليا يحلف لأ نزل اللہ اسم أبى بكر من السماء الصديق۔ (صواعق ص ۷۰)

حاکم نے نزال بن سمرہ سے نقل کیا کہ ہم نے علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

ہمیں ابوبکر کے متعلق کچھ بتلایئے، تو آپ نے فرمایا:

''وہ ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبان رسول ﷺ پر صدیق کا لقب دیا ہے کیونکہ وہ رسول کریم کے خلیفہ ہیں آپ نے ان کو ہمارے دین کے لیے چن لیا اور منتخب فرمالیا تو ہم نے ان کو اپنی دنیا کے لیے منتخب کرلیا''

اس روایت کی سند عمدہ ہے اور حکم بن سعید سے صحیح روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حلفی طور پر فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے نازل فرمایا۔

حضرت علی اور حضرت زبیر کا فرمان:

(۳) أخرج ابن عساكر عن علي والزبير معاأن النبي ﷺ قال:

خيرأمتي بعدي أبوبكر وعمر رضي الله عنهما(ص۷۸ صواعق

ابن عساکر نے حضرت علی اور حضرت زبیر دونوں سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں میرے بعد ابوبکر اور عمر سب سے افضل ہیں''

ابوبکر ہر بھلائی میں ہم سے آگے ہیں:

(٤) أخرج الطبراني عن علي رضي الله عنه قال:

والذي نفسي بيده ما استبقنا الى خيرقط الاسبقنا اليه أبوبكر

(ص۸۵ صنواعق)

علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہم جب بھی کسی

امر خیر کی طرف بڑھے تو ابوبکر صدیق اس کی طرف ہم سے سبقت لے جا چکے ہوتے تھے (گویا السابقون کا مظہر اور مصداق برحق تھے)

سب سے بڑے بہادر کا تعارف بزبان علی:

(۵) عن علی رضی اللّٰہ عنه قال:

أیها الناس أخبرونی بأشجع الناس قالوا لا نعلم فمن؟ قال أبوبکر لقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ وأخذه قریش فهذا یحبیه وهذا یتلتله وهم یقولون أنت الذی جعلت الآلهة الها واحداً قال فواللّٰہ ما دنا منا أحد الا أبابکر یضرب هذا و یجبی هذا ویتلتل هذا وهو یقول ویلکم أتقتلون رجلا أن یقول ربی اللّٰہ ثم رفع علی بردة کانت علیه فبکی حتی ابتلت لحیته ثم قال أنشدکم باللّٰہ أمومن آل فرعون خیر أم أبوبکر فسکت القوم فقال ألا تجیبونی فواللّٰہ لساعة من أبی بکر خیر من مثل مومن آل فرعون وذاك رجل یکتم ایمانه وهذا رجل أظهر ایمانه ۔(ازالة الخفاء ص ۲۹۱)

امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

اے لوگو! مجھے بتلاؤ سب سے بہادر شخص کے بارے میں- حاضرین محفل نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہے آپ ہی بتلائیں وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ ہے ابوبکر صدیق- البتہ تحقیق میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو جبکہ قریش نے آپ کو پکڑ رکھا تھا تو ان میں سے ایک آپ کو پیٹھ کے بل گراتا تھا تو دوسرا منہ کے بل گراتا تھا جبکہ وہ کہہ رہے تھے: کیا تو ہی ہے جس نے سب خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی شخص بھی بخدا رسول کریم ﷺ کے قریب نہ گیا سوائے ابوبکر صدیق کے- ان کفار میں سے ایک کو مارتے تھے دوسرے کو پیٹھ کے بل گراتے تھے اور تیسرے کو منہ کے بل گراتے تھے اور فرماتے تھے: ہلاکت ہو تمہارے لیے کیا تم اس شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے؟

پھر مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی اوپر والی چادر اٹھائی جو آپ پر تھی پس روئے اس قدر وافر مقدار میں کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی- پھر فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا آل فرعون میں سے ایمان لانے والا شخص افضل ہے (جس نے موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی تشدید وتغلیظ سے تحفظ کیا تھا) یا ابوبکر صدیق افضل ہیں تو قوم نے سکوت سے کام لیا تو آپ نے فرمایا: مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ بخدا ابوبکر صدیق کی زندگی مبارک کی ایک گھڑی آل فرعون کے مومن جیسے لوگوں کی ساری زندگی سے بہتر ہے، وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا (اور اسے فرعون اور اس کی قوم کی تغلیظ وتشدید کا اندیشہ نہیں تھا) جبکہ ابوبکر صدیق نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا ہوا تھا (اور کفار قریش کی طرف سے سخت ترین رد عمل کا اندیشہ ہی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر خود اس تشدد کا نشانہ بنے مگر نبی مکرم ﷺ کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنالیا)

چند دن بیعت کی تاخیر کا عذر بیان کرتے ہوئے مولائے مرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا:

(٦) مـا غـضبنا الا أنا أخرنا عن المشورة وانا نرى أبابكر أحق الناس بهـا بعد رسـول الله ﷺ ـ انه لصاحب الغار وثاني اثنين وانا لنعلم شرفه وكبره ولقد أمره رسول الله ﷺ بالصلوة بالناس وهو حي ـ

(أخرجه الحاكم ازالة الخفاء ص ٣١٢)

"ہمیں ناراضگی اور ارمان صرف یہ تھا کہ ہمیں مشاورت سے بھی موخر کر دیا گیا (ا[س] قدر غیر اہم سمجھ لیا گیا) اور بے شک ہم ابوبکر صدیق کو رسول گرامی ﷺ کے بعد خلافت کا س[ب] سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، بے شک وہ غار ثور میں آپ کے مصاحب ہیں اور دو مصاحبوں میں سے دوسرے ہیں اور بے شک ہم ان کے شرف اور بزرگی کا کامل یقین رکھتے ہیں اور البتہ تحقیق

ان کو رسول خدا ﷺ نے امامت نماز کے ساتھ مامور فرمایا اپنی ظاہری حیات طیبہ میں (جبکہ دین کی امامت دنیا کی امامت سے افضل ہے)

مولا علی کا عقیدہ:

(۷) دارقطنی نے ابو جحیفہ سے روایت نقل کی ہے ان کا نظریہ تھا کہ افضل الامت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں:

فسمع أقواما يخالفونه فحزن حزنًا شديدًا فقال له علي بعد أن أخذ بيده وأدخله بيته ماأحزنك يا أبا جحيفة فذكر له الخبر فقال الا أخبرك بخير هذه الأمة خيرها أبوبكر ثم عمر قال أبو جحيفة فأعطيت الله عهدًا أن لا أكتم هذا الحديث بعد أن شافهني به علي مابقيت۔ (صواعق ص ٦١)

تو کئی اقوام کو سنا کہ وہ اس قول اور نظریہ میں اس کے مخالف تھے تو بہت ہی غمگین ہو گیا تو امیر المومنین نے ان کا ہاتھ پکڑنے اور اپنے مکان میں اسے داخل کرنے کے بعد فرمایا:

"اے ابو جحیفہ تجھے کون سا امر حزن وملال میں ڈالے ہوئے ہے؟ تو انہوں نے وہ سبب بتلایا تو آپ نے فرمایا: کیا میں خود تجھے اس امت سے افضل شخص کے بارے میں نہ بتلا دوں اس میں سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہما"

ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا کہ میں اس حدیث کو ہرگز نہیں چھپاؤں گا جب تک زندہ رہا بعد اس کے علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے بالمشافہ مجھے بیان فرمائی ہے اسی مضمون کی روایت دارقطنی کے علاوہ ابو ذر مہروی وغیرہ نے متعدد طرق سے ذکر کی ہے کہ ابو جحیفہ مولائے مرتضی کی خدمت میں ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، اور کہا:

يا خير الناس بعد رسول الله ﷺ فقال لهذا يا أبا جحيفة ألا أخبرك

بخیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ أبو بکر وعمر یا أبا جحیفة لا یجتمع حبی وبغض أبی
بکر وعمر فی قلب مؤمن۔ (ص ۱۶۱)

اے رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بعد سب سے افضل ہستی! تو آپ نے
فرمایا: اے ابو جحیفہ آہستگی سے کام لے کیا میں خود تجھے نہ بتلاؤں کہ رسول معظم ﷺ کے بعد
سب سے افضل کون ہیں وہ ہیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔ اے ابو جحیفہ تجھ پر
افسوس ہے میری محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

نیز ابوبکر آجری نے اسی ابو جحیفہ سے نقل کیا سمعت علیا علی منبر الکوفة
یقول: ان خیر هذه الأمة بعد نبیها أبوبکر ثم خیرهم عمر۔ (صواعق)
میں نے علی مرتضی کو کوفہ کے منبر پر فرماتے ہوئے سنا:
"اس امت میں نبی مکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ان کے بعد
خیر امت عمر ہیں رضی اللہ عنہما"

بارگاہِ صدیقی میں حضرت مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کا ہدیہ اخلاص اور یادگار نذرانہ عقیدت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال شریف پر جو کیفیت اہل مدینہ کی تھی اور
بالخصوص مولائے مرتضی پر جو کیفیت طاری تھی اور آپ نے بارگاہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں
جس انداز سے اپنا ہدیہ اخلاص اور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہم وہ ہدیہ قارئین کرام کی خدمت میں
پیش کرتے ہیں تا کہ اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے اس سربراہ اور سردار کی زبانی ان کے حق
میں اہل بیت کا بالعموم اور باب مدینۃ العلم اور الحق مع علی کے اعزاز کے ساتھ معزز اور امتیاز
کے ساتھ ممتاز اور منفرد شخصیت اور منزلۃ ہارونی کے مالک اور من کنت مولاہ فعلی

ــولاہ۔ کی شان والے کی زبانی بالخصوص حضرت صدیق کی بلندیٔ درجت اور رفعتِ منزلت کا اعلانِ حق ترجمان سن کر اہل السنّت کے قلوب کو ٹھنڈک اور ارواح کو تسکین وطمانیت نصیب ہو اور مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کے جھوٹے مدعیانِ محبت وتولّی کا دجل وفریب کھل کر سامنے آجائے۔

حضرت امیر المومنین شیر خدا رضی اللہ عنہ کے اس گلدستۂ عقیدت کو بیان کرنے والے اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو شرفِ صحبت حاصل ہے اور اس روایت کا ابتدائی حصہ علامہ ابوعمر نے الاستیعاب میں ذکر کیا، لیکن مکمل طور پر ذکر نہیں کیا۔ لیکن الریاض النضرہ میں اس کو مفصل طور پر ذکر کیا گیا ہے اور وہیں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کو ازالۃ الخفاء میں نقل کیا ہے۔ نیز حضرت علامہ ابوبکر باقلانی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن (علی ہامش الاتقان) میں اس کو نقل کیا ہے:

قال لما قبض أبوبكر سجى عليه وارتجت المدينة بالبكاء عليه كيوم قبض رسول الله ﷺ فجاء علىّ مسترجعًا هو يقول: أليوم انقطعت خلافة النبوة حتى وقف على باب البيت الذى فيه أبوبكر وهو مسجى فقال يرحمك الله أبابكر كنت ألف رسول الله وأنسه ومسترجعه وثقته و موضع سره ومشاورته۔

اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب ابوبکر صدیق وفات فرما گئے ان کو کفن کے کپڑوں میں لپیٹا گیا اور ان پر آہ وبکا کی وجہ سے مدینہ منورہ اسی طرح لرز اٹھا جیسے کہ رسول گرامی ﷺ کے وصال شریف کے وقت تو حضرت شیر خدا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے وہاں تشریف لائے جبکہ آپ فرما رہے تھے آج کے دن خلافتِ نبوت ختم ہوگئی ہے (نہ کہ عام دنیوی اور سیاسی خلافت) یہاں تک کہ آپ اس مکان کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے جس میں حضرت ابوبکر کفن میں ملفوف پڑے تھے تو

فرمانے لگے: اے ابوبکر صدیق! تم پر اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے تم رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے
سراسر الفت وانس تھے اور ملجاء وماویٰ اور قابل وثوق واعتماد اور ان کے رازدار اور محرم اسرار
مشیر خاص تھے۔

كنت أول القوم اسلاما وأخلصهم ايمانًا وأشدهم يقينًا وأخوفهم
وأعظمهم غناء في دين الله وأحوطهم على رسول الله ﷺ۔

تم قوم مسلم سے ازروئے اسلام کے اول مومن تھے اور سب سے بڑے مخلص ازرو
ایمان کے اور سب سے زیادہ پختہ ازروئے یقین کے اور سب اہل اسلام سے زیادہ اللہ تعالیٰ
خوف رکھنے والے اور سب سے عظیم ترین فائدہ مند اور کارآمد دین خداوند تعالیٰ میں اور رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والے تھے۔

وأحدبهم على الاسلام وأيمنهم على أصحابه وأحسنهم صحبة وأكثر
مناقب وأفضلهم سوابق وأرفعهم درجة وأقربهم وسيلة وأشبههم برسول الله ﷺ
هديا وسمتا ورحمة وفضلا وأشرفهم منزلة وأكرمهم عليه وأوثقهم عنده فجز
الله عن الاسلام خيراً وعن رسوله خيراً۔

اور تمام اہل اسلام سے اسلام پر زیادہ میلان اور رغبت رکھنے والے اور صحابہ کرام
حق میں سب سے زیادہ امین اور سب سے خوب تر ازروئے صحبت کے اور سب سے زیا
مناقب والے اور سب سے بڑھ کر فضائل وخصال خیر والے اور سب سے بلند درجہ والے
سب سے قریب ترین وسیلہ اور سب سے زیادہ مشابہ ساتھ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازروئے سیر
وکردار کے اور ازروئے رحمت وفضل کے اور سب سے زیادہ محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک شر
ومنزلت اور کرامت والے اور حبیب مکرم کے نزدیک سب سے زیادہ قابل وثوق اور لائق اع
پس اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف سے وربانی اسلام رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جزائے خ

عطا فرمائے۔

کنت عندہ بمنزلة السمع والبصر صدقت رسول اللّٰہ ﷺ حین کذبہ الناس سماك اللّٰہ عزوجل فی تنزیلہ صدیقا فقال والذی جاء بالصدق وصدق بہ ۔الذی جاء بالصدق محمد ﷺ والذی صدق بہ أبوبکر۔

تم تھے نبی مکرم ﷺ کے نزدیک بمنزلہ ان کی سمع وبصر کے۔ تم نے تصدیق فرمائی رسول گرامی کی دعوائے رسالت میں جبکہ لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں تمہیں صدیق کا نام عطا کیا پس فرمایا وہ ذات کہ صدق کے ساتھ تشریف لائے اور وہ ذات جس نے ان کی تصدیق کی صدق کے ساتھ آنے والے محمد ﷺ ہیں اور جس نے ان کی تصدیق کی وہ ابوبکر ہیں۔

واسیتہ حین بخلوا وقمت بہ عندالمکارہ حین عنہ قعدوا وصحبتہ فی الشدة۔

تم نے آنحضرت ﷺ کی غم خواری کی اپنے مال اور جان کے ساتھ جب کہ لوگوں نے بخل سے کام لیا اور اور مشکلات اور شدائد میں تم ان کے نگران ومحافظ رہے جبکہ لوگ بوجہ بزدلی ان سے پیچھے بیٹھ رہے۔ اور شدت وسختی کی حالت میں تم ان کے مصاحب رہے۔

أکرم الصحابة ثانی اثنین وصاحبہ فی الغار المنزل علیہ السکینة والوقار ورفیقہ فی الھجرة وخلیفتہ فی دین اللّٰہ وامتہ أحسنت الخلافة حین ارتد الناس وقمت بالأمر مالم یقم بہ خلیفة نبی ﷺ۔

سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل واکرم، دو میں سے دوسرے اور غار ثور کے اندر آپ کے مصاحب، جن پر اللہ تعالیٰ نے سکینت اور وقار کو نازل فرمایا اور نبی مکرم ﷺ کے رفیق ہجرت اور آپ کے برحق خلیفہ اللہ تعالیٰ کے دین میں بھی اور امت مصطفویہ میں بھی۔ آپ

نے اس خلافت ونیابت کو احسن طریق پر ادا فرمایا جبکہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور تم نے نظم ونسق کو اور احکام اسلام کو ایسے انداز میں قائم کیا کہ کسی نبی کا کوئی خلیفہ اس طرح قائم نہ کر سکا۔

فنهضت حين وهن أصحابك وبرزت حين استكانوا وقويت حين ضعفوا ولزمت منهاج رسول الله ﷺ اذهموا۔

تم نے اسی وقت حرب وقتال کے لیے قیام فرمایا جب کہ صحابہ نے اپنے اندر ضعف وناتوانی محسوس کی اور میدان کارزار میں اترے جبکہ لوگ محوخواب استراحت تھے اور تم نے قوت وطاقت کا مظاہرہ کیا جبکہ لوگوں نے کمزوری ظاہر کی اور تم نے رسول گرامی ﷺ کی واضح کشادہ راہِ ہدایت کو لازم پکڑے رکھا جبکہ لوگوں نے اس کے ترک کا ارادہ کیا

كنت خليفة حقا لم تنازع ولم تصدع برغم المنافقين و كبت الكافرين و كره الحاسدين وغيظ الباغين وقمت بالأمر حين فشلوا وثبت اذ تقعقعوا ومضيت بنور الله اذ وقفوا فاتبعوك فهدوا۔

تم برحق خلیفہ تھے تمہارے ساتھ کسی طرف سے نزاع اور مخالفت نہیں کی گئی جبکہ آپ کی خلافت منافقین کے لیے سراسر ذلت وخواری اور کفار کے لیے سراسر ہلاکت وتباہی اور حاسدین کے لیے بارگراں اور باغیوں کو غیظ وغضب کی آگ میں جلانے والی تھی۔ آپ نے امر خلافت اور استحکام دین کی ذمہ داری کو سنبھالا جبکہ لوگ بزدل ہو رہے تھے اور تم ثابت قدم رہے جبکہ لوگ ریب اور تردد میں مبتلا ہو گئے اور تم نورِ خداوند تعالیٰ کی راہنمائی میں چلتے رہے جبکہ لوگ رکے رہے لیکن انہوں نے بھی تمہاری اتباع کی تو منزل مراد تک واصل ہو گئے۔

كنت أخفضهم صوتا وأعلاهم فوقا وأمثلهم كلاما و أصوبهم منطقا وأطولهم صمتا وأبلغهم قولا وأشجعهم نفسا وأعرفهم بالأمور وأشرفهم عملا۔

تم صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں سے آواز کے لحاظ سے دھیمے تھے لیکن ثمرات ونتائج

کے لحاظ سے اعلیٰ و برتر تھے اور سب سے کلام میں افضل تھے اور نطق میں صائب تھے اور سب کی بہ نسبت طویل خاموشی والے تھے اور بلیغ ترین اور مدعا کی مکمل ترجمانی کرنے والے متکلم تھے اور سب سے ذات کے لحاظ سے بڑے شجاع تھے اور حقائق امور کا پورا عرفان رکھنے والے اور عمل و کردار کے لحاظ سے سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔

كنت واللّٰه للدين يعسوبا أولا حين نفرعنه الناس وآخرا حين أقبلوا كنت للمومنين أبا رحيما حتى صاروا عليك عيالا فحملت أثقالا ماضعفوا ورعيت ما أهملوا وحفظت ماأضاعوا وعلمت ما جهلوا وشمرت اذ خفضوا وصبرت اذ جزعوا فأدركت اوتارما طلبوا وراجعوا رشدهم برأيك فظفروا ونالوا بك مالم يحتسبوا۔

تم بخدا دین کے محافظ اور نگران تھے جبکہ لوگ اس سے بھاگے اور آخر میں بھی جبکہ واپس لوٹے۔ تم اہل ایمان کے لیے سراپا رحمت باپ تھے حتیٰ کہ وہ سبھی تمہارے عیال و اولاد کی مانند ہو گئے تو تم نے ان کے وہ بوجھ بھی اٹھا لئے جن کے اٹھانے سے وہ عاجز ہو رہے تھے اور تم نے اس کی حفاظت کی جس کو انہوں نے رائیگاں چھوڑا اور تم نے اس کی حفاظت کی جس کو انہوں نے ضائع کیا اور تم اس سے باخبر اور صاحب علم تھے جس سے لوگ بے خبر اور جاہل تھے اور تم نے اس وقت کامل تیاری اور مستعدی کا مظاہرہ کیا جبکہ وہ سستی کا شکار ہو رہے تھے اور ہتھیار ڈال رہے تھے اور تم نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا جبکہ لوگوں نے بزدلی اور بے صبری کا مظاہرہ کیا تم نے جان لیا ان کے مطالب و مقاصد کی خامیوں کو اور وہ تمہاری رائے پر عمل پیرا ہو کر واصل مراد ہو گئے اور کامیاب تمہارے طفیل وہ کچھ پا لیا جس کے حصول کا انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

كنت على الكافرين عذابا صبا ولهبا وللمومنين رحمة وأنسا وحصنا طرت واللّٰه بعبابها وفزت بحبابها وذهبت بفضائلها وادركت سوابقها۔

تم کفار پر برسنے والا عذاب اور بھڑکتی آگ تھے اور اہل ایمان کے لیے مجسم رح
وانس اور محفوظ پناہ گاہ۔ تم نے فضائے بسیط تک خلافت کے دریائے رحمت کو بلند کر دیا اور
کے مقاصد کے حصول میں کما حقہ کامیاب ہو گئے اور تم نے اس کے فضائل خاصہ کو قبضہ میں
لیا اور اس کے موجبات سبقت کا احاطہ کر لیا۔

لم تغلل حجتك ولم تضعف بصيرتك ولم تجبن نفسك ولم يرع قل
ولم يحر كنت كالجبل الذى لاتحركه القواصف ولاتزيله العواصف ۔

تمہاری حجت و دلیل اثباتِ مدعا میں قاصر نہیں ہوئی اور تمہاری بصیرت اور فرا
ضعف سے منزہ ومبرا رہی۔ تمہارا نفس بزدل نہ ہوا اور نہ دل خوف و اندیشہ میں مبتلا ہوا ا
حیرت زدہ ہوا تم اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو زلزلے جنبش نہ دے سکے اور نہ طوفان اور آندھ
اس کو اپنی جگہ سے ہلا سکیں۔

كنت كما قال رسول الله ﷺ أمن الناس علينا فى صحبتك و ذات
و كنت كما قال ضعيفا فى بدنك قويا فى أمرالله تعالى متواضعا فى نفسك عظ
عندالله تعالى جليلا فى أعين الناس كبيرا فى أنفسهم لم يكن لأحد فيك م
و لالقائل فيك مهمز و لا لأحد فيك مطمع و لا لمخلوق عندك هوادة۔

تم واقعی اس طرح تھے جیسے کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سب لوگو
نسبت ہم پر زیادہ احسان کرنے والے ہیں اپنی صحبت کے اعتبار سے بھی اور مال و متاع
اعتبار سے بھی۔ اور واقعی تم تھے جیسے کہ رسول کریم علیہ التحية و الثنا نے فرمایا جسمان
بدنی لحاظ سے کمزور اللہ تعالیٰ کے معاملات میں قوی و توانا اپنے طور پر سراپا تواضع و انکساری
اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم اور لوگوں کی نظروں میں جلیل اور ان کے دلوں میں کبیر الشان کسی شخص
لیے آپ میں تنقید و تنقیص کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور نہ کسی قائل کے لیے چغلی اور نکتہ چین

[نہ]کہ اور نہ کسی کے لیے ناجائز مطلب برآری کی طمع اور نہ ہی خلقِ خدا کی بے توقیری اور بے [اخ]تیاری یا بلا اذن شرع صلح اور آشتی کی توقع۔

الضعیف الذلیل عندك قوی عزیز حتی تأخذ بحقه والقوی عندك ضعیف [ذ]لیل حتی تاخذ منه الحق، القریب والبعید عندك سواء فی ذالك، أقرب الناس الیك [أ]طوعهم لله وأتقاهم له، شانك الصدق والحق والرفق مقولك حکم وحتم وأمرك [ح]لم وحزم ورأیك علم وعزم۔

کمزور اور حقیر شخص تیرے نزدیک قوی وعزیز ہے تاوقتیکہ اس کا حق وصول نہ کرلو اور [ز]ور قوی و توانا تمہارے نزدیک کمزور اور حقیر ہے تاوقتیکہ اس سے دوسرے کا حق وصول نہ کرلو رشتہ [می]ں قریب و بعید سبھی لوگ حقوق کے معاملہ میں تمہارے ہاں برابر ہیں اور تمہارا سب سے زیادہ [ق]ریبی وہ ہے جو سب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ متقی [ہ]ے تمہاری شان ہے سراسر صدق و حق اور رفق و نرمی تمہارا قول حکم ہے قطعی ہے اور تمہارا امر و [م]عاملہ سراسر حلم و بردباری اور مکمل احتیاط ہے اور تمہاری رائے سراسر علم و یقین اور عزم صمیم ہے۔

فاقلعت وقد نهج السبیل وسهل العسیر واطفئت النیران۔ اعتدل بك الدین [و]قوی بك الایمان وثبت الاسلام والمسلمون وظهر أمر الله ولو کره الکافرون [ف]سبقت والله سبقا بعیدا واتعبت من بعدك اتعابا شدیدا وفزت بالخیر [ف]وزا مبینا فجللت عن البکاء وعظمت رزیتك فی السماء وهدت مصیبتك الانام فانا [ل]له وانا الیه راجعون۔ رضینا عن الله قضاءه وسلمنا له أمره فوالله لن یصاب [ال]مسلمون بعد رسول الله ﷺ بمثلك أبداً کنت للدین عزا وحرزا وکهفا وللمؤمنین [فئ]ة وحصنا وغیثا وعلی المنافقین غلظة وغیظا فالحقك الله بنبیك ﷺ ولا حرمنا [أجر]ك ولا أضلنا بعدك فانا لله وانا الیه راجعون۔

پس تم ہم سے جدا ہوئے جبکہ تمہاری بدولت راہِ حق واضح ہو چکا تھا اور مشکلیں آس
ہو چکی تھیں اور فتنوں کی آتشہائے فراواں بجھ چکی تھیں اور تمہاری بدولت دین پھر اپنے اعتدال
آ گیا اور اہل ایمان کا ایمان مضبوط ہو گیا اور اسلام اور اہل اسلام کو ثبات واستحکام نصیب ہ
اور اللہ تعالیٰ کا امر دین غالب آ گیا اگرچہ کفار اس کا غلبہ پسند نہیں کرتے تھے پس بخدا تم بہت
سبقت لے گئے اور تم نے بعد والوں کو سخت مشقت اور تھکاوٹ میں ڈال دیا بذاتِ خو
خیر ورشد کے ساتھ واضح طور پر قائز المرام ہوئے پس رونے سے بالاتر ہو (اور نہ تمہاری جد
والا خسارہ رونے سے پورا ہو سکتا ہے) اور تمہاری جدائی والی مصیبت آسمان میں بھی عظیم تر
اور اس مصیبت نے مخلوق کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون ہم اللہ تعالیٰ سے اس
قضاء پر راضی ہیں اور ہم اس کے امر و حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ بخدا رسول کریم علـ
الصلوۃ والتسلیم کی جدائی والی مصیبت کے بعد تمہارے داغِ مفارقت جیسا صدمہ اور مصیب
کبھی اہل اسلام کو نہیں پہنچے گی تم دین کے لیے عزت کا سامان اور حفظ ونگہبانی کے موجب
جائے پناہ تھے اور اہل ایمان کے لیے ملجا وماوی اور مضبوط قلعہ اور رحمتِ خداوندی کی برسات
اور منافقین پر سراسر شدت سختی اور سراسر قہر خداوندی تھے اللہ تعالیٰ آپ کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سا
لاحق فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی جدائی والے صدمہ پر صبر والے اجر سے محروم نہ فرما
اور نہ ہمیں تمہارے بعد ضلالت وگمراہی میں مبتلا کرے پس ہم بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ا
کی طرف ہماری بازگشت بھی ہے۔

ف۔ مکث الناس حتی انقضی کلامہ ثم بکوا حتی علت أصواتھم و قال
صدقت یاختن رسول اللہ ﷺ و علی آلہ و صحبہ و بارك و سلم

حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
جب مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بولنا شروع فرمایا تو سبھی حاضرین خاموش ہو گ

یہاں تک کہ جب آپ کا کلام اختتام کو پہنچا تو پھر انہوں نے رونا شروع کیا حتی کہ ان کی آوازیں آہ و بکا کے ساتھ بلند ہوئیں اور سبھی نے آپ کے ہدیۂ اخلاص اور نذرانۂ عقیدت اور مرثیہ رنج و الم کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے کہا: اے دامادِ رسول! صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور برحق کہا۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۷۰،۶۹)

اس حدیث پاک کے متعلق ابو عمر بن عبدالبر "استیعاب" میں فرماتے ہیں:

أسید بن صفوان أدرك صحبة النبی ﷺ وروی عن علی حدیثا حسنا فی ثناء ه علی أبی بکر یوم مات رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه

اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف دیدار حاصل کیا اور انہوں نے مولائے مرتضیٰ سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حدیث حسن روایت کی ہے حضرت ابوبکر صدیق کی ثناء میں جس دن کہ ان کا وصال ہوا۔

بیانِ فوائد:

(۱) حضرت امیر المومنین نے فرمایا الیوم انقطعت خلافة النبوة گویا صرف بادشاہ اسلام ہی نہیں تسلیم فرمایا بلکہ روحانی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نبوت تسلیم کیا۔ لہٰذا اس کو صرف سیاسی وراثت قرار دینے والوں کے نظریہ کی لغویت واضح ہو گئی، نیز خلافتِ نبوت تو تیس سال تک کے لیے تھی تو اس کا آپ کے وصال سے انقطاع کیسے لازم آ گیا تو جواب یہ ہے کہ اس خلافت کو پچھلی خلافتوں کے لیے بنیاد و اساس اور اصل و مبنیٰ والی حیثیت حاصل تھی اور پچھلی اس کے اعتبار سے بمنزلہ فروعات تھیں تو اس اصالت پر تنبیہ کرتے ہوئے انقطعت فرمادیا۔

(۲) کنت أول القوم اسلاماً فرما کر آپ کے أول المسلمین ہونے کا اعلان فرمایا اور صاحب البیت أدری بمافیه کے تحت گھر والوں کی شہادت ہی قابل قبول ہوتی ہے۔

(۳) بمنزلة السمع و البصر فرما کر واضح فرما دیا کہ بیک وقت دونوں اعزاز آپ کو حاصل ہیں اور جس روایت میں شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا گیا ہے ھذان السمع و البصر تو اس میں احتمال توزیع و تقسیم تھا کہ ایک بمنزلہ سمع ہوں اور دوسرے بمنزلہ بصر ہوں تو آپ کے فرمان سے واضح ہو گیا کہ ہر ایک کو بمنزلہ سمع و بصر مصطفےٰ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

(۴) الذی جاء بالصدق وصدق به میں آپ نے حضرت صدیق کا مقام تصدیق میں قیام اور سب اہل تصدیق پر تقدم بھی واضح فرمادیا اور اہل ایمان پر برتری و فوقیت کو واضح فرمایا۔

(۵) المنزل علیه السکینة فرما کر واضح کر دیا کہ غارِ ثور میں حزن و ملال آپ کو لاحق ہوا کہ کفار غار تک پہنچ گئے ہیں کہیں نبی کریم علیه الصلوة و التسلیم کو تکلیف نہ پہنچائیں تو آپ اللہ تعالیٰ نے سکینت کو نازل فرما کر آپ کو مطمئن اور پر سکون فرمادیا۔

(۶) خلیفة فی دین اللہ و امته فرما کر حضرت صدیق کی دینی و دنیاوی اور ظاہری و باطنی بلکہ روحانی اور جسمانی نیابت و خلافت کو واضح فرمادیا۔

(۷) قمت بالأمر مالم یقم به خلیفة نبی کہہ کر صرف امت محمدیہ کے خلفاء پر نہیں بلکہ تمام امم اور تمام خلفاء سابقین پر آپ کی افضلیت و اکرمیت کا اعلان فرمادیا۔

(۸) کنت خلیفة حقالم تنازع فرما کر واضح کر دیا کہ آپ کے ساتھ کسی بھی صحابی کو خلیفہ برحق ہونے میں نزاع و خلاف نہیں تھا سب اس میں مکمل طور پر متحد اور متفق تھے یہ ارمان ظاہر کرنا اور گلہ شکوہ کہ ہمیں مشورہ کے لائق بھی نہیں سمجھا گیا اور اس بنا پر چند دن توقف کرنا اور صورت حال واقعی واضح ہونے پر معذرت کر لینا علیحدہ معاملہ ہے۔

(۹) مضیت بنور اللہ فرما کر آپ کی عنداللہ محبوبیت اور ولایت پر مہر تصدیق لگادی کیونکہ نورِ فراست اور نورِ قلب اسی محبوبیت کے ہی ثمرات اور ولایت کے فروعات ہوتے ہیں۔

(۱۰) کنت کالجبل فرما کر آپ کی بے مثل استقامت اور ثابت قدمی واضح فرمادی جبکہ

حضرت عمر فاروق جیسے بہادر بھی اس وقت ملتمس تھے کہ بیک وقت اتنے محاذوں پر مخالفین کا ہم مقابلہ کیسے کرسکیں گے، لہـــذا اتنے زیادہ محاذ نہ کھولے جائیں اور وقتی طور پر بعض برگشتہ لوگوں سے چشم پوشی کرلی جائے مگر آپ نے ان کو بہت سخت جواب دے کر خاموش کر دیا۔

(۱۱) آپ کی جدائی اور داغ مفارقت والی مصیبت کو نبی مکرم ﷺ کے داغ مفارقت والی مصیبت کی مانند ٹھہرانا اور اس جیسے صدمہ سے بعد میں کبھی بھی اہل اسلام کے دوچار نہ ہونے کا اعلان آپ کی نگاہِ ولایت میں حضرت صدیق کے خداداد مرتبہ ومقام کے امت مسلمہ میں بے مثل وبے مثال ہونے کی واضح برہان ہے۔ الغرض آپ کے ان ارشاداتِ عالیہ کا ایک ایک جملہ حضرت صدیق کی عظمت ورفعت کی دلیل ہے اور ان کے فی الواقع أفـــضـــل البشـــر بعد الأنبياء ہونے کی دلیلِ ناطق اور برہانِ صادق ہے اور جو آپ کی محبت وتولّٰی کے مدعی ہیں وہ اگر اس دعویٰ میں سچے ہیں تو پھر اس محبوب کے ارشادات پر انہیں ایمان بھی لانا چاہیے ورنہ بقول محدث عبدالرزاق یہ بہت بڑی گناہگاری ہے کہ جس ہستی کی محبت کا دعویٰ کیا جائے اس کی بات نہ مانی جائے بلکہ اس کی مخالفت کی جائے۔

تنبیہ نبیہ:

بظاہر یہ ارشادات مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہیں مگر جب ہزاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں آپ فرمارہے ہیں اور انہوں نے اپنا رونا دھونا اور آہ وبکا مکمل طور پر بند کر رکھی ہے اور ہمہ تن گوش ہوکر یہ ارشادات سماعت فرمارہے ہیں اور کوئی ان میں تصدیق زبانی بھی کرتا تو ان کا اجماع سکوتی منعقد ہوجاتا کیونکہ اس امت کی شان یہ ہے تـــــامـــرون بالمعروف وتنهون عن المنكر اور ان کا طرۂ امتیاز یہ ہے لا يخافون لومة لائم تو ناحق امور پر ان کا سکوت وصموت متصور نہیں ہوسکتا تھا لیکن یہاں تو ان کی طرف سے برملا تصدیق پائی گئی ہے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اس کا اذعان واعتراف پایا گیا ہے تو حضرت صدیق کے حق

میں ان فضائل وخصائل اور اختصاصات وامتیازات پر خیرامم کا اجماع واتفاق بھی ثابت ہوگیا
اب کسی مسلمان کے لیے آپ کے ان امتیازات واختصاصات اور فضائل وفواضل میں شک وش
اور ریب وتردد کی گنجائش ہی ختم ہوگئی۔ بصورت دیگر سیدھا جہنم کا راستہ ہے اور آتش دوزخ می
ٹھکانا کما قال تعالٰی: ویتبع غیر سبیل المومنین نو له ماتولی و نصله جهنم و ساء
مصیرا۔ نعوذ باللہ منه ۔

تنبیہ ثانی:

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا اعلان ثاب
ہوا اور علی الخصوص حضرت صدیقِ اکبر کی افضلیت کا اور مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی بط
تواتر منقول ہوا خیر ھذہ الامة بعد نبیھا ابو بکر و عمر اور جو آپ کو ان پر فضیلت دے ا
کے لیے حد مفتری کا اعلان اور شہادت رد ہونے کا اعلان اور وصالِ نبوی کے بعد سب
خیر اور افضل پر اللہ تعالٰی کا صحابہ کرام کو جمع کرنے کا اقرار واعتراف ثابت ہیں تو پھر آپ کی اول
کا بھی وہی قول معتبر ہوگا جو رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ
ارشادات کے موافق ہوگا نہ کہ جو مخالف اور معارض ہوگا اگر کوئی ایسا صاحبزادہ ہوگا تو اس کو ارش
خداوندی انه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح۔ (ھود، 46:11) کے مطابق روحانی ا
ایمانی رشتہ میں منسلک نہیں سمجھا جائے گا کتنے سادات کہلانے والے رافضی ہیں اور بہت
دیوبندی وغیرہ ہیں، لہـــــذا دارومدار خونی رشتہ پر نہیں ہے بلکہ ایمانی اور روحانی رشتہ پر ہی اہل
بیت ہونے کا دارومدار ہے۔ شاہ جی نے بار بار اور جگہ جگہ جناب زید بن زین العابدین کا عقید
تفضیل علی مرتضی دہرایا اور اس کو اپنے فاسد نظریہ کی دلیل بنایا اور مزید تقویت پیدا کرتے ہو
حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ان کی بیعت کرنا اور اس پر قائم رہنا ذکر کرکے بھی اس گرداب
میں پھنسانے کی مذموم کوشش کی ہے، حالانکہ شرح عقائد وفقہ اکبر میں آپ کے نظریہ کی تصر

موجود ہے کہ سنیت کا شعار اور امتیازی نشان یہ ہے؛ تفضیل الشیخین وحب الختنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل جاننا اور دونوں دامادان رسول ﷺ حضرت ذوالنورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا۔لہذا عقیدۂ تفضیل میں امام صاحب رضی اللہ عنہ کا زید بن زین العابدین سے توافق کا امکان ہی نہیں ہے بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ عقیدہ میں آپ کے موافق تھے تبھی آپ نے اقدام خروج میں ان کے ساتھ موافقت ومتابعت فرمائی۔

نیز بیعت کی بار بار تصریح سے تاثر یہ دینا کہ گویا ان کے مرید تھے اور روحانی فیوض وفوائد حاصل کرتے تھے سراسر دھاندلی ہے انہوں نے حکومت وقت کے خلاف خروج کیا اور اس معاملہ میں آپ ان کے ہم نوا تھے کہ اس حکومت کا خاتمہ ہونا چاہیے اور یہ بیعت ہر دور کے خلفاء وسلاطین کے ساتھ بھی کی جاتی رہی ہے جس کا مطلب ہوتا تھا کہ مخالفت وبغاوت نہیں کریں گے نہ کہ تمام نظریات وعقائد میں موافقت ومتابعت مقصود ہوتی تھی۔اور یہ حکومت وقت کے ظلم وزیادتی کوملحوظ رکھتے ہوئے ایسا قدم اٹھانا اھون البلیتین کے اختیار کرنے کے زمرے میں بھی آسکتا ہے حکومت وقت کے ظلم وستم اور جفا کاری وبدکرداری کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت زید ان کے نزدیک باغی تھے تو قتل ہو کر کیفر کردار تک پہنچ گئے ان کو برہنہ کر کے تین یا چار سال تک سولی پر لٹکائے رکھنے کا کیا جواز تھا؟ کیا مسلمانی کا یہ تقاضا ہوسکتا تھا کہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ان کو بغیر ستر اور پردہ کے سولی چڑھایا، پھر آل رسول ﷺ بھی تھے تو ان کی ذات کا نہیں ان کی نسبت کا ہی کچھ خیال کرلیا جاتا۔نیز بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت خطا نہیں تھی کیونکہ حق حضرت علی کا تھا لیکن انہوں نے جب خلفائے ثلاثہ کو دے دیا تو ہمیں اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

(تحفہ اثناعشریہ ص ۱۴،۱۱)

نیز ان کے متبعین کو شیعہ کا مستقل فرقہ شمار کیا گیا ہے تو دریافت طلب امر یہ کہ مقتد
بوجہ اقتداء شیعہ قرار پائیں تو مقتداء کے متعلق شیعہ ہونے میں شک ہوسکتا ہے؟ اور اگر زید
فرقہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ آپ کے متبع اور مقتدی ہیں تو حضرت زید کے تفضیل علی والے نظر
کی کون سی قطعی اور حتمی دلیل موجود ہے کہ ان کو خواہ مخواہ اپنے اسلاف کی راہ سے منحرف قرار د
جائے؟ اور ظاہر ہے کہ کچھ لوگوں نے ائمۂ کرام پر جھوٹ باندھنے اور ان کی طرف غلط عقا
اور نظریات کی نسبت کرنے پر قسم کھا رکھی تھی۔ کیا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف
اثنا عشری شیعہ جو کچھ منسوب کرتے ہیں کوئی سنی مسلمان اس کی صحت کا قول کر سکتا ہے؟ لہٰذا ا
نسبت کا بھی محض افتراء اور بہتان ہونا ہی قرین قیاس ہے۔

حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان

کا خلفائے کرام کے متعلق اعتقاد اور نظریہ

اُن کے والد گرامی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جو اپنے وقت کے غوث

اعظم اور قطبِ مدار ہیں ان کی راہ سے حضرت زید کی راہ جدا ہونا بہت بعید ہے ان کا نظریہ معلوم کرلیں تو خود حضرت زید کا نظریہ معلوم ہو جائے گا۔ نیز دیگر اکابرینِ اہل بیت کے عقائد و نظریات بھی پیش کیے جائیں گے جن کی روشنی میں حضرت زید کے متعلق فیصلہ آسان ہو جائے گا

(۱) أخرج عبدالله بن أحمد في زوائدالزهد عن بن أبي حازم قال جاء رجل الى على بن الحسين رضى الله عنهما فقال ما كانت منزلة أبي بكر وعمر رضى الله عنهما من رسو ل الله ﷺ قال كمنزلتهما الساعة (تاريخ الخلفاء ص ٤٥)

عبداللہ بن امام احمد نے زوائد زھد میں ابن ابی حازم سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا پس کہا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی منزلت و مرتبت بارگاہِ مصطفےٰ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم میں کیا تھی ؟ تو آپ نے فرمایا وہی منزلت و مرتبت تھی جو اس وقت ان کو (روضہ اقدس میں) حاصل ہے۔

حضرت مولیٰ علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نظریہ

(۲) محب طبری نے ابن السمان کی کتاب الموافقہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس دوران کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے ایک راستہ پر چل رہے تھے تو اچانک ان کی حضرت علی سے ملاقات ہوگئی جبکہ حسنین کریمین بھی آپ کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم۔ تو حضرت علی نے ان کو سلام دیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا حضرت حسن اور حضرت حسین ان کے دائیں بائیں آگئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ رونے لگ گئے جس طرح کے پہلے بھی روتے رہتے تھے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو اے امیر المومنین؟ تو آپ نے کہا: من أحق بالبكاء مني يا علي؟ اے علی مرتضی مجھ سے بڑھ کر

رونے کا حق دار کون ہے؟ قد ولیت أمر هذه الأمة أحكم فيها ولا أدري مسيئ أنا محسن میں اس امت کے امور کا متولی بنادیا گیا ہوں ان میں حکم چلا رہا ہوں جبکہ مجھے معلوم نہیں کہ اس فرمانروائی میں خطا کار ہوں یا نکوکار ہوں؟ تو مولائے مرتضی نے فرمایا: انك لتعدل في كذا وتعدل في كذا تم عدل کرتے ہو فلاں قسم کے امور میں اور عدل کرتے ہو فلاں قسم کے امور میں (لہذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے) لیکن آپ کے اس فرمان سے ان کا رونا بند نہ ہوا پھر حضرت حسن گویا ہوئے ساتھ اس کے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر ان کی ولایت اور ان کے عدل وانصاف کا اعتراف کیا، تو بھی آپ کا سلسلۂ آہ وبکاء بند نہ ہوا فتكلم الحسين مثل كلام الحسن فانقطع بكاءه عند انقطاع كلام الحسين پھر حضرت حسین نے اسی طرح کلام فرمایا جیسے کہ حضرت حسن نے کلام فرمایا تھا تب آپ کا آہ وبکاء والا تسلسل ختم ہوا جونہی امام حسین کا کلام مکمل ہوا۔

فقال أتشهد ان بذالك یاابني أخي فسكتا فنظرالى أبيهما فقال على أشهد أنا معكما شهيد۔ (ازالۃ الخفاء جلداول ص۱۰۸)

تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اے میرے بھتیجو! تم اس امر کی شہادت دیتے ہو تو دونوں شہزادے خاموش ہو گئے تو آپ نے ان کے والد گرامی کی طرف دیکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم دونوں گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

فائدہ:-

جب خلیفة الخلیفه کے ساتھ ان اکابر اہل بیت کا یہ سلوک اور حسن اعتقاد ہے تو حضرت صدیق کے متعلق اس سے بڑھ کر حسن ظن اور خوش اعتقادی ہوگی۔ نیز آپ کا ان مقدس ہستیوں کے ساتھ حسن اعتقاد بھی واضح ہو گیا کہ ان کی شہادت سے آپ کو اطمینانِ کلی حاصل ہو گیا۔

(۴) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا نظریہ

ابو یعلی نے ابو مریم کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ میں کوفہ میں موجود تھا تو امام حسن بن علی مرتضی رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

یا أیها الناس انی رئیت البارحة فی منامی عجبا رئیت الرب تعالی علی عرشه فجاء رسول الله ﷺ حتی قام عند قائمة من قوائم العرش فجاء أبو بکر فوضع یده علی منکب رسول الله ﷺ ثم جاء عمر فوضع یده علی منکب أبی بکر ثم جاء عثمان فکان بیده رأسه فقال رب سل عبادك فیم قتلونی قال فانبعث من السماء میزابان من دم فی الأرض قال فقیل لعلی رضی الله عنه ألا تری مایحدث به الحسن فقال یحدث بمارءی (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۱۰۷)

اے لوگو! میں نے گذشتہ رات عجب صورت حال دیکھی، میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے عرش پر اپنی شان کے لائق جلوہ فرما دیکھا تو اس دوران رسول مکرم ﷺ تشریف لائے اور عرش اعظم کے پایوں میں سے ایک پائے کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے تب ابو بکر صدیق آ گئے تو انہوں نے اپنا ہاتھ رسول کریم ﷺ کے کندھے پر رکھ دیا (اور آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے) پھر عمر بن خطاب آ گئے انہوں نے اپنا ہاتھ ابو بکر کے کندھے پر رکھ دیا (اور ان کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے) پھر عثمان بن عفان حاضر ہو گئے ان کا سر ان کے ہاتھ میں تھا، پس عرض کیا اے اللہ! اپنے بندوں سے پوچھ اور محاسبہ کر کہ انہوں نے مجھے کیوں قتل کیا ہے؟ حضرت حسن نے فرمایا کہ اس دوران دو پرنالے خون کے آسمان سے زمین کی طرف زور زور سے بہہ نکلے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کیا دیکھتے نہیں ہو حضرت حسن مجتبیٰ کیا بیان کر رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہی بیان کر رہے ہیں (کوئی غلط بیانی تو نہیں کر رہے ہیں)

ابو یعلیٰ نے دوسرے طریقہ سے حضرت امام حسن سے روایت نقل کی ہے کہ آپ

فرمایا:

لا أقاتل بعد رؤيا رأيتها رأيت رسول الله ﷺ واضعا يده على العر

ورأيت أبابكر واضعا يده على النبي ﷺ ورئيت عمر واضعا يده على أبي بكر

رئيت عثمان واضعا يده على عمر ورئيت دماء دونهم فقلت ما هذه الدماء؟ فق

دماء عثمان يطلب الله به۔ (ازالۃالخفاجلد اول ص۱۰۹)

میں قتال نہیں کروں گا بعد اس خواب کے جو میں نے دیکھا ہے، میں نے رسول ا

ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنا دست اقدس عرش خداوند تعالیٰ پر رکھے ہوئے ہیں اور میں نے ابو

صدیق کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ نبی مکرم ﷺ پر رکھے ہوئے ہیں اور حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ اپنا ہا

ابوبکر صدیق پر رکھے ہوئے ہیں اور میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ وہ اپنا ہاتھ حضرت عم

رکھے ہوئے ہیں اور میں نے ان کے آگے بہتے ہوئے خون دیکھے تو میں نے دریافت کیا یہ کی

خون ہیں؟ تو مجھے کہا گیا کہ یہ عثمان ذوالنورین (کے خون کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف

بہائے جانے والے خون ہیں) جس خون کے بدلہ کا مطالبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

(۱) بیان فوائد:

نبی مکرم ﷺ کا خواب میں دیکھنا ہر مسلمان کا برحق ہوتا ہے چہ جائیکہ امام حسن رضی ا

عنہ کا آپ کو خواب میں دیکھنا، لہٰذا اس خواب کے برحق ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

اسی لیے مولائے مرتضیٰ سے عرض بھی کیا گیا کہ حضرت حسن کیا کہہ رہے ہیں تو آپ

رد وانکار نہیں فرمایا۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خون ناحق کا بدلہ طلب کیا تو اگر وہ عنداللہ ناحق قت

نہیں تھا تو ان کو اس طرح فریادی ہونے کی جرات ہی کیسے ہوتی؟

(۳) نبی مکرم ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما ان کے سفارشی اور شفیع بن کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اگر ان کے نزدیک حضرت عثمان سراسر مظلوم نہیں تھے تو وہ حضرات سفارشی بن کر ان کے ساتھ کیوں شامل ہوئے؟

(۴) نیز نبی مکرم ﷺ کے ساتھ ہونا اور اس خاص ترتیب سے حاضر ہونا جہاں قربِ نبوی کی اہم اور واضح دلیل ہے اسی طرح ان کے فضل و شرف میں بھی اس ترتیب پر واضح دلیل موجود ہے

(۵) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی فریاد کی بارگاہِ خداوندی میں قبولیت اور ان مقدس ہستیوں کی قبولیت و محبوبیت کی بھی واضح دلیل اور بین برہان ہے اور ساری باہمی لڑائیاں اور خون ریزیاں اور جانی و مالی نقصانات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں سرد مہری اور تساہل و تغافل کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں اور ان کے صبر و استقامت کی جزائے جزیل ہیں اور قدرتی انتقامی کاروائی کا عجیب مظاہرہ

(۶) نیز معلوم ہوا کہ وہ عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح میں یکجا ہیں اور محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کو اپنے پہلوئے رحمت میں لئے ہوئے ہیں اور ان کی آپ کے ساتھ مل کر اللہ کی بارگاہ ناز میں حاضری ہوتی رہتی ہے۔ والحمدللّٰہ علی ذالک۔

(۴) امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولادِ امجاد کا نظریہ

عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں حسن بن زید بن الحسن سے نقل کیا ہے

حدثنی أبی عن أبیه عن علی رضی اللّٰه عنه قال کنت عندالنبی ﷺ فاقبل ابوبکر وعمر فقال یاعلی هذان سید اکهول أهل الجنة و شبابها بعدالنبیین والمرسلین۔ (ازالة الخفاص ۱۰۸)

حضرت حسن فرماتے ہیں مجھے میرے باپ زید نے اپنے باپ حسن مجتبیٰ سے انہوں نے مولا علی رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ

عنہما سامنے سے آگئے تو آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا: اے علی! یہ دونوں اہل جنت کے عمر رسید
اور نو جوانوں کے سردار ہیں ماسوائے انبیاء و مرسلین کے۔

(۱) فائدہ:

اگر چہ شباب کی تصریح نہ ہونے کی صورت میں بھی ان حضرات کی بعد از انبیاء علیہ
السلام تمام اہل جنت پر افضلیت اور برتری واضح تھی لیکن اس روایت میں کھول کے سا
شباب کے ذکر نے اس مفہوم و مضمون کو مزید واضح کر دیا اور جو عقل و خرد کے دشمن سمجھتے تھ
جنت میں تو سبھی لوگ جوان ہوں گے لہذا سب پر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت ثا
ہو گئی کیونکہ سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة تو ا
ناطقہ اس روایت سے بند ہو گیا نیز ان کو اتنی ہوش بھی نہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہو
پھر شباب أهل الجنة کہنے کی کیا ضرورت تھی صرف سیدا أهل الجنة فرمادیتے۔ شباب
تخصیص بتلا رہی ہے کہ یہ جنت کے لحاظ سے نہیں بلکہ دنیا کے لحاظ سے شباب اور کہول کی تقسیم
تقابل ہے۔

(۲) علاوہ ازیں اہل تشیع کے نزدیک مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سب صحابۂ کرام اور ا
بیت سے افضل ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک حضرت صدیق اکبر سب سے افضل ہیں تو یہ کہ
مذہب بیان کیا جا رہا ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق سے اور مولا
مرتضی رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہیں خدا جب دین لیتا ہے تو حماقت آ ہی جاتی ہے۔ کما ق
تعالی ختم الله علی قلوبهم۔

(۳) نیز جب مولائے مرتضی اپنی اولاد و امجاد کو رسول گرامی ﷺ کے اس طرح کے ارشادا
سناتے رہتے تھے تو پھر ان کے متعلق خلاف ورزی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے تو لامحالہ اہل ب
اپنے ان اسلافِ خیر اور مقتدایان حضرات کی اتباع اپنے اوپر لازم سمجھتے ہوں گے۔

(۴) محب طبری نے حضرت عبد اللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن أبی طالب سے نقل کیا ہے جبکہ ان سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا گیا:

قال أفضلهما وأستغفرلهما فقيل له لعل هذا تقية وفي نفسك خلافه قال لا نالتني شفاعة محمد ﷺ ان كنت أقول خلاف ما في نفسي۔

آپ نے فرمایا:

میں دونوں حضرات کو افضل قرار دیتا ہوں اور ان کے لیے استغفار کرتا ہوں تو آپ سے کہا گیا کہ شاید تم ازروئے تقیہ اس طرح کہہ رہے ہو جبکہ تمہارے دل میں اس کے خلاف ہے تو آپ نے فرمایا مجھے محمد کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں اپنے ضمیر اور دل کے خلاف بات کو زبان پر لا رہا ہوں تو۔

(۵) عنه وقد سئل عنهما فقال صلى الله عليهما وسلم ولا صلّى على من لم يصل عليهما۔

حضرت عبد اللہ محض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ آپ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ان دونوں پر صلوۃ وسلام نازل فرمائے اور جو ان کے حق میں صلوۃ ورحمت کے نزول کی دعا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم فرما دے۔

(۶) حضرت عبد اللہ محض کے بھائی حضرت حسن مثلث سے مروی ہے کہ آپ نے اس شخص کو فرمایا جو ان کی محبت میں غلو سے کام لیتا تھا تم پر افسوس ہے ہم سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ان أطعنا الله فأحبونا وان عصينا الله فأبغضونا اگر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو ہم سے محبت کرو اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانبرداری کریں تو تم ہمارے ساتھ بغض رکھو۔ (جاری ہے)

خلافت بلافصل کا رد حضرت حسن مثلث کی زبانی :

ولـو كـان الأمر كما تقولون ان الله جل وعلاورسوله ﷺ اختارا عليا له
الأمـر وللقيام على الناس بعده فان عليا أعظم الناس خطيئة و جرما اذ ترك أمر رسو
الـلّه ﷺ أن يقوم فيه كما أمره ويعذر الى الناس فقال له الرافضى ألم يقل النبى ﷺ
لـعـلـيّ مـن كـنـت مـولاه فعلى مولاه فقال أما والله لو يعني رسول الله ﷺ بذالك
الأمر والسلطان والقيام على الناس لأ فصح به كما أفصح بالصلوة والزكوة والص
والحج ولقال أيها الناس ان هذا الولى بعدى فاسمعوا وأطيعوه۔

(ازالة الخفاء جلد اول ص۱۰۸)

اگر صورتِ حالِ واقعی وہی ہوتی جس کا تم دعویٰ کرتے ہو یعنی مولائے مرتضی
خلافت بلافصل کا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اور رسول مقبول ﷺ نے حضرت علی کو امر خلافت کے
منتخب فرمایا اور اپنے وصال شریف کے بعد لوگوں کے امور کا نظم ونسق سنبھالنے کے لیے منتخب ف
تو اندریں صورت حضرت علی تمام لوگوں کی نسبت زیادہ خطا کار اور مجرم ہو جائیں گے جبکہ ر
اکرم ﷺ کے حکم کو ترک کر دیا اور حسب الحکم لوگوں کے معاملات کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں نہ لیا
لوگوں پر اپنا عذر ظاہر نہ کیا اور نہ ان کا عذر زائل کیا۔ تو رافضی نے آپ سے کہا: کیا خود نبی ک
ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں فرمایا مـن كـنـت مـولاه فعلى مولاه
جس کا میں مولا ہوں حضرت علی اس کے مولیٰ ہیں؟ تو آپ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا:
آگاہ رہو! بخدا اگر نبی مکرم ﷺ کی اس ارشاد سے مراد وہ ہوتی جو تم کہتے ہو
حکومت وسلطنت اور لوگوں پر فرماں روائی تو اس کو واضح طور پر بیان فرماتے (نہ کہ مشترک
عام لفظ بولنے پر اکتفاء فرماتے) جس طرح آپ نے صلوۃ وزکوۃ اور صیام وحج کے متعلق تم

وضاحت فرمائی اور تفصیلات سے آگاہ فرمایا (حتیٰ کہ کسی قسم کا اشتباہ و التباس باقی نہ چھوڑا) نیز الۃ آپ یوں فرماتے کہ اے لوگو! بے شک یہ شخصیت میرے بعد تمہارا ولی امر ہے لہٰذا اس کا ہم دل کے کانوں سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا (حالانکہ آپ نے ساتھ ہی فرما دیا اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ اے اللہ اس سے محبت کر جو علی سے محبت رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے تو معلوم ہوا کہ یہاں مولیٰ بمعنی محبوب ہے نہ متولی امر اور حاکم سلطان اور خلیفہ بلافصل)

اولادِ امام حسین رضی اللہ عنہم سے منقول فضائل شیخین رضی اللہ عنہما

امام ترمذی نے سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے متصل طور پر مروی مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

میں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا ناگاہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نمودار ہوگئے تو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هذان سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين الاالنبيين والمرسلين يا علي لاتخبرهما

یہ دونوں اہل جنت کے عمر رسیدہ لوگوں کے سردار ہیں تمام پہلوں اور پچھلوں کے سوائے انبیاء و رسل علیہم السلام کے اور اے علی ان کو نہ بتلانا۔

(۲) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ہی موقوف طور پر منقول ہے کہ جیسے کہ امام احمد نے ...العابدین کی مسند میں ابوحازم کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا:

ماكان منزلة أبي بكر وعمر من النبي ﷺ فقال منزلتهما الساعة ۔

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مرتبہ و مقام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا ہے تو آپ نے فرمایا

وہی ان کی منزلت ومرتبت تھی جو اس وقت (روضۂ اقدس) میں ہے۔

(۳) أخرج الحاكم من طريق عبدالله بن عمر بن أبان قال حدثنا سفيان بـ
عيينة عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جابر بن عبدالله رضى الله عنهم أن عليا د
على عمر رضى الله عنه وهو مسجى فقال صلى الله عليك ثم قال مامن النا
أحد أحب الىّ أن ألقى الله بما فى صحيفته من هذا المسجى۔

حاکم نے اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادق کے والدِ گرامی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ
واسطہ سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی ہے کہ حضرت سیدنا علی حضرت عمر
اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے جبکہ وہ کفن میں لپٹے ہوئے تھے پس کہا کہ:

''اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائے پھر کہا لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں
مجھے پسند ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کروں اس جیسے صحیفۂ اعمال کے ساتھ بنسبت ا
کفن پوش شخص کے''

فائدہ:

گویا آپ کی تمنا تھی کہ عمر فاروق جیسا نامۂ اعمال مجھے بھی نصیب ہو تو اگر ان کو ا
سے افضل واعلیٰ نہیں سمجھتے تھے تو ان کے اعمال نامے کے ساتھ رشک کیوں کر رہے تھے؟ اور
حسنات ابی بکر میں سے ایک حسنہ ہیں، نیز اگر ان کا اعمال نامہ آپ کے لیے اس قدر قا
رشک ہے تو خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اعمال نامہ کس قدر قابل رشک ہوگا؟ اور
شار لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شمولیت کے لیے حاضر تھے تو آپ ان کو ا
متعلق کیا تاثر دے رہے تھے اور حضرت فاروق اعظم کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام کو ان پر ک
طرح واضح فرما رہے تھے اور أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكر ثم عمر رضى الله عنهما
کس طرح مہر تصدیق لگا رہے تھے کیونکہ اس افضلیت سے مراد بھی عنداللہ فضل وشرف اور عز

کرامت ہے اور اعمال نامے کے ساتھ رشک بھی اس پہلو سے ہے نہ کہ حسبی و نسبی قرابت کے لحاظ سے۔

(الف) امام محمد بن حسن نے حضرت امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے:

حدثنا أبو جعفر محمد بن علی قال جاء علی بن أبی طالب الی عمر بن الخطاب حین طعن فقال رحمك الله تعالی فوالله مافی الأرض أحد کنت ألقی الله بصحیفته أحب الیّ منك۔

مفہوم و مقصود وہ ہے جو اوپر والی روایت میں گزرا۔ یعنی امام محمد باقر نے بیان فرمایا کہ حضرت علی حضرت عمر کے پاس آئے جبکہ ان کو زخمی کیا گیا پس فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے ساری زمین مین کوئی شخص ایسا نہیں سوائے تمہارے کہ مجھے اس جیسے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا محبوب اور پسندیدہ ہو"

(ب) ابن ابی حفصہ سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر بن محمد اور امام محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا:

فقالا اماما عدل نتولاهما ونتبرأ من عدوهما ثم التفت الیّ جعفر بن محمد فقال یا سالم أیسب الرجل جده أبوبکر الصدیق جدی لا تنالنی شفاعة جدی محمد ﷺ ان لم أکن أتولا هما وأتبرأ من عدوهما۔

(ازالۃ الخفاء جلداول ص۱۰۸)

تو امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"وہ دونوں امام عادل ہیں ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر امام جعفر صادق میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: اے سالم! کیا کوئی شخص اپنے جد امجد کو سب و شتم کر سکتا ہے؟ ابوبکر صدیق میرے جد امجد ہیں (آپ کی امی جان ام

فروہ کے دادے بھی ابوبکر ہیں اورنانے بھی اسی لیے آپ نے فرمایا: ولدنی ابوبکر مرتین ابوبکرصدیق
میرے دوہرے باپ ہیں۔صواعق محرقہ) مجھے میرے نانا جان محمد مصطفےٰ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ
ہو اگر میں ان دونوں سے محبت وعقیدت نہ رکھوں اوران کے دشمنوں سے براءت کا اظہار نہ
کروں"

(ج) عن أبی جعفر رضی اللّٰه عنه أنه قال :

من جهل فضل أبی بکر وعمر جهل السنة وقیل له ماتری فی أبی بکر
وعمر رضی اللّٰه عنهما فقال انی أتولاهما وأستغفرلهما فما رأیت أحداعن أهل
بیتی الا وهو یتولا هماوسئل عن قوم یسبون أبابکر وعمر فقال أولئك المراق وع
قال من شك فیهما کمن شك فی السنة وبغض أبی بکر وعمر نفاق وبغض الأنصار
نفاق ۔انه کان بین بنی هاشم وبین بنی عدی وبنی تیم شحناء فی الجاهلیة فلما
أسلموا تحابوقالوا نزع اللّٰه ذالك من قلوبهم حتی ان أبابکر اشتکی خاصرته فکان
علیّ رضی اللّٰه عنه یسخن یده بالناروبضمدبها خاصرة أبی بکر رضی اللّٰه عنه
ونزلت فیهم هذه الآیة ونزعنا مافی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔

(ازالة الخفاء جلد اول ص۱۰۹ و کذافی الصواعق ص۵۴)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

(۱) کہ جو شخص ابوبکر وعمر کے فضل وشرف خداداد سے جاہل ہے تو وہ سنت مصطفےٰ ﷺ
سے جاہل ہے۔

(۲) آپ سے عرض کیا گیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں
تمہاری کیارائے ہے تو آپ نے فرمایا میں ان سے محبت والفت رکھتا ہوں اوران کے لیے دعا گو
ہوں میں نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو ان سے قلبی محبت وعقیدت نہ رکھتا ہو۔

(۳) آپ سے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو سب وتبرا کرنے والوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ دائرہ اسلام سے خروج اختیار کرنے والے ہیں۔

(۴) آپ سے ہی مروی ہے ابو بکر وعمر کے بارے میں شک کرنے والا مانند سنت میں شک کرنے والے کے ہے اور دونوں حضرات کا بغض منافقت ہے اور انصار کا بغض بھی سراسر نفاق ہے۔

(۵) تحقیق دور جاہلیت میں بنو ہاشم بنو عدی اور بنو تیم کے درمیان باہم عداوتیں اور کدورتیں تھیں جب حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو باہم محبت والفت پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ عداوت اور دشمنی ان کے دلوں سے سلب کر لی حتی کہ (پھر اس طرح کا قلبی لگاؤ اور باہمی پیار پیدا ہو گیا کہ) ابو بکر صدیق کے پہلو میں تکلیف تھی اور درد تھا جسے سینکنے کی ضرورت تھی تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ آگ پر گرم کر کے ابو بکر صدیق کی درد والی جگہ پر ملتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: و نزعنا مافی صدورھم۔ (الآیة) کہ ہم نے کھینچ لیا جو ان کے قلوب وصدور میں کینہ وبغض تھا اور آنحالے کہ وہ (جنت میں) بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھنے والے ہیں۔

فائدہ:

یہ ہے اکابرین اہل بیتِ کرام علیہم الرضوان کا عقیدہ ونظریہ اور عقیدت ومحبت اور اخلاص ونیاز حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا اور ان کے فضل وشرف اور افضلیت وبرتری کا اعتراف زبانی بھی اور عملی طور پر خدمت سرانجام دے کر بھی۔ ورنہ حضرت علی کسی کو بھی فرما سکتے تھے کہ ابو بکر صدیق کی درد والی جگہ کو تاپے اور اس پر ٹکور کرے لیکن بذاتِ خود آپ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور وہ بھی اپنا ہاتھ آگ پر گرم کر کے جو بڑا شاق اور برداشت سے باہر معاملہ ہے اور ہم غلاموں اور نیازمندوں کو ان کی

عظمتِ خداداد اور رفعتِ مقام کے ایقان واذعان کا درس دے رہے تھے اور اپنی اولادِ امجاد کے
قلوب واذہان پر بھی ان کی محبت والفت اور عقیدت واخلاص اور عقیدۂ تفضیل کے نقوش گہرے
فرمارہے تھے اور پائیدار بنارہے تھے۔لہٰذا یہی راہ اہل بیت کی راہ ہے اور یہی صراطِ مستقیم ا
راہِ فلاح ہے اور اجماعی اور متفق علیہ راستہ ہے اس کو چھوڑنا سراسر خذلان وخسران ہے ا
موجب ضلالت اور باعثِ عذاب الیم ہے۔العیاذ باللّٰہ تعالی۔

(د) حضرت عبداللہ محض رضی اللہ عنہ جو کہ حسنی وحسینی سید ہیں سے سوال کیا گیا
خفین (موزوں) پر مسح کریں تو آپ نے فرمایا:

''مسح کر کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسح فرمایا''

تو سائل نے کہا:

میں آپ سے آپ کا عمل دریافت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا:

یہ جواب تیرے لیے زیادہ عاجز کرنے والا ہے تو مجھ سے میری رائے معلوم کر
چاہتا ہے جبکہ میں تجھے عمر بن الخطاب کا طریقہ بتلا رہا ہوں:

فعمر خیرمنی ومن ملأ الأرض مثلی فقیل له هذا تقیة فقال نحن بین الق
والمنبر أللهم هذا قولی فی السر والعلانیة فلا تسمع قول أحد بعدی۔

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ سے اور میرے جیسے زمین پر بھرے لوگوں سے افضل ہیں
تو ان سے کہا گیا کہ تمہارا یہ قول تقیہ (پرمبنی) ہے؟ تو آپ نے فرمایا، جبکہ ہم قبر مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم اور منبر شریف کے درمیان تھے:

اے اللہ! یہ میرا قول خفیہ بھی ہے اور علانیہ بھی، لہٰذا اس کے خلاف کسی کا قول میرے
بعد قبول نہ فرمانا۔ (صواعق محرقہ)

ثم قال من هذا الذی یزعم أن علیا کان مقهوراً وأن النبی ﷺ أمره بأم

فلم ينفذه فكفى بهذا ازراء ومنقصة له (أخرجه الدار قطني)

پھر فرمایا:

"وہ کون شخص ہے جو یہ زعم باطل رکھتا ہے کہ حضرت شیر خدا مقہور و مغلوب تھے اور نبی مکرم ﷺ نے ان کو ولی امر بنایا تھا لیکن انہوں نے آپ کے حکم کو نافذ نہ فرمایا تو حضرت علی مرتضیٰ کے لیے عیب لگانے اور آپ کی تنقیص کے لیے یہی قول کافی ہے"

(۵) ان کے لخت جگر حضرت نفس زکیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مرتبہ و مقام کے متعلق تو آپ نے فرمایا:

لهما عندي أفضل من علي رضي الله عنهم ـ (أخرجه الدار قطني)

وہ دونوں حضرات میرے نزدیک علی مرتضیٰ سے افضل ہیں۔ (صواعق)

أخرج الدار قطني عن محمد الباقر أنه قال: أجمع بنو فاطمة على أن يقولوا في الشيخين أحسن مايكون من القول ـ

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ شیخین یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے حق میں وہی قول کریں گے جو سب سے افضل اور بہتر قول ہوگا"

دار قطنی نے امام جعفر صادق سے ان کے والدِ گرامی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

ایک شخص حضور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے ابوبکر کے متعلق بتلایئے؟ تو آپ نے فرمایا: عن الصديق؟ تو ابوبکر صدیق کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے؟ تو اس کی رگ تعصب و عناد پھڑکی اور کہا: وتسميه الصديق؟ تم بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا:

قد ثكلتك أمك قد سماه صديقا رسول الله ﷺ و المهاجرون والأنصـ
ومن لم يسمه صديقا فلا صدق الله عزوجل قوله في الدنيا والآخرة اذهب فأحـ
أبابكر وعمر رضي الله عنهما۔

”تجھے تیری ماں روئے (تو مرے) ابوبکر کو رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے صد
کا لقب دیا اور تمام مہاجرین اور انصار نے پس جو اُن کو صدیق نہ کہے اور نہ مانے اللہ تعالیٰ اس
کوئی قول نہ دنیا میں سچا کرے اور نہ آخرت میں، جا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ
سے محبت رکھ“

دار قطنی نے عروہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت نقل کی ہے کہ
نے امام ابو جعفر محمد باقر سے تلوار کو زیور سے مزین کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرما

لا بأس به قد حلّى أبو بكر الصديق سيفه رضي الله عنه

”کوئی حرج نہیں کیونکہ ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو زیور سے مزین کیا ہوا تھا“

توانہوں نے عرض کیا آپ بھی ان کو صدیق مانتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا:

نعم الصديق نعم الصديق نعم الصديق فمن لم يقل له الصديق فلا صـ
قوله في الدنيا والآخرة۔

”ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! جو ان کو صدیق
مانے اللہ تعالیٰ اس کے کسی قول کو دونوں جہانوں میں سچا نہ کرے“

علامہ ابن الجوزی نے اس روایت کو صفوۃ الصفوۃ میں نقل کیا ہے اور اس کے
میں یہ اضافہ نقل کیا:

فوثب وثبة واستقبل القبلة فقال نعم الصديق الخ

آپ لیٹے ہوئے تھے تو تیزی سے اٹھ بیٹھے اور قبلہ رو ہو کر فرمایا:

"ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! ہاں وہ صدیق ہیں! جو ان کو صدیق نہ مانے اس کو اللہ تعالیٰ دارین میں جھوٹا اور روسیاہ کرے"

أخرج أيضا عن جعفر الصادق رضي الله عنه أنه قال ماأرجو من شفاعة علي شيئا الا وأنا أرجو من شفاعة أبي بكر مثله ولقد ولدني مرتين۔

دار قطنی نے ہی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

"میں جس قدر کسی چیز میں علی مرتضی کی شفاعت کا امیدوار ہوں اسی قدر حضرت ابو بکر کی شفاعت کا امیدوار ہوں اور البتہ تحقیق ابو بکر صدیق نے مجھے دوبار جنم دیا"

حضرت زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما سے دار قطنی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے شیخین رضی اللہ عنہ سے براءت ظاہر کرنے والوں کے حق میں فرمایا:

ماأعلم والله أن البرأة من الشيخين البرأة من علي تقدم أو تأخر۔

"جہاں تک میری معلومات ہیں شیخین سے براءت خود علی مرتضی سے براءت ہے (اب تیری مرضی) آگے بڑھ (اور سب سے براءت ظاہر کر) یا پیچھے ہٹ (اور ان سے براءت کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دے)

انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا اور بہت خلوق ان کے ارد گرد جمع ہو گئی، جن میں ہزاروں شیعہ بھی تھے تو انہوں نے مطالبہ کیا ابرأ من الشيخين ونحن نبايعك فابى وقال اذ هبوا فأنتم الرافضة فمن حينئذ سموا الرافضة وسميت الشيعة بالزيدية۔

ابو بکر و عمر سے براءت ظاہر کر دو تو ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں تو آپ نے انکار فرما دیا اور کہا:

"بھاگ جاؤ تم چھوڑ جانے والے ہو" تو اس دن سے ان کو رافضی کہا جانے لگا اور

ساتھ دینے والوں کو زیدی کا نام دیا گیا۔

حافظ عمر بن شبہ نے نقل کیا اس امام جلیل زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ابو بکر نے حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سے فدک چھین لیا تھا تو آپ نے فرمایا:

وہ بہت ہی رحمت ورافت والے تھے (ظلم وتعدی اور غصب ونہب سے پاک تھے) اور وہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے ان امور میں سے کسی کو تبدیل کریں جن کو جس حال میں نبی رحمت ﷺ نے چھوڑا تھا حضرت زہراء آپ کے پاس تشریف لائیں اور کہا کہ رسول گرامی ﷺ نے فدک مجھے عطا فرما دیا تھا آپ نے شہادت طلب کی تو انہوں نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن کی شہادت پیش کی تو آپ نے کہا: کیا ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے تم اپنا استحقاق ثابت کر سکتی ہو (جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں) پھر حضرت زید نے فرمایا: واللّٰہ لو رجع الأمر اليّ لقضيت بقضاء أبي بكر رضي اللّٰہ عنہ "بخدا! اگر فدک کا فیصلہ میرے پاس لوٹتا تو میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے"

حافظ عمر بن شبہ نے آپ سے نقل کیا ہے:

انطلقت الخوارج فبرء ت من دون أبي بكر وعمر رضي اللّٰہ عنهما ولم يستطيعوا أن يقولوا فيهما شيئا انطلقتم أنتم فطفرتم فوق ذالك فبرء تم منهما فمن بقي؟ فواللّٰہ مابقي أحد الا برء تم منه۔

خوارج چلے اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ماسوا سے براءت کا اظہار کر دیا لیکن ان دونوں حضرات کے حق میں انہیں کچھ کہنے کی جراءت نہ ہوئی اور تم چلے پس اس سے بہت اونچی چھلانگ لگائی پس ان دونوں سے بھی براءت ظاہر کر دی تو پھر بچ کون رہا ہے۔ پس بخدا اصحاب رسول اور اہل بیت میں سے کوئی بھی نہ بچا مگر تم نے اس سے براءت ظاہر کر دی۔

ابن عساکر نے سالم بن ابی الجعد سے روایت نقل کی ہے کہ اس نے امام صادق سے سوال کیا:

ھل کان أبوبکر أول القوم اسلاما؟ قال لا ۔قلت فبم علا أبوبکر و سبق حتی لایذکر أحد غیرأبی بکر قال لأنه کان أفضلھم اسلاما حین أسلم حتی لحق بربه ۔

کیا ابوبکر صدیق سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے؟ تو فرمایا: نہیں، میں نے دریافت کیا: تو پھر ان کو اس قدر بلندی مرتبت اور سبقت کیوں حاصل ہوگئی ہے کہ ہر زبان پر صرف انہیں کا تذکرہ جاری ہے دوسرے کسی کا نام ہی نہیں لیا جاتا؟

تو آپ نے فرمایا کہ:

"وہ سب سے ازروئے اسلام سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے حتیٰ کہ (وصال فرما کر) اپنے رب کریم سے لاحق ہوئے"

دارقطنی نے سالم بن ابی الجعد سے روایت نقل کی ہے کہ میں جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے عقیدے کی اصلاح کے لیے فرمایا:

اَللّٰھم انی أتولّی أبابکر وعمر وأحبھما اَللّٰھم ان کان فی نفسی غیرھذا فلا نالتنی شفاعة محمد ﷺ یوم القیامة ۔

"اے اللہ! میں ان دونوں حضرات ابوبکر وعمر کو دوست اور محبوب سمجھتا ہوں! اے اللہ! اگر میرے دل میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا عقیدہ ہو تو مجھے قیامت کے دن محمد کریم علیہ السلام کی شفاعت نصیب نہ ہو"

دارقطنی اور حافظ عمر بن شبہ نے کثیر کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: مجھے یہ تو بتلایئے کیا ابوبکر وعمر نے تمہارا کچھ حق بطور ظلم وتعدی

سے لے لیا تھا تو؟ آپ نے فرمایا:

ومنزل الفرقان علی محمد عبدہ لیکون للعالمین نذیرا ماظلمانا من حق

مایزن حبة خردل

اس ذات کی قسم جس نے فرقان حمید کو اپنے عبدِ خاص محمد ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ اہل

جہاں کے لیے نذیر بن جائیں ان حضرات نے رائی کے دانہ کی مقدار بھی ہمارا حق غصب نہیں کیا

تو کثیر نے عرض کیا کیا میں ان دونوں سے محبت و عقیدت رکھوں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے

آپ نے فرمایا:

نعم یا کثیر تولھما فی الدنیا والآخرۃ قال وجعل یصك عنق نفسه ویقول

ماأصابك فبعنقی ھذا۔

"ہاں اے کثیر! ان سے دنیا و آخرت میں محبت رکھ اور پھر اپنی گردن کو تھپکاتے ہوئے

فرمایا (اگر ان کی محبت و عقیدت سے) تجھے کسی نقصان اور عذاب کا سامنا کرنا پڑے تو وہ میری

اس گردن پر ہوگا یعنی میں اس کا ذمہ دار ہوں گا"

پھر فرمایا: بری اللّٰہ ورسولہ من المغیرۃ بن سعید وبیان فانھما کذبا علینا

أھل البیت

"اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ مغیرہ بن سعید اور بیان سے براءت کا اظہار فرما دیں

ان دونوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ بولا ہے" (اور بہتان باندھا ہے)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

ولینا ابوبکر خیر خلیفۃ وارحمه لنا وامناہ علینا ۔وفی روایة فماولینا أحد

من الناس مثله وفی روایة ا... فمارأینا قط کان خیرا منه عمر بن شبه عن الشافعی

رضی اللہ عنه ۔ (صواعق ص ٥٤)

امام شافعی کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے حافظ عمر بن شبہ نے کہ جعفر بن ابی طالب نے فرمایا:

ہمارے متولی امور بنے ابوبکر صدیق درآنحالے کہ سب سے بہتر خلیفہ تھے اور سب سے زیادہ رحمت ورافت فرمانے والے اور شفقت وحسن سلوک سے پیش آنے والے تھے دوسری روایت میں کہ ہم پر لوگوں میں کوئی بھی ان کی مثل متولی امر اور خلیفہ نہ بنا تیسری روایت میں ہے ہم نے کبھی ان جیسا خیر وبرتر نہ دیکھا۔

دار قطنی یا عمر بن شبہ نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جبکہ ان کے پاس ایک جماعت حاضر ہوئی جنہوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر تنقید کی تو آپ نے فرمایا:

ألا تخبروني أنتم المهاجرون الأولون الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله وأولئك هم الصادقون قالوا لا، قال فأنتم الذين تبوؤا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون قالوا لا۔

کیا مجھے بتلاتے نہیں ہو کہ تم مہاجرین اولین ہو جن کو ان کے گھروں سے اور مال ومتاع سے الگ کر دیا گیا درآنحالے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی طلب کرتے تھے اور امداد کرتے تھے اللہ تعالیٰ (کے دین کی) اور رسول گرامی ﷺ کی اور وہی سچے لوگ ہیں؟

تو اس جماعت نے کہا کہ ہم ان مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں!

تو آپ نے فرمایا:

(تو پھر تم وہ انصار ہو) جنہوں نے دار اسلام اور ایمان میں اپنا ٹھکانا بنایا ان مہاجرین

کے وہاں پہنچنے سے قبل درآنحالے کہ وہ محبوب رکھتے ہیں انہیں جو ہجرت کر کے ان کے پا
جاتے ہیں اور نہ پاتے اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت اور ضرورت (اس رزق سے) جوا
دیا گیا ہے اور مہاجرین کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ فقر وفاقہ اور حاجت مندی
دوچار ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص بخل سے بچا رہے تو وہ ہی فلاح پانے والے ہیں؟

تو اس جماعت نے کہا: نہیں ہم ان انصار میں سے بھی نہیں ہیں۔

تو آپ نے فرمایا:

أما أنتم فقدتبرّء تم من أن تكونوا من أحد هذين الفريقين وأنا أشهدأن
لستم من الذين قال الله فيهم: والذين جاء وامن بعدهم يقولون ربنا اغفر
ولأخواننا الذين سبقونا بالايمان ولاتجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنو ربنا ان
رؤوف رحيم۔ (صواعق ص ۵۵)

لیکن تم نے ان دونوں فریق میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کی نفی اور انکا
دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اہل اسلام کے اس تیسرے گروہ میں بھی داخل نہیں ہو جن
حق میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

"اور وہ جو ان دو فریق کے بعد آئے (اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے) کہتے
اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان اسلامی بھائیوں کو بخش دے جو ہم
ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کینہ اور بغض پیدا نہ کرنا جو ہم
قبل دولت ایمانی سے مالا مال ہوئے اے ہمارے پروردگار تو یقیناً بہت رافت اور رحمت عام
ہے"

فائدہ:

مدارِ ہدایت اتباع قرآن اور طاعت اہل بیت ہے تو اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفائے ثلاثہ کو ہدف تنقید بنانے والوں کا نہ قرآن مجید سے تعلق ہے اور نہ اہل بیت سے۔اور اہل اسلام کے کل تین گروہ ہیں اور ایسے لوگ تینوں گروہوں سے خارج ہیں اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے،اخرجوا عنی فعل اللہ بکم "میرے در سے اٹھ کر چلے جاؤ اللہ تمہیں تباہ و برباد کرے،تم جیسے لوگوں کی ہمارے دربار میں کوئی گنجائش نہیں ہے"

حسین بن محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اتقو اللّٰـہ عزوجل ولاتقولوا لأبی بکر وعمر مالیسا لہ بأھل ۔ ان ابابکرالصدیق کان مع رسول اللہ ﷺ فی الغار ثانی اثنین وان عمر أعزاللہ بہ الدین ۔

"اللہ عزوجل سے ڈرو اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ایسا کلام مت کرو جو ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔بے شک ابوبکر صدیق رسول گرامی ﷺ کے ساتھ غار میں تھے ثانی اثنین کی شان کے ساتھ اور حضرت عمر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین متین کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا"

حضرت اسدی سے روایت ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کے پاس اہل کوفہ اور جزیرہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور آپ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے متعلق استفسار کیا تو آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

أنظر الی أھل بلادك یسألونی عن أبی بکر وعمر لھما عندی أفضل من علی۔

"اپنے علاقہ کے لوگوں کو دیکھو وہ مجھ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے متعلق سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے افضل و برتر ہیں"

چوتھا باب

افضلیتِ شیخین اور اجماعِ سلف صالحین

اجماعِ سلف صالحین کی حجیت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران، 110:3)

تم سب امتوں سے افضل اور بہتر امت ہو جو لوگوں کی بھلائی اور منفعت کے لیے پیدا کیے گئے ہو تم امر معروف کا حکم دیتے ہو اور برے اور ناپسندیدہ امور سے منع کرتے ہو۔

فائدہ:

اس ارشادِ گرامی کے مخاطبین اولین صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں بعد ازاں تابعین اور تبع تابعین وغیرہم۔ لہٰذا ان کا امر خیر اور معروف سے سکوت اور شر و منکر امر پر عمل پیرا ہونا اور وہ بھی من حیث المجموع ناممکن ہے ورنہ باری تعالیٰ کے کلام برحق کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا جس کا بطلان اظہر من الشمس ہے اور بطلان لازم بہر حال بطلان ملزوم کو مستلزم ہوا کرتا ہے لہٰذا یہ ناممکن کہ من حیث المجموع خیر القرون کا شرف و اعزاز رکھنے والے ضلالت و گمراہی پر متفق ہو جائیں۔

(۲) قال اللّٰہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ، 143:2)

ہم نے تمہیں میانہ رو اور معتدل اور بے راہ روی سے مبراء و منزہ امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے صفائی اور تعدیل کے گواہ بنیں۔

استدلال:

یہ ہے کہ قیامت کے دن انبیاء وامم سے جب اللہ تعالیٰ حساب لے گا اور جواب
فرمائے گا اے انبیاء ورسل تم نے فریضہ تبلیغ ادا کیا؟ وہاں میں جواب عرض کریں گے پھرا
سے دریافت فرمائے گا کیا ان حضرات نے تمہیں میری توحید اور اپنی نبوت ورسالت کی د
دی تھی تو وہ کہیں گے ماآتانا من نذیر ہمارے ہاں کوئی تیرے عذاب سے ڈرانے والا نبی
نہیں ہے (تبلیغ کرنا تو بعد کی بات ہے) اللہ تعالیٰ پیغمبرانِ کرام سے گواہ طلب کرے گ
امت محمدیہ علیٰ صاحبہا وعلیہا الصلواۃ والسلام کو بطور گواہ پیش کریں گے اور نبی ا
علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امت مرحومہ کی صفائی کے گواہ ہوں گے اور آپ کے اعتبا
گواہی پر انبیاء علیہم السلام اپنے دعووں کے اثبات میں کامیاب وکامران ہوں گے اور منک
وکفار واصلِ جہنم ہوں گے۔ الغرض تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی نگاہوں میں یہ امت اف
اعلیٰ اور خیر وبرتر ہوگی اور لائق اعتبار اور اس اعزاز واکرام پر اللہ تعالیٰ ان پر احسان جتلار
نیز اس امت کے صدرِ اول اور قرن ثانی وثالث کو سب پر تقدم اور سبقت حاصل ہے، جیس
امام الرسل ﷺ فرماتے ہیں

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ۔الحدیث

"سب سے خیر وبہتر لوگ میرے زمانے والے ہیں یعنی صحابہ کرام پھر جو ان کے متص
بعد یعنی تابعین پھر تبع تابعین رضی اللہ عنہم"

تو جب اسلاف کرام اور مقتدایانِ انام کا اجماع واتفاق کسی امر پر ثابت ہو جا
اس کی مخالفت بلکہ اس سے اختلاف کی کسی مسلمان کے لیے گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ ان
شہادت سے مساوی بھی جب کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی تو خیر وبہتر کیونکر ہو سکتی ہے اور وہ عند
مقبول ترین شہادت ہے تو دوسرے لوگوں کو اس کی مخالفت کا حق کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے؟

(۳) ارشاد باری تعالیٰ :

و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولّٰی و نصله جهنم و ساء ت مصیرا۔

(جو شخص رسولِ معظم ﷺ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی ہو) اور اتباع کرے مومنین کے راستے سے علاوہ دوسرے راستے کی اور اس پر چلے تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو جہنم واصل کر دیں گے اور وہ بہت بری بازگشت اور بدترین ٹھکانا ہے۔

وجہ استدلال:

اس فرمانِ حق ترجمان سے بھی واضح ہو گیا کہ رسول محتشم ﷺ کی مخالفت جس طرح موجبِ عذاب و عتاب ہے اس طرح اہلِ ایمان کی راہ سے انحراف اور ان کی مخالفت اور پھر بالخصوص مومن بھی ایسے جنہوں نے براہِ راست نبی معظم ﷺ سے ایمان حاصل کیا اور رشد وہدایت کا سامان حاصل کیا یا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو محبوب کریم کی سیرت و کردار کا مظہر کامل تھے تو ان کی راہ سے انحراف کی اور ان کی مخالفت کی کسی مدعی اسلام کے لیے قطعاً گنجائش نہیں ہو سکتی۔

احادیثِ رسول ﷺ سے استدلال :

(۱) عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ لیأتین علی أمتی ماأتی علی بنی اسرائیل (الیٰ) أن بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین فرقته و تفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یارسول الله قال ماأنا علیه واصحابی۔ (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ:

میری امت پر اس قسم کی خستہ حالی اور تنزلی طاری ہو جائے گی (اعتقادی طور پر بھی اور

عملی طور پر بھی) جیسے کہ بنی اسرائیل پر طاری ہوگئی تھی مکمل مساوات کی حالت میں جیسے جوتا اپ
معیار اور سانچے پر فٹ آتا ہے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اعلانیہ برائی کی تھی تو میری امت
(کہلانے والوں میں بھی) ایسے بدکردار لوگ ہوں گے اور یہ کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ
گئے تھے اور میری امت تہتر ملتوں اور فرقوں میں بٹ جائے گی جو سبھی دوزخی ہوں گے ماسوا
ایک ملت اور فرقہ کے حاضرین مجلس اقدس نے عرض کیا: وہ ملت کون سی ہے اور وہ راستہ کو
سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

''وہ ملت وطریقہ وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام'' (علیہم
الرضوان)

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں یوں بیان
کیا:

''بہتر دوزخی ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے'' (صحابۂ کرا
علیہم الرضوان کی)

فائدہ:

جس راہ پر میں ہوں سے سنت کا بیان آ گیا اور میرے صحابہ سے جماعت کا بیان آ گیا
اس حدیث پاک سے ثابت ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت ہی نجات پانے والے لوگ ہیں اور ان
کی راہ ہی راہِ جنت ہے اور راہِ نجات وفلاح ہے۔ الحمدللّٰہ علی ذالك

(۲) عن عبداللّٰہ ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ تعالی لا
یجمع أمتی أوقال أمة محمد علی ضلالة و یداللّٰہ علی الحماعة ومن شذ فی
النار۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ میری امت (یا فرمایا امت محمد ﷺ) کو گمراہی پر متفق اور مجتمع نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کا دست اقدس (حفظ و پناہ والا) جماعت پر ہے اور جس نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی تو وہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے گا"

(۳) وعنه قال قال رسول الله ﷺ اتبعو السواد الاعظم فانه من شذشذ فى النار

(رواه ابن ماجه من حديث أنس رضى الله عنه)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا:

"سواد اعظم (بہت بڑی جماعت) کی اتباع اور پیروی کرو جس نے شذوذ و انحراف سے کام لیا تو وہ جہنم واصل ہوگا" (اور اس روایت کو ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے)

(٤) عن بن مسعود رضى الله عنه:

من كان مستنا فليستن بمن قدمات فان الحى لا تومن عليه الفتنة اولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة أبرها قلوباو أعمقها علماوأ قلها تكلفا اختارهم الله تعالى لصحبة نبيه و لاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على أثرهم و تمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم و سيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم (رواه رزين، مشكوٰة شريف ص ٣٢)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"جو شخص بھی کسی سنت اور روش کو اپنانا چاہے تو وہ ان کی سنت کو اپنائے جو فوت ہو چکے ہیں کیونکہ زندہ شخص کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا امکان رہتا ہے اور اس کے محفوظ رہنے کا کامل اطمینان اور وثوق نہیں ہو سکتا اور وہ (فوت ہونے والے) محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام ہیں جو کہ اس امت میں سے افضل ہیں از روئے قلوب اور بواطن کے۔ بہت ہی محسن

اور نیکوکار ہیں اور علم و ادراک کے لحاظ سے بہت گہرائی میں اترنے والے اور حقائق تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں اور تکلفات اور بناوٹوں میں بہت کم مبتلا ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی محترم کی صحبت کے لیے چن لیا اور اپنے دین کے قائم رکھنے اور مستحکم کرنے کے لیے منتخب فرما لیا۔ لہذا ان کی فضیلت کو پہچانو اور مانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار کو مضبوطی سے تھامو کیونکہ وہ سراسر راہِ راست اور ہدایت حق پر تھے"

فائدہ:

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود تابعین میں سے اپنے متعلقین اور مسترشدین کی تربیت فرما رہے تھے اور ان کو اعلیٰ ترین سیرت و کردار اپنانے کی تلقین فرما رہے تھے، لہذا ان کا مقصد حقیقتاً فوت ہو جانے والے حضرات کے ساتھ اس طرح کا قلبی روحی اور ذہنی تعلق قائم کرنے کی وصیت کرنا تھا اور ان کی سنت و روش کو اپنانے اور ان کی اقتداء کرنے کا حکم دینا تو بعد والے حضرات بطریق اولیٰ اس حکم کی اتباع و اقتدا کے لائق ہوں گے اور اسلاف کی متفق علیہ راہ پر چلنے کے پابند ہوں گے اور مخالفت و اختلاف قطعاً ان کے لیے روا نہیں ہوگا۔

(۵) مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انما الشوری للمهاجرین والأنصار فان اجتمعوا علی رجل و سموه اماما کان ذالك لله رضی۔ (نهج البلاغه)

"مشاورت اور انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کے لیے ثابت ہے اگر وہ کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام نامزد کر دیں تو وہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ انتخاب ہوتا ہے تو آپ بالعموم مہاجرین و انصار اور بالخصوص بدری حضرات کے اجتماع اور اتفاق کو دلیل اور برہان تسلیم کرتے ہیں اور اسے صرف بندوں کا فیصلہ نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھتے ہیں نہ

اس کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس کی مخالفت کو روا اور جائز رکھتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے حرب وقتال اور جنگ وجدال تک ہی نوبت کیوں نہ آ جائے۔

افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع

قابلِ غور امر ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر صرف بدری صحابہ ہی نہیں بلکہ سارے صحابۂ کرام علیہم الرضوان متفق ہیں تو اس کے متعلق شک وشبہ اور ریب وتردد کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اور یہ صرف میں نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ علمائے کلام نے اور ہمارے عقائد کے ترجمان حضرات نے أفضل البشر بعد الأنبياء أبوبكرن الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورين ثم على المرتضى رضى الله عنهم کی تصریح فرمانے کے بعد فرمایا:

لكنا وجدنا السلف قالوا بأن الأفضل أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على المرتضى رضى الله عنهم وحسن ظننابهم يقتضى بأنهم لولم يعرفوا ذالك لما أطبقوا عليه فوجب علينا اتباعهم فى ذالك القول و تفويض الحق فى ذالك الى الله

(شرح مواقف ص ٧٤٤)

"لیکن ہم نے اسلاف کرام کو پایا یہ قول کرتے ہوئے کہ سب سے افضل ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ ہمارے حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اگر انہیں اس امر تفضیل کا کامل عرفان نہ ہوتا تو وہ اس پر متفق نہ ہوتے لہٰذا ہم پر واجب ولازم ہے اس قول میں ان کی اتباع کرنا اور اپنے طور پر تحقیق وسعی وکوشش ترک کر کے اس تحقیق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا"

نیز شرح عقائد میں علامہ سعد تفتازانی فرماتے ہیں:

على هذا وجدنا السلف والظاهر أنه لولم يكن لهم دليل على ذالك لما

حکموا بذالك ۔ (شرح عقائد مع نبراس ص۴۸٦)

''اسی نظریہ اور عقیدہ پر ہم نے سلف کو پایا اور یہ جزمی اور حتمی امر ہے کہ اگران کے پاس کوئی دلیل اس پر نہ ہوتی تو وہ حضرات یہ حکم نہ لگاتے اور یہ فیصلہ نہ سناتے''

(۳) یہی علامہ سعد الملت شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

قال أهل السنة الأفضل أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم وقد مال البعض منهم الى تفضيل على على عثمان رضى الله عنهما والبعض الى التوقف بينهما والأخبار الواردة على فضائلهم متعارضة لكن الغالب على الظن أن أبابكر أفضل ثم عمر رضى الله عنهما ثم يتعارض الظنون فى عثمان و على رضى الله عنهما و ذهب الشيعة و جمهور المعتزلة الى أن الأفضل بعد رسول الله ﷺ على المرتضى رضى الله عنه ۔ (شرح مقاصد ص۲۹۸ ج۲)

''اہل سنت نے فرمایا کہ (بعد از انبیاء علیہم السلام) سب سے افضل ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق ہیں پھر عثمان ذوالنورین پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ بعض علمائے اہل سنت حضرت علی کی حضرت عثمان پر افضلیت کے قائل ہیں اور بعض ان کے درمیان توقف کی طرف مائل اور ان کے فضائل میں وارد اخبار و احادیث (بظاہر) متعارض ہیں لیکن ظن غالب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق افضل ہیں پھر عمر فاروق افضل ہیں پھر عثمان ذوالنورین اور علی مرتضیٰ میں ظنون متعارض ہیں اور شیعہ تمام تر اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ کہ نبی کریم ﷺ کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ گویا اہل سنت کے نزدیک شیخین رضی اللہ عنہما کے سب سے افضل ہونے پر اجماع ہے جو ظن غالب اور تصدیق جازم کا موجب ہے۔ البتہ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہے لیکن جمہور کے نزدیک حضرت عثمان افضل ہیں''

(۴) نیز یہی علامہ فہامہ شرح مقاصد میں شیعہ کی طرف سے افضلیت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کے چند دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والجواب أنه لا كلام في عموم مناقبه ووفور فضائله واتصافه بالكمالات واختصاصه بالكرامات الأأنه لا يدل على الأفضلية بمعنى زيادة الثواب والكرامة عندالله بعد ما ثبت من الاتفاق الجاري مجرى الاجماع على أفضلية أبي بكر ثم عمر رضي الله عنهما والاعتراف من علي كرم الله وجهه بذالك على أن ماذكر فيما ذكر مواضع بحث لايخفى على المحصل۔ (جلد ثانی ص ۳۰۱)

"ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کے عموم میں اور آپ کے فضائل کی کثرت اور کمالات کے ساتھ اتصاف میں اور کرامات کے ساتھ اختصاص میں رد وقدح کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ امور آپ کی افضلیتِ مطلقہ پر دلالت نہیں کرتے جس سے محلِ بحث میں مراد کثرتِ ثواب اور عنداللہ عزت وکرامت ہے بعد ثابت ہونے اس اتفاق امت کے جو اس امر پر اجماع کے حکم میں ہے کہ أفضل الأمة أبوبكر صديق ہیں پھر عمر فاروق اور خود علی المرتضی اسداللہ الغالب کی طرف سے اس حقیقت کا اعتراف ثابت ہوجانے کے بعد علاوہ ازیں جو دلائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر قائم کیے گئے ہیں ان میں کئی مقام محلِ بحث ہیں اور مدعا کو مستلزم نہیں ہیں۔"

اور بعض اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ماننے کی طرف مائل ہوئے جبکہ بعض نے ان دونوں حضرات میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت دینے سے توقف اور اجتناب کیا ہے اور ان حضرات کے فضائل میں وارد دلائل (بظاہر متعارض) ہیں لیکن غالب ظن یہی ہے کہ حضرت ابوبکر افضل ہیں پھر حضرت عمر فاروق افضل ہیں پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے درمیان ظنون اور نظریات باہم متعارض ہیں جبکہ شیعہ اور جمہور معتزلہ اس طرف گئے ہیں کہ رسول معظم ﷺ کے بعد علی مرتضی افضل ہیں جبکہ اہل سنت

والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل ہیں"

لنا اجمالا أن جمهور عظماء الملة وعلماء الأمة أطبقوا على ذالك وحسن الظن بهم يقتضي بأنهم لو لم يعرفوا ذالك بدلائل وامارات لما أطبقوا عليه وتفصيلا الكتاب والسنة والأثر والامارات (ص ۲۹۸)

"ہمارے نظریہ وعندیہ کی اجمالی دلیل یہ ہے کہ جمہور عظمائے ملت اور علمائے امت اس مذہب و مسلک پر متفق ہیں اور ان کے ساتھ حسن ظن کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر یہ عقیدہ اور نظریہ دلائل قطعیہ اور ظنیہ کے ساتھ منکشف نہ ہوا ہوتا اور اس کا عرفانِ کامل ان کو حاصل نہ ہوتا تو کبھی اس مذہب و مسلک پر متفق نہ ہوتے اور ان کی آراء باہم منطبق نہ ہوتیں اور تفصیلی طور ہمارے اس عقیدہ پر کتاب و سنت کے دلائل بھی موجود ہیں اور صحابہ و اہل بیت سے مروی آثار و روایات اور امارات ہیں" (جن کو قدرے تفصیل کے ساتھ بندہ بیان کر چکا ہے)

(۵) مقاصد میں فرمایا:

والجواب أن الكلام في الأفضلية بمعنى الكرامة عندالله و كثرة الثواب وقد شهد في ذالك عامة المسلمين واعترف علي رضي الله عنه وعارض ما ذكرتم ماذكرنا مع أنه فيه بحث لايخفى سيما حديث سبق الأسلام والسيف في اعلاء الأعلام (ص: ۳۰۰)

"ہماری طرف سے شیعہ کے لیے جواب یہ ہے کہ محلِ بحث اور موضوع کلام وہ افضیلت ہے جو بمعنی کثرتِ ثواب اور عنداللہ عزت و کرامت کے معنی میں ہے افضیلت کی اس ترتیب پر اہل اسلام اور جمہورِ اہل ایمان شاہد صادق اور ناطق برحق ہیں بلکہ خود اسد اللہ الغالب اس افضیلت والی اس ترتیب کے معترف و معتقد ہیں اور تمہارے دلائل کے معارض اور مقابل دلائل ہم نے بھی ذکر کر دیے ہیں جبکہ تمہارے پیش کردہ دلائل میں کئی مقامات پر اعتراضات

اور وہ محلِ بحث ہیں جیسے کہ اربابِ عقل و دانش اور اصحابِ علم و بصیرت پر مخفی نہیں ہے بالخصوص حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلے اسلام لانا اور اسلامی پرچموں کو بلند رکھنے کیلئے سب سے پہلے تلوار چلانا محلِ نظر ہے۔"

(۷) حضرت علامہ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن منصور بغدادی اپنی معروف کتاب الفرق بین الفرق میں تصریح فرماتے ہیں کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے:

قالوا بتفضیل أبی بکر و عمر رضی اللّٰہ عنہما علی من بعدھما وانما اختلفوا فی التفاضل بین علی و عثمان رضی اللّٰہ عنہما (ص: ۳۰۰)

"سب اہلِ سنت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو باقی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل مانتے ہیں اگر ان میں اختلاف ہے تو اس امر میں کہ ان دو حضرات میں سے افضل کون ہے یعنی عثمان ذوالنورین اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما میں سے۔"

(۸) شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے کہا:

کان السلف کانوا متوقفین فی تفضیل عثمان علی علیّ رضی اللّٰہ عنہما حیث جعلوا من علامات أھل السنۃ والجماعۃ تفضیل الشیخین ومحبۃ الختنین رضی اللّٰہ عنہم (شرح عقائد مع نبراس)

گویا کہ سلف حضرت عثمان کو حضرت علی پر فضیلت دینے میں متردد اور متوقف تھے جس پر انہوں نے اہلِ سنت والجماعت کی علامات میں سے بتایا شیخین یعنی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ سے افضل ماننا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں دامادوں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا (شیخین کو افضل ماننے والا ہی سنی ہے)

الفوائد:

(۱) ان مذکورہ عبارات سے واضح ہو گیا کہ تفضیل والی بحث اہلِ سنت کے

درمیان اور روافض واہل تشیع کے درمیان ہے اور ہر کتاب میں ان دونوں فریق کو ایک دوسرے کے مدمقابل ٹھہرایا گیا جو علی الترتیب حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر کو افضل نہیں مانتا بہر حال اہل سنت سے خارج ہے خواہ رافضی ہونا پسند کرے یا معتزلی ہونا جدھر چاہے پھر جائے اللہ تعالیٰ بھی اس کو ادھر ہی پھیر دے گا اور بالآخر آتش دوزخ کا سامنا ہوگا۔ (کما قال اللہ تعالی : نوله ماتولی ونصله جهنم (آية)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی معظمین اہل سنت اور اکابرین کا مذہب ہے اور جمہور اسی امر کے قائل ہیں کہ تیسرے درجے میں فضیلت ان کو حاصل ہے۔ علامہ قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

علی هذا (تفضيل عثمان على عليّ) عامة أهل السنة والجماعة والحاصل أن الجمهور من السلفْ ذهبوا الى تقديم عثمان على عليّ رضي الله عنهما

(ص:۸۳)

صرف قلیل ترین لوگ توقف کے قائل ہیں یا حضرت مرتضی کی تفضیل کی طرف مائل ہیں جیسے کہ علامہ سعد الملت کی عبارت اس پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہے۔

(۳) نبی مکرم ﷺ کے ارشادات سے واضح ہو چکا کہ میری راہ اور میرے صحابہ کی راہ ہدایت کی راہ ہے اور شاہراہِ جنت ہے اور اس کے علاوہ سب راہیں جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں اور جماعت عظیم کی پیروی اور اقتداء لازم ہے اور سوادِ اعظم کا دامن چھوڑنے والا جہنم کی راہ چلنے والا ہے اور حضرت علی پاک رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینے والا خود مولائے مرتضیٰ کا اعتقادی باغی اور نظریاتی مخالف ہے جیسے کہ ہم آپ کے چند ارشادات پیش کر کے اس حقیقت کو ثابت کر چکے ہیں۔

(۴) نیز ایسا شخص صحابۂ کرام علیہم الرضوان جو خیر القرون کی شان رکھنے والے ہیں ا

کے تعامل کے مخالف اور معاند اور ان کے ہاں معلوم و معروف نظریہ کے خلاف ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ہاں مشہور و معروف اور معلوم و متیقن نظریہ:

(۱) حضرت سیدنا عمر فرماتے ہیں:

کان أبوبکر سیدنا وخیرنا وأحبنا الی رسول اللّٰہ (أخرجه الترمذی)

حضرت ابوبکر ہمارے سردار تھے اور ہم سے بہتر تھے اور بارگاہِ نبوی میں ہم سب سے زیادہ محبوب تھے اور حضرت صدیق کو یا خیر الناس بعد رسول اللّٰہ کہہ کر پکارتے تھے تو اس سے حضرت صدیق کی عظمت ان کے ہاں واضح ہو جاتی ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کنا معشر أصحاب النبی ﷺ ونحن متوافرون نقول أفضل هذه الأمة ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت وخرجه ابن عساکر۔

"ہم اصحاب رسول ﷺ وافر مقدار میں موجود تھے اور کہا کرتے تھے اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان بعد ازاں خاموش ہو جاتے تھے"

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

کنا فی زمن النبی ﷺ لا نعدل بأبی بکر أحدا ثم عمر ثم عثمان رضی اللّٰہ عنهم ثم نترك أصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم ۔ رواه البخاری وفی روایة لابی داؤد قال کنا نقول ورسول اللّٰہ ﷺ حی أفضل أمة النبی ﷺ بعده أبوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللّٰہ عنهم ۔

دونوں روایات کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بالعموم یہی عقیدہ نظریہ اپنائے ہوئے تھے کہ سب صحابۂ کرام سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جبکہ سرورِ عالم ﷺ ظاہری حیات پاک

کے ساتھ زندہ موجود تھے۔ بلکہ طبرانی نے اس روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے :

فبلغ ذالك رسول الله ﷺ فلم ینکره ۔

"ہمارا یہ قول رسول اکرم ﷺ تک پہنچا لیکن آپ نے اس کا انکار نہ فرمایا" (حالانکہ
قول پر رسول کریم ﷺ کا سکوت ناممکن ہے)

فائدہ:

کیا صحابہ کرام کے یہ اقوال اور تاثرات نبی کریم ﷺ کو معلوم نہ ہو سکے اور کسی
نے آپ کو اطلاع بھی نہ دی اور اس نظریہ کے سقم وفساد یا صحت وواقعیت اور درستگی کے بار
میں استفسار کیوں نہ کیا؟ تو صاف ظاہر ہے اور مہر نیم روز کی طرح ظاہر ہے کہ سید عالم
کے ارشادات اور فرمودات اور آپ کا ان کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ پیش آنا ان کے باز
کردائیں بائیں چلانا اور فرمانا هکذا نبعث یوم القیامة "ہم قیامت کے دن بھی اسی ط
اکٹھے اٹھائے جائیں گے" اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمانا جب حضرت فاروق رضی
عنہ کا جنازہ تیار تھا "میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دونوں مصاحبوں سید الرسل ﷺ
اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت اور رفاقت کا شرف عطا کرے گا" کیونکہ میں بسا اوقا
آپ سے سنا کرتا تھا کہ (وہ ہر کام میں اپنے ساتھ ابو بکر وعمر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے)

كنت وأبو بكر وعمر فعلت وأبو بكر وعمر وانطلق
وأبو بكر وعمر ودخلت أنا وأبو بكر وعمر وخرجت وأبو بكر وعمر ﷺ ورضی ا
عنهم (متفق علیه)

تھا میں اور ابو بکر اور عمر، کیا یہ کام میں نے اور ابو بکر اور عمر نے، چلا میں اور ابو بکر اور ع
داخل ہوا میں اور ابو بکر اور عمر اور نکلا میں اور ابو بکر اور عمر ﷺ) رضی اللہ عنہم۔

فائدہ :

چونکہ محبت کا تقاضا ہے کہ محبّ کی زبان پر ہمہ وقت محبوب کا ذکر رہے جیسا کہ اللہ تعالی نے نبی ﷺ سے فرمایا: اذا ذکرت ذکرت معی جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا ساتھ ہی تمہارا ذکر کیا جائے گا اور جس طرح محبت کا تقاضا ہے ذکر میں معیت اسی طرح محبت کا تقاضا ہے اجسام میں اور ارواح میں معیت تو اس حوالے سے آپ امید وار تھے کہ اللہ تعالی تمہیں رسول گرامی اور حضرت صدیق کی معیت اور رفاقت عطا فرمائے گا ہجرت جیسے کٹھن سفر میں حضرت صدیق کی ہم راہی اور اپنا مال آپ پر ہمہ وقت قربان کرتے رہنا صغیر السن ہونے کے باوجود اپنی لخت جگر عائشہ صدیقہ کو آپ کی زوجیت میں دینا جو آپ کے بقیہ عرصہ حیات میں آپ کے لیے سکون قلب اور راحت جان کا موجب بنی رہیں۔

حضرت عمر فاروق کو اللہ تعالی سے اسلام کی ترقی اور سر بلندی کے لیے مانگنا اور ان کا واقعی اسلام و کفر میں تفرقہ کا موجب بننا اور اعلانیہ تبلیغ و اشاعت دین کا سلسلہ شروع کرنا اور ان کے مشوروں کے مطابق قرآن مجید کی آیات کا نازل ہونا اور نبی مکرم ﷺ کا سسر ہونا وغیرہ وغیرہ مور جب ان کی نظروں میں تھے کیوں نہ ان حضرات کی برتری اور افضلیت کے قائل ہوتے۔

سید عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد انصار نے یہ پروگرام بنالیا تھا کہ نبی مکرم ﷺ تو ہر حال ہمارے دین و دنیا کے حاکم اور فرماں روا تھے لیکن اب آپ کے سانحہ ارتحال کے بعد اپنے اس شہر میں حکمرانی اور فرماں روائی کا حق صرف ہمیں ہے مہاجرین یہاں رہیں تو حسب سابق خدمات سرانجام دیں گے لیکن ہم پر حکومت کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو وہاں تشریف لے گئے اور انہیں سمجھایا بجھایا کہ دین متین کو ترقی نصیب ہوئی اور بلند معیار پر پہنچا تو تمہارے تعاون سے ہی، تو اب اس میں تنزلی اور کمزوری آئے گی تو تمہارے اس اقدام سے ایک شہر میں دو

حکومتیں کیسے قائم ہو سکتیں ہیں؟ نیز سید عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے الأئمة من قريش امام او
حکمران قریش سے ہوں گے لہٰذا نحن الأمراء وأنتم الوزراء "امارت وحکومت قریش کی ہو
اور منصب وزارت تمہارا ہوگا" تو انہوں نے اپنا سارا منصوبہ ترک کر دیا اور وہیں پر حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو نائب رسول اور خلیفۂ نبی بنا دیا اگر ان
شخصیات انتہائی فضیلت مآب اور اعلی درجہ کی قدر و منزلت کی مالک نہ ہوتیں اور مہاجر
وانصار کی نظروں میں لائق اطاعت اور قابل اتباع نہ ہوتیں تو اپنے شہر اور علاقہ میں انصار ا
مہاجرین کو اپنا سردار اور حکمران کیوں بناتے جو کفار و مشرکین کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ان کا سہ
اور آسرا لیتے ہوئے اپنے اسلام وایمان پر ثابت قدم رہنے میں کوشاں تھے۔

اہم نکتہ:

بقول شیعہ حضرات علی مرتضی، حضرت زہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو ساتھ
کر رات کی تاریکی میں ہر ہر انصاری کے پاس گئے اور اپنی خلافت کے لئے ان
امداد واعانت کی اپیل کی، لیکن انہوں نے کہا ہم ابوبکر صدیق کی بیعت کر چکے ہیں پہلے آ جاتے
تمہاری بیعت کر لیتے لیکن صدیقی بیعت کو توڑ نہیں سکتے۔ اگر حضرت صدیق کی شخصیت افض
ترین نہیں تھی تو حضرت علی کے بذات خود کہنے اور سفارش بھی ساتھ لے جانے کے باوجود کامیا
کیوں نہ ہوئی اور یہ لوگ پہلے سے ہی آپ کی طرف متوجہ کیوں نہ ہوئے؟ نیز انہوں نے
ارشاد نبوی من كنت مولاه فعلي مولاه سن رکھا تھا تو جب اپنی دنیا قربان کر رہے تھے تو
از کم اپنے دین کا تحفظ کرتے ہوئے حضرت حیدر کرار کو خلیفہ بناتے! کیا کوئی شخص اتنا ہوش
خرد اور عقل ودانش سے خالی بھی ہوتا ہے کہ نہ اپنے دین کے تقاضے ملحوظ رکھے اور نہ ہی اپنی
کے بلکہ دونوں قربان کر دے؟ علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ منصب
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور کوئی شخص چوں چرا نہ کر سکا اور مولائے مرتضی

بیت سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور جب فاروقِ اعظم نے اپنے خلیفہ کے انتخاب کے لیے شوریٰ قائم فرمائی تو حیدرِ کرار کو اس کا رکن بننے میں بھی توقف وتردد نہ ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد کر دیا تو اس پر کسی کو چوں وچرا کی گنجائش نہ ہوئی اِس سے واضح ہو گیا اور دوپہر کے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ سب صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا نظریہ اور عقیدہ افضلیت کی ترتیب میں یہی تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شیخین کے بعد فضیلت وسربلندی کے قائل کیوں نہ ہوتے کیا انہیں آپ کے یہ خصائص وفضائل اور خدماتِ اسلام نظر نہیں آ رہے تھے؟

آنحضرت ﷺ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوہرا دامادی کا شرف عطا کرنا اور فرمانا اگر میری تیسری بیٹی غیر شادی شدہ موجود ہوتی تو میں اس کو بھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا" اور بعض روایات میں ہے کہ "تیس بیٹیاں بھی ہوتی اور وہ یکے بعد دیگرے فوت ہوتی جاتیں تو میں سبھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا" نیز جب جنگِ خندق کے بعد آپ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور کفار نے آپ ﷺ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا کہ تم ہمارے دشمن ہو اور ہماری اجازت کے بغیر عمرہ کرنے آ گئے ہو ہم جیتے جی تمہیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا سفیر بنا کر کفارِ مکہ کے پاس بھیجا کیونکہ وہ لوگ کثیر تعداد میں آپ کے ساتھ برادری میں شامل تھے اور سب آپ کا حیا ولحاظ کرتے تھے تو انہوں نے کہا تمہیں اجازت ہے عمرہ کر لو صفا ومروہ کے درمیان سعی کر لو، مقامِ ابراہیم پر نفل پڑھ لو لیکن تمہارا نبی عمرہ نہیں کر سکتا۔ آپ نے ان کی پیشکش رد کرتے ہوئے فرمایا:

ما کان لعثمان أن یطوف بالبیت ورسول اللہ ﷺ لم یطف

یہ نہیں ہو سکتا کہ عثمان طواف کرے اور عمرہ کے افعال ادا کرے مگر رسول اکرم ﷺ عمرہ نہ کر سکیں تو کفار کو یہ جواب بہت برا لگا تو انہوں نے آپ کو قید وبند میں ڈال دیا۔ اُدھر بارگاہ

نبوت میں یہ اطلاع پہنچی کہ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ نے چودہ سو صحابۂ کرام کو جو آپ
ہم راہی تھے ان کو حکم دیا کہ میرے ہاتھ پر کفار کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے بیعت کر دیا
خود بھی عثمان کی طرح شہید ہو جائیں گے یا پھر ان کے خون کا بدلہ لے کر واپس جائیں
جب بیعت کر چکے تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ مبارک بلند کر کے فرمایا:

"یہ ہاتھ عثمان کا ہے اور عثمان کی طرف سے اس جہاد کیلئے بیعت میں کر رہا ہوں"

اب ان بیعت کرنے والوں میں صرف ان کو شامل ہی نہیں کیا بلکہ عظیم انفرادیت
فرمادی کہ جس ہستی پاک کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے آپ نے اس کو حضرت عثمان کا ہاتھ قر
اور چودہ سو صحابہ کرام کو بلکہ خود کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر قربان کرنے کا عزم ف
کیونکہ اس غزوہ میں قیادت آپ نے ہی کرنی تھی بہر کیف رسول کریم ﷺ کے اس کر
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان کھل کر سامنے آ گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے سب بیعت کرنے والوں سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا اور ان
اخلاص کی شہادت دی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُو
فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح، 18:48)

اور مقامِ رسول کریم ﷺ کو اجاگر اور نمایاں فرمایا اور بیعت کرنے والوں کی شان
کما قال تعالی: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ
اَيْدِيْهِمْ (الفتح، 10:48) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ صرف اور صرف
سے بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے یہ سب عظمتیں اور کرامتیں حض
عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ایثار اور قربانی سے ظاہر ہوئیں کہ رسول خدا ﷺ عمرہ کریں گے تو
بھی کرے گا ورنہ نہیں۔ خود شیعی علماء نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اس حسرت کو بیان کر

ہوئے کہا:

خوشا حال عثمان ذی احتشام که تنها کند طوف بیت الحرام

عثمان کتنا خوش قسمت ہے کہ وہ اکیلے طواف کعبہ کرلے گا لیکن ہم یہاں حدیبیہ پر محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔تو نبی اکرم ﷺ نے آپ کی طرف سے اس جسارت سے براءت بیان کرتے ہوئے اور رسول معظم ﷺ کی کامل محبت اور عشق صادق کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:

ز عثمان نداریم ما ایں گماں که تنها کند طوف بیت الحرام

(حملہ حیدری)

ہم حضرتِ عثمان کے متعلق قطعاً یہ گمان نہیں رکھتے کہ وہ اکیلے بیت الحرام کا طواف کریں جبکہ ہم اس سے روک دیے گئے ہوں۔

ذرا اندازہ کریں کہ ایسے بدترین دشمنوں کے پاس سفارت کیلئے جانا بھی کارے دارد ہے۔ پھر اس قدر طویل سفر اور وہ بھی اونٹوں وغیرہ کی سواری کی صورت میں کس قدر دشوار اور مشقت آمیز اور صبر آزما آمدورفت تھی اور وہ بھی مقصود اصلی کے حصول کے بغیر۔ پھر کفار و مشرکین کی طرف سے ان کو خصوصی اجازت بھی مل رہی ہو اور طواف کعبہ اور حجر اسود کی بوسہ زنی کا موقعہ بھی مل رہا ہو لیکن رسول گرامی ﷺ کو عمرہ کی اجازت نہ مل سکنے کی بناء پر اس کو ٹھکرا دینا۔ کیا اللہ تعالی اور رسول مقبول ﷺ اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی نظروں میں کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ العیاذ باللہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہوں گے؟

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جس کو ساعۃ العسرۃ سے تعبیر کیا گیا ہے آپ نے نو سو چالیس اونٹ اور ساٹھ گھوڑے پیش کیے اور قیصر روم کے خلاف جنگ کی تیاری میں امداد دی اور بعض روایات کے مطابق ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے، مزید برآں ہزار دینار پیش کیے۔ بئر رومہ صرف ایک میٹھے پانی والا کنواں تھا اور یہودی کی ملکیت میں تھا جو پانی کے معاملہ میں اہل

اسلام کو بہت پریشان کرتا تھا حالانکہ قیمت بھی وصول کرتا تھا۔ اس کو آپ نے پینتیس ہزار در
میں خرید کر اہل اسلام کے لیے وقف کر دیا اور دوسری روایت کے مطابق اسی ہزار درہم
بدلے خریدا اور اہل اسلام پر وقف کر دیا۔

مسجد شریف صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنگ ہوگئی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سا
پیشکش فرمائی کہ "ہے کوئی شخص جوان پڑوسی انصار کا قطعۂ زمین خرید کر مسجد شریف کی توسیع
لیے وقف کرے اور اس کے بدلے بہتر قطعہ جنت کا مجھ سے حاصل کرے جس کی میری طر
سے ضمانت ہے"

تو آپ نے دس ہزار درہم کے بدلے اسے خرید کر وقف کرتے ہوئے مسجد شریف
توسیع کا اہتمام فرمایا اور بالآخر کئی دن گھر پر محصور رہ کر جام شہادت نوش فرمایا اور عظیم تر
سلطنت کا متولی و متصرف ہوتے ہوئے ایک قطرہ خون کا بھی شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گرانا پسند
اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر مکہ کو خطاب میں وارد مژدۂ شہادت کو بخوشی و خرمی اور کمال ص
استقامت سے عملی شہادت کے طور پر قبول کر لیا۔ تو کیوں صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے قلو
واذہان پر ان کی عظمت کے نقش گہرے نہ ہوتے؟ اور وہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات پا
میں اور آپ کے سانحۂ ارتحال کے بعد حضرت عثمان کی ان عظیم ترین اور ان حقیقی اور پر اخلا
قربانیوں کو کیوں نہ یاد رکھتے اور ان کی فضیلت کے گن کیوں نہ گاتے؟

خاص نکتہ:

نیز کنا نقول کے الفاظ پر نظر رہے کہ یہ صرف ایک دو صحابی حضرات یعنی عبداللہ
عمر رضی اللہ عنہما کا قول اور دعویٰ نہیں ہے بلکہ جماعتِ صحابہ اور سوادِ اعظم رضی اللہ عنہم ج
کی راہ جنت کی راہ ہے اور ان کی مخالفت دوزخ کی راہ ہے یہ ان کا قول اور نظریہ ہے خواہ قو
بمعنی ملفوظ ہو یا قول بمعنی معقول اور ذہنی اعتقاد ہو۔ گویا ان کی زبانیں اسی قول کے ساتھ

تھیں اور ان کے اذہان کی تختیوں پر بھی یہی نقوش ثبت تھے۔

(۴) حضرت محمد بن حنفیہ کا حضرت مولائے مرتضیٰ سے یہ سوال کرنا کہ نبی مکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے خیر اور بہتر کون ہے اور ان کا فرمانا "ابو بکر" پھر سوال کرنا کہ ان کے بعد کون تو آپ کا فرمانا "عمر فاروق رضی اللہ عنہ" اور حضرت محمد بن حنفیہ کا فرمانا کہ اگر میں کہتا پھر کون؟ خشیت أن یقول عثمان تو مجھے اندیشہ لاحق ہوا اور یہ خوف دامن گیر ہوا کہ یوں نہ کہہ دیں پھر عثمان سب سے بہتر ہیں تو میں نے انداز سوال بدل دیا اور کہا کہ پھر آپ سب سے بہتر ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ما أنا الا رجل من المسلمین "میں تو اہل اسلام میں سے ایک عام مرد ہوں"

سوال یہ ہے کہ اگر صحابۂ کرام اور اکابر تابعین کے ہاں ان حضرات کی افضلیت کی یہ ترتیب مشہور و معروف نہیں تھی تو ان کو یہ اندیشہ کیوں لاحق ہوا اور جب ان قرون خیر میں یہ ترتیب مشہور و معروف تھی تو پھر تفضیلِ عثمان میں توقف یا ان پر مولائے مرتضیٰ کو فضیلت دینا معروف و مشہور اور مسلم بین السلف نظریہ کی سراسر خلاف ورزی ہے اور سخت ناپسندیدہ امر ہے۔

فائدہ:

حضرت محمد بن حنفیہ نے جس وقت یہ سوال کیا اس وقت تک تینوں خلفاء دار فانی سے کوچ کر چکے تھے اور آپ بلاشک وشبہ سب موجودین سے افضل تھے لیکن از رہ تواضع و انکساری اپنے آپ کو ایک عام مسلمان مرد کی سطح پر رکھا۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست — گدا گر تواضع کند خوئے اوست

الغرض جماعت صحابۂ کرام اور سواد اعظم کے نزدیک خلفائے کرام میں افضلیت کی یہی ترتیب معروف و مشہور بھی تھی اور مسلمہ و مصدقہ بھی لہٰذا اس کا خلاف قطعاً مناسب نہیں ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے

أصحابی کالنجوم سے استشہاد کی حیثیت

اہل السنّت والجماعت کے اصول وقواعد اور کلیات وضوابط عرض کیے جا چکے ہیں ک
سب سے پہلی دلیل کتاب اللہ ہے- اس کے مقابل ومعارض کوئی روایت ہوگی اور تطبیق وتوافـ
ممکن نہیں ہوگا تو روایت کو نظر انداز کردیا جائے گا اور اگر ایک روایت دوسری روایت کے مقابل
ہوگی تو محدثین کی کتبِ حدیث میں اور روایات کے متعلق درجہ بندی کے مطابق راجح ومرجو
اور ضعیف وقوی کا فیصلہ کرتے ہوئے قابلِ قبول ہونے نہ ہونے کا تعین کیا جائے گا اور تیسر
درجے میں اجماع واتفاق یا سوادِ اعظم کی راہ وروش اور سنت وطریق پر عمل کیا جائے گا-

کسی ایک صحابی کا قول جو سوادِ اعظم اور فقہاء ومفسرین صحابۂ کرام اور قدیم الصحبت
اور خدماتِ عظیمہ کے سرانجام دینے والوں کے اقوال ونظریات کے خلاف ہوگا تو وہ قول عقید
نظریہ کی حیثیت سے قطعاً قابلِ قبول نہیں ہوگا بلکہ تطبیق و توفیق نہ ہوسکنے کی صورت میں تر
کردیا جائے گا-

لیکن سید عبدالقادر شاہ صاحب اور ان کے ہمنواؤں نے تفضیلِ صحابہ کی اس ترتیب
سے انحراف کرتے ہوئے اور اجماعِ امت اور سوادِ اعظم والے راہِ راست سے علیحدگی اختیا
کرتے ہوئے اور اپنے اختراعی عقیدہ کی تائید وتقویت میں اس حدیثِ پاک کا سہارا لیا اور شذ
تفرد کو بنیاد بنایا ہے- اس کی آڑ میں اجماعی راستہ کو ترک کرنے کا جواز نکال لیا ہے اور رفض وتشـ
کے لیے راہ ہموار کرنے کی مذموم سعی فرما رہے ہیں- اکابرین محدثین کی زبانی اس روایت ک
حیثیت کو ملاحظہ فرمادیں پھر اس پر تعمیر کردہ محل کی مضبوطی اور استحکام کا اندازہ لگادیں- امید
کہ اوہام ووساوس کی گردوغبار آنکھوں کے آگے سے ہٹ جائے گی-

قال رسول اللہ ﷺ: أصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اهتدیتم

(رواه رزين، مشكوٰة باب مناقب الصحابة رضى الله عنهم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں لہٰذا جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"

(١) قال ابن الربيع: اعلم أن حديث أصحابي كالنجوم (الحديث) أخرجه ابن ماجة كذا ذكره جلال الدين السيوطي في تخريج أحاديث الشفاء ولم أجده في سنن ابن ماجه بعد البحث عنه۔

ابن ربیع فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اصحابی کالنجوم اس کو ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے احادیث شفاء کی تخریج میں اس طرح ذکر کیا ہے اور میں نے سنن ابن ماجہ کی مکمل چھان بین کے باوجود اس حدیث کو وہاں نہیں پایا۔

(٢) وقد ذكره ابن حجر العسقلاني في تخريج أحاديث الرافعي في باب أدب القضاء وأطال الكلام عليه و ذكر أنه ضعيف واهن۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے اس کو رافعی کی احادیث کی تخریج میں ادب القضاء کے باب میں ذکر کیا اور اس پر طویل بحث فرمائی اور یہ فیصلہ دیا کہ یہ ضعیف اور کمزور بنیاد والی ہے۔

(٣) بل ذكره عن ابن حزم أنه موضوع باطل لكن ذكر عن البيهقي أنه قال ان حديث مسلم يؤدى بعض معناه يعني قوله ﷺ النجوم آمنة للسماء (الحديث) قال ابن حجر صدق البيهقي هو يؤدى صحة التشبيه للصحابة بالنجوم امافي الاقتداء فلا يظهر۔ نعم يمكن أن يتلمح ذالك من معنى الاهتداء بالنجوم –

(٤) قلت الظاهر ان الاهتداء فرع الاقتداء ـ

بلکہ ابن حزم سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع اور باطل ہے لیکن ابن

حجر نے امام بیہقی سے نقل فرمایا کہ مسلم شریف کی یہ حدیث شریف اس حدیث کا کچھ معنی اور بعض
حصہ ادا کرتی ہے یعنی نجوم آسمان کیلئے امان ہیں جب وہ ختم ہو گئے اور ناپید ہو گئے تو آسمان پر
کچھ آ جائے گا جس کا اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے۔ و أنا أمنة لأصحابي
فاذا ذهبت أنا أتى أصحابي مايوعدون (الحديث) اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں
میں اس دنیا سے کوچ کر گیا تو میرے صحابہ پر وہ کچھ آ جائے گا جس کا ان کو وعدہ دیا گیا ہے
میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب وہ چلے گئے تو میری امت پر وہ کچھ آ جائے
جس کا وہ وعدہ دیے گئے ہیں۔ لیکن مسلم کی حدیث سے صحابۂ کرام کی نجوم کے ساتھ تشبیہ کی وجہ
تو ثابت ہوتی ہے لیکن اقتداء میں اور اہتداء میں تشبیہ ظاہر نہیں ہوتی ہاں ممکن ہے کہ اس کی طرف
رہنمائی حاصل کی جائے نجوم سے ہدایت پانے کی وجہ سے، میں کہتا ہوں کہ ہدایت پانا فرع ہے
اقتداء کی جب اقتداء میں تشبیہ اور مشارکت ثابت نہ ہوئی تو اہتداء میں مشابہت و مشارکت کیسے
ثابت ہو سکتی ہے؟

(٥) قال وظاهر الحديث انما هو اشارة الى الفتن الحادثة بعد انقراض الصحابة
من طمس السنن وظهور البدع ونشر الجور في أقطار الأرض۔

ابن حجر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا ظاہری معنی و مفہوم یہ ہے کہ اس میں
اشارہ ہے ان فتنوں کی طرف جو بالعموم صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دور کے ختم ہونے پر اور سنن
نبویہ اور سیرت مصطفویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے بجھ جانے کے بعد اور بدعات کے ظہور کے وقت اور
اطراف عالم میں جور و ظلم کے عام ہو جانے پر یہ حکم ہے۔

(٦) و تكلم على هذا الحديث ابن السبكى فى شرح ابن الحاجب الأصلي في
الكلام على عدالة الصحابة ولم يعزه لابن ماجة وذكره في جامع الأصول ولفظه عن
ابن المسيب عن عمر ابن الخطاب مرفوعاً سألت ربى (الحديث) الى قوله اهتديتم

کتب بعده أخرجه فهو من الأحاديث التي ذكرها رزين في تجريد الأصول و لم يقف عليها ابن الأثير في الأصول المذكورة وذكره صاحب المشكوٰة وقال أخرجه رزين

(مرقات ج۱۱،ص۲۸)

علامہ ابن سبکی نے اس حدیث پر علامہ ابن حاجب کی شرح میں اس اصل وقاعدہ میں کہ صحابۂ کرام عادل ہیں کلام فرمایا کہ دراصل یہاں پر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی عدالت پر تنبیہ کرنا مقصود ہے (اور الصحابة كلهم عدول والے ضابطہ کی بنیاد کی طرف اشارہ کرنا مطلوب ہے) اور ابن سبکی نے اس حدیث کو ابن ماجہ کی طرف منسوب نہیں کیا اور اس کو جامع الاصول میں ذکر کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن المسيب عن عمر ابن الخطاب مرفوعا سألت ربي الىٰ قوله اهتديتم۔ یعنی نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اپنے اصحاب کے باہمی اختلاف کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اے محمد! ﷺ تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے تاروں کی مانند ہیں جن میں بعض بعض سے قوی ترین ہیں اور ہر ایک کے لیے نور ہے لہٰذا ان میں سے جس کی سیرت وروش کو کسی بھی شخص نے اپنا لیا ان کے باہمی اختلاف میں سے تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اتنی مقدار اس حدیث کی نقل کرنے کے بعد یوں لکھا اخرجه لیکن کس نے تخریج کی ہے اس کو یہاں بیان نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ان احادیث میں سے ہے جنہیں رزین نے تجرید الاصول میں ذکر کیا لیکن علامہ ابن الاثیر کو اصول مذکورہ میں بھی دستیاب نہیں ہو سکی اور نہ ہی وہ اس پر مطلع ہو سکے اور صاحب مشکوٰۃ نے اس کو رزین کے حوالے سے ذکر کر دیا۔

اقول:

جب اس شاذ اور انحرافی قول کی بنیاد اور اساس کا حال یہ ہے تو اس پر تعمیر کردہ محل کا

حال کیا ہوگا؟

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

الغرض اس حدیث سے اس مذموم مقصد پر استدلال و استشہاد کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

اولاً:

اس لیے کہ اس کا مخرج معلوم نہیں ہوسکا نہ جامع الاصول میں دستیاب ہوئی نہ ابن ماجہ شریف میں مکمل چھان بین کے بعد نظر پڑی۔ صرف صاحب مشکوٰۃ نے اس کو رزین کی طرف منسوب کیا۔

ثانیاً:

یہ نہ حدیث صحیح اور نہ حسن بلکہ ضعیف ہے اور وہن و کمزوری سے دوچار ہے بلکہ بعض کے نزدیک موضوع اور باطل ہے۔

ثالثاً:

اس کی معنوی تقویت کے لیے مسلم شریف کی روایت کا سہارا لیا گیا لیکن وہ بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچا کیونکہ اس سے ستاروں کے ساتھ تشبیہ کی صحت اور درستگی ثابت ہوئی اور وہ محل کلام اور موضوع بحث نہیں ہے اور ان کی اقتداء کے ذریعے اہتداء کا اثبات مقصود تھا لیکن اس پر کسی طرح بھی دلالت ثابت نہ ہوئی۔

رابعاً:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اور ساتھ ہی مذکور روایت پر بحث و تمحیص سے قطع نظر اس کا مصداق اور محمل تعدیل صحابہ کرام ہے تو اس کا مصداق و محمل بھی وہی ہوگا چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے بارہا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی یہ تمنا اور آرزو پیش کی کہ میرے بعد میرے امتیوں بالخصوص صحابہ کرام میں اختلاف اور باہم جنگ و جدال اور حرب و قتال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

میری تقدیر اسی طرح وارد ہو چکی ہے لہٰذا اس میں مداخلت نہ فرماویں البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان کو عتاب وعذاب کا نشانہ نہیں بناؤں گا اور ان کو فساق وفجار کے کھاتے میں نہیں ڈالوں گا اور ہر فریق ان میں سے میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا اور ان کی اقتداء کرنے والے بھی یعنی حرب جمل والے ہوں یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا ساتھ دینے والے ہوں وہ سبھی عادل و مہتدی ہیں اور مقبول الشھادۃ فی الروایات اور اس کی تائید وتصدیق نبی رحمت ﷺ کا حضرت امام حسن کے حق میں یہ ارشاد کر رہا ہے:

ان ابنی ھذا سید لعل اللہ أن یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین ۔

(رواہ البخاری)

بے شک میرا یہ بیٹا سردار اور محترم ہے عن قریب اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اہل اسلام کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا اور حرب وقتال اور باہمی خونریزی کو ختم فرمائے گا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت وحکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی اور خود بھی ان کی بیعتِ اطاعت کر لی اور اپنے محترم ومحتشم برادر گرامی قدر امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی بیعتِ اطاعت پر آمادہ فرمالیا اور اپنے نانا جان ﷺ کے غیبی فرمان کو برحق ثابت کردیا۔

نیز اس حقیقت کو سید عالم ﷺ نے بھی اور آپ کے ان لاڈلوں نے بھی واضح فرمادیا کہ خطا اجتہادی مجتہد کو ایمان واسلام سے تو کجا عدالت اور تقویٰ سے بھی نہیں نکالتی تو چونکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان حروب اور مقاتلوں میں مجتھد مصیب تھے لہٰذا ان کے خداداد عالی اور بلند درجہ اور مرتبہ میں بھی فرق نہ پڑا اور آپ کے ساتھ حرب وقتال کرنے والے مجتھد مخطی تھے لہٰذا وہ بھی اسی طرح مومن ومسلم اور عادل ومتقی ہیں جیسا کہ پہلے تھے اور ان کی روایات وشہادات پہلے کی طرح مقبول ومعتبر ہیں۔

اس طرح کے تنازعات کی نظیر انبیاء علیہم السلام کے عمل سے بھی مل جاتی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر چلہ کشی، حصولِ تورات اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے لیے جاتے وقت اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو جبکہ وہ بھی نبی تھے اپنا قائم مقام بنا گئے۔ جب واپس تشریف لائے اور قوم کی اکثریت کو شرک کرتے ہوئے اور بچھڑے کی پوجا پاٹ کرتے ہوئے پایا تو حضرت ہارون علیہ السلام کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا اس گمان پر کہ اس کی رضامندی یا خلافت کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی بنا پر شرک جیسا قبیح کام اور ظلم عظیم ان اسرائیلیوں سے سرزد ہوا ہے، جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے زبانی زبانی بہت منع کیا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور جنگ لگوانے کے بغیر چارہ نہ رہا تو انہوں نے سوچا کہ اتنا بڑا اقدام بھائی جان کے ساتھ صلاح مشورہ کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔ صرف چھ لاکھ کی تعداد پہلے ہیں اور جنگ کی صورت میں ڈیڑھ دو لاکھ قتل ہو جائیں گے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کہیں گے کہ بھلی رکھوالی تو نے کی ہے اور خلافت و نیابت کا حق خوب نبھایا جس طرح نبھانا چاہیے تھا۔ لہٰذا میں ان کا انتظار کرتا ہوں اور ان کی آمد پر صلاح مشورہ کر کے ان مشرکین کے خلاف کاروائی کریں گے اور اس واقعہ پر قرآن مجید شاہد ہے اور تفصیلی طور پر کلام مجید میں اس کو بیان کیا گیا ہے جبکہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ ایک عالم کی ڈاڑھی کو کوئی ہاتھ ڈالے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا ہے اور یہاں نبی کی عزت و تکریم میں خلل ڈالا گیا اور ان کے مشرک دشمنوں کے سامنے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ لیکن ہے کوئی پورے عالم میں مفتی جو حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام پر فتویٰ لگائے کیونکہ یہ آپ کی خطا اجتہادی تھی کہ آپ نے سمجھا کہ میرے بھائی اور خلیفہ نے شرک جیسے کبیرہ کے حق میں تساہل اور تغافل شعاری سے کام لیا ہے اس پر سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اس امر کا ارتکاب کیا لہٰذا وہ کسی قسم کے فتوے اور تادیب و تعزیر کی زد میں نہیں آسکتے، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اقدام پر سرزنش اور تنبیہ فرمائی۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ نبوت و رسالت جیسے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود اگر بشری تقاضے ظاہر ہو سکتے ہیں تو صحابیت کے مرتبہ و مقام پر فائز ہونے سے یہ حضرات سراسر ملکی صفات کے مالک تو نہیں بن گئے تھے؟ نیز ان کی بھی خطا اجتہادی کا مبدأ و منشاء موجود تھا کہ خلیفۂ برحق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عرصۂ دراز تک محصور و محبوس رہ کر جام شہادت نوش کر رہے ہیں اور وہ بھی شیر خدا اور اسد اللہ الغالب جیسی ہستی کی موجودگی میں پھر خلافت سنبھالنے کے بعد ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جا رہا اور اس میں حیلے بہانے بنائے جا رہے ہیں۔ ادھر مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنی مجبوریاں تھیں کیونکہ باغیوں کے خلاف حرب و قتال کی اجازت خلیفہ وقت نہیں دے رہے تھے کہ میں صرف اپنی جان کی حفاظت کے لیے شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خون میں نہاتے نہیں دیکھ سکتا اور آپ نے اپنے لختِ جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ بلکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر اور نورِ نظر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرہ دار بنا رکھا تھا جبکہ باغیوں نے عقبی دیوار پھلانگ کر اور اندر داخل ہو کر آپ کو شہید کر دیا اور خلافت سنبھالنے پر جب ان کی بغاوت ختم ہو گئی تو ان کے خلاف من حیث المجموع کاروائی کا کوئی جواز نہیں تھا اور اصل قاتل مل نہیں رہا تھا۔ جب آپ دریافت کرتے تو سبھی اپنے اپنے سر یہ اقدام لے لیتے تھے لہٰذا آپ کی مجبوری تھی کہ حالات پر سکون ہو لیں اور معاملات پوری طرح گرفت میں آ جائیں اور قاتل کی بھی مکمل تحقیق و تفتیش ہو لے اس لئے تاخیر فرما رہے تھے۔

الغرض آپ اپنی جگہ مجتہد مصیب تھے اور دوسرے حضرات مجتہد مخطی لہٰذا دونوں فریق عند اللہ قابل مؤاخذہ اور لائق عذاب و عتاب نہیں ہیں نہ ان مقاتلات کی وجہ سے ان کی عدالت و صداقت اور تقویٰ و تزکیہ میں خلل پڑا اور یہی اس حدیث کا محمل اور مصداق ہے۔

لہٰذا اس تقدیر پر بھی اس حدیث کو اجماع صحابہ اور سوادِ اعظم کی اتباع کے وجوب و لزوم کے خلاف دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن فقط اہل علم و دانش اور ارباب عدل و انصاف کے ہاں

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔اگر عدل وانصاف اور دیانت وامانت کو خیر
کہہ دیا جائے تو اس کا کیا علاج؟

خامساً:

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق ثبوت سند اور معلومیہ
مآخذ اور تعین مخرج والے اعتراضات سے قطع نظر علیٰ تقدیر التسلیم اس حدیث کا مطلب
مقصد اور معنیٰ ومفہوم یہ ہے کہ جب بالعموم دورِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان اختتام پذیر ہو جائے ا
اکا دکا صحابی مختلف اطراف واکناف میں رہ گئے ہوں ادھر سنت کا نور مٹ رہا ہو اور بدعات
طوفان اور آندھیاں چلنے لگیں اور اطراف عالم میں جور وستم عام ہو جائے تو اس وقت ان نج
ہدایت سے وابستہ رہنا اور بجائے بدعات پر کار بند ہونے کے اور جور وستم کے مرتکب ہو
کے اس طرح عمل اور طریق نجات کو اپنانا تو اس صورت میں بھی اس حدیث پاک سے اجما
صحابہ کی مخالفت اور سوادِ اعظم سے شذوذ وانحراف کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں نکلتی ۔واللہ تعالی ھ
الھادی

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ ع
کی افضلیت علیٰ الاطلاق متفق علیہ اور اجماعی ہے اس میں مخالفت سنیت سے بغاوت
اور رفض وتشیع کی طرف رغبت ومیلان ہی نہیں بلکہ اس ضلالت وگمراہی کا ارتکاب ہے۔گو کامل
اکمل رفض وتشیع نہ سہی اور مولائے مرتضی اور عثمان ذوالنورین کے درمیان تفضیل کا معاملہ پہ
حضرات کی تفضیل کی طرح چونکہ متفق علیہ اور اجماعی نہیں لیکن اہل اسلام کی عظیم اکثریت حضر
عثمان کی افضلیت کے قائل ومعترف ہیں لہذا اس معاملہ میں بھی اختلاف کرنے والا کامل واکمل
سنی نہیں ہے اگر چہ اس کو شیعہ اور رافضی بھی نہیں کہیں گے۔علامہ خطیب نے سند صحیح کے ساتھ
حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا ہے:

من قدم علیًا علی عثمان فقد أزری علی اثنی عشر ألفا مات رسول اللہ ﷺ وھو عنھم راض رضی اللہ عنھم أجمعین ۔

"جس نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان ذوالنورین پر مقدم اور افضل ٹھہرایا تو اس نے بارہ ہزاران صحابہ کو عیب لگایا اور ان کی تنقیص کی جن سے حالتِ وصال میں رسول اکرم ﷺ راضی تھے" (اور ظاہر ہے کہ اس قدر کثیر التعداد صحابہ کو عیب لگانے والا شخص صحیح العقیدہ سنی کیسے ہوسکتا ہے؟)

امام نووی فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار سے مراد وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو نبی مکرم ﷺ کے وصال شریف کے بارہ سال بعد موجود تھے جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران مرتدین اور جھوٹے نبیوں اور زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بہت سے حضرات صحابہ شہید ہوچکے تھے اس طرح اس دور کی فتوحات کے دوران، پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے فتوحات میں بہت سے حضرات شہید ہوگئے اور طاعون میں بالعموم اور بالخصوص طاعون عمواس میں لہٰذا اس تو ہم کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی تعداد تو اس سے کہیں زیادہ تھی تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اسد اللہ الغالب پر افضلیت کے قائل قلیل تعداد ہی ہوئے تمام صحابۂ کرام یا ان کے سوادِ اعظم کا اس پر اتفاق اور اجماع ثابت نہ ہوا کیونکہ اس وقت تک بہت بڑی تعداد میں صحابہ راہی ملک بقاء ہوچکے تھے اور دارِ آخرت کو سدھار چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم

فائدہ عظیمہ: اقول:

اگر حضرت عثمان پر اسد اللہ الغالب کی تقدیم بارہ ہزار صحابہ پر اعتراض ہے اور ان کی

تنقیص ہے تو حضرت صدیق اکبر پر سیدنا علی کی تقدیم و تفضیل تقریباً لاکھ صحابہ کرام علیہم الرضوان
کی بمع مولائے علی توہین و تحقیر ہے اور ان کو عیب لگانے اور بے خبر و بے شعور ثابت کرنے کی
مذموم جدوجہد ہے کیونکہ آپ نے تینوں خلفاء کی بیعتِ اطاعت بھی کی اور ان کے خداداد فضائل
مناقب بھی بیان کرتے رہے تو ایسے لوگوں کا مذہب مہذب اور سراپا حق وصدق یعنی مذہب اہل
السنت والوں میں شمار کرنا کیوں کر روا ہوگا؟ بلکہ وہ رفض و تشیع والی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں او
اوپر اوپر سے سنی ہونے کا دعویٰ کر کے اس مذہب مہذب کو ایسا نقصان اور ضرر پہنچا رہے ہیں جو
ظاہر و باہر شیعہ اور رافضی قطعاً نہیں پہنچا سکتے تھے لہٰذا یہ ان شیعوں اور رافضیوں سے زیادہ
خطرناک اور ضرر رساں ہیں۔

اللھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذ بك من شرورھم۔

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت دینی اور روحانی خلافت ہے:

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کہتے ہیں:

پہلے خلیفۂ راشد کو فاروق اعظم کی رائے اور تجویز اور رائے عامہ کی اکثریت سے چنا گیا۔مگر پہلے امام ولایت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں کسی کی تجویز مطلوب ہوئی اور نہ کسی کی تائید (القول المعتبر ص ۱۱)

دوسری جگہ یوں گوہر افشانی کی ہے کہ:

سیاسی وراثت کے فردِ اول حضرت ابوبکر صدیق ہوئے اور روحانی وراثت کے فردِ اول حضرت علی مرتضیٰ ہوئے، خلافتِ ظاہری دین اسلام کا سیاسی منصب ہے اور خلافتِ باطنی خلاصۂ روحانی منصب ہے خلافتِ ظاہری انتخابی اور شورائی عمل ہے خلافتِ باطنی محض وہبی اور اجتبائی امر ہے الخ (السیف الحلی ص۸،۹)

گویا علامہ موصوف کے نزدیک خلفائے ثلاثہ روحانی وراثت اور وہبی اور اجتبائی امر سے محروم تھے اور ان کی حکومت عام حکمرانوں جیسی حکومت تھی جبکہ شاہ عبدالقادر صاحب کے نزدیک وہ ائمۃ المساجد کی مانند تھے جن کو مقتدیوں پر کوئی فضل وشرف حاصل نہیں ہوتا۔

یہ مذہب اہل سنت پر بھی ظلم عظیم ہے اور خود ان کی جانوں پر بھی اگر ان کو نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد ملحوظ اور مدنظر ہوتا یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر ''اللہ تعالیٰ اور تمام مومنین ابوبکر کے سوا کو امام اور خلیفہ بنانے سے انکار کرتے ہیں'' اور آپ کا یہ فرمان کہ ''میں نے بار بار اللہ تعالیٰ سے اے علی تیری تقدیم کا سوال کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے علاوہ کسی کو ان پر مقدم ٹھہرانے سے انکار فرما دیا'' تو یہ حضرات کبھی اس طرح کے تقابل کی جسارت نہ کرتے۔کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ کا انتخاب بھی ہیں جیسے کہ اہل ایمان کا انتخاب ہیں۔

نیز ان حضرات کو کاش نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی یاد ہوتا ما راٰہ المومنون حسنا فھو عنداللہ حسن وما راٰوہ قبیحا فھو عنداللہ قبیح ''اہل ایمان جس امر کو مستحسن سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مستحسن ہوتا ہے اور جس کو قبیح اور برا جانیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

بھی قبیح ہوتا ہے"

تو جب حضرت صدیق کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے تو کیا وہ وہبی اور اجت
انتخاب نہیں ہوگا؟ نیز طاہر صاحب کے معتقدین یا شاہ عبدالقادر صاحب کے نیاز مند اہل ایما
کی بات نہیں ہے بلکہ ان اہل ایمان کی بات ہے جن کو رسول گرامی ﷺ نے تطہیر و تزکیہ
بہرہ ور فرمایا اور خیر القرون قرنی کا تاج ان کے سر پر سجا دیا تو ان کا انتخاب یقیناً اللہ تعالیٰ
انتخاب ہی ہے:

مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت کہ مہاجرین وانصار کا انتخاب اللہ تعالیٰ انتخاب ہے:

آپ کا حضرت امیر معاویہ کے سامنے اپنے برحق خلیفہ ہونے پر یہ دلیل پیش کرنا

انما الشوریٰ للمهاجرين والأنصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اما
كان ذالك لله تعالىٰ رضا (نہج البلاغہ)

"شوریٰ اور انتخاب کا حق صرف اور صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے اگر وہ ایک
شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام نامزد کریں تو وہی شخص اللہ تعالیٰ کا منتخب امام اور خلیفہ ہوگا"

کہیے جناب! اس ولایت کبریٰ کے مالک کا نظریہ وعقیدہ کیا ہے اور وہ ان حضرات
کے انتخاب اور چناؤ کو اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور چناؤ سمجھتے تھے یا نہیں؟

جب ان کے نزدیک ان مہاجرین وانصار کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور اس کی
مخالفت کرنے والا سبیل المومنین سے انحراف اور غیروں کی اتباع کی وجہ سے واجب القتال
ہے، تو گویا ان محبوں نے مولا علی کو جھٹلانا اور ان کی مخالفت کرنا اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔

بہر حال ہم مولائے مرتضی کے غلام ہیں اور ان کی اتباع واطاعت کے پابند ہیں

لہٰذا ہم بھی عقیدہ رکھنے کے پابند ہیں کہ اس خلافتِ خاصہ میں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہیں نہ کہ محض بندوں کا اور نہ عام بندوں کا انتخاب ہیں بلکہ خیر القرون کا شرف وفضل رکھنے والوں کا انتخاب ہیں۔

ذرا اس منظر کو دیکھیے جب بھی مہاجرین وانصار حضرت صدیق کو یا خلیفۃ رسول اللہ کا لقب دے کر پکار رہے ہوتے تھے تو کیا وہ جھوٹ بول رہے ہوتے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ اولئك هم الصادقون کہہ کر ان کے کامل واکمل صدق وحق گوئی کا اعلان فرما رہا ہے اور کیا وہ آپ کو یہ منصب دے کر اپنی ہلاکت اور تباہی کا سامان کر رہے ہوتے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ ان کو اولئك هم المفلحون کے اعزاز سے نواز رہا ہے کہ یہی کامل فلاح والے ہیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کسریٰ فارس کے خلاف حرب وقتال میں خود شامل ہونے کے لیے مشورہ طلب کیا تو اس میں اسد اللہ الغالب کا آپ کے حق میں اور آپ کے لشکر کے حق میں بیان حق ترجمان واضح کرتا ہے کہ یہ حضرات واقعی خلافتِ نبویہ اور خلافت الٰہیہ کے مالک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم ﷺ کی خلافت کے لیے ان کا ہی انتخاب فرمایا تھا اور دین متین کی تمکین واستحکام کی ضمانت دی تھی چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنفسِ نفیس میدان جنگ میں جانے کے حوالے سے مشورہ طلب فرمایا تو مولائے مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں اپنے عندیہ کا اظہار کیا:

ان هذا الأمر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا بقلة ـ هو دين الله الذى اظهره وجنده الذى أعدّه وأمدّه حتى بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع ـ ونحن على موعود من الله سبحانه والله منجز وعده وناصر جنده ـ الخ (نهج البلاغه)

”اس امر کا (یعنی دین اسلام کا) غالب ومنصور ہونا یا اس کا مغلوب وبے وقار ہونا نہ افواج کی کثرت کی وجہ سے ہے اور نہ قلت کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کو اللہ

تعالیٰ نے غالب اور سربلند فرمایا ہے اور یہ لشکر اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تیا
فرمایا ہے اور اس کی امداد واعانت فرمائی ہے حتیٰ کہ یہ دین اس بلندی پر پہنچا جہاں اس نے پہنچنا
اور اس کا آفتاب اس بلندی پر چمکا جس بلندی پر اس کو چمکنا تھا (گویا میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں
ہیں جن کے ساتھ میں اس رفعت اور بلندی کو بیان کر سکوں) ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امر موعود
ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی مدد کرنے والا ہے (لہذا تمہیں
کرنے کی ضرورت نہیں ہے)

سوال یہ ہے کہ یہ امر موعود کون سا ہے؟ جس کو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے نزدیک
اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور پورا فرمانے والا ہے صاف ظاہر اور دوپہر کے سورج کی طرح روشن
آپ نے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض
کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من
بعد خوفھم امنا۔(النور،55:24)

''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اہل ایمان اور صالح اعمال والوں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے
کہ ضرور بالضرور تمہیں خلافت عطا کرے گا زمین میں، جیسا کہ تم میں سے پہلے لوگوں کو یہ خلافت
عطا کی اور ان کے لیے ان کے دین کو مضبوط اور مستحکم کر دے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند
فرمایا ہے اور ان کے لیے (سرور عالم ﷺ کے وصال سے لاحق ہونے والے) خوف کو امن وطمانیت
میں بدل دے گا''

ایمانداری سے کہیے یہ صرف شورائی خلافت کا بیان ہے اور بندوں کے انتخاب کا یا اللہ
تعالیٰ کا انتخاب ہے اور یہ خلافت الٰہیہ ہے تم اسے جو بھی نام دو تمہارے اور ہمارے مولائے
مرتضیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اس کو اللہ تعالیٰ کی موعود خلافت الٰہیہ ہی سمجھتے ہیں جو دین کی تمکین

ورسوخ کی موجب ہے اور خوف واندیشہ کو امن میں بدلنے والی ہے- اگر آپ کے نزدیک اس خلافت کا علم بردار خلیفہ اللہ کے منصب کا مالک نہیں تھا تو اس کا دین اللہ تعالیٰ کا دین کیسے بن گیا اور اس کا لشکر اللہ تعالیٰ کا لشکر کیونکر بن گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کو حسب وعدہ امداد واعانت کا ضامن کیسے سمجھ لیا؟ اور کیا ایسا خلیفہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہوگا جو اس کے پسندیدہ دین کی مضبوطی اور استحکام کا موجب بن رہا ہے تو اس خلافت کو ولایت کے مقابل سمجھنے کا کیا مطلب؟ اور اس تقابل کے یہاں پر تصور کا بھی کیا جواز ہے؟ اور جب یہ خلافت فرع ہے خلافت صدیقی کی تو پھر اس اصل اور موقوف علیہ خلافت کی شان کیا ہوگی؟

غزوۂ فارس اور روم کی فتح کے موقع پر جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بذات خود عساکرِ اسلام کی قیادت کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو مولائے معظم نے فرمایا اور فاروقی بارگاہ میں اپنا ہدیۂ اخلاص اور نذرانۂ عقیدت ان الفاظ میں پیش فرمایا:

قد توكل الله لأهل هذا الدين باعزاز الحوزة وستر العورة والذى نصرهم وهم قليل لاينتصرون ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون حيى لايموت-الخ

(نہج البلاغہ)

تحقیق اللہ تعالیٰ اہل اسلام کے لیے ان کے غلبہ ونصرت کا ضامن بن چکا ہے اور ان کی کمزوریوں اور ناتوانائیوں پر پردہ ڈالنے کا کفیل بن چکا ہے جس خدائے بزرگ وبرتر نے ان کو اس وقت غالب ومنصور فرمایا جبکہ وہ قلیل تھے اور غلبہ وتسلط کے (بظاہر) اہل نہیں تھے اور دشمن کے غلبہ وتسلط سے انہیں محفوظ رکھا جبکہ وہ بظاہر محفوظ نہیں رہ سکتے تھے وہ زندہ وپائندہ ہے موت اس کے قریب پھٹک ہی نہیں سکتی (تو اب بھی اس طرح امداد واعانت فرمائے گا اور تمہاری افواج کو غلبہ اور تسلط عطا فرمائے گا لہذا خود تمہیں میدان کارزار میں جانے کی ضرورت نہیں ہے)

کہیے حضرات اگر مولائے مرتضی کی نگاہ میں یہ خلافت خلافتِ نبویہ نہیں تھی اور یہ

خلافت علی منہاج النبوت نہیں تھی اور یہ خلافت سراسر رحمت خداوندی کا مظہر نہیں تھی تو ا
میں بدر و حنین والی امداد خداوندی اور نصرت الٰہیہ کا حوالہ دینے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا؟ اور اگر
خلافت موعود خلافت نہیں تھی اور خلافت الٰہیہ نہیں تھی تو مولائے مرتضیٰ باوثوق اور پر اعتماد لہجہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے فاروق اعظم کے لشکر کی فتح مندی اور غالب و منصور ہونے کی ضمانت کیو
دے رہے تھے اور جب آپ کی نظر اقدس میں یہ خلافت موعودہ خلافت ہے اور دین کے تمکن
ضامن اور خوف و خطر کو طمانیت میں بدلنے والی خلافت ہے تو اس کو محض شورائی حکومت اور عا
جمہوری حکومتوں پر قیاس کرنے کا کیا جواز ہے؟

اس خلافت کو خلافت نبوت اور خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت خ
سرورِ عالم ﷺ نے قرار دیا اور اس کی میعاد بھی تیس سال مقرر فرما دی۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ اور ا
کے رسول مقبول ﷺ کی خلافت ہے اور جسمانی نیابت کے ساتھ ساتھ روحانی نیابت بھی ہے ا
اقتدار ظاہر کے ساتھ اقتدار باطن کی بھی مظہر کامل ہے۔ اس کو صرف زمین تک محدود سمجھنا اور ال
تعالیٰ کو اس سے بے تعلق اور غیر متعلق قرار دینا سراسر دھاندلی اور تحکم و سینہ زوری ہے بلکہ ضلا
وگمراہی ہے؟

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اہل تشیع کی راہ پر:

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب ایک اور مقام پر یوں گوہر افشاں ہیں:

حضور رسالت مآب ﷺ کے بعد قیادت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی چنانچہ سیاسی قیادت
مخصوص طریقہ کار سے حضرت ابو بکر صدیق نے سنبھال لی جس کو جمہوریت کا نام دیا گیا اور دینی
قیادت حضرت علی کو حاصل تھی کیونکہ دینی قیادت کا عہدہ جمہوری طرز عمل سے نہیں ملا کرتا بلکہ یہ
خدائی عہدہ ہے وہ جس کو چاہے دے دیتا ہے اور اس کی اہلیت کا اندازہ سوائے اللہ کے کسی کو نہیں
ہو سکتا پس اپنی قیادت یعنی امامت حقہ کی تعیین امت کے اختیار میں نہیں ہے کہ جسے چاہیں چن

لیں بلکہ جس طرح خدا اپنے اختیار و علم سے نبی کو نامزد کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے علم واختیار سے خلیفہ نبی اور امام امت کو نامزد کرتا ہے جس کا اعلان و اظہار رسول کے ذمہ ہوتا ہے اور حضرت علی کی امامت و خلافت کا اعلان حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اپنے خطبۂ غدیریہ میں ایک لاکھ سے زیادہ حاجیوں کے مجمع میں فرمایا

(امامت وملوکیت ص ۱۶۶،۷)

کیا یہ صاف شیعہ کی بولی نہیں؟ اور اس میں بندوں کے انتخاب اور اللہ کے انتخاب میں تقابل کر کے کیا تاثر دیا گیا ہے؟ سیاسی قیادت حضرت صدیق کے لیے اور دینی قیادت حضرت علی کے لیے تسلیم کر کے گویا حضرت صدیق کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان کو بھی دینی قیادت سے محروم تسلیم کیا گیا ہے تو ان کی خلافت کے دور میں بھی دین متین کو نافذ کیا کرنا تھا؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافت کا وعدہ تو دین کے استحکام اور پائیداری کے لیے تھا اور دینی قیادت خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ میں ہی نہیں تھی تو وہ خالص دنیوی بادشاہوں کی طرح بادشاہ رہے نہ کہ خلفائے راشدین اور نافذین دین مبین تو شیعہ کے نظریہ اور ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے نظریہ میں کیا فرق رہا؟ بلکہ کھلم کھلا شیعوں کی نسبت وہ اہل سنت کے لیے زیادہ مضر اور نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی خلافت والی فضیلت اور ذاتی کمالات وخصائص والی فضیلت کا فرق کر کے ان حضرات خلفائے ثلاثہ کو ذاتی خوبیوں اور خصائص اور امتیازی اوصاف وکمالات سے عاری اور خالی ثابت کر کے شیعہ کے لیے زمین اچھی طرح ہموار کی ہے اور فضائل پر دلالت کرنے والی آیات واحادیث میں من مانی تاویلات سے کام لے کر ان کی بھرپور امداد کی ہے اور اہل سنت کو توہمات ووساوس میں مبتلا کرنے کی مقدور بھر سعی نامشکور فرمائی۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من الضلال بعد الهدی۔

ولایتِ مرتضویہ کا مصرف کیا تھا؟

مولائے مرتضیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولایت کے لیے نامزدگی اور نبی ک
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان تک محدود ہو کر رہ جاتا اور اس انتخاب میں آپ کا دخل ہی نہ ہوتا کیا
امر کا غماز نہیں ہے کہ یہ کمال اللہ تعالیٰ نے براہ راست علی مرتضیٰ کو عطا فرمایا ہے۔ جس میں ص
کرام تو کجا نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی حصہ نہیں ہے جبکہ اہل سنت کے نزدیک جس ک
جو کمال ظاہری اور باطنی دینی اور دنیاوی نصیب ہوتا ہے وہ بوسیلہ مصطفےٰ کریم ہی نصیب ہوتا
اور آپ کے دست جود و نوال سے ہی ان کو حاصل ہوتا ہے اللّٰہ یعطی و انما أنا قاسم اور ی
شیعہ والی سوچ ہے ان کے نزدیک رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم ان چار حضرات فاطمہ علی حسن اور حسین ر
اللہ عنہم کے خادم ہیں اور اصل مقصود ذاتیں وہ ہیں — العیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔

(۲) اس ولایت میں دینی قیادت کا اعلان تھا یا روحانی قیادت کا؟ تو دریافت طلب ام
ہے کہ اس قیادت کا دائرۂ کار کہاں تک تھا اور اس کا مصرف کیا تھا؟ کیا دینی احکام مولا علی
فرماتے تھے اور دنیاوی احکام دیگر خلفائے کرام یا دینی تعلیمات تو خلفائے کرام سے لوگو
حاصل ہوتی تھیں اور اس دوران روحانی مدارج و مراتب اور سلوک و وصول اور سیر الی اللہ
سیر فی اللہ کا درس بھی اور ان مراحل کی تکمیل بھی شیر خدا کرایا کرتے تھے؟ جس طرح سلاسل ا
کے مشائخ کو کاروبار حکومت سے کبھی غرض نہیں رہی وہ لوگوں کی دینی اور روحانی تربیت کر
رہے ہیں تو کیا کوئی مائی کا لال ثابت کر سکتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں دین کی تبلیغ اور تر
واشاعت مولا علی فرماتے تھے یا اس دوران آپ نے اپنا روحانی تربیت کا مرکز قائم کیا ہوا تھا
لوگوں کو سالک اور واصل الی اللہ فرماتے رہے تھے اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے مدار
ومراتب طے کراتے رہتے تھے؟

جب یہ امر ثابت کرنا ناممکن ہے تو پھر شاعری سے کام لینا اور تخیلاتی خطابی جملے بول ک
عوام کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے اور اہل سنت کی راہ سے ہٹا کر شیعہ کی گود میں ڈالنے کا کتنا ثواب

ملے گا؟ کیا دار جزاء اور یوم الحساب سے ڈر خوف کی ضرورت نہیں رہی ہے؟

واضح ترین مطلب و مفہوم:

اس حدیث پاک کا پس منظر یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجے جانے والے سریہ کا قائد بنایا ساتھیوں نے آپ کے متعلق نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں آپ کا شکوہ کیا اور ان کا یہ رویہ و روش نبی مکرم ﷺ کو پسند نہ آیا تو آپ نے اسی مقام پر جہاں آپ سے شکایت کی گئی تھی آپ کی محبت و الفت کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ جس طرح مجھے محبوب سمجھتے ہو اسی طرح ان کو بھی اپنا محبوب سمجھا کرو تو پہلے ایسی شکایت کا پایا جانا بھی مولیٰ بمعنی محبوب کا قرینہ ہے اور بعد والا یہ ارشاد بھی اس معنی پر واضح قرینہ ہے:

اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ

اے اللہ تعالیٰ تو اس کو اپنا محبوب بنا جو علی کو محبوب بنائے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے!

تو سیاق و سباق سے ہٹ کر اپنے طور پر نئے معانی گھڑنے کا کیا جواز ہے؟ اگر دینی قیادت اور روحانی قیادت والا معنیٰ آپ کے پیش نظر ہوتا تو پھر آپ کی اطاعت و اتباع کرنے والوں کے محبوب بنانے کا ذکر فرماتے اور عصیان و طغیان سے کام لینے والوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض اور مغضوب ہونے کا ذکر فرماتے۔ یقیناً آپ جانتے تھے کہ خلیفہ امام کی اطاعت ہوا کرتی ہے اللھم وال من اطاعہ کہوں اور کوئی مخالفت و عناد سے کام لے تو میں عاد من عصاہ کہوں وغیرہ ذالک۔ تو اس سے عدوات رکھ جو ان کا نافرمانبردار ہو اگر ولایت سے روحانی مرتبہ اور باطنی درجہ مراد ہوتا تو امت کی طرف اس کی نسبت کرنے میں کیا موزونیت اور مناسبت ہو سکتی تھی؟ جبکہ آپ نے فرمایا من کنت مولاہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی موزوں اور مناسب تھی جیسے نبی اللہ و رسول اللہ لہذا یہاں پر محبوبیت والا

معنی ہی مراد ہونا متعین ہے اور وہ محل کلام ہی نہیں ہے۔ بالفرض اگر خلافت وامامت والا مع
مراد ہو قطع نظر سیاق وسباق سے تو فوراً خلیفہ امام ہونا مراد ہو تو بیک وقت دو خلفاء وائمہ واجب
الاطاعت کا تحقق لازم آئے گا جو صریح البطلان ہے اور اگر متصل بعد مراد ہو تو اس پر قطعاً کو
قرینہ موجود نہیں ہے اور اگر فی الحملہ والی اور متصرف اور امام وخلیفہ ہونا مراد ہے تو ہمیں م
نہیں کیونکہ جن ہستیوں کے انتخاب کو خود آپ نے اللہ تعالیٰ کا انتخاب قرار دیا ہے انہوں نے
آپ کا چوتھے درجہ میں انتخاب فرمایا ہے اور وہ انتخاب آپ کے نزدیک سراسر صواب اور بر
ہے حتیٰ کہ آپ فرماتے ہیں من لم یقل انی رابع الخلفاء فعلیه لعنة الله ''جو مجھے چوتھا خلی
نہ مانے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ص ۲۰۵ جلد ۳)

کیا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو روحانیت وولایت حاصل نہیں ہوتی تھی؟

یہ تقابل سیاسی خلافت اور دینی خلافت کا خلافت شورائی اور خلافت وہبیہ کا درس
ہونا نیز یہ دعویٰ کہ خلافت کے لحاظ سے فضیلت مسلم مگر روحانی مراتب کے لحاظ سے حضرت علی
مقام ومرتبہ بلند وبالا ہے یہ تب درست ہوتا جب ان حضرات میں روحانیت اور ولایت نہ ہو
حالانکہ ہمارے اکابر کے نزدیک وہ حضرات اس باطنی اور روحانی منصب میں بھی تقدم وسبقت
کے مالک ہیں، چنانچہ علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

ان هذا متفق علیه بین أهل الشرع والحکماء کما قال صاحب حکمة
الاشراق فی کتابه لابد لله من خلیفة فی أرضه وانه قد یکون
متصرفاً ظاهراً کالسلاطین وباطناً کالأقطاب وقد یجمع بین الخلافتین کالخلفاء
الراشدین کأبی بکر وعمر بن عبدالعزیز قد أنکره بعض الجهلة فی زماننا۔

(نسیم الریاض جلد ۲ ص ۲۱۵)

''یہ امر اہل شرع اور حکماء کے درمیان متفق علیہ ہے جیسے کہ صاحب حکمة الاشراق

نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی زمین میں خلیفہ پایا جانا ضروری ہے اور وہ کبھی صرف ظاہر میں متصرف ہوتا ہے جیسے سلاطین یا صرف باطن میں جیسے کہ اقطاب اور کبھی دونوں خلافتوں کا جامع ہوتا ہے جیسے خلفائے راشدین ابوبکر صدیق اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما لیکن ہمارے زمانہ کے بعض جاہلوں نے اس کا انکار کیا ہے"

نیز اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

عرض:

کیا غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟

ارشاد:

بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے؟

عرض:

غوث کو مراقبے سے حالات منکشف ہوتے ہیں؟

ارشاد:

نہیں بلکہ انہیں ہر حال یونہی مثل آئینہ پیش نظر ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ

ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں غوث کا لقب عبداللہ ہوتا ہے اور وزیر دست راست عبدالرب اور وزیر دست چپ عبدالمالک اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر دست راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا کے اس لیے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ ہوتا ہے۔

غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سید عالم ﷺ ہیں صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر دست راست پھر امت میں پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو عطا ہوئی اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو غوثیت مرحمت فرمائی اور عثمان غنی اور مولائے علی رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے پھر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے پھر مولا علی کو غوثیت عطا ہوئی اور امامین وزیر ہوئے الخ۔ (ملفوظات حصہ اول ص ۱۲۰)

عرض:

ان چاروں سلاسل کے علاوہ بھی کوئی خاندان ہیں جو ان چاروں میں سے کسی کی شاخ نہ ہوں؟

ارشاد:

ہاں تھے اب تو بہت سے منقطع ہو گئے ایک سلسلہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک سلسلہ علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کے حواریہ تھا اس کے امام حضرت سیدی ابوبکر حوار رضی اللہ عنہ تھے آپ کے مرید حضرت ابو محمد شنبکی اور آپ کے مرید حضرت تاج العارفین ابوالوفاء رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کو ہدایت فرماتے دیر نہیں لگتی یہ حضرت ابوبکر حوار رضی اللہ عنہ پہلے راہزن تھے قافلے کے قافلے تنہا لوٹا کرتے تھے۔ ایک بار ایک قافلہ اترا آپ وہاں تشریف لے گئے ایک خیمہ کی طرف گئے اس خیمہ میں ایک عورت اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی شام قریب ہے اور اس جنگل میں ابوبکر حوار کا دخل ہے ایسا نہ ہو کہ وہ آ جائیں بس یہ کہنا ان کا حاوی ہو گیا خود فرمایا ابوبکر تیری یہ حالت ہو گئی کہ خیموں میں عورتیں تک تجھ سے خوف کرتی ہیں اور تو خدا سے نہیں

کرتا اسی وقت تائب ہوئے اور گھر کو لوٹ آئے شب کو سوئے خواب میں زیارت اقدس سے شرف ہوئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ نے عرض کیا بیعت کر لیجے ارشاد فرمایا: تجھ سے تیرا ہمنام بیعت لے گا ابوبکر صدیق رضی اللہ نے بیعت لی اور اپنی کلاہ مبارک ان کے سر پر رکھی آنکھ کھلی تو کلاہ مبارک موجود تھی یہ سلسلہ حواریہ آپ سے شروع ہوا۔ (جلد ٤ ص ١٤)

لہـــذا ثابت ہوا کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم صرف سیاسی اور دنیوی حکومت کے حامل نہیں تھے بلکہ روحانیت اور ولایت میں بلند ترین مقام پر فائز تھے اور مولائے مرتضیٰ ان سے جس طرح سیاسی اور دنیوی خلافت میں چوتھے نمبر پر تھے اسی طرح دینی اور روحانی خلافت کے لحاظ سے بھی چوتھے نمبر پر تھے۔ لہـــذا ان کے حق میں سیاسی قیادت اور دینی قیادت کا تقابل قائم کرنا یا دنیوی اقتدار اور روحانی اقتدار کا تقابل کرنا بالکل غلط اور باطل سوچ ہے اور حقائق و واقعات کے سراسر خلاف ہے اور سوائے اہل تشیع کو خوش کرنے اور ان کے ہاں اپنا قبول عام بنانے اور سنیت کی بنیادوں کو ہلانے اور سنی عوام کو شیعہ کی گود میں ڈالنے کے علاوہ کچھ بھی ان لوگوں کے پیش نظر نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسی نفسانی بری خواہشات سے محفوظ فرمائے اسی ضمن میں مزید حوالہ جات ملاحظہ فرمادیں:

عـلامـه سید محمود آلوسی رحمه الله تعالی قول باری تعالی فاولئك مع الـذيـن انـعـم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين کے تحت فرماتے ہیں:

نـقـل بـعـض تلامذة مولانا الشيخ خالد النقشبندی قدس سره عنه أنه قرر يوما أن مـراتـب الـكـمـل أربـعـة :نبوة وقطب مدارها نبينا ﷺ ثم صديقية وقطب مدارهـا أبـوبكر الصديق رضی الله عنه ثم شهادة وقطب مدارها عمر الفاروق رضی

اللہ عنہ ثم ولایۃ وقطب مدارھا علی کرم اللّٰہ وجھہ، وان الصلاح فی الآیۃ اشا
الی الولایۃ فسألہ بعض الحاضرین عن عثمان فی أی مرتبۃ ھومن مراتب الثلاثۃ ب
النبوۃ فقال انہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ قد نال حظاً من رتبۃ الشھادۃ وحظاًمن رت
الولایۃ وأن معنی کونہ ذالنورین ھو ذالك عندالعارفین ۔

(جلد ٥ ص٦٩)

حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی قدس سرہ العزیز سے ان کے بعض تلامذہ کے وا
سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

''ارباب کمال کے مراتب چار ہیں پہلا مرتبہ نبوت ہے اور اس کے قطب مدار
الانبیاء ﷺ ہیں دوسرا درجہ صدیقیت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت ابوبکر صدیق ہیں تی
درجہ شہادت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں چوتھا درجہ ولایت ہ
اور اس کے قطب مدار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آیت کریمہ میں مذکور صلاح اسی مق
ولایت کی طرف اشارہ ہے حاضرین محفل میں سے بعض نے عرض کیا کہ حضرت عثمان رضی ا
عنہ کو نبوت کے بعد والے تین مراتب میں سے کونسا مرتبہ حاصل ہے تو آپ نے فرمایا کہ انہ
شہادت کے مرتبہ سے بھی اہم حصہ حاصل ہے اور ولایت کے رتبہ سے بھی اہم حصہ حاصل ہ
اور عارفین کے نزدیک ان کے ذوالنورین ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ نور شہادت اور
ولایت کے جامع ہیں''

فائدہ:

مقام غور کہ پندرہویں صدی کے بعض بزعم خویش مجددین ان خلفائے ثلاثہ رضی ا
عنہم کو ولی مان کر راضی نہیں ہیں اور جو اس بحر کے غواص ہیں وہ ان کو اس قدر بلند تر درجہ د
ہوئے صدیقیت کے قطب مدار شہادت کے قطب مدار قرار دے رہے ہیں یا فی الجملہ دونو

طرح کے انوار کے جامع قرار دے رہے ہیں۔

نیز نبی کریم ﷺ جس طرح نبوت کے قطب مدار ہیں تو دوسرے انبیاء علیہم السلام آپ کے طفیلی ہیں اس مرتبہ میں تو حضرت صدیق کے صدیقیت کے لیے قطب مدار ہونے اور حضرت ر کے شہادت میں قطب مدار ہونے کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ دوسرے صدیقین اور شہداء ان کے طفیلی ہیں جس طرح عام اولیاء کرام مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طفیلی ہیں تو لامحالہ حضرت دیق رضی اللہ عنہ کا افضل البشر بعد الانبیاء ہونا واضح ہوگیا اور ولایت کے بلند و بالا اور س ترین مقام پر فائز ہونا ثابت ہوگیا۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر بن الھواز البطائحی کے علق ذکر فرمایا کہ وہ ڈاکو تھے اور قافلے لوٹا کرتے تھے فوقع له سماع هاتف بالليل أما آن أن تخاف من الله فتاب من ساعته رضي الله عنه تو رات کے وقت ہاتف غیبی کی واز ان کے کان میں پڑی کیا وہ وقت قریب نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو یہ فوری طور پر ب ہو گئے

وهو أول من ألبسه أبوبكر الصديق رضي الله عنه الخرقة ثوبا وطاقية في نوم فاستيقظ فوجدهما عليه وہ پہلے شخص ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق نے خواب میں خلافت اور کلاہ فقر پہنائی یعنی ایک چادر اور ٹوپی لیکن جب بیدار ہوئے تو خرقہ اور کلاہ ں ان پر موجود تھے۔

(طبقات کبریٰ جلد اول ص ۱۳۲)

حضرت ابوبکر بن الھواز البطائحی فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد ر رکھا ہے کہ جو شخص میری تربت شریفہ پر حاضری دے آتش اس کو نہ جلا سکے چنانچہ کہا جاتا ہے چھلی اور گوشت ان کے مزار شریف پر لے جایا جاتا تھا وہ آگ پر پک نہیں سکتا تھا اور آگ ان انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

فائدہ:

گویا حضرت صدیق اکبر صرف خود ہی ولی نہیں تھے بلکہ بعد از وصال ولایت تقسیم
فرمارہے ہیں اوران کی غلامی میں داخل ہونے والے اس قدر کامل واکمل ولی بن جاتے ہیں
اللہ تعالیٰ سے عہد پیمان لیتے ہیں اوراللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس عہد کو نبھاتا ہے اوران
لاج رکھتا ہے۔

حضرت شیخ علی بن وہب سنجاری کے متعلق ان کی زبانی نقل فرمایا کہ میں نے سا
سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا پھر تحصیل علم میں مشغول ہوگیا اور میں جنگل میں موجود
میں عبادت کیا کرتا تھا:

فبينا أنا نائم ليلة رئيت أبابكر ن الصديق رضى الله تعالى عنه فقال يا ع
أمرت أن ألبسك هذه الطاقية وأخرج من كمه طاقية ووضعها على رأسي
جاء نى الخضر عليه السلام بعد أيام وقال يا على أخرج الى الناس ينتفعوا بك فتثب
فى أمرى ثم رأيت أبابكر الصديق رضى الله عنه فى النوم فقال لى كمقالة الخ
عليه السلام فاستيقظت وتثبت فى أمرى ثم رء يت فى الليلة الثالثة رسول الله ﷺ
فقال لى كمقالة الصديق رضى الله عنه فاستيقظت و عزمت على الخروج ونم
من آخر ليلتى تلك فرء يت الحق سبحانه وتعالىٰ فقال لى يا عبدى قد جعلتك
صفوتى فى أرضى وأيدتك فى جميع أحوالك بروح منى وأقمتك رحمة لخلق
فاخرج اليهم واحكم فيهم بما علمتك من حكمى وأظهرلهم ماأيدتك به من آي
فاستيقظت وخرجت الى الناس فهرعوا الى من كل جانب۔

(طبقات کبریٰ جلد اول ص ۱۳۹)

فرماتے ہیں:

"اس دوران کہ میں ایک رات وہاں پر سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے علی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تجھے کلاہِ فقر پہناؤں اور آپ نے اپنی آستین سے کلاہ نکالی اور اسے میرے سر پر رکھ دیا۔ پھر چند دن بعد حضرت خضر علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے فرمایا کہ لوگوں کی طرف نکلو اور اس خلوت کو چھوڑ دو تا کہ لوگ تم سے نفع اندوز ہو سکیں۔ لیکن میں نے اپنے معاملہ میں توقف سے کام لیا، پھر میں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خواب میں زیارت کی تو انہوں نے بھی خضر علیہ السلام کی مانند حکم دیا پس میں بیدار ہوا اور اس امر میں توقف سے کام لیا پھر میں نے تیسری رات رسول گرامی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو آپ نے بھی مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسا حکم دیا تو میں بیدار ہوا اور پختہ ارادہ کر لیا لوگوں کی طرف خروج کا اور اسی رات کے آخری حصے میں سو گیا تو میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار حاصل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! میں نے تجھے اپنے برگزیدہ لوگوں میں سے بنا دیا اپنی پوری زمین میں اور میں نے تیری تائید وتقویت فرمادی ہے تیرے تمام احوال میں اپنی خاص روح کے ساتھ اور میں نے تجھے اپنی تمام مخلوق کے لیے سراسر رحمت ہونے کا مقام بخش دیا ہے۔ لہٰذا لوگوں کی طرف نکلیے اور ان میں میرے تعلیم کردہ حکم کے مطابق حکم جاری کرو اور ان کے سامنے ظاہر کرو وہ آیات وکرامات جن کے ساتھ میں نے تمہاری تائید وتقویت فرمائی ہے فرماتے ہیں میں بیدار ہوا اور لوگوں کی طرف نکلا خلوت کو چھوڑ کر جلوت سے کام لیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر طرف سے لوگ میری طرف دوڑتے آرہے ہیں"

کہیے علامہ طاہر صاحب حضرت صدیق ولی ہیں یا نہیں؟ اور بعد از وصال بھی ولایت بانٹ رہے یا نہیں؟ اور ان کے مسترشد ومستفیض کس قدر بلند وبالا مقام کے مالک بن جاتے ہیں

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے ۔۔۔ دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

بلکہ ابن قیم جیسے شخص ابن تیمیہ کے خاص شاگرد اور خلیفہ نے بھی آپ کا مدبر
امر اور کارکنان قضاء وقدر سے ہونا تسلیم کرتے ہوئے کتاب الروح میں لکھا

کم قد رأی النبی ﷺ و معه أبو بکر و عمر رضی الله عنهما قد هزم
عساکر الکفر مع کثرة عددهم و عددهم وقلة المسلمین و ضعفهم۔

بہت دفعہ دیکھا گیا نبی مکرم ﷺ کو جبکہ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت
ہوتے (اور اہل اسلام کفار کے ساتھ برسر پیکار ہوتے) تو صرف یہ تین مقدس ہستیاں کفار کی کثر
تعداد اور وافر سامان حرب کے باوجود اور اہل اسلام کی قلت تعداد اور بے سروسامانی
باوجود کفار کو ہزیمت وشکست سے دوچار فرمادیتے اور اہل اسلام کو فتح وکامرانی کے ساتھ
ورفرمادیتے (ملاحظہ ہو کتاب الروح)

لہذا ثابت ہوا کہ نبی مکرم ﷺ کی ان کو شرف معیت ورفاقت بھی حاصل ہے اور آ
کی نیابت وخلافت کے تحت امت مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ظاہری اور باطنی
روحانی اور جسمانی ہر طرح کے فیوضات وبرکات سے مستفید و مستفیض فرمارہے ہیں۔

والحمدلله علیٰ ذالك۔

ولایت کا دارومدار کس پر ہے؟

مولی اور ولی غیر شرعی الفاظ بھی نہیں اور نہ ہی ان سے کوئی غیر شرعی معانی مراد ہوتے
ہیں، تو قرآن مجید میں ان کے موارد استعمال سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ کن کن معانی میں
استعمال ہوتے ہیں۔ اگر اس سے یہاں روحانی مرتبہ مراد ہے تو اس کا دارومدار کن امور پر ہے
اللہ کریم نے اس کو واضح فرمادیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون الذین آمنوا و کانوا یتقون
۔(الآیہ)

غور سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے لیے خوف ہے نہ حزن وملال۔
یعنی جو چیز ان کو پسند نہیں ہوگی ان کے قریب پھٹکنے نہیں دیں گے اور جو ان کو پسند ہوگی وہ ان کے ہاتھ سے نکلنے نہیں دیں گے وہ اولیاء کون ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں جو خلوص قلب سے ایمان لائے اور تقویٰ کولازم پکڑے رہے تو کیا وہ صحابۂ کرام جن کے مقدس اجسام کو آتش دوزخ مس بھی نہ کر سکے بلکہ ان کی زیارت کرنے والوں کو بھی آتش دوزخ چھو نہ سکے وہ ایمان اور تقویٰ سے خالی ہو سکتے ہیں؟ قال علیہ السلام لا تمس النار مسلمارآنی أو رآی من رآنی کیا وہ صحابۂ کرام جن کے سیر آدھ سیر جو کھجور کے صدقہ کے ساتھ دوسرے لوگوں کے احد پہاڑ جتنے سونے کا صدقہ بھی برابری نہ کر سکے اور پھر جہاد مالی کے ساتھ ساتھ جہاد جسمانی اور جہادِ نفسانی میں بھی پیش پیش ہوں اور اللہ رب العزت ان کے متعلق شہادت دے اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا فتح مکہ سے قبل جہاد کرنے والے اور راہ خداوند تعالیٰ میں جہاد کرنے والے صحابۂ کرام بعد میں ایمان لانے والوں اور جہاد کرنے والوں اور صدقات دینے والوں سے درجات کے لحاظ سے بہت عظیم تر ہیں تو ان حضرات کو عظیم ترین اولیاء تسلیم کیوں نہ کیا جائے پھر جو اسلام وایمان میں بھی سابق اور صرف اموال میں بھی سابق اور تبلیغ اسلام میں بھی سابق اور ثانی اثنین کے اعزاز سے معزز اور ان الله معنا کے شرف سے مشرف اور صرف متقی نہیں بلکہ باجماع مفسرین الاتقی ہے تو اس کو اولیاء کرام کا سردار اور امام کیوں نہ تسلیم کیا جائے؟

نیز نبی مکرم ﷺ جن کے مولیٰ ہیں صرف علی ان کے مولیٰ ہیں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین ان کے مولیٰ نہیں ہیں؟ بلکہ کیا امام زین العابدین محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم، علی رضا، محمد تقی، علی نقی، حسن عسکری اور حضرت مہدی ان کے مولیٰ نہیں ہیں؟ اور کیا یہ بھی کوئی قاعدہ ہے کہ ایک شخص معین پر حکم لگایا جائے تو ماعدا سے اس کی نفی لازم آجاتی ہے؟ تو پھر

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے مولی المومنین ہونے کی نفی کو بھی عقیدہ بنالو۔ جبکہ علامہ
صاحب تو جنت میں تمام لوگوں کے سردار تسلیم کرتے ہیں ان دونوں شہزادوں کو اور استدلال یوں
فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة اور جنت
میں سبھی لوگ جوان ہوں گے تو سب پر ان کی سیادت و قیادت ثابت ہوگئی حتی کہ خود مولا
مرتضی پر بھی۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحب ان خلفائے ثلاثہ کو دورِ خلافت میں نظم ونسق کی باحسن
وجوہ سرانجام دہی پر ان کو افضل مانتے ہیں نہ کہ ذاتی کمالات وخصائص اور باطنی وروحانی رفعتوں
اور عظمتوں کے لحاظ سے جبکہ نص قرآنی نے ان تمام مہاجرین وانصار کو عظیم ترین درجات کا مالک
ٹھہرایا اور بعد والوں کی ان سے سبقت تو کجا ان کی برابری کی نفی کردی اور اس وہم گمان کی بھی جڑ
کاٹ کر رکھ دی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل

تم میں سے جس نے فتح مکہ سے قبل راہ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کیا اور جہاد وقتال کیا
ان سے بعد والوں کی ہمسری اور برابری نہیں ہوسکتی تو ان کی افضلیت خلافت وحکمرانی اور نظم
ونسق کی خوبی کے لحاظ سے نہیں بیان کی جارہی بلکہ اسلام میں سبقت اور انفاق فی سبیل اللہ میں
سبقت اور جہاد وقتال میں سبقت کی وجہ سے بیان کی جارہی ہے اگرچہ ان کو خواب میں خلیفہ بننے
کا کبھی خیال تک بھی نہ آیا ہو۔ نص صریح کے مقابل اپنے عقلی ڈھکوسلوں کو اور اوہام اور وساوس
شیطانیہ کو عقیدہ بنا لینے کا کیا جواز ہے؟ نیز جس وقت ان حضرات کو عظیم درجات کا مالک ٹھہرایا
جارہا ہے اس وقت نبی مکرم ﷺ ظاہری حیات طیبہ کے ساتھ موجود تھے اور آپ پر ہی یہ آیت
کریمہ نازل ہوئی تھی تو اس وقت جب حضرات صحابہ میں سے کوئی ایک بھی منصب خلافت پر
فائز نہیں ہے تو اس منصب کے لحاظ سے عظمت درجات بیان کرنے کا کیا مطلب؟

نیز مشتق پر حکم لگایا جائے یا موصوف بالصفۃ پر یا موصول وصلہ پر تو مبدأ اشتقاق اور اتصاف بالصفہ یا اتصال بالصلہ حکم کی علت ہوا کرتے ہیں اور یہاں بھی موصول وصلہ والی صورت پر اولئك اعظم درجة کا حکم لگایا جارہا ہے تو لامحالہ راہ خداوند تعالیٰ میں فتح مکہ سے قبل مال خرچ کرنا اور قتال کرنا ہی ان حضرات کی عظمت درجات اور رفعت مراتب کے موجب ہیں یہاں خلافت کی بیچ لگ ہی نہیں سکتی اور نہ ہی اس کا کوئی عقلی اور نقلی جواز ہے بلکہ یہ قرآن مجید کی تحریف کے مترادف ہے جو کسی بھی مسلمان کے لائق نہیں بلکہ صرف اور صرف یہود کی سنت ضلالت ہے۔

کما قال تعالی: یحرفون الکلم عن مواضعه۔أعاذ نا اللّٰہ من ذالك۔

کیا فضائل خاصہ باعث استخلاف ہوئے یا خلیفہ بننا موجب افضلیت بن گیا؟

آج کل کے مجتہدین حضرات نے سلف صالحین کی راہ سے ہٹ کر نئی راہ ایجاد کرتے ہوئے فرمایا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللّٰہ عنہم سیاسی خلیفے ہیں اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ روحانی خلیفہ ہیں اور سیاسی خلافت کا دائرہ زمین تک ہے اور روحانی خلافت وولایت کا دائرہ عرش بریں تک ہے کما قال العلامہ طاہر القادری۔

دوسرے مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اور دیگر حضرات کو خلافت کی وجہ سے افضلیت حاصل ہوئی جبکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ذاتی کمالات اور خصوصیات کی وجہ سے افضلیت حاصل ہے کما قال العلامۃ شاہ عبدالقادر القادری

لیکن ان حضرات کو یہ خیال نہ رہا کہ یہاں کلام مطلق خلافت اور اقتدار اعلیٰ میں نہیں ہے بلکہ خلافت خاصہ یعنی خلافت علی منهاج النبوت میں ہے اور اس کی مدت بھی متعین کر دی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

خلافت نبوت ریاست عامه است در دین ودنیا ظاهرا و باطنا۔

(جلد ۱ ص ۳۲۹)

"خلافتِ نبوت سیاست عامہ اور اقتدار اعلیٰ ہے دین میں بھی اور دنیا میں بھی اور ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی"

یعنی جس طرح نبی کی ذات اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتی ہے کما قال تعالٰی: انی جاعل فی الارض خلیفة (البقرہ،30:2) اور ایسے ہی آدم علیہ السلام کے بعد ہر نبی رسول اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تھا اس کے احکام کے اجراء میں اور اوامر و نواہی کی تنفیذ میں اور لوگوں کی نگہبانی اور نگرانی میں اس طرح خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ کی خلافتِ خاصہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوت کے منصب پر فائز ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

ان بنی اسرائیل کانت تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون فماذا تأمرنا قال فوا ببیعة الأول فالأول فأعطوهم حقهم ان اللّه سائلهم عما استرعاهم (الحديث)

"بے شک بنی اسرائیل کی دیکھ بھال اور ان کی بھلائی اور راہنمائی اور نگہداشت اور کنٹرول انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھا، ایک نبی انتقال فرماتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ سنبھال لیتا اور بنی اسرائیل کی حفاظت و نگرانی اور رشد و ہدایت کا سامان کرتا جبکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد نبی کوئی نہیں آسکتا اور خلفاء و امراء ہوں گے جو ان کی نگہداشت اور حفاظت اور ارشاد و ہدایت کے فرائض سرانجام دیں گے اور وہ تعداد میں کثیر بھی ہو جائیں گے لہذا جس کی پہلے بیعت کرنا اس کے ساتھ نبھانا اور حق عہد اور تقاضائے وفاداری پورا کرنا۔ لیکن ان کی خلافت یکساں نہیں ہوگی بعض کی خلافت خلافت نبوت سراسر رحمت ہوگی اور بعض کی خلافت ملوکیت کی صورت میں ہوگی اور بعض کی ملوکیت میں بھی جبروتیت پر مشتمل حکومت ہوگی"

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے:

تم میں سے کسی نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو ایک صحابی نے عرض کی یارسول اقدس ﷺ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک میزان اترا ہے جس کے ایک پلڑا میں آپ کو بٹھایا گیا اور دوسرے پلڑے میں ابوبکر صدیق کو تو آپ ان پر بھاری ہو گئے پھر آپ کو اٹھالیا گیا جبکہ ابوبکر اپنی جگہ پر بیٹھے رہے پھر عمر بن خطاب کو لایا گیا اور انھیں دوسرے پلڑے میں بٹھایا گیا تو ابوبکر صدیق بھاری رہے۔ پھر ابوبکر صدیق کو اس پلڑے سے اتار لیا گیا اور عثمان بن عثمان کو رکھا گیا پھر عمر فاروق ان سے وزنی ثابت ہوئے پھر عمر فاروق کو اتار لیا گیا اور اس میزان کو بھی اٹھالیا گیا

فتغیر وجہ رسول اللہ ﷺ ثم قال خلافة النبوة ثلاثون عاما ثم یکون ملکا۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ٤ ۰ ۳)

یہ خواب سن کر نبی رحمت ﷺ کا چہرۂ اقدس متغیر ہو گیا۔ یعنی اس پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے پھر فرمایا:

"خلافتِ نبوت تیس سال ہوگی پھر ملوکیت ہوگی"

نیز ارشاد نبوی ہے:

الخلافة بالمدینة والملك بالشام۔

(اخرجه الحاکم جلد ۱ ص ٤ ۰ ۳)

"خلافت مدینہ میں ہوگی اور ملک و بادشاہت شام میں ہوگی"

اور یہ مضمون بہت سی روایات سے ثابت ہے۔

نیز ابو عبیدہ بن الجراح سے مروی ہے رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

انه بدأ هذا الأمر نبوة ورحمة ثم کائن خلافة ورحمة ثم کائن ملکا

عضوضاً۔ (ازالۃ الخفاجلد ۱ ص ۳۱۹)

"شان یہ ہے کہ اس امر اسلام کی ابتدا ہوئی بطور نبوت اور رحمت کے پھر ہوگا
خلافت اور رحمت پھر ہوگا ملک جو کاٹنے والا ہوگا"

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ:

تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللہ أن تکون ثم یرفعھا اللہ تعالٰی ثم ت
خلافۃ علی منھاج النبوۃ ماشاء اللہ أن تکون ثم یرفعھا اللہ تعالٰی ثم ی
ملکا عاضا الحدیث۔ (ازالۃ الخفاص ۹)

رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا:

"جب تک اللہ تعالٰی چاہے گا کہ تم میں نبوت باقی رہے وہ باقی رہے گی پھر اس ک
تعالٰی اٹھائے گا پھر جب تک اللہ تعالٰی خلافت جو نبوت والے انداز اور طریقہ پر ہوگی اسک
رکھنا چاہے گا وہ باقی رہے گی پھر اس کو اٹھائے گا پھر ملک ہوگا جو کاٹنے اور ضرر پہنچانے والا ہو

الغرض ثابت ہوا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے لیے خلافت نبوت ثابت
دین و دنیا کی ظاہری اور باطنی ریاست عامہ ہے۔تو لامحالہ جس طرح اللہ تعالٰی کا خلیفہ وہی
ہے جس کو اس کے ساتھ باقی مخلوق کی نسبت اکمل و اعلیٰ مناسبت حاصل ہو ظاہر بشری ہونے
باوجود باطن نورانی اور ملکی ہونا چاہیے تاکہ نورانیت والی جہت سے اللہ تعالٰی سے فیوض و خی
حاصل کر سکے اور بشریت والی جہت سے لوگوں کو افادہ و افاضہ فرما سکے۔اسی طرح خلافت ن
میں خلفائے کرام کا باطن نبوی استعدادات و صلاحیات اور تجرد و نورانیت کا مظہر کامل ہونا چا
جو ولایت کبریٰ کے حصول کے بغیر ممکن نہیں ہے۔تو لامحالہ ان سب حضرات کو روحانی و
خلافت بھی حاصل ہونی ضروری ہے جیسے کہ ظاہری۔اور جب آپ ﷺ کی نبوت کا دائرہ فر

عرش سب کو محیط ہونا لازم ہے تو ان کے نائبین وخلفاء کا دائرہ نیابت وخلافت بھی لامحالہ فرش تاعرش کو محیط ہونا لازم ہے ان کی خلافت کو فرش تک محدود کر دینا سراسر دھاندلی ہے اور تحکم وسینہ زوری ہے۔ بلکہ ہر نبی کے چار وزیر ہوتے ہیں دو آسمان سے اور دو زمین سے تو ثابت ہوا کہ ان کی نبوت ظاہر میں خاص قوم اور محدود علاقہ تک کیوں نہ ہو حقیقت میں محیط کائنات ہوتی ہے تو لامحالہ جس ہستی کی نبوت اقوام اور علاقہ جات کی قیود سے ماوراء ہے اور ظاہر میں بھی فرش تاعرش کو محیط ہے تو ان کی خلافت خاصہ خلافت علی منہاج النبوت اور خلافت ورحمت کو فرش تک محدود رکھنے کا کیا جواز ہے اور اس کا تصور بھی کوئی صاحب عقل و دانش کیسے کر سکتا ہے؟

نیز آسمانوں کی اور کائنات بالا کی بقا بھی اس وقت تک ہے جب تک زمین پر اللہ اللہ ہوتی رہے گی جب توحید ورسالت پر ایمان واعتقاد ختم ہو جائے گا تو ملائکہ کی تسبیحات بھی آسمانوں کو ہلاکت سے بچا نہیں سکیں گی تو جو حضرات اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے موجب بنے اور پوری دنیا میں پرچم اسلام کو بلند کیا اور شرک وکفر کی بنیادیں اکھیڑ دیں اور توحید ورسالت کے ہر طرف پرچم لہرا دیے ان کے حق میں ایسی سوچ بڑی ہی رذیل اور گھٹیا سوچ ہے۔

نیز جب ابوبکر صدیق خلیفۂ اول ہیں اور باقی تینوں ان کے نائب تو ان کی خلافت ونیابت مطلقہ ان کی خلافت ونیابت باطنیہ وروحانیہ کو بھی لامحالہ محیط ہو گئی تو ان کو افضل البشر بعد الانبیاء ماننے بغیر چارہ ہی نہیں ہے اس کو عام ملوک وسلاطین کی ریاستوں اور سلطنتوں پر قیاس کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور ردی اور باطل سوچ ہے۔ اعاذنا اللہ تعالے من ذالك۔

اور اس ولایت کو مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ سے مختص ٹھہرانا مزید بری سوچ ہے جس میں خود ان کی تکذیب ہے اس مقدمہ اور تمہیدی امر کو ذہن میں نقش کر لینے کے بعد اب اکابرین ملت اور مقتدایان اسلام کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وقتِ انعقادِ خلافتِ صدیق جمعے از فقہائے صحابہ صدیق را افضل امت گفتند و بآں استدلال کردند بر استخلاف او و دیگراں تسلیم نمودند و موافقت کردند در اول حال یا بعد توقف و سکوت و تسلیم قبل تدوین مذاہب اجماع است کما بین فی محلہ۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۳۱۱)

"حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے موقعہ پر صحابہ کرام میں سے فقہاء کی ایک جماعت نے حضرت صدیق کو افضل الامت قرار دیا اور اس افضلیت کو دلیل بنایا ان کے خلیفہ بنانے پر اور دوسرے حضرات نے اس امر کو تسلیم فرمایا اور اس وجہ استدلال میں موافقت فرمائی ابتدائی حالت میں یا قدرے توقف کے بعد اور یہ بات مسلمات کے قبیل سے ہے کہ تدوین مذاہب سے قبل کسی امر پر سکوت (بعض کا) اور اعتراف و تسلیم (بعض کا) اجماع کے حکم میں ہے"

(۱) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے حق کا ترجمان بنا دیا ان کو دین کے اعزاز و غلبہ کا موجب بنایا انہوں نے انصار رضی اللہ عنہ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اے گروہ انصار! اے اہل اسلام کی جماعت! نبی مکرم ﷺ کے بعد امر رسول کے سنبھالنے کے حق دار وہی ہیں جن کی شان ثانی اثنین اذھما فی الغار ہے۔ ابوبکر صدیق ہر امر خیر میں سب پر سبقت لے جانے والے ہیں پھر آپ نے حضرت صدیق کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے ساتھ بیعت کر لی سبھی انصار نے بھی بیعت کر لی۔

(أخرجه ابن ابی شيبه من حديث ابن عباس فی قصة سقيفة بنی ساعده)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق کا وہ خطبہ سنا جو انہوں نے وصال نبوی کے دوسرے دن منبر شریف پر بیٹھ کر دیا تھا جبکہ حضرت صدیق ان کے

پاس ہی چپ چاپ بیٹھے تھے تو آپ نے شہادتین کے بعد کہا:

"میں امید رکھتا تھا کہ رسول گرامی ﷺ زندہ رہیں گے یہاں تک کہ ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے رہیں گے اور ہم ان کے سامنے آخرت کی طرف کوچ کریں گے تو جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور قضاء وقدر کے مطابق آپ کا وصال ہوگیا......

فان اللّٰه قد جعل بين أظهركم نوراً تهتدون به وبه هدى الله محمدا وان أبابكر صاحب رسول اللّٰه ثانى اثنين وانه أولى بالمسلمين بأموركم فقوموا فبايعوه۔ (أخرجه البخارى)

تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان نور کو موجود فرمایا ہے جس کی بدولت تم ہدایت پاسکتے ہو اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیه الصلوة والتسليم کے مرشد اور موصل الی اللہ ہونے کا ذریعہ بنایا اور یہ کہ ابوبکر صدیق صاحب رسول ہیں اور ثانی اثنین ہیں اور وہ تمام اہل اسلام کے امور کے نظم ونسق اور تدبیر کے زیادہ حق دار ہیں لہذا اٹھیے اور ان کی بیعت کیجیے!

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ کے وصال شریف کے بعد انصار نے کہا:

منا أمير ومنكم أمير ایک امیر اور خلیفہ ہم سے ہوگا اور ایک تم میں سے تو حضرت عمر ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

ألستم تعلمون أن رسول الله ﷺ أمر أبابكر أن يصلى بالناس

تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رسول معظم ﷺ ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں تو انہوں نے کہا: ہاں! ہمیں معلوم ہے تو آپ نے فرمایا:

فأيكم تطيب نفسه أن يتقدم أبابكر قالوا نعوذ بالله أن نتقدم أبابكر

تو تم میں سے کس کی ذات اس پر خوش ہوگی کہ وہ ابوبکر صدیق سے آگے بڑھے
انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس سے کہ ابوبکر صدیق سے آ
بڑھیں۔(اوران کو پیچھے ہٹادیں)

(۴) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ:
آپ بیعت خلافت کے لیے ہاتھ بڑھائیں۔تو انہوں نے فرمایا:
تأتونی وفیکم ثالث ثلاثة یعنی أبوبکر۔(أخرجه ابن أبی شیبة)
تم میرے پاس بیعت کے لیے آتے ہو جبکہ تم میں تین میں سے تیسرا موجود ہے
ابوبکر صدیق موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے ادھرادھر توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال:

قرآن مجید توان کو ثانی اثنین دو میں سے دوسرا فرمارہا ہے تو حضرت ابوعبیدہ کا ا
ثالث ثلاثہ کہنا قرآن مجید کی خلاف ورزی بن جائے گا؟

جواب:

رسول گرامی ﷺ نے جب فرمایا ان اللہ معنا "اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے ساتھ
تو اب کل تین ذاتیں ہوگئیں، لہٰذا فرق مراتب ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اول رسول گرا
ﷺ کو ثانی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ثالث سے تعبیر کردیا۔

(۵) نیز انصار میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلافت مہاجرین
حق ہے اور رسول گرامی علیہ السلام بھی مہاجر تھے اور ہم ان کے انصار تھے لہٰذا آپ کے بع
خلیفہ بننے کے حق دار مہاجر ہی ہیں اور ہم ان کے انصار رہیں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بھی حضرت صدیق کی بیعت میں سبقت لے گئے تو انہوں نے بھی اسلام کی خاطر اور اللہ تعا

اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی خاطر گھر بار اور خویش واقرباء کو چھوڑنے اور وطن سے بے وطن ہونے اور غنی ہونے کے بعد مسکین اور فقیر بن کر اہلِ مدینہ کے رحم وکرم پر ہونے کو ملحوظ رکھا اور بالخصوص حضرت صدیق کی مصاحبتِ رسول اور ثانی اثنین ہونے، اور نماز میں امام بنائے جانے کو ملحوظ رکھا تبھی آناً فاناً ان کی بیعت کر لی اور مہاجر تو اور بھی بہتیرے تھے اور فضیلت مآب ہستیاں بھی ان میں موجود تھیں۔ (مسند زید بن ثابت لزالۃ الخفاء)

(۶) امام احمد نے اپنی مسند میں اس روایت کے ہم معنی روایت ذکر فرمائی لیکن

ذکر استدلال أبی عبیدۃ لاستخلافه ﷺ فی الصلوۃ۔

(ازالۃ الخفاء، ص:۳۱۲)

انہوں نے اس مقام پر ثالث ثلاثہ سے استدلال کی بجائے ان کو نبی مکرم ﷺ کی طرف سے نماز ادا کرانے میں اپنا خلیفہ بنانے سے استدلال ذکر کیا۔

(۷) جب حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے قدرے توقف کے بعد بیعت کی تو اپنا عذر تاخیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ما غضبنا الا أنا أخرنا عن المشورة وانا نری أبابکر أحق الناس بها بعد رسول الله ﷺ انه لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعلم شرفه و کبره لقد أمره رسول الله ﷺ بالصلوٰة بالناس وهو حی۔ (أخرجه الحاکم)

"ہمیں صرف یہ رنجش اور ارمان لاحق تھا کہ ہمیں مشاورت سے موخر کر دیا گیا اور اس قابل بھی نہ سمجھا گیا (جس کا ازالہ حضرت صدیق کی طرف سے فوری طور پر کر دیا گیا) اور ہمارا عقیدہ ونظریہ بھی ہے کہ رسول گرامی ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ابوبکر صدیق ہیں کیونکہ وہ آپ کے یارِ غار ہیں، ثانی اثنین ہیں اور ہم ان کے شرف وفضل اور بزرگی کو جانتے اور مانتے ہیں، بے شک اُن کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے حین حیات امامتِ صلوٰۃ پر مامور

فرمایا" (یہ حقیقت بھی ہم سے مخفی نہیں ہے جبکہ نماز دین کا اہم ستون ہے)

گویا انہوں نے بھی فضائل کے اتصاف کا اعتراف پہلے کیا اور بیعت خلافت استحقاق اس پر متفرع فرمایا۔

(۸) عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ اجعلوا امامکم أفضلکم فان رسول اللّٰہ ﷺ جعل أبابکر امامھم۔(أخرجہ أبوعمرفی الاستعیاب ازالۃ ص۳۱۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اپنا امام اپنوں میں سے افضل کو بنایا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کا ابوبکر صدیق کو بنایا"

(۹) مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

فلما قبض رسول اللّٰہ ﷺ نظرت فاذا الصلوۃ علم الاسلام وقوام الدین فرضینا لدنیانا من رضیہ رسول اللّٰہ ﷺ لدیننا فبایعنا أبابکر۔

(الاستعیاب)

"پس جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں نے غور و فکر کیا تو ناگاہ نماز اسلام کا علم اور دین کا دارومدار تھا تو ہم نے اپنی دنیا کے لیے بطور امام اسی کو پسند کر لیا جس کو رسول کریم ﷺ نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا"

اقول :

ان دونوں روایات اور اس مضمون کی سیدنا مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر احادیث اسی امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دین کا معاملہ اہم ہے اور اس میں اہم ترین رکن نماز ہے تو لا محالہ افضل ترین ہستی کو ہی آپ نے اس میں امام بنایا۔ تو پھر دنیاوی معاملہ جو اس کی نسبت غیر اہم ہے تو اس میں اس ہستی کو امام کیوں نہ بنائیں تو آپ نے حضرت صدیق کی افضلیت کی بنا پر

کی خلافت کا اقرار واعتراف فرمایا۔

(۱۰) نیز حج میں نیابت نماز کی نیابت کی نسبت بھی اہم ہے اور اس میں سرور عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو یہ شرف بخشا جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰه ﷺ بعث أبابكر رضی الله عنه وأمره أن ينادي بهؤلاء الكلمات الخ (أخرجه الحاكم أخرج البخاري عن أبي هريرة في مثل معناه)

"رسول مکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا اور ان کو ان کلمات کے ساتھ مشرکین سے براءت کا اظہار کرنے کا حکم دیا"

اس کو حاکم نے روایت کیا اور امام بخاری نے اس کے ہم معنی کو ابوہریرہ سے روایت کیا

الغرض آپ کا امیر حج ہونا مسلم حقیقت ہے اور حج کا اسلام میں اہم مقام ہے اور اس کو آپ نبوت کے فرائض کے طور پر ادا فرماتے تھے مانند امامت صلوٰۃ کے (اور اگر نماز میں حضرت صدیق کو نائب بنانا ان کے خلیفہ ہونے کی دلیل ہے) تو حج میں امیر بنانا بھی زیادہ وزنی دلیل ہے آپ کے برحق خلیفہ ہونے کی۔

() زیرا کہ امامت نماز در ہر مسجد بشخصے را جع میگردد وامارت حج تمام عالم بیکے عائد میشود۔

کیونکہ نماز میں امامت ہر مسجد میں ایک ایک شخص کی طرف راجع ہوتی ہے اور حج میں امارت پورے جہان میں ایک شخص کی طرف راجع ہوتی ہے۔

() امامت نماز تقدم است برقوم محصور وامارت حج تقدم است براقوام غیر محصورین نماز کی امامت میں محدود چند افراد پر تقدم ثابت ہوتا ہے لیکن حج کی امارت میں لاتعداد اور غیر محدود اقوام پر تقدم ثابت ہوتا ہے۔

() بحقیقت امارت حج در ملت ما مانند نشستن است بر تخت یا مانند نزول

در کو شلک شاھان بزرگ الخ۔

یعنی ملتِ اسلامیہ میں حج کی امارت مانند بادشاہ کی تخت نشینی کے ہے یا عظیم شاہی محلات میں نزول اور قیام پذیری کی مانند ہے۔

سوال:

اگر واقعی امیر حج ہونے کی یہ عظمت وعزت اور فوقیت وبرتری تھی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس امر کو استحقاقِ خلافت کے وجوہ میں کیوں نہ ذکر کیا؟ جبکہ نماز کی امامت کو استحقاقِ خلافت کے وجوہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے حضرات نے اس کو دلیل بنایا ہے تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

جواب:

لیکن صحابۂ کرام استدلال نمودند بامامت بجهت قرب عهد او بخلاف امارت حج۔ (ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۳٤)

لیکن صحابۂ کرام نے امامت نماز سے استدلال فرمایا کیونکہ امامت صلوٰۃ کا زمانہ قریب تھا بخلاف حج کی احادیث کے۔

اقول :

نیز کئی دن تک بہت سی نمازوں میں یہ نیابت پائی گئی جبکہ حج میں ایک ہی مرتبہ یہ اعزاز حاصل ہوا۔

مفضول کی تقرری افضل کی موجودگی میں جائز نہیں ہے:

اور یہ امر بھی طے شدہ حقائق میں سے ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کا تقرر

قطعاً موزوں اور مناسب نہیں ہوا کرتا ورنہ شریعت اس کو جائز رکھتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

امر کردن آنحضرت ﷺ بامامت در حال مرض ونھی از امامت غیر ابی بکر قطعا معلوم شده است که امام می باید که افضل باشد۔

(جلد ۱ ص ۳۰۹)

نبی مکرم ﷺ کا حالت مرض میں ابوبکر صدیق کو امامت کا حکم دینا اور سوائے ابوبکر کسی کی امامت سے منع فرما دینا اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام افضل ہونا چاہیے (اور یہ نبوی ارشادات کے افضل الصحابہ اور افضل الامت ہونے کی واضح دلیل ہے)

أخرج الحاكم عن عبدالله بن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من استعمل رجلا من عصابة وفي تلك العصابة من هو أرضى منه فقد خان الله ورسوله وخان المسلمين۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے اپنی جماعت میں کسی کو عامل بنایا جبکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول ترین شخص موجود ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی اور اس نے سب اہل اسلام سے بھی خیانت کی"

ایں است حکم امراء سرایاو بعوث پس حال خلیفۂ مطلق چه باشد که زمام اختیار جمهور بدست او افتد و در جمیع امور چه دینیه و چه دنیویه تصرف او نافذ باشد۔

(جلد ۱ ص ۳۲۹)

"یہ ہے حکم سریات اور بعوث کے امراء کا کہ وہ افضل ہونے چاہئیں تو خلیفۂ مطلق کا معاملہ کیا ہوگا کہ جس کے ہاتھ میں جمہور کی زمام اختیار واقتدار ہوتی ہے اور تمام امور میں خواہ وہ

دینی ہوں یا دنیاوی اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے"

الغرض جب ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا خلیفہ حضرت صدیق کو مقرر فرما
کبھی بطورِ تصریح اور کبھی بطورِ تلویح لازم شد کہ وے افضل امت باشد پس لازم اور ضرور
ٹھہرا کہ وہ ساری امت سے افضل ہوں

وھمچنیں حضرت صدیق فاروق اعظم را خلیفۂ خود ساخت وے افضل
امت باشد دراں زماں۔ (ص ۳۲۹)

اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے جب فاروق اعظم کو اپنا خلیفہ بنادیا تو وہ بھی اس
زمانہ میں سب سے افضل ہوں گے۔

سوال:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو نو عمری اور مفضولیت کے باوجود سریہ میں امیر بنایا جبکہ
اکابر مہاجرین اور انصاران کے زیرِ کمان تھے تو معلوم ہوا کہ مفضول کا امیر بنانا افاضل کی
موجودگی میں جائز ہے۔

جواب :

وہ اپنے باپ کی شہادت اوران کے قتل کا اعداء سے بدلہ لینے والے تھے اور وہ اس امر
میں منفرد تھے دوسرا بھائی وغیرہ ان کے ساتھ شریک نہیں تھا اور ایسے ہی جہاں کہیں مفضول کا تقرر
پایا گیا تو اس کی خاص وجہ ہوتی تھی جو اس شخص کے ساتھ خاص ہوتی تھی

اما استخلاف مطلق کہ بنا بر خالص اعلائے کلمۃ اللہ باشد غیر افضل
را سزاوار نیست کیف واستقراء سیرت آنحضرت ﷺ درمجاری احوال دلالت
می کنند برآنکہ تقدیم شخصے باستخلاف نباشد الا از جہت رجحان او برسائر

ناس در دیں۔ (ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۳۲۹)

"لیکن مطلق استخلاف جس کی بنا خالص اعلائے کلمۃ اللہ ہو غیر افضل کے لیے لائق اور موزوں نہیں ہے اور کیسے ہو سکتا ہے جبکہ سرورِ دو عالم ﷺ کی سیرت اور روش کا استقراء اور تتبع تمام جاری و ساری احوال و معاملات میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلافت میں کسی شخص کی تقدیم نہ وقوع پذیر ہوئی ہو گی مگر اس کے تمام لوگوں پر دین میں رجحان اور وزنی ہونے کی وجہ سے"

اقول:

نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی حضرت صدیق کے فضائل و خصائص اور خدمات اسلام و خدمات بانی اسلام میں سبقت کو ہی ان کے استحقاق خلافت کی دلیل بنایا اور کسی مہاجر و انصاری نے ان کے استخلاف کے وجوہِ استحقاق میں اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو ان کے مساوی بھی سمجھا چہ جائے کہ ان سے افضل سمجھتے اور جن حضرات نے بیعت میں توقف کیا تھا ان کو بھی تسلیم تھا کہ وہ ان خصال خیر اور فضائل کی بنا پر احق بالأمر ہیں اور سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں وہ صرف روٹھے ہوئے تھے کہ ہمیں مشورہ کے لائق ہی نہیں سمجھا گیا نہ کہ ناراض تھے کہ ان کو خلیفہ کیوں نہ بنایا گیا ہے اور ہر ادنی سمجھ والا روٹھنے اور ناراض ہونے میں واضح فرق محسوس کر سکتا ہے۔

لھذا یہ امر واضح ہو گیا اور ان اکابرینِ ملت اور سلفِ امت کے اجماع و اتفاق سے کہ فضائل اور خصائص ہی معیارِ استخلاف ہیں نہ کہ استخلاف مدارِ افضلیت ہے وہ تو بعد کا معاملہ ہے اور امورِ غیبیہ سے ہے وہ غیب دانی کی بنا پر یہ فیصلہ نہیں فرما رہے تھے کہ یہ اچھے منتظم اور مدبر ثابت ہوں گے لھذا ان کو خلیفہ بنا دیا جائے نیز نبی مکرم ﷺ کا ارشاد:

ان ابابکر و عمر خیر الأولین والآخرین وخیر أهل السموات وخیر أهل الأرضین الا النبیین والمرسلین۔

"بے شک ابو بکر و عمر سب اولین و آخرین اور اہل سماوات اور ساکنانِ زمین سے
افضل ہیں سوائے انبیاء و مرسلین کے تو کیا یہ خلافت کے لحاظ سے فرمارہے تھے؟ جب کہ خلافت
ان کے لیے وصالِ مصطفوی ﷺ کے بعد ثابت ہوئی نیز ان کو

سیدا کہول أهل الجنة الا النبيين والمرسلين فرمایا کہ سوائے انبیاء و مرسلین علیہم
السلام کے سب شیوخ اور بزرگ جنتیوں سے افضل ہیں۔

تو کیا یہ ارشاد بھی خلافت کے لحاظ سے تھا؟ اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا استثناء بھی
خلافت کے لحاظ سے تھا کہ وہ حضرات ان کی نسبت اچھے منتظم اور مدبر امور خلق کے لیے ثابت
ہو چکے تھے؟ نیز امامت صلوٰۃ کے لیے تقرر اور کسی دوسرے کو امام بنانے کی ممنوعیت یہ بھی خلافت
کی بنا پر تھا جبکہ وہ تو بعد میں پائی گئی لہٰذا سرورِ عالم ﷺ کے صریح ارشادات کے باوجود اس
طرح کی ہیرا پھیری مریض القلب آدمی ہی کر سکتا ہے۔ کوئی سلیم الفطرت اور سلیم العقل ایسی
جا تاویلات و تسویلات سے کام نہیں لے سکتا۔

کیا خلفاء کا تقرر ان کی عمروں کے لحاظ سے ہے؟

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس امر پر بڑا زور لگایا ہے کہ مراتبِ فضیلت کی ترتیب کے
تحت خلافت میں یہ ترتیب نہیں پائی گئی بلکہ عمروں کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ترتیب پائی گئی ہے
سوال یہ ہے کہ جن حضرات نے ان کا انتخاب کیا تھا کیا ان کو علم تھا کہ ان کی عمروں میں ترتیب یہ
ہے، لہٰذا خلافت بھی اس ترتیب سے ان کو دی جائے؟ تو کیا کسی صحابی سے مہاجر ہو یا انصاری
اس طرح کا اشارہ بھی پایا گیا ہے؟ یا دیگر فضائل اور خداداد اوصافِ کاملہ کو ان کے انتخاب کا
دارومدار ٹھہرایا گیا تو پھر ان کے اس اجماعی عمل کے مقابل کسی بزرگ کے کشف کا ذکر کرنے کا
کیا مطلب؟ اور کیا کشف شرعی دلیل بن سکتا ہے؟ اور نصوص پر اس کو ترجیح دی جا سکتی ہے؟ نیز
مولائے مرتضیٰ ہی کو خلیفہ بنا دیا جاتا اور اس پورے عرصہ میں وہی سیاسی خلیفے بنے رہتے جیسے کے

روحانی خلیفے تھے کما قال العلامۃ طاہر القادری یہ کیوں ضروری ٹھہرا کہ باقی تین حضرات کو بھی ضرور اس خلافت وحکومت کا ذائقہ چکھایا جائے؟ اور کیا ضروری تھا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو اس وقت خلیفہ بنایا جائے جبکہ ہر طرف فتنے ہی فتنے اٹھ کھڑے ہوں اور انہیں سکھ چین سے ایک لمحہ بھی حکومت کرنے کا موقعہ نہ ملے؟ کوئی ان پر شرک کے فتوے لگا رہا ہو اور کوئی اہل اسلام کے خون ناحق میں ہاتھ رنگنے کے طعنے دے رہا ہو۔ عمروں کا لحاظ رکھنے والوں نے ان امور کو کیوں نہ سامنے رکھا تاکہ ابتداء میں خلیفہ رسول ہونے کی بنا پر زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں ہوتی تو اس طرح کے فتنوں کو سر اٹھانے کا موقعہ ہی نہ مل سکتا۔

نیز عمروں کی ترتیب اور افضلیت کی ترتیب میں منافات ہی کیا ہے لہذا دونوں یکجا ہو گئیں جو ترتیب فضیلت تھی وہی ترتیب خلافت بھی بن گئی اور عمروں میں بھی وہی ترتیب ثابت ہو گئی۔

کیا آخری خلیفہ ہونا افضل ہونے کی دلیل ہے؟

شاہ جی نے یہ پھلجھڑی بھی چھوڑی ہے کہ جس طرح نبی مکرم ﷺ آخری نبی ہیں لیکن سب سے افضل ہیں۔ تاخر زمانی آپ کے مرتبہ ومقام میں تنزلی کا موجب نہیں بن سکا تو اسی طرح آپ بھی آخری خلیفہ ہونے کی وجہ سے کوئی مرتبہ میں کمتر اور مفضول نہیں ہو گئے بلکہ پہلے خلفاء سے افضل ہیں۔

مگر شاہ جی کے نزدیک آخری خلیفے تو امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں نہ کہ آپ۔ اس لیے آپ حق چار یار کا نعرہ لگانا جائز نہیں سمجھتے کہ اگر یہ خلافت کے لحاظ سے ہے تو اس سے اہل بیت کی عداوت کی بو آتی ہے کہ امام حسن کو گویا امام برحق نہیں مانا اور اگر صحابۂ کرام کے لحاظ سے ہے تو اس سے بغض صحابہ کی بو آتی ہے کیونکہ سبھی صحابہ برحق ہیں۔

الغرض جب آخری خلیفہ ہی امام حسن ہیں تو اس دلیل سے ان کا مولائے مرتضی سمیت

سب خلفائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہو جائے گا - کیا شاہ جی ان کو سب سے افضل ماننے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اور کسی سنی عالم سے یہ عقیدہ ونظریہ مروی ومنقول ہے بلکہ کسی شیعہ نے بھی امام حسن کو مولائے مرتضیٰ پر فضیلت دی ہے؟

نیز نبی مکرم ﷺ محض تاخرِ زمانی کی بنا پر اس فضیلت واختصاص کے مالک نہیں بنے بلکہ آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی اور باعث تخلیق کائنات اور سبب اظہار ربوبیت ہیں پھر یہ کہ رحمۃ للعالمین ہیں اور کافۃ للناس بشیرا ونذیرا - نیز مقام محمود اور شفاعت عظمیٰ کے مالک ہیں، نیز آپ کو آخر میں کیوں مبعوث فرمایا گیا انما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے - جبکہ مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفائے سابقین کی نسبت کوئی ایسی طرح کی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جس طرح افراط وتفریط کا لوگ شکار ہو کر گمراہ ہوئے آپ کے حق میں بھی اسی طرح کی صورت حال پیدا ہوئی -

نیز تفضیلی شیعہ اور سب وتبرا کرنے والے پیدا ہو گئے اور نظم ونسق کی بہتری کیا ہوئی اعتقادی طور پر بھی بہت زیادہ اختلاف وانتشار پیدا ہو گیا تو اگر یوں کہا جائے کہ جس طرح حضرت علی آخری خلیفہ ہیں اسی طرح نبی مکرم ﷺ بھی آخری نبی ہیں تو آنحضور ﷺ میں کون سی فضیلت ثابت ہو گی؟ جب اس تشبیہ کا عکس نبی الانبیاء میں کسی فضیلت کی دلیل نہیں ہو سکتا تو اصل تشبیہ بھی آپ کی افضلیت کی دلیل نہیں بن سکتی -

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زمانہ کے لحاظ سے موخر ہیں تو کیا وہ موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متاخر ہیں تو کیا وہ ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں؟

نیز محلِ بحث افضلیت بمعنی کثرت الثواب عند اللہ ہے اور عزت وکرامت نہ کہ تقدم وتاخر زمانی اور دیگر امورِ عارضہ مثلاً زوج البتول ہونا یا حسنین کریمین کا ابا جان ہونا رضی اللہ

تعالیٰ عنہم- لہذا یہ سراسر خلط مبحث ہے جو منصف اور دیانت دار علماء کے قطعاً شایان نہیں ہے-

کیا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو جھٹلانا جائز ہے؟

جب آپ بر سر منبر اعلان فرما رہے تھے کہ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ مجھ کو ابو بکر صدیق اور عمر فاروق پر فضیلت دیتے ہیں چونکہ میں نے پہلے تمہیں وضاحت نہیں فرمائی تھی کہ خیر هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر و عمر "اس امت میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ سب سے افضل ابو بکر صدیق اور عمر فاروق ہیں" اب اس اعلان کے بعد اگر کوئی شخص مجھے ان پر فضیلت دے گا تو میں اس کو افتراء پرداز اور بہتان تراش والی حد لگاؤں گا-

لا يفضلني أحد على أبي بكر و عمر الاجلدته حدالمفترى-

اور ظاہر کہ حد قطعی امور میں لگائی جاتی ہے ظنی امور میں تعزیری کاروائی پر اکتفا کیا جاتا ہے- تو آپ کے نزدیک ان حضرات کی افضلیت قطعی ہے تبھی اس کے منکر اور مخالف کو حد افتراء کی دھمکی دے رہے ہیں- بلکہ آپ نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ اس نے آپ کو ان پر فضیلت دی ہے تو شہادت مل جانے کے بعد آپ نے اس پر حد نافذ بھی فرمائی اور سرورِ عالم ﷺ سے بھی آپ نے ان کا یہ ارشادِ گرامی روایت کیا ہے کہ

أبو بكر و عمر سيدا كهول أهل الجنة الاالنبيين و المرسلين-

"ابو بکر و عمر بزرگ اور مشائخ اہل جنت کے سردار ہیں سوائے انبیاء و رسل کے"

تو کیا آپ اس کے خلاف عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ اور کیا سرور عالم ﷺ کے ارشادات اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے اپنے ارشادات کے بعد آپ کی اولاد میں سے کسی کا آپ کے معارض اور مناقض قول قابل قبول اور لائق اعتماد و اعتبار ہو سکتا ہے؟

مزید برآں محض اٹکل پچو سے اور عقلی بلکہ وہمی ڈھکوسلوں سے ان کی مخالفت کا کیا جواز ہے؟ سرورِ عالم ﷺ کے فرمان کے مقابل کسی صحابی کا قول اور مولائے مرتضی کے ارشاد کے

مقابل ومعارض کسی شہزادے کا قول قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوتا ہے یہ سنی کہلانے والے لوگ سراسر دھوکہ باز ہیں اور درحقیقت شیعوں کے ہم نوا ہیں اور مولائے مرتضیٰ شیرِ خدا کو تقیہ باز اور مصلحت کیش سمجھتے ہیں کہ میری رعیت چونکہ ان حضرات خلفاء کی معتقد ہے اور ان کے نظریہ کی مخالفت کروں گا تو وہ مجھے چھوڑ جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ لہٰذا بظاہر ان کو خوش رکھنے اور اپنا ہم نوا بنائے رکھنے کے لیے اوپر اوپر سے آپ اس طرح ان حضرات کی مدح وثناء اور تعریف وتوصیف فرمادیتے تھے ورنہ اصلی عقیدہ آپ کا یہ نہیں تھا بلکہ اپنے آپ کو افضل سمجھتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک

عجوبۂ عجیبہ، فرار عما علیہ القرار:

پہلے شاہ جی نے تسلیم کیا کہ خلافت کے لحاظ سے وہ حضرات افضل ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

حضرات شیخین کو حضرت علی پر صرف ان امور میں فضیلت حاصل ہے:

(۱) سیاست امت (۲) حفظ دین (۳) سدباب فتنہ (۴) ترویج احکام شرعیہ (۵) ممالک میں اشاعت اسلام (۶) اقامت حدود وتعزیرات۔ یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مثل انجام دینے میں حضرات شیخین کو حضرت علی پر فضیلت حاصل ہے اور ایسے ہی مقاصد خلافت کبریٰ کے ہیں اور اسی وجہ سے صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبریٰ کے مقاصد میں حضرات شیخین مقدم ہیں بلکہ صواعق محرقہ اور دیگر کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

سألت اللہ أن یقدمك یا علی ویأبی اللہ الا تقدیم أبی بکر۔

(زبدہ ص ۲۰۰)

"میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تمہیں مقدم فرمائے اور پہلے پہل خلافت عطا کرے

ے لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کی تقدیم کے ماسوا سے انکار فرمادیا"

گویا مندرجہ بالا عبارت میں شاہ صاحب نے تسلیم کا کہ خلفائے ثلاثہ نے نظم ونسق بحال کیا، احکام اسلام کو نافذ فرمایا اور اسلام کی اشاعت فرمائی اور جہاں اوثان واصنام اور صلیب وآتش کی پوجا ہوتی تھی وہاں سے شرک کو ملیامیٹ کیا، توحید ورسالت اور احکام اسلام کو نافذ فرمایا جبکہ مولائے مرتضیٰ کے دور میں یہ صورت حال برقرار نہ رہی -- بعد ازاں اس سے بھی فرار اختیار کرلیا۔

تو سوال یہ ہے کہ آپ قوم مسلم کو کس گرداب میں پھنسانا چاہتے ہیں اور کس کنویں میں گرانا چاہتے ہیں؟ کیا صرف یہ مشن ہے

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

لوگوں کو وساوس واوہام میں مبتلا کرنا سادات کرام کا کام تو نہیں ہوسکتا تھا اس کام کے لیے تو اور وسواس وخناس بجیرے تھے -آپ کو ان کی سرپرستی سے کیا ملے گا؟ ہماری دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مسلک اہل سنت پر استقامت نصیب فرمائے۔

اس کلے دیگر شگفت

شاہ عبدالقادر صاحب کا وسوسہ: امامت کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے:

شاہ جی کا شاہی وسوسہ ملاحظہ فرمادیں

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

کا عملی مظاہرہ مشاہدہ فرمائیں:

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے حق کا ترجمان بنادیا وہ حضرت صدیق کے امامت صلوٰۃ میں تقدم کو خلافت میں بھی تقدم کی دلیل بنارہے ہیں اور انصار سے فرماتے ہیں:

قدمه رسول الله ﷺ فايكم تطيب نفسه أن تتقدم أبابكر قالوا نعوذ بالله أن نتقدم أبابكر۔

ان کو نبی مکرم ﷺ نے سبقت دی اور مقدم فرمایا اور تمہارا امام بنایا تو تم میں سے کس ذات کو ابوبکر سے آگے بڑھنا پسند ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم ان سے آگے بڑھیں اور ان کے امام بنیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نظر نواز ہو چکا کہ اپنا امام افضل شخص کو بنا کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے صحابۂ کرام میں سے افضل شخص کو ان کا امام بنایا اور خود مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے استحقاق خلافت اور تقدم و سبقت پر امامت نماز کو بھی بطور دلیل ذکر فرمایا۔ مگر شاہ جی عجب الٹا و برعکس استدلال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر امامت کے لیے افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کی موجودگی میں امام نہ بنائے جا سکتے اور سرکار دو عالم ﷺ کا ان کی اقتداء کرنا درست نہ ہوتا، ثابت ہوا کہ افضلیت اقتداء کے لیے امر مانع بھی نہیں ہے اور امامت کبریٰ و صغریٰ کے لیے افضلیت شرط نہیں بھی نہیں۔ (زبدہ، ص: ۱۱۱)

محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ان کو امام اس وقت بنایا جبکہ بیماری کی وجہ سے مسجد شریف میں تشریف لا کر نماز پڑھانے سے قاصر تھے یا مدینۂ طیبہ سے باہر تشریف لے جانے کی صورت میں کبھی حضرت صدیق کو حکم ہو جاتا کبھی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو۔ تو سوال یہ ہے کہ افضل الخلائق ذات کی عدم موجودگی میں یا ان کی معذوری کی صورت میں دوسرا شخص امام کیوں نہیں بن سکتا؟ اور اس کا اپنے مقتدیوں کی نسبت افضل ہونا کیونکر ممنوع اور غیر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور کیا امامت کا حق دار اپنا حق دوسرے کو نہیں دے سکتا؟

محبوب کریم علیہ السلام بنو عمر بن عوف میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ

"میں بروقت نہ پہنچ سکوں تو ابوبکر صدیق سے کہنا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں"

چنانچہ حضرت بلال کی استدعا پر آپ نے نماز پڑھانی شروع فرمائی پہلی رکعت کا آغاز ہی تھا کہ سرورِ عالم ﷺ تشریف لے آئے، صحابۂ کرام نے دائیں ہاتھ کو بائیں کی پشت پر مار کر تالیاں بجانی شروع کر دیں، اگلی صفوں والے جگہ دیتے گئے آپ چلتے چلتے سیدھے حضرت صدیق کے پیچھے پہلی صف میں پہنچ گئے۔ حضرت صدیق نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتے تھے اور کمالِ استغراق سے نماز پڑھتے تھے جب پہلی صف والوں نے تالی بجانا شروع کی، تب آپ متوجہ ہوئے، جب سرورِ عالم ﷺ کو پیچھے کھڑے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

"اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور نماز پڑھاتے رہو"

آپ نے اس کرم نوازی پر اور بندہ پروری پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، لیکن مصلّی چھوڑ دیا اور صف میں شامل ہو گئے۔ کیونکہ پہلی رکعت تھی اور ترتیب میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا جب نماز ختم ہو گئی تو سلام پھیرنے کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

صدیق! جب میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور نماز پڑھاتے رہو پیچھے نہ ہٹو تو تم اپنی جگہ پر کیوں نہ قائم رہے، تو حضرت صدیق کا جواب یہ تھا:

ما کان لابن أبی قحافة أن یصلی بین یدی رسول اللّٰہ

"ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر کی مجال تھی کہ وہ اللہ کے رسول کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے؟"

بیانِ فوائد:

(۱) اگر افضل ذات کی موجودگی میں مفضول کی امامت بلا چوں چرا درست تھی تو صحابۂ

کرام علیہم الرضوان نے من حیث المجموع نماز میں تالیاں کیوں بجائیں اور اپنے صدیق
اکبر جیسے امام کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیوں دیا؟

(۲) حضرت ابوبکر صدیق سیدِ عالم ﷺ کے اذن کے باوجود مصلے پر کیوں قائم نہ رہے اور
زبانی یہ عذر کیوں پیش کیا کہ کہاں سید الرسل ﷺ کی ذاتِ اقدس کا مرتبہ ومقام اور کہاں ابوقحافہ کا
بیٹا ابوبکر؟ میں آپ کے آگے کھڑے ہو کر کیسے نماز پڑھا سکتا تھا۔

(۳) سیدِ عالم ﷺ نے صحابۂ کرام کے اپنے امام کے پیچھے ہٹانے کی سعی اور کوشش پر
اعتراض نہیں فرمایا حالانکہ یہ سعی اور کوشش اگر ناجائز تھی تو تنبیہ وتادیب ضروری تھی۔ البتہ تالیوں
کے لیے فرمایا انما التصفیق للنساء یہ صرف عورتوں کے لیے ہے اذا ناب أحد کم شیئ فی
صلوته فلیسبح فانه اذا سبح التفت الیه

"تم مردوں کو اگر نماز میں کوئی معاملہ پیش آئے تو تسبیح کہو کیونکہ جب آدمی تسبیح کہے گا تو
دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے"

اس کا مقصد حاصل ہو سکے گا اور اس کے حق میں فعل عبث کا ارتکاب بھی لازم نہیں
آئے گا، جبکہ عورتوں کے لیے تصفیق شرعا درست ہے تو ان کے لیے فعل عبث لازم نہیں آئے گا
کیا صحابۂ کرام کے اس اجتماعی عمل اور حضرت صدیق کے عقیدت بھرے جواب اور نبی مکرم ﷺ
کا انہیں آئندہ ایسے اقدامات سے منع ونہی سے گریز اور حدیث تقریری سے یہ حقیقت روز روشن
کی طرح واضح نہیں ہو جاتی کہ تقدم کا حق افضل کو ہی حاصل ہے؟ آغاز تو کجا صحابۂ کرام نے نماز
شروع کر لینے کے باوجود بھی سرکار دو عالم ﷺ کی موجودگی میں حضرت صدیق کا تقدم گوارا نہ
فرمایا تو اس سے بڑھ کر حق تقدیم کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟

اور اس قدر روزنی دلیل جس میں اجماع صحابہ بھی ہے اور تقریر رسول ﷺ بھی ہے کوئی
مسلمان اس کو نظر انداز کر سکتا ہے؟

(۲) بیماری کے ایام میں حضرت صدیق کو اپنا نائب مقرر فرما دیا تو کیا شاہ جی کے نزدیک آپ ﷺ کو اپنا حق دوسروں کو دے دینا جائز نہیں تھا اور وہ بھی بوجہ عذر علالت۔ اگر کبھی افاقہ ہو جاتا اور آپ پہلی رکعت میں تشریف لاتے تو حضرت صدیق کو پیچھے ہٹنے سے منع فرما دیتے آپ خود امامت والا منصب سنبھال لیتے اور حضرت صدیق مکبّر والا منصب سنبھال لیتے چنانچہ ایسے موقع کی روایت ہے

ثم ان النبی ﷺ وجد فی نفسه خفة وخرج بین رجلین أحدهما العباس رضی اللّٰه عنه لصلوة الظهر وأبوبکر یصلی بالناس فلمارآه أبوبکر ذهب لیتأخر فأشار الیه النبی ﷺ أن لا یتاخر قال أجلسانی الی جنبه فأجلساه الی جنب أبی بکر والنبی ﷺ قاعد۔ (مشکوۃ شریف)

پھر نبی مکرم ﷺ نے (مرض میں) تخفیف محسوس فرمائی اور دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، جن دو میں سے ایک حضرت عباس تھے جبکہ وقت ظہر کی نماز کا تھا اور ابوبکر صدیق لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب آپ کو تشریف لاتے دیکھا تو حضرت صدیق پیچھے ہٹنے لگے تو آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور ساتھ والے دونوں حضرات کو فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو حضرت صدیق کے پہلو میں بٹھا دیا اور آپ نماز میں بیٹھے ہوئے تھے۔

محدث ابویعلیٰ نے اس میں یہ اضافہ فرمایا ہے:

فقرأ رسول اللّٰه ﷺ من حیث انتهی أبوبکر

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۳۰۱)

"پس نبی مکرم ﷺ نے قراءت شروع فرمائی وہاں سے آگے جہاں تک ابوبکر صدیق نے پہنچائی تھی"

فائدہ:

اس روایت میں بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ کو دیکھتے ہی پیچھے ہٹنے لگ
جانا ہمارے مدعا کی واضح دلیل ہے نیز امام کی بجائے مکبر کا کردار ادا کرنا بھی واضح برہان ہے۔
(۳) بعض اوقات آپ دوسری رکعت میں شمولیت فرماتے تھے تو اس وقت مجبوری یہ پیش
آتی تھی اگر منصب امامت آپ سنبھالیں اور اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیریں تو مقتدیوں کی
ایک رکعت زائد بن جاتی ہے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے سلام پھیرتے تو آپ کی ایک
رکعت کم ہو جاتی اور پوری نماز میں آپ کی متابعت میسر نہ ہو سکتی تھی اور الضرورات تبیح
المحظورات ''ضرورت اور مجبوری محظور و ممنوع امور کو بھی مباح ٹھہرا دیتی ہے'' تو ایسی صورت
لامحالہ مستثنیٰ ہوں گی۔

(۴) نیز ایک ہے ارادے اور اختیار سے کسی کو امام بنانا -اس کا حکم یہ ہے جو بیان کیا جا
ہے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زبردستی امام بن جائے اور اس کو ہٹانا بس کی بات نہ ہو جس طر
خلافتِ راشدہ کے بعد والے ادوار میں ملوکیت اور جبر و تشدد کا دور تھا اور امامت بھی حکمران
کراتے تھے یا ان کے عامل اور گورنر اپنے اپنے علاقوں میں امامت کراتے تھے- تو ظاہر ہے کہ
سرورِ عالم ﷺ نے کسی مجبوری اور بے بسی کے تحت اور کسی دباؤ کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق
امام نہیں بنایا بلکہ ان کی خداداد شان اور مرتبہ و مقام کے تحت ان کا تقرر فرمایا اور امت کو بھی حکم
جہاں ابوبکر صدیق موجود ہوں وہاں کسی دوسرے شخص کو امام بنانا ان کے لیے درست نہیں:

قال رسول اللّٰہ ﷺ:

لا ینبغی لقوم فیهم أبو بکر أن یومهم غیره۔ (أخرجه الترمذی)

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مصلائے امامت پر کھڑے ہونے کو بھی پسند نہ فرمایا جس
سے صاف ظاہر ہے کہ افضل ترین شخصیت کو اپنا مصلائے امامت سونپنا چاہتے تھے اور امامت

الدین کو امامت دنیا کے استحقاق کی دلیل بنانا چاہتے تھے اور ایسے ہی ہوا۔

(۵) شاہ جی نے حضرت عثمان کی امامت کو زعمِ فاسد کی دلیل بنایا کہ حضرت علی افضل ہیں لیکن نماز حضرت عثمان پڑھاتے تھے۔

جواباً گزارش ہے کہ ختنین کی باہمی تفضیل میں اختلاف مسلّم۔ مگر بعض توقف کے قائل تھے اور اکثریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قائل تھی جیسا کہ علمائے کلام کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے علی ھذا وجدنا السلف جس کی تشریح گزر چکی کہ شیخین کی افضلیت عند الکل اور حضرت عثمان کی افضلیت سوادِ اعظم کے نزدیک مسلّم ہے۔ لہٰذا یہ آڑ بھی شاہ جی کے لیے چنداں کارآمد نہیں ہے جبکہ مولائے مرتضیٰ نے ان کی بیعت کر لی اور احکام خلافت کی اطاعت کا عہد کر لیا تو از روئے خلافت ان کو افضلیت حاصل ہونا تو شاہ جی کو تسلیم ہے پھر پس و پیش اور ریب و تردد کی کیا گنجائش ہے؟

ہمیں امید نہیں تھی کہ شاہ جی ان اکابر صحابہ اور بالخصوص مولائے مرتضیٰ سے بھی اپنے آپ کو بڑا زیرک، باریک بین اور حقائق شناس سمجھیں گے اور پرانے عقائد و نظریات پر ضرب کاری لگانے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ نیز اگر ائمۂ کرام اور علمائے اعلام نے مختلف ادوار میں زمانۂ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے تحت یہ فرما دیا ہے کہ امام کے لیے افضل ہونا شرط نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ کیسے نکل آیا کہ افضل نہ ہونا شرط ہے؟

شاید کہ شاہ جی کو عدم اشتراط الشیئ اور اشتراط عدم الشئی میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا؟ اور کون سا مسلمان ہوگا جو افضل شخصیت کے امام ہونے کو پسند نہ کرے گا؟ خود شاہ جی نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے زبدہ کے (ص: ۲۳۳) پر نقل کیا ہے:

"معظم اہل سنت بر آنند که امام افضل باید"

جب معظم اہل سنت و جماعت کا نظریہ یہی ہے تو کیا وہ غلط ہے؟ اور جب اہل سنت کا

مختار یہ ہے تو انہوں نے نبی پاک کی سنت معلوم کیے بغیر یہ نظریہ اپنا لیا تھا یا نبی کرم ﷺ نے
افضل کو امام مقرر کر کے سنیوں کا رد کرنا چاہا؟ نعوذ باللہ۔ شاہ جی بات خلفاء اربعہ کے باہم
مراتب میں ہے اور آپ قواعد کلیہ کی طرف دوڑ رہے ہیں تو کیا بعد والوں کے فاسق فاجر اور
ہونے سے خلفائے راشدین پر بھی العیاذ باللہ یہی حکم لگا دیا جائے گا؟

شاہ عبدالقادر صاحب کی بوالعجبی:

لفظ اھل البیت عام نہیں ہے بلکہ چار افراد کے ساتھ خاص ہے:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے والی آیت کریمہ و سیجنبھا
الاتقی میں تو شاہ صاحب کو تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہ آئی نہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حال
اس پر مفسرین اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل
ہے نہ حضرت بلال اور دیگر چھ حضرات غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنا جو ایمان لانے
وجہ سے کفار کی طرف سے سخت ترین عذاب اور تغلیظ و تشدد کے نشانہ بنے ہوئے تھے ان کو
کی طرف سے منہ مانگی دولت دے کر خرید لیا پھر آزاد فرما دیا یہ جود و نوال بھی یوتی ماله یتز
کے فرمان الٰہی کے باوجود نظر انداز ہو گیا اور نہ قول باری تعالیٰ وما لاحد عنده من نعمۃ
تجزیٰ نظر پڑا بلکہ مقدور بھر سعی نا مشکور فرمائی کہ حضرت صدیق اکبر کے اس اختصاص و امتیاز
ختم کیا جائے اور رفض و تشیع کے لیے فضا سازگار کی جائے اور سنیت کی بنیاد و اساس کو متزلزل
کیا جائے۔

لیکن ادھر قول باری تعالیٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھر کم تطھیرا۔ میں خصوص ہی خصوص نظر آ گیا

(۱) نہ اس آیت کریمہ کے ماقبل کا اعتبار جو ازواج مطہرات کے حق میں ہے۔

(۲) نہ مابعد کا لحاظ جو امہات المومنین کے حق میں ہے۔

(۳) نہ کلام مجید کے اندر موجود دیگر اطلاقات کو قابل اعتبار سمجھا۔

(۴) نہ اس آیت کریمہ کے مقام تعلیل میں وارد ہونے کو قابل التفات سمجھا۔

(۵) نہ اس آیت کریمہ کے مستقل حکم پر مشتمل نہ ہونے کا اعتبار۔

(۶) نہ مرجبط اور متصل آیات مبارکہ اور کلام شریف کو منقطع اور بے ربط ٹھہرانے کی پرواہ اور غیر متعلق کلام کو درمیان میں دخیل مان لینے پر اصرار اور ضد کہ اس آیت کو غیر ازواج کے ساتھ ہی مخصوص ٹھہراتا ہے۔

(۷) نہ رحمت للعالمین ﷺ کی شان رحمت و رأفت کا لحاظ کہ آپ کا کام اللہ تعالیٰ کی رحمت و رأفت اور فضل و کرم کو عام کرنا ہے اور اس میں تعمیم و توسیع پیدا کرنا ہے یا تحدید و تقیید اور تنگی و حصر پیدا کرنا ہے۔

چنانچہ شاہ جی فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ عموم لفظ کا اس وقت لاگو ہوگا جب کوئی قرینہ موجود نہ ہو اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو باجماع علماء کرام عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا جیسا کہ لفظ اہل بیت عام ہے جملہ اہل بیت کے بارے میں، مگر سرور عالم ﷺ نے پانچ شخصیات پر اپنے سمیت اس آیت کے نزول سے پہلے بھی چادر ڈالی اور فرمایا اللھم ھولاء اھل بیتی وحامتی وخاصتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ (ت) اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ نے نزول آیت کے بعد ان نفوس قدسیہ پر چادر ڈال کر فرمایا

اللھم ان ھؤلاء آل محمد فاجعل صلواتك وبرکاتك علیٰ آل محمد انك حمید مجید۔ (صواعق محرقة ص ۱۴۲)

چونکہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اور نزول آیت کے بعد بھی آل محمد و اہل بیت

کی تخصیص فرمائی اس لیے یہاں عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا الخ

(زبدہ، ص: ۳۸۹)

یہاں اہل بیت اور آل محمد ﷺ کا حکم تطہیر کے ساتھ مختص ہونا مقصود تھا لہٰذا دونوں ج

ھٰؤلاء ھٰؤلاء لایا گیا (زبدہ)

یہاں شاہ جی کو قرآنی آیات کا سیاق وسباق نظر نہیں آیا حالانکہ ابتداء میں بھی خطا

انہیں ازواج مطہرات سے ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ومن یقنت منکنّ للہ ورسولہ وتعمل صالحانوتہا اجرھا مرتین۔الآیۃ

"اور تم میں سے جو بھی تواضع وانکساری اور خضوع وخشوع سے کام لے گی اللہ تعا
کے لیے اور رسول مقبول ﷺ کے لیے اور نیک اعمال اپنائے گی ہم اس کو دو مرتبہ اجر عطا کر
گے" (جہاں عام اہل اسلام کے لیے ایک نیکی پر دس گنا سے آغاز ہوتا ہے تمہارے لیے بیس گنا سے آغاز ہوگا

(۲) یا نساء النبی لستن کاحد من النساء "اے نبی مکرم ﷺ کی بیویو! تم عورتو
میں سے کسی عورت کی مانند نہیں ہو" (بلکہ جس طرح تمہارے خاوند دوسری عورتوں کے خاوندوں
امتیازی اور انفرادی شان کے مالک ہیں اسی طرح تم بھی امتیازی اور انفرادی شان کی مالک ہو)

(۳) قلن قولا معروفا "معروف اور نیکی والا قول تمہاری زبان سے سرزد ہونا چاہی
(عبث اور بے فائدہ گفتگو بھی سرزد نہ ہونے پائے چہ جائے کہ منکر اور ناپسندیدہ)

(۴) وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی "اور اپنے گھروں میں
قرار پذیر رہا کرو اور زمانہ جاہلیت جیسے انداز واطوار کے ساتھ باہر نہ نکلا کرو" (زمانہ جاہلیت
میں ستر اور پردہ کا اہتمام نہیں ہوتا تھا بلکہ لباس ہونے کے باوجود برہنگی کی حالت ہوتی تھی او
لوگوں پر اپنا حسن وجمال اور زیبائش وآرائش ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا۔)

(۵) واقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ۔ "اور نماز کا حق ادا کرو زکوٰۃ

دوان کے علاوہ جملہ امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ السلام کی اطاعت کرنا"

نیز بعد میں بھی خطاب انہیں سے ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۶) واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیـــرا۔ "اور یاد کرو اور نصیحت پکڑو اس سے جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی آیات خداوند تعالیٰ اور حکمت (یعنی احادیث اور ارشادات نبویہ سے خود فرائض وواجبات اور محرمات ومکروہات کا علم حاصل کرو اس کے مطابق عمل کرو پھر دوسری عورتوں کو ان کی تعلیم دو) بے شک اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے"

فوائد ولطائف:

(ا) جب پہلی آیات میں بھی خطاب وکلام ازواج مطہرات سے ہے اور آخری آیت کریمہ میں بھی خطاب انہیں سے ہے تو ان قرائن کو مدنظر رکھنا کیوں ضروری نہیں ہے؟ اور ازواج مطہرات میں طہارت ونزاہت کا ثبوت وتحقق تسلیم کرنا کیوں ضروری نہیں ہے؟ اور یہ قرائن قرآنی قرائن ہیں نہ کہ روایات والے قرائن تو لامحالہ ان کو ترجیح حاصل ہوگی۔

(ب) قولہ تعالیٰ انما یرید اللہ ۔(الآیۃ) مستقل بالحکم آیت نہیں ہے۔ بلکہ پہلے وارد احکام اور تکالیف شرعیہ کی علت کا بیان ہے کہ عام عورتوں کی نسبت تم پر زائد پابندیاں کیوں عائد کی گئی ہیں اور تمہیں اس مشقت ومحنت سے کیوں دوچار کیا گیا ہے؟ تو اس کی صرف اور صرف یہ وجہ اور مصلحت وحکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے قابل نفرت اور ناپسندیدہ اعمال واخلاق کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے جیسے کہ پاک کرنے کا حق ہے تاکہ پہلے تمہاری ہر پہلو سے تکمیل ہوجائے بعد ازاں تم دوسری عورتوں وغیرہ کی تکمیل کرو اس علت کو آخر کی بجائے درمیان میں کیوں ذکر کیا گیا اس لیے کہ ماقبل سے خود ازواج مطہرات کا استکمال مراد ہے اس کے حصول پر ہی دوسروں کی تکمیل کا وسیلہ اور سبب بن سکیں گی اس لیے قول باری تعالیٰ انما یرید

اللہ۔ الآیۃ کو درمیان میں رکھا کذا قال العلامہ الآلوسی۔

لیکن شاہ جی کے نظریہ کے مطابق آیت کریمہ کے اس آدھے حصہ کو جو مقام تعلیل
وتسبیب میں وارد ہے بالکل ماقبل اور مابعد سے منقطع اور منفصل ٹھہرانا اور قرآن مجید جیسی
فصاحت وبلاغت میں بے مثل کلام کو عام عربی کلام سے بھی نچلی سطح پر لانا لازم آئے گا جو کسی بھی
دیانت دار اور منصف اہل علم کے لیے جائز نہیں ہے اگر وہ مستقل بالحکم آیت ہوتی اور احکا
سابقہ کی علت موجبہ کے بیان پر مشتمل نہ ہوتی تو پھر بھی کسی حد تک اس توہم اور وسوسہ کی گنجائش
ہوسکتی تھی جو شاہ جی کو لاحق ہوا۔

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

فالآیات کلها من قوله یایها النبی قل لازوا جك (الیٰ) قوله ان الله کان
لطیفا خبیرا مسوقة لبعضها علیٰ بعض فکیف صار فی الوسط کلاما ما منفصا
لغیرهن۔ (ص ١٦٢)

" پس یہ سبھی آیات یا یها النبی قل لازواجك سے لیکر ان اللہ کان لطیفا خبیر
اتک سبھی ایک دوسری کے ساتھ (متسق) اور مرتبط ہیں تو ان کے درمیان اجنبی اور منفصل کلا
اور غیر مرتبط جملہ کے لانے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی جس کا ازواج مطہرات سے تعلق ہی نہ ہو؟"

اہل کسا کا کسا میں لینا اور ان کے لیے یہ دعا فرمانا روایات سے ثابت ہے فهـــذ
دعوة لهم من النبی علیه السلام بعد نزول الآیة أحب أن یدخلهم فی الآیة التی
خوطب بها الأزواج

"یہ نبی مکرم علیہ السلام کی طرف سے ان کے لیے دعا ہے ان آیات کے نزول کے بعد
آپ نے ان حضرات کا بھی اس آیت میں داخل کرنا پسند فرمایا جس کے ساتھ ازواج مطہرات کو
مخاطب ٹھہرایا گیا تھا"

(الجامع لاحکام القرآن لامام القرطبی جلد ۱۴ ص ۱۶۲)

البتہ شیعہ لوگوں کے نزدیک قرآن مجید کی ترتیب ہی غلط ہے آگے کی آیات پیچھے اور پیچھے کی آگے، درمیان والی طرفین پر اور طرفین والی درمیان میں رکھ دی گئی ہیں لہذا وہ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت کا یہ موقعہ ومحل تھا ہی نہیں از روئے تحریف اس کو یہاں پر رکھ دیا گیا ہے۔

لیکن شاہ جی سے تو اس طرح کے قول کی فی الحال توقع نہیں کی جاسکتی واللہ هو الحفیظ۔

باہمی ربط واتصال کا لحاظ ضروری ہے اور اصل مصداق ہی اہل بیت کا ازواج مطہرات ہیں اور نبی کریم نے کرم کو عام کرتے ہوئے دوسرے حضرات کو بھی ساتھ شامل فرمادیا تھا لہذا وہ بھی اہل بیت ہیں نہ کہ وہی اہل بیت ہیں فتامل حق التأمل۔

(ج) کیا کلام مجید میں اہل بیت کا اطلاق بیویوں پر ثابت ہے یا نہیں؟ تو یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل بیت اہل اور آل کے الفاظ ان پر اطلاق کیے گئے ہیں۔

لفظ آل اور اہل کے قرآنی اطلاقات:

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ حضرت سارہ کو ملائکہ نے بیٹے کی بشارت دی تو وہ حیران وششدر ہوگئیں کہ اس بڑھاپے میں جبکہ میرا رحم بھی خشک ہوچکا اور خاوند کی ہڈیوں میں مغز بھی نہیں رہا تو اب بیٹے کو جنم دوں گی؟ تو ملائکہ نے کہا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البیت (هود، 73:11)

"کیا تم اللہ تعالیٰ کے امر پر تعجب کر رہی ہو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت خلیل!"

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ان کے اہل بیت بھی ہوں اور رحمت ہائے خداوندی اور اس کی برکات سے بہرہ ور بھی ہوں تو نبی الانبیاء ﷺ کی

ازواج مطہرات جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں میں سے بے مثل اور بے نظیر ٹھہرایا ہے وہ کیونکر آپ کی اہلِ بیت نہ ہوں گی؟ اور رحمتوں و برکتوں کا محلِ نزول اور گھوراہ کیوں نہیں ہوں گی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے امی جان کے علاوہ کسی بھی عورت کا دودھ پینا ممنوع ٹھہرادیا تھا، چنانچہ آپ نے آسیہ کی بلائی ہوئی مرضعات کا جب دودھ نہ پیا تو آپ کی بہن جو اجنبی لڑکی کی مانند پاس موجود تھیں انہوں نے کہا هل ادلكم على اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون (القصص,12:28)

"کیا میں تمہیں ایسے اہلِ بیت کی راہنمائی نہ کروں جو اس بچہ کی تمہاری طرف سے تربیت و پرورش میں کفالت کریں اور وہ اس کے لیے انتہائی مخلص و مشفق ثابت ہوں گی؟"

یہاں حضرت عمران کی بیوی اور موسیٰ علیہ السلام کی امی پر اہلِ بیت کا لفظ بولا گیا ہے کیونکہ دودھ پلانا عورت کا کام ہوتا ہے نہ کہ مرد کا۔ تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ عمران کی بیوی تو ان کی اہلِ بیت ہو مگر سید عالم ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کی اہلِ بیت نہ ہوں؟ صرف اس لیے کہ شیعہ ناراض نہ ہوجائیں لہٰذا حق چھپالو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب کی لختِ جگر اور اپنی زوجۂ محترمہ کے ہمراہ معہودہ خدمات کی مدت پوری کر کے وطن کی طرف واپس آرہے تھے تو راستہ بھی بھول گئے اور بیوی کا وضعِ حمل کا وقت بھی آپہنچا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی بھی ضرورت تھی تو قرآن ان کے کلام کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اذقال لا هله امكثوا انى آنست ناراً

"جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ معلوم ہو رہی ہے"

وہاں جا کر آگ بھی لاتا ہوں اور رستہ کا بھی اتا پتہ معلوم کرتا ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی بیوی ان کی اہل ہو اور سرورِ کونین علیہ السلام کی بیویاں ان کی اہل نہ ہوں اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ اور اس فرق کی وجہ جواز کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشادِ خداوندی کے مطابق امی جان نے دریا میں ڈال دیا وہ دریا میں بہتے ہوئے وہاں پہنچ گئے جہاں فرعون کی بیوی آسیہ موجود تھیں تو انہوں نے آپ کو نکلوایا تو قرآن مجید فرماتا ہے فالتقطه آل فرعون ''آلِ فرعون نے اس کو اٹھالیا''

اگر فرعون کی بیوی اس کی آل کہلا سکتی ہے تو ازواجِ مطہرات سرورِ دو عالم ﷺ کی آل کیوں نہیں ہو سکتیں؟ اور ان پر یہ الفاظ اطلاق کرنے کیوں جائز نہیں ہیں؟

زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے خواہش نفس کی تکمیل چاہی، وہ دامن بچا کر بھاگ نکلے وہ بھی پیچھے دوڑی دروازے سے باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے عزیزِ مصر موجود تھا زلیخا نے پینترا بدلتے ہوئے کہا: ماجزاء من اراد باهلك سوء ا۔ (الآیۃ)

''جس شخص نے تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا عذابِ الیم سے دوچار کیا جائے''

الغرض زلیخا عزیزِ مصر کی اہل کہلا سکتی ہے اور کہلاتی رہی ہے تو امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کی ازواجِ مطہرات کو آپ کی اہل کیونکر نہ تسلیم کیا جائے؟

لہـــذا سیاق وسباق کی رو سے بھی، آیاتِ کریمہ کے باہمی ربط واتصال کے پیش نظر بھی اور قرآن مجید کے اطلاقات کی رو سے ازواجِ مطہرات کو نبی کریم ﷺ کی اہل بیت ماننا لازم اور ضروری ہے اور ان کو اہل بیت نہ ماننا سراسر دھاندلی اور تحکم وسینہ زوری ہے۔

ازالۂ وہم:

جمع مذکر عنکم کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اور ازواجِ مطہرات مراد ہوتیں تو عنکن جمع مونث کی ضمیر ذکر کی جاتی نیز بیت کا لفظ ذکر کیا گیا ہے جو کہ واحد ہے اگر ازواجِ مطہرات مراد

ہوتیں تو بیوت کا لفظ استعمال کیا جاتا؟

اس توہم کے ازالے کی صورت یہ ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کے لیے مذکر کی ضم
استعمال کردی گئی ہے، جیسا کہ حضرت سارہ اکیلی ہیں لیکن ملائکہ کرام نے ان کو علیکم
ساتھ خطاب کیا اور ظاہر ہے انہیں ہم سے علم نحو حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی اسی طرح م
علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ کو امکثوا والے صیغہ جمع مذکر سے خطاب کیا اور تذکیر کو تانیث
اور جمع کو واحد پر تعظیم وتکریم کے معاملہ میں ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

نیز ہمارا مدعا یہ نہیں ہے کہ صرف ازواج مطہرات ہی یہاں اہل بیت کا مصداق
بلکہ رسول گرامی ﷺ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں تو جب مذکر ومونث کا اجتماع ہوجائے تو
کو مونث پر ترجیح وتغلیب دی جائے گی۔ اگر اس میں مزید عموم کا اعتبار کرتے ہوئے ازو
مطہرات کے ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بھی شامل کرلیا جا
کیونکہ اہل بیت اصل میں ازواج ہی ہوتی ہیں لیکن ان کی اولاد خاوند کی اولاد بھی اس
سکونت کے اہل ہوا کرتے ہیں اور حسنین کریمین حقیقتاً اولاد ہیں اور مولائے مرتضی کو آپ
ہی پالا پوسا اور وہ آپ کی تربیت میں رہے تو وہ بھی حکم اولاد میں ہیں۔ لہذا مذکر کی ضمیر استع
کرنے سے ازواج مطہرات کا اہل بیت سے اخراج ضروری نہیں ہوجاتا۔

قرآن مجید میں احکام کو مذکر کے صیغوں سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن مسلمان عورتیں
میں داخل ہیں قال اللہ تعالیٰ اقیموا الصلوۃ آتوا الزکوۃ۔ کتب علیکم الصی
وغیر ذالك۔ لہذا یہ صرف بے بنیاد توہم اور ناقابل التفات وسوسہ ہے۔

نیز بیت کو واحد کے طور پر ذکر کردیا نبی مکرم ﷺ کی نسبت سے کیونکہ اصل میں عبار
یوں بنے گی اهل بیت النبی تو سبھی مکانات آپ کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں اس لیے واح
صیغہ استعمال کردیا اور جب ان کی ازواج والی نسبت کو ملحوظ رکھا تو جمع کا صیغہ استعمال کردیا اور

اس نسبت کے لحاظ سے سرورِ عالم ﷺ کی طرف نسبت کے باوجود جمع کا لفظ استعمال فرمادیا گیا کما قال تعالیٰ لا تدخلوا بیوت النبی ۔الآیۃ لہذا اس کو آڑ بنا کر ازواجِ مطہرات کو اہل بیت سے نکالنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

مقامِ تعجب وحیرت:

حضرت زہرا پاک رضی اللہ عنہا اہل بیت ہوں لیکن ان کی امی جان حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اہل بیت نہ ہوں۔ حضرت زہراء کے صاحبزادے اہل بیت ہوں اور ان کی صاحبزادیاں اہل بیت نہ ہوں اور نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے اور حضرت زہراء کے سگے بھائی طیب طاہر اور قاسم اہل بیت نہ ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اہل بیت نہ ہوں جن کے متعلق حبیب کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا "اگر ابراہیم زندہ رہتے تو صدیق نبی ہوتے" وہ اہل بیت نہ ہوں پھر حضرت زہراء کی ہمشیرگان کیوں اہل بیت نہ ہوں ۔حضرت علی چچازاد ہو کر بھی اہل بیت ہوں مگر خود چچے حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اہل بیت نہ ہوں اس کا شرعاً عقلاً اور اخلاقاً کیا جواز ہے؟

روایات کو قرینہ بنانے کی حیثیت :

(۱) ابن ابی حاتم ابن عساکر نے عکرمہ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا:

نزلت انما یرید اللہ (الآیۃ) فی نساء النبی خاصۃ

(۲) ابن مردویہ نے سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے ہی اس قول کو نقل کیا مگر اس میں خاصۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا فی نساء النبی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۳) عن عکرمۃ من شاء باھلتہ انھا نزلت فی ازواج النبی ﷺ

عکرمہ فرماتے ہیں کہ:

"اگر کوئی میرے ساتھ مباہلہ کرنے کو تیار ہو تو میں اس کے ساتھ اس امر میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت کریمہ ازواج نبی ﷺ کے حق میں نازل ہوئی ہے"

(۴) ابن جریر اور ابن مردویہ نے عکرمہ سے نقل کیا انہ قال فی الآیۃ لیس بالذی تذهبون اليه انما هو نساء النبی ﷺ

"اس آیت کا وہ مطلب مفہوم نہیں ہے جدھر تم جاتے ہو بلکہ اس کا مصداق ازواج نبی ﷺ ہیں"

(۵) ابن جریر نے روایت کیا ہے ان عکرمۃ کان ینادی فی السوق ان قوله تعالی انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت نزل فی نساء النبی ﷺ

حضرت عکرمہ بازار میں منادی کیا کرتے تھے کہ:

"باری تعالیٰ کا یہ قول انما یرید الله (الآیۃ) نبی کریم ﷺ کی ازواج کے حق میں نازل ہوا ہے"

(۶) ابن سعد نے حضرت عروہ سے نقل کیا ہے قوله تعالی لیذهب عنکم الرجس اهل البیت قال یعنی أزواج النبی ﷺ

یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔

مفسر صحابہ اور پھر حبر امت اور ان کے تلامذہ وغیرہ کی زبان حق ترجمان سے ثابت ہو گیا کہ اہل بیت کا مصداق ازواج مطہرات ہی ہیں۔

(۷) حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کے گھر پر یہ آیت نازل ہوئی جبکہ گھر میں سیدہ فاطمہ زہراء علی مرتضیٰ اور حسنین رضی اللہ عنہم موجود تھے فجللهم رسول الله ﷺ بکساء کان علیه ثم قال اللهم هولاء أهل بیتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا

تو آپ نے ان کو اس کملی کے گھیرے میں لے لیا جو آپ پر تھی، پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یہ میرے اہل بیت ہیں لہٰذا ان سے عیوب و نقائص دور فرما اور انہیں پاک کر جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

(۸) طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:

میں نے کملی کا ایک کنارہ اٹھایا تا کہ میں بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو آپ نے اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا انک علیٰ خیر تو خیر اور بھلائی پر ہے۔

(۹) اور ابن مردویہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

انہا قالت ألست من أهل البیت فقال انك الی خیر انك من أزواج النبی ﷺ

"انہوں نے کہا:

"کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟" تو آپ نے فرمایا:

"تو خیر اور بھلائی پر ہے تو ازواج نبی ﷺ سے ہے"

(۱۰) صح عن أم سلمة رضی اللہ عنها أنها قالت فقلت یا رسو ل اللہ أما أنا من اهل البیت قال بلی ان شاء اللہ۔

(۱۱) فی بعض آخر أنها قالت له ﷺ ألست من أهلك قال بلی انه علیه الصلوة والسلام أدخلها الکساء بعد ما قضی دعاء ه لهم ۔قد تکرر کما أشار الیه الطبری۔

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۱٤)

"صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ "کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟" تو آپ نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں! انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کیا

میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو آپ نے ان کو بھی اپنی کملی
میں داخل فرمالیا بعد اس کے کہ دعا ان کے لیے مکمل ہو چکی۔

اور کسا میں داخل نہ کرنے اور داخل کرنے والی روایات میں تعارض وتناقض نہیں ہے
کیونکہ واقعہ متعدد دفعہ پیش آیا جیسے کہ طبری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے"

گویا جب علی رضی اللہ عنہ چادر میں داخل تھے تو حضرت ام سلمہ کو داخل نہ ہونے دیا
حضرت کی نامحرمی کی وجہ سے اور جب داخل نہیں تھے تو ان کو داخل فرمالیا۔

(۱۱) آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کل گھر پر رہنا اور اپنی
اولاد کو بھی ساتھ رکھنا میں وہاں آکر تمہارے لیے دعا کروں گا اور یہ حدیث حسن ہے کہ

انـه ﷺ اشتـمـل عـلـى عبـاس وبـنـيـه بـمـلاء ة ثم قال يا رب هذا عمي
وصنوأبي و هؤلاء أهل بيتي فاسترهم من النار كستري اياهم بملاء تي هذه فأمنت
أسكفة الباب وحوائط البيت فقالت آمين ثلاثا۔ (روح المعانی جلد۲۲ ص ۱٤)

نبی محتشم ﷺ نے احاطہ فرمالیا حضرت عباس اور ان کے بیٹوں کا ایک چادر کے ساتھ
پھر عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! یہ میرا چچا ہے اور میرے باپ کے ساتھ والی شاخ ہے اور
میرے اہل بیت ہیں لھذا ان کو آتش دوزخ سے اس طرح چھپا جس طرح کہ میں نے ان کو اپنی
چادر کے ساتھ چھپایا ہوا ہے تو دروازے کی دہلیز اور مکان کی دیواروں نے بھی تین مرتبہ آمین کہا"

(۱۲) جاء في بعض الروايات أنه عليه الصلوة والسلام ضم الى أهل الكساء علي
وفاطمة والحسن والحسين رضي الله عنهم بقية بناته وأقاربه وأزواجه۔

(روح المعانی)

"اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ اہل کساء چار حضرات علی فاطمہ حسنین رضی اللہ

عنہم کے ساتھ دوسری صاحبزادیوں اور خویش واقرباء اور ازواج کو بھی آنحضرت ﷺ نے شامل فرمایا"

لھــــذا صرف چار کی تخصیص کا دعویٰ بے بنیاد ثابت ہوا اور جس طرح حضرت علی اور زہراء پاک اور حسنین رضی اللہ عنہم کے حق میں اسم اشارہ استعمال فرمایا حضرت عباس کے حق میں بھی خصوصی طور پر اسم اشارہ واحد استعمال کیا اور ان کے اور ان کی اولاد کے لیے ھـؤلاء اهـل بيتـى کا جملہ استعمال فرمایا تو جو وجہ تخصیص شاہ جی کو چار حضرات کے حق میں نظر آ گئی اگر آنکھیں کھول کر غور سے دیکھیں تو یہاں بھی وہ وجه تخصيص علىٰ الوجه الاتم موجود ہے اور مکان کے درودیوار کا آمین آمین پکارنا مزید برآں ہے- نیز حسنین کریمین اور ان کے والدین شریفین رضی اللہ عنہ کے حق میں جو دعا آپ نے فرمائی اس میں حصر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے نہ انما اور نہ الا وغیرہ لہذا وہ روایات دوسری روایات کے معارض ومناقض بھی نہیں ہیں تو پھر ہمیں اپنے طور پر حصر اور تخصیص پیدا کر لینے کا کیا حق ہے-

علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں:

هـذه كـمـا تـرى آية بينة وحجة منيرة على كون نساء النبى من أهل البيت قاضية ببطلان رأى الشيعة فى تخصيصهم أهل البيت بفاطمة وعلى وابنيهما رضوان اللّٰـه عـليهـم أجمعين وأما ما تمسكوا به من أن الرسول خرج ذات يوم وعليه مرط مـرحـل مـن شعر أسود وجلس فأتت فاطمة فأدخلها فيه ثم جاء على فأدخله فيه ثم جاء الـحـسـن والـحسين فأدخلهما فيه ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهـل البيت ويـطـهـركم تطهيرا فانها يدل على كونهم من أهل البيت لا على أن من عداهـم ليسـوا كـذالك ولو فرضت دلالة على ذالك لما اعتدبها لكونها فى مقابلة النص (جلد ۷ ص ۳۳)

"یہ آیات کریمہ ازواج نبی ﷺ کے اہل بیت ہونے پر آیتِ بینہ اور حجتِ منیر
ہے اور شیعہ کے چار حضرات کے ساتھ تخصیص کے دعویٰ کے باطل ہونے کو واضح کرتی ہے نبی
مکرم ﷺ کا ان چار حضرات کو چادر میں لینا اور اس آیت کی تلاوت کر کے دعا کرنا ان کے اہل
بیت ہونے کی دلیل تو ہے لیکن ماسوا کے اہل بیت نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور اگر بالفرض
ازواج مطہرات کے اہل بیت نہ ہونے پر اس روایت کی دلالت تسلیم کیا جائے تو نص قرآنی کے
مخالف ہونے کی وجہ وہ روایت قطعاً قابل اعتداد اور لائق اعتبار نہیں رہے گی"

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

قال بعض المحققين المراد بالبيت بيت السكنى و أهله على ما يقتضيه
سياق الآية وسباقها والأخبار التي لا تحصى كثرة ويشهد له العرف من له مزيد
اختصاص به اما بالسكنى فيه مع القيام بمصالحه وتدبيرشانه والاهتمام بأمره وعدم
كون الساكن في معرض التبدل والتحول بحكم العادة الجاريةمن بيع وهبة
كالأزواج أو بالسكنى فيه كذالك بدون ملاحظة القيام بالمصالح كالأولاد أو
بقرابة من صاحبه تقتضي بحسب العادة بالتردد اليه والجلوس فيه عن غير طلب من
صاحبه لذالك أو بعدم المنع من ذالك كالأولاد الذين لا يسكونه و كأولادهم وان
نزلوا و كالأعمام وأولاد الأعمام وعلى هذا يحصل الجمع بين
الأخبار۔(جلد ۲۲ ص ١٤)

"بعض محققین نے فرمایا کہ بیت سے مراد بیت سکونت ہے اور اس بیت کے اہل آیۃ
کریمہ کے سیاق وسباق اور بے شمار اخبار روایات کی رو سے اور عرف وعادت جاریہ کی رو سے
لوگ ہیں جن کو اس بیت کے ساتھ مزید اختصاص حاصل ہے اس میں سکونت اور اس کے مصالح
کی ذمہ داری قبول کرنے اور اصلاح ومرمت کے لحاظ سے جبکہ وہ ساکن تحول وتبدل کے درپے

نہ ہو عادت جاریہ کے مطابق جس طرح غلام اور لونڈیوں کو بیچ دیں یا ہبہ کر دیں اور بیت سکونت سے منتقل ہو گئیں ہیں۔ اس صورت میں اس کا مصداق ازواج ہیں یا سکونت اس بیت میں ہو بلا تحول و تبدل لیکن مصالح بیت کی ذمہ داری ان کے سر نہ ہو جیسے اولاد یا صاحب بیت کے ساتھ ایسی قرابت ہو جو حسب العادۃ اور وہ بھی اس کا مصداق نہیں بلکہ اس کا مصداق دلالت عرف کے مطابق اس کی آمد و رفت اور اس کے ساتھ ہم نشینی کی مقتضی ہو بغیر صاحب بیت کی طلب کے یا اس کی طرف سے روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے جیسے کہ وہ اولاد جو اس کے ساتھ اس گھر میں نکلیں رہتے یا ان کی اولادیں اگرچہ انتہائی نچلی سطح تک چلے جائیں اور جیسے چچے اور ان کی اولادیں جب اہل بیت میں اس طرح کا عموم پیدا کر لیا جائے تو تمام تر روایات میں باہم توافق پیدا ہو جائے گا

ظاہری تعارض و تخالف ختم ہو جائے گا اگر صرف چار حضرات اہل بیت ہوں اور ازواج مطہرات داخل ہی نہ ہوں تو کلام خداوندی کا بے ربط ہونا لازم آئیگا اور یہ شیعہ کا نظریہ ہے۔

میر عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:

بعضے از رفضہ قول باری انما یرید اللہ الخ را از آیاتِ اولی مقطوع دارند۔ در تفسیر ما تریدی قال بعضھم ان ھذہ الآیۃ مقطوعۃ عن الأولی لأن الأولی فی أزواج النبی و ھذہ فی أھل بیتہ وھو قول الروافض وعلمائے اہل السنت والجماعت ہر دو آیت را میان یکدگر مرتبط دارند زیرا کہ ازواج از اصل اہل بیت اند و دیگران بعضے داخل اہل بیت اند و بعضے لاحق چنانچہ گذشت۔

بعض رافضیوں نے قول باری تعالیٰ انما یرید اللہ کو پہلی آیت سے منقطع کر دیا ہے چنانچہ تفسیر ماتریدی میں ہے کہ بعض نے کہا کہ یہ آیت کریمہ پہلی سے منقطع ہے کیونکہ پہلی ازواج مطہرات کے حق میں وارد ہے اور یہ اہل بیت کے حق میں اور یہ قول رافضیوں کا ہے مذہب اہل

سنت وجماعت کے علماء کرام ہر دو آیات کو باہم مربوط اور متصل سمجھتے ہیں کیونکہ ازواج نبی ﷺ اصل اہل بیت ہیں اور دوسرے حضرات میں سے بعض اہل بیت میں داخل ہیں اور بعض اہل بیت کے ساتھ لاحق ہیں۔ کمامرّ۔

اقول:

نبی مکرم ﷺ کی شانِ رحیمی وکریمی کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کو عام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت وعنایت سے لوگوں کو بہرہ ور کیا جائے لہٰذا ازواج مطہرات کے حق میں وارد اور بظاہر مخصوص حکم تطہیر کو آپ نے عام کرتے ہوئے حضرت علی کو شامل فرما دیا اور حضرت عباس اور ان کی اولاد کو بھی جبکہ حضرت زہراء اور ان کی بہنیں اور بھائی صاحب البیت کی اولاد ہونے کے لحاظ سے داخل تھے ہی تو عموم کا قول ہی موزوں ومناسب ہے۔ اس کریم کے کرم کا تقاضا تو یہ ہے کہ سلمان فارسی کو بھی اہل بیت میں سے ہونے کا شرف بخشتے ہوئے فرمایا: سلمان منا أهل البيت۔

و أقول أيضا:

بیت تین ہیں:

(۱) بیتِ سکونت:

جس کے اصل اہل ازواج ہیں اور صاحب البیت کی اولاد حقیقی اور حکمی۔

(۲) بیتِ نسب:

اس میں بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے اہل ایمان داخل ہو گئے جن پر لوگوں کے صدقات حرام ہیں اور وہ ہیں آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم

(۳) بیتِ نبوت:

جس نے صدقِ دل سے آنحضرت ﷺ کے رسول اللہ ہونے کی شہادت دی اور توحید خداوند تعالیٰ پر کامل یقین رکھا تو وہ آپ کے بیتِ نبوت کا فرد بن گیا۔

خونی رشتہ میں منسلک نہ سہی مگر روحانی رشتہ میں منسلک ہوگیا تو یہ بھی روحانی اولاد میں داخل ہوگیا، نوح علیہ السلام نے کافر بیٹے کے حق میں عرض کیا ان ابنی من أهلی وان وعدك الحق میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ تھا کہ تیری اہل کو بچاؤں گا۔ لہذا حسب الوعدہ اس کو بھی بچا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کا عمل صالح نہیں ہے۔ اہل ایمان نوح علیہ السلام کے اہل قرار پائے اگرچہ خونی رشتہ میں منسلک نہیں تھے اور خونی رشتہ والا اقرب ترین فرد اہل سے کٹ گیا لہذا اصل اہمیت اس رشتہ کی ہے اور اس کے پیش نظر ازواج مطہرات کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وازواجه امهاتهم۔

محبوب کریم علیہ السلام کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں اگر وہ بیٹے نہیں تو یہ مائیں کیسے بن گئیں؟ اور نبی کریم علیہ السلام امت کے روحانی باپ نہیں ہیں تو آپ کی ازواج امہات المومنین کیسے بن گئیں؟ جیسے آپ باپ ٹھہرے امت کے لیے اور ازواج مطہرات مائیں ٹھہریں تو پھر امتِ اجابت لامحالہ اولاد روحانی اور معنوی بن گئی اور بیتِ نبوت کے افراد بن گئے اور ہر فرد بیتِ نبوت والا کسی نہ کسی حد تک پاک ہے مشرک نجس اور شرک رجس مگر موحد اس سے پاک محرمات رجس اور فرائض کا ترک رجس اور مومن متقی اس سے پاک وصاف تبھی اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور احباء قرار پائے۔ بیت سکونت کے اهل ازواج مطهرات اطیب الطیبین ﷺ کی ذات کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک اور بمنزله شئی واحد کے ہیں لہذا ان کا طیبات وطاہرات ہونا لازم اور ضروری ہے۔ کما قالِ الله تعالیٰ:

الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات

اور بیت و نسب کے اہل یعنی خویش و اقربا اور اولاد چوں کہ اس مقدس خون سے تیا
ہونے والی ہے تو لامحالہ وہ بھی پاک اور طیب و طاہر۔

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

اور جن کو بھی ایمانی اور روحانی رشتے میں منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ خونی رشتہ میں
بھی اشتراک حاصل ہو گیا وہ سبھی پاک ہیں اگر چہ طہارت اور پاکیزگی کے مراحل مختلف ہیں اس
لیے باری تعالٰی نے فرمایا:

انما جعلناکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم

"ہم نے تمہیں مختلف شعبوں اور قبائل میں ڈھالا تاکہ باہم پہچان اور امتیاز قائم رہے
لیکن فضیلت کا دار و مدار تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے"

اسی لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أبوبکر سیدنا أعتق سیدنا ۔
"ابوبکر صدیق ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار بلال کو (کفار سے خرید
کر) آزاد فرمایا"

نوٹ: جو کچھ عرض کیا گیا وہ تشریح اور تفصیل ہے حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے اس قول کی:

باید دانست کہ مردم اہل البیت سہ قسم اند قسمے اول اہل بیت اند
قسمے داخل اہل بیت اند و قسمے لاحق باہل بیت اند اما اصل اہل بیت سیزدہ تن
اند نہ ازواج و چہار دختران و داخل در ایشاں سہ تن اند مرتضیٰ علی و حسن و
حسین رضی اللہ عنہم و لاحق باہل بیت کسانے انہ کہ خداوند تعالیٰ ایشانرا از
رجس و معاصی بکلی پاک گردانیدہ و کمالیت تقویٰ و طہارت بخشیدہ خواہ
سادات باشند خواہ غیر سادات چنانچہ سلمان فارسی اگر چہ سید نبود ولیکن
بسبب کمال طہارت از رجس لاحق باہل بیت شد قال علیہ السلام سلمان منا ا

ھل البیت۔ (سبع سنابل ص ۳۰)

تنبیہ:

چونکہ حدیث حسن کے ساتھ حضرت عباس اور ان کی اولاد کو بھی چادر میں لینا اور ان کو اہل بیت کہنا اور ان کے لیے فلاح ونجات کی دعا کرنا ثابت ہے اس لیے انہیں بھی اور آلِ عقیل اور آلِ جعفر کو بھی اہل بیت میں داخل کرنا ہی موزوں تر ہے۔

عظمتِ امہات المومنین و بے نیازیٔ اولاد:

مقام تعجب ہے کہ حضرت ہاجرہ کے قدم مبارک صفا ومروہ کی پہاڑیوں پر لگنے سے صرف وہ پتھر ہی نہیں بلکہ پوری پہاڑیاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بن گئیں: کما قال تعالی:

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ

اور ان کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام تقوائے قلوب کی علامت بلکہ ضمانت بن گیا کما قال اللہ تعالیٰ:

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔

تو جن ازواج مطہرات کے ساتھ نبی مکرم ﷺ کے ید اللہ کی شان والے ہاتھ لگ رہے ہوں الم نشرح لك صدرك والا سینہ مبارک لگ رہا ہو والضحی کی شان والا رخ انوار لگ رہا ہو وما ینطق عن الھوی والے ہونٹ لگ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ تو شعائر اللہ میں سے کون سا مشعر ان کی برابری کر سکتا ہے چہ جائے کہ ان سے سبقت لے جائے۔

ان سے مکان کی نسبت ہوئی تو اس کو عزت مل گئی، لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد۔ ان سے زمانے کو نسبت ہوئی تو وہ شرف پا گیا اور اللہ تعالیٰ کی قسم کے قابل ہو گیا کما قال والعصر جن سالوں اور مہینوں کو آپ کی حیاتِ مبارکہ بننے کا فضل وشرف حاصل ہوا تو ان کو یہ مقام مل گیا لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون جس ہوا کو زبان کے مختلف مخارج پر لگنے

سے کلام بننے کا موقعہ ملا اس کو یہ شرف وفضل عطا ہو گیا وقیلہ یارب بلکہ ان کی نسبت کے تصدق صرف صحابہ کرام کو ہی یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ ان کا کافروں کو قتل کرنا اللہ تعالی کا قتل کرنا ہے فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم ان کی نبی مکرم سے بیعت اللہ تعالیٰ سے بیعت اور ان کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم بلکہ ان میں سے مجاہدین کے گھوڑوں کو بھی یہ اعزاز وامتیاز حاصل ہوا کہ اللہ رب العالمین نے صرف ان کی ذاتوں کی نہیں بلکہ ان کے ہانپنے کی آواز کی قسم اٹھائی والعادیات ضبحا اور ان کے سموں کے پتھر پر پڑنے سے اڑتی چنگاریوں کی قسم اٹھائی فالموریات قدحا صبح اوس وشبنم کی وجہ سے زمین میں نمی کے باوجود دشمن پر صبح کی تاخت وتاراج کے وقت ان کے سموں کے ذریعے اڑنے والی خشک گرد کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا فالمغیرات صبحا فاثرن بہ نقعا۔

وہی ہے طور جہاں پڑ گئی نگاہ تیری وہی چمن ہے جہاں مسکرا دیا تو نے

تو ایسی ذات والاصفات کے ساتھ اس طرح کا قرب ہو کر دو ذاتیں ایک ہی ہو کر رہ جائیں تو ان کو پاک مان کر راضی نہ ہونا اور ان کو نبی مکرم ﷺ کے اہل بیت مان کر راضی نہ ہونا مومن کی شان سے بعید ہے۔ حالانکہ مومن ان کی روحانی اولاد ہیں کما قال تعالے: وازواجہ امھاتھم اور محبوب کریم علیہ السلام کی ازواج اہل ایمان کی مائیں ہیں تو اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا سلوک بہت بڑا بے وفا، بے حیا اور عاق نافرمانبردار بیٹا ہی کر سکتا ہے نہ کہ مجسمۂ وفا اور پیکرِ حیا اور نکوکار و محسن اور اطاعت گزار و فرمانبردار بیٹا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی ایسی ہی اولاد بننے کی توفیق عطا فرمائے اور پہلے قسم کی اولاد بننے سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محدث ابن عبدالبر کی استیعاب کی شاذ روایت سے تفضیل شیخین

کو مختلف فیہ ثابت کرنے کا ردِ بلیغ

الاستیعاب لابن عبدالبر میں ایک شاذ روایت حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی مل گئی، بس پھر جشن بہاراں کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ نہ آیات کریمہ اور ارشادات مفسرین نظروں میں جچے، نہ احادیث رسول مقبول ﷺ جو اس تفضیل صدیقی میں صریح الدلالۃ تھیں نہ وہ درخورِ اعتناء اور لائق اعتبار، نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے صحیح اسنادات کے ساتھ مروی صحیح روایات قابل التفات رہیں، نہ اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے ارشادات بالخصوص مولائے مرتضیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد خیر هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر رضي الله عنهما کہ "اس امت میں نبی مکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں"

نیز ان کا فرمان کہ پہلے میں نے یہ عقیدہ اس طرح واضح انداز میں اور مجمع عام میں بیان نہیں کیا تھا لہٰذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو قابل معافی سمجھتا ہوں لیکن "اب میں نے کسی کو سنا کہ وہ مجھے ابو بکر صدیق اور عمر فاروق پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر افتراء پرداز اور بہتان تراش کی حد یعنی اسی کوڑے بھی لگاؤں اور اسکی شہادت کو بھی نا قابل قبول ٹھہراؤں گا"

ایک شخص کے متعلق آپ نے سنا کہ وہ آپ کو شیخین سے افضل مانتا ہے آپ کے اس اعلان کے بعد، تو آپ نے شہادتیں طلب فرمائیں اور نصاب شہادت پورا ہونے پر اس شخص پر کوڑوں والی حد بھی جاری فرمائی اور اس کی شہادت کو بھی مردود ٹھہرا دیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ابن عبدالبر کہ از مشاہیر علمائے حدیث است در استیعاب ذکر میکند کہ سلف اختلاف کردہ اند در تفضیل ابی بکر و علی رضی اللہ عنہما ۔میگوید مروی

از سلمان وابوذر ومقداد وخباب وجابر وابو سعید خدری وزید بن ارقم رضی اللہ عنہم کہ علی مرتضی اول کسے است کہ اسلام آوردہ ولیکن از جہت خوف ابوطالب کتمان نمودہ وگفتہ ایں جماعت از صحابہ علی را تفضیل دہند بر ہر کہ غیر اوست۔ (تکمیل الایمان ص ۵۷)

جوابِ اول:

لیکن میگویند کہ ایں مقالہ از ابن عبدالبر مقبول ومعتبر نیست زیرا کہ روایت شاذہ کہ مخالف قول جمہورا فتد معتبر نباشد وجمہور ائمہ دریں باب اجماع نقل می کنند۔

خلاصۂ مفہوم سات صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے لیکن ابوطالب صاحب کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا بلکہ اس کو چھپایا اور ابن البر نے کہا کہ صحابۂ کرام کی یہ جماعت حضرت علی کو ان کے جمیع ماسوا پر فضیلت دیتے ہیں۔

لیکن علمائے اعلام اور ائمۂ کرام فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ مقالہ مقبول نہیں ہے کیونکہ شاذ روایت ہے جو کہ قول جمہور کے مخالف معتبر نہیں ہوتی اور جمہور ائمہ اس باب میں (تفضیل صدیق رضی اللہ عنہ) پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

ابن عبدالبر کا دامن بھی ہاتھ سے جاتا ہے:

خود علامہ ابن عبدالبر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

غیر شیخین کی ان پر تفضیل شاذ قول ہے اور جمہور اہل علم بلا استثناء شیخین کی افضلیت کے قائل ہیں۔ (التمہید شرح الموطا جلد ۲۱ ص ۲۲۸)

أما أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وعلیهم وسلم الذین تخلفهم رسول اللّٰہ بعد فأفضلهم أبوبکر وعمر رضی اللّٰہ عنهما علی هذا جماعة علماء المسلمین الاما شذ وقد قالت طائفة کثیرة من أهل العلم ان أفضل أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وعلیهم وسلم أبوبکر وعمر لم یستثنوا من مات قبله ممن مات بعده ۔

لیکن اصحابِ رسول ﷺ جن کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑا ان میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر و حضرت عمر ہیں، اسی نظریہ پر ہے علمائے مسلمین کی ایک جماعت ماسوائے اس قول کے جو شاذ ہے اور اہلِ علم کے طائفہ کثیرہ نے کہا کہ تمام اصحابِ رسول علیہ السلام سے افضل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہیں اور انہوں نے اپنے پہلے فوت ہونے والوں اور وصال نبوی کے بعد فوت ہونے والوں میں کسی کا استثناء نہیں فرمایا۔ یعنی تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر ان کی افضلیت علمائے اسلام کے نزدیک مسلم اور صحیح المسند اور معتبر روایات سے ثابت ہے اور اس قول کا خلاف شاذ ہے اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے وصال شریف کے بعد تیس سال زندہ سلامت موجود رہے لہٰذا ان سے بھی شیخین رضی اللہ عنہما کا افضل ہونا مسلم ہو گیا پہلے قول کے لحاظ سے بھی اور دوسرے قول کے مطابق مزید صراحت اور وضاحت کے ساتھ۔

(التمہید شرح موطا جلد ۲۲ ص ۱۳۳ پر) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دامن بھی ہاتھ سے گیا:

قد ثبت عنه رضی اللّٰہ عنه أنه فضل أبابکر علی نفسه من طرق صحاح وقال خیر الناس بعد رسول اللّٰہ ﷺ أبوبکر ثم عمر رضی اللّٰہ عنهما وحسبك بهذا منه رضی اللّٰہ عنه ۔

"تحقیق حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صحیح طرق اور اسنادات سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنی ذات سے افضل قرار دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے

بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق اور تیرے لیے مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اقتداء واتباع وفرمانبرداری کے لیے یہی فرمان کافی ووافی ہے"

حضرت علامہ شاہ عبدالقادر صاحب اور علامہ طاہر القادری صاحب کی

بہادری اور دلیری:

ان دونوں جوانوں کی دلیری اور شجاعت انوکھی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق اور خواہش نفس کے تقاضے کے تحت عقیدہ رکھنا ہے، خواہ مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے فرمان کی مخالفت کرنی پڑے، خواہ اجماع اہل اسلام کی مخالفت کرنی پڑے۔ خواہ مولائے مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوڑے لگانے کی دھمکی ملے یا شہادت کے مردود ہونے کی اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہے حالانکہ محبت وعقیدت کا یہ تقاضا نہیں ہے۔

بلکہ ان المحب لمن یحب مطیع لھذا

ایسی دلیری اور بہادری سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔

محدث عبدالرزاق گو متشیع ہیں لیکن شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں کیونکہ ہمارے پیرو مرشدان کو افضل مانتے ہیں۔

عبدالرزاق صاحب که از اهل روایت و مشاهیر علمائے حدیث است گفته است من تفضیل شیخین می کنم بجهت تفضیل علی مرایشاں را و اگر علی تفضیل ایشاں برخود نمیکرد من نیز نمی کردم ۔ گناهے عظیم تر ازیں نبود که من علی را دوست دارم و مخالفت وے کنم۔

"محدث عبدالرزاق صاحب نے جو کہ اہل روایت سے ہیں اور مشہور علمائے حدیث سے بھی ہیں، کہا ہے کہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھتا ہوں اس وجہ سے

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اگر حضرت ان کو اپنے آپ پر فضیلت نہ دیتے تو میں بھی ان کو آپ سے افضل نہ سمجھتا۔ اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت علی مرتضیٰ کو دوست بھی رکھوں اور ان کی مخالفت بھی کروں"

(تکمیل الایمان للشیخ المحقق الدهلوی ص ٦٤)

چندیں خطب وفصول از علی مرتضی در مدح وثنائے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نقل کردہ اند کہ بعد از اطلاع برآں طاغی را محال دم زدن نبود واگر علمائے اهل السنت والجماعت در افضلیت ابوبکر وعمر بلکہ در قطعیت آں بهماں اکتفاء نمایند واستدلال کنند کافی ووافی بود۔ (تکمیل الایمان ص ٦٤)

"اس قدر خطبات اور ارشادات و فیصلہ جات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مدح و ثناء میں علمائے اعلام نے نقل کیے ہیں کہ ان پر مطلع ہونے کے بعد کسی بغاوت پیشہ اور طغیان و سرکشی کے مرتکب شخص کے لیے دم مارنے اور بات کرنے کی مجال نہ رہے گی اور اگر علمائے اہل سنت والجماعۃ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کی دلیل کے طور پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر استدلال میں انھیں خطبات و ارشادات پر اکتفاء کریں اور ان کو اپنے دعوے کی بنیاد و اساس قرار دیں تو وہی کافی و وافی ثابت ہوں گے"

تنبیہ:

کیا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنا مقام و مرتبہ معلوم نہیں تھا یہ شق بھی بدیھی البطلان ہے۔ صاحب البیت أدری بمافیہ گھر والا ہی اپنے گھر کو بہتر جانتا ہے، یا جان بوجھ کر خلاف حقیقت اور خلاف واقع بیان دے کر لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے دوچار کرتے تھے اس شق کا بطلان بھی واضح ہے الحق مع علی وعلی مع الحق اور القرآن مع علی علی مع القرآن آپ کی خداداد شان ہے۔

یا آپ تقیہ کرتے تھے جیسے روافض اور اہل تشیع کا آپ پر بہتان ہے تو یہ بھی سراسر باطل ہے۔ کیونکہ یہ خطبات اور ارشادات آپ سے اپنی خلافت وحکومت کے دور میں سرزد ہوئے جبکہ باہمی حرب وقتال کی وجہ سے متعصب لوگ غلط نظریات اپنانے لگے اور شیخین کی تفضیل والے عقیدہ میں رخنہ پڑنے لگا جبکہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے اور دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔ اس نظریۂ فاسدہ کا اس دور میں کیا جواز تھا؟ پھر آپ اسد اللہ الغالب ہیں اور شیر خدا ہیں تو خدائی شیر ایسے ہوتے ہیں جو فوت شدگان سے بھی ڈرتے رہیں اور حق بات زبان پر نہ لائیں؟

سچ ہے:

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟

جواب دوم:

لیکن اس سے قبل تمہیدی طور پر معلوم کرلیا جائے کہ محل نزاع جزوی فضیلت ہے یا کلی فضیلت ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

شیخ محقق فرماتے ہیں:

مدعائے ما اینجا چنانچہ تحریر کردہ آمد اثبات افضلیت بوجھے خاص است وآں بمفضولیت بوجہے دیگر منافات ندارد وایں فضائل کہ ذکر کردہ شد راجع بکثرت ثواب ونفع اہل اسلام نیست بلکہ بمزید شرف نسب و کرامت جوہر ذات است چہ شك نیست کہ در اولاد پیغمبر کہ اجزائے اوپند شرفے وشانے ہست کہ درذات شیخین نیست ہیچکس را دراں جامحال توقف وانکار نخواہد بود باوجود آں ثواب شیخین اکثر ونفع ایشاں دراسلام واہل آں اعظم واوفراست۔ (ص:۵۷)

"ہمارا مدعا اس جگہ پر یہ ہے جو ہم نے دوسری جگہ تحریر بھی کر دیا ہے کہ خاص جہت اور مخصوص پہلو سے افضلیت ثابت کرنا اور اس کو دوسری جہت سے مفضول ہونے کے ساتھ منافات نہیں ہے اور اہل بیت کرام کے حق میں جو فضائل ذکر کیے گئے ہیں کثرت ثواب اور اہل اسلام کے نفع وافادہ کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ انکا رجوع مزید شرف نسب اور جوہر ذات کی عزت وکرامت کی طرف ہے کیونکہ اس میں شک نہیں ہے کہ پیغمبر کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اولاد میں جو کہ آپ کے اجزاء بدن اور جگر کے ٹکڑے ہیں عظیم شرف وفضل اور بلند شان ہے کہ کسی شخص کو اس مقام پر توقف کی مجال اور انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی لیکن بایں ہمہ شیخین کا ثواب اکثر اور اسلام میں ان کا نفع زیادہ اور اہل اسلام کے لیے ان کی منفعت وافادیت عظیم ترین اور وافر ترین ہے"

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں

محل خلاف دریں مسئلہ رجحان بایں وجہ خاص است یعنی کثرت ثواب عند اللہ نہ بوجوہ دیگر مثل زیادت علم وشرف نسب وقوت ملکات نفسانیہ مثل شجاعت وشہادت وامثال آں آنچہ عقلاء آنرا درعرف فضیلت خوانند ومخصوص جواہر نفس ولازم وے بود۔ وایں منافات ندارد برجحان آں غیر دراحاد فضائل دیگر یا در مجموع فضائل من حیث المجموع۔ و اسباب کثرت ثواب مآثر وفضائل بود کہ منافع و نتائج آں بدین اسلام راجع گردد ومتعدی شود مثل سبقت ایمان ونصرت دین وتقویت اسلام وامداد مسلمانان وکثرت خیرات وصلوات ومبرات وهدایت ناس وامثال آں۔

میگویند کہ ایں صفات درابی بکر بیشتر است چہ از کتب سیر معلوم شدہ است کہ وے رضی اللہ عنہ از آنگہ کہ ایمان آورد کاروے دعوت اسلام

ونصرت دین بود وعثمان وطلحه وزبیر وسعد بن ابی وقاص وعثمان بن مظعو
که از اکابرِ صحابه وروسائے مهاجرین اند بردست وے ایمان آوردند ودائم درد
منازعت کفار واعلائے اعلام دین بود چه درحالت حیات آنحضرت وچه بعد
ممات وے۔

”اس مسئلۂ تفضیل میں محلِ خلاف اس خاص وجہ سے راجح ہونا اور وزنی ہونا ہے یع
عنداللہ کثرتِ ثواب کے لحاظ سے نہ دیگر وجوہ سے مثلاً علم میں زائد ہونا، شرفِ نسب اور ملکا
نفسانیہ کی قوت مثل شجاعت اور رعب ودبدبہ اور ان کی امثال جن کو عقلاء عرف فضیلت ٹھہرا
ہیں اور جواہرِ نفس کے ساتھ مخصوص اور اس کے لوازم سے ہوتے ہیں اور یہ وجوہ فضیلت منا
نہیں ہیں دوسرے حضرات کے دیگر انفرادی فضائل کے یا مجموع من حیث المجمو
فضائل کے اور کثرتِ ثواب کے اسباب ہوتے ہیں ذاتی خوبیاں اور فضائل کہ جن کے منافع ا
نتائج دینِ اسلام کی طرف راجع ہوتے ہیں اور متعدی ہوتے ہیں مثلاً ایمان میں سبقت، نصر
دین اور تقویتِ اسلام میں سبقت اور مسلمانوں کی امداد واعانت اور خیرات کی کثرت اور نماز و
کی کثرت اور لوگوں کے ساتھ احسانات اور ان کی ہدایت---

”علمائے کرام ائمۂ اسلام فرماتے ہیں کہ یہ صفات اور اعلیٰ اخلاق حضرت ابوبکر صدی
میں بہت زیادہ ہیں کیونکہ کتبِ سیرت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت صدیق جب سے اسلا
لائے تو ان کا کام ہی یہی رہا ہے دعوتِ اسلام اور نصرتِ دین۔ حضرت عثمان ذوالنورین حضرت
طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون جو کہ اکابر صحابہ او
روسائے مہاجرین میں سے تھے رضی اللہ عنہم۔ آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہو
اور آپ ہمیشہ کفار ومشرکین کے نزاع وخلاف کا دفاع کرتے رہے اور دین اسلام کے پرچوں ک
بلند کرنے کی سعی مشکور میں مشغول رہے، خواہ سرورِ عالم ﷺ کا ظاہری حیات مبارک کا دورانیہ

یا آپ کے وصال شریف کے بعد کا زمانہ ہو (ملک عرب کا داخلی استحکام، جھوٹے نبیوں کے خلاف کاروائی، مرتدین کا قلع وقمع اور منکرین زکوۃ کے خلاف کاروائی کر کے ملک کو اندرونی طور پر بھی مستحکم فرمایا اور بیرونی فتوحات کا آغاز بھی فرمایا اور قیصر و کسریٰ کے نیست و نابود کرنے کے لیے فضا کو مکمل طور پر سازگار بنایا جو کہ اتنے مختصر وقت سر انجام دیا جانے والا عظیم کارنامہ ہے)

اب ذرا افضلیت مرتضی و دیگر اہل بیت کی افضلیت کے دلائل ملاحظہ فرماویں اور ان کی وجہ دلالت اور ان میں موجود وجوہ سقم کو ملاحظہ فرماویں:

(۱) ابن عبدالبر کی استیعاب میں ذکر کردہ شاذ روایت میں مذکور وجہ تفضیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے اسلام لے آئے لیکن ابو طالب کے خوف سے اظہار اس کا نہ کر سکے بلکہ اس کو چھپائے رکھا اس روایت میں قابل غور پہلو یہ ہیں۔

اول:

حقیقت میں حضرت علی مرتضیٰ کا اسلام میں سابق اور اول ہونا ثابت ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا ابھی اظہار ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنی سرگذشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کو بتلائی تو وہ آپ کو حضرت ورقہ کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اپنے بھتیجے کی سرگذشت سنیے اور اپنی رائے کا اظہار کیجیے تو انہوں نے صورت حال معلوم کر کے فرمایا ان ھذا لبدء ناموس تو یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے تو پہلے ایمان لانے والے آپ کی نبوت پر حضرت ورقہ ہیں پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین حقیقۃً ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دوم:

از روئے روایات صرف تین دن حضرت علی، حضرت صدیق رضی اللہ عنہما سے قبل

مسلمان ہوئے جبکہ وہ آپ کے گھر پر آپ کی تربیت میں تھے اور حضرت صدیق کا گھر علیحدہ او
دور تھا اس لیے آپ مطلع نہ ہو سکے ہوں یا سفر پر ہوں اس لیے یہ تاخیر واقع ہوئی ہو اور وہ بھ
معمولی تاخیر تو اس تقدم کو موجب افضلیت ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جبکہ حضرت علی نے ا
اسلام چھپایا ہوا تھا۔

سوم:

حضرت علی سات سال یا آٹھ سال یا دس سال کے بچے تھے، ان کا اسلام لانا لوگو
کے لیے کیوں کر جذب وکشش کا موجب ہو سکتا تھا؟ ہر کوئی یہی کہتا کہ بچہ ہے، پھر انہیں
کھاتا ہے اس لیے ان کے گن گاتا ہے۔ جبکہ حضرت صدیق تقریباً اڑتیس سال کی عمر میں تھے ا
تاجر و مالدار تھے، علاقہ کے لوگوں پر ان کے بھاری احسانات تھے تو ان کا ایمان لانا بلکہ ایما
لاتے ہی دعوتِ اسلام اور نصرتِ دین میں مصروف ہو جانا اور نبی مکرم ﷺ کی صحبت میں ر
کفار و مشرکین سے آپ کا دفاع کرنا اور اپنی جان کا آپ کے لیے ڈھال بنانا اور اپنا مال س
عالم علیہ السلام کی ذات پر اور آپ کے اشاروں پر قربان کرنا یہ صرف اور صرف صدیق اکبر ر
اللہ عنہ کا انفرادی کارنامہ ہے جس کو بالتفصیل قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

چہارم:

جبکہ حضرت علی کا اول المسلمین ہونا مختلف فیہ ہے اسی لیے تطبیق کی بہترین صورت
طے ہوئی ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے، عورتوں میں حضرت خد
غلاموں میں زید بن حارثہ اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر مشرف باسلا
ہوئے۔

پنجم:

بقول میمون بن مہران تابعی آپ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے جبکہ بحیرا راہب نے آپ کے متعلق انکشاف کیا تھا کہ یہ ہستی نبی بنائی جانے والی ہے اور وہ خود بھی ایمان لے آیا لیکن صحابیت کا شرف حاصل نہ کر سکا جبکہ حضرت صدیق اس وقت بھی ایمان لے آئے اور بعد میں صحابیت کا شرف بھی حاصل کر لیا۔ کما ذکر فی الباب الثانی بحوالۃ الصواعق المحرقہ۔

ششم:

یہ جزوی معاملہ ہے پہلے ایمان لانا یا بعد میں ایمان لانا۔ جبکہ محل نزاع فضیلتِ کلیہ ہے جس میں اسلام اور اہل اسلام کی امداد و اعانت اور ان کے لیے ہدایت و ارشاد کا سامان کرنا اور صدقات و خیرات وغیرہ حتی کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمادیا:

"ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دنیا میں چکا دیا ہے لیکن صدیق کے احسانات کا بدلہ اللہ قیامت کے دن عطا فرمائے گا"

گویا دنیا کی ساری نعمتیں ان کے احسانات کا بدل بن ہی نہیں سکتیں۔

ہفتم:

اجماع میں معتبر سوادِ اعظم ہے اور ایک لاکھ چار ہزار یا کم و بیش صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں سے صرف سات کی مخالفت اور وہ بھی روایاتِ شاذہ کی رو سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ارشادِ گرامی: اتبعوا السواد الأعظم فانه من شذ شذ فی النار

اور ارشادِ نبوی:

علیکم بالجماعة والعامة

پہلے گزر چکے ہیں۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

معتبر اتباع اکثر و جمہور است بجہ اتفاق کل درھمہ احکام واقع نہ بل

ممکن نہ کما بینت فی الباب الثانی۔

ہشتم:

سات صحابہ کرام علیہم الرضوان میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو س

خدری رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں جن سے مرفوع روایت کے ساتھ معجم او

للطبرانی میں منقول ہے:

أبوبكر وعمر سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين الا النب

والمرسلين

"حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اهل الجنة بزرگوں کے سردار ہیں سب اگلو

پچھلوں سے سوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے"

نیز ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے ک

نبی کے دو وزیر ہیں آسمانوں میں اور دو وزیر ہیں زمین میں:

فأما وزيراى من أهل السماء فجبرئيل وميكائل وأما وزيراى من ا

الأرض فأبوبكر وعمر رضى الله عنهما

"میرے دو آسمانی وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین کے وزیر ابوبکر اور عمر فا

ہیں"

ظاہر ہے کہ وزراء کو عام رعیت پر شرف و فضل حاصل ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں حض

کو دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فضل و شرف حاصل ہے اور جس طرح حضرت جبرئی

حضرت میکائیل پر فضل و شرف حاصل ہے اسی طرح حضرت صدیق کو حضرت فاروق رضی

پر شرف و فضل حاصل ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ

اے رسول مکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل!

تو جوابی طور پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے بھی نبی مکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر

"عمر فاروق سے افضل و بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا"

جبکہ تحقیق یہ ہے کہ افضل علی الاطلاق حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر ان کے بعد سیدنا فاروق رضی اللہ عنہما سب صحابۂ کرام سے افضل ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰہ وضع الحق علی لسان عمر ینطق بہ أو کما قال

"بے شک اللہ تعالےٰ نے حق کو حضرت عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے جس کے ساتھ وہ نطق و کلام فرماتے تھے"

تو حضرت صدیق کو جو کہا:

یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ

یقیناً یہ حق بھی اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری فرمایا تو اس سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی حضرت صدیق کا افضل الصحابہ ہونا مسلم ہو گیا جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کی افضلیت مسلم ہے۔لہذا سات والی گنتی کا رعب بھی

کافور ہوگیا۔

نہم:

کیاان حضرات نے حضرت ابوبکر کو پھر عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو خلفاء برحق تسلیم کر رکھا تھا یا نہیں؟ اور نمازوں میں ان کی اقتداء و پیروی کرتے تھے یا نہیں؟ شق ثانی بدیھی البطلان ہے اور شق اول میں مختار اور راجح قول بلکہ مذہب یہی ہے کہ خلیفہ اور امام افضل ہونا ضروری ہے۔ لہذا ان کو بھی خلفائے ثلاثہ بالخصوص شیخین کی افضلیت کلیہ مانے بغیر چارہ نہیں جبکہ ان کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے اور منصب امامت حضرت صدیق کو امام الانبیاء ﷺ نے سونپا ہے۔

دہم:

حضرت مولائے مرتضیٰ حضرات شیخین کو اپنے سے افضل مانیں اور دوسروں سے منوائیں اور خلاف ورزی کی صورت میں حد مفتری اور رد شہادت کی دھمکی دیں اور اسی بیا ی حضرات مولا علی کے اس بیان کو نقل کرنے والے ہوں تو یہ حضرت علی کے ساتھ محبت ہے کہ ان کو جھٹلایا جائے اور غلط عقیدے کا پرچار کر تسلیم کیا جائے اور علی مع الحق والحق مع علی اور علی مع القرآن والقرآن مع علی بھی نظر انداز کر دیا جائے نعوذ باللہ من الغوایۃ۔

یازدہم:

ابن عبدالبر نے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف منسوب قول میں یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ قول انعقاد اجماع سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے اختلاف تھا بعد میں اجماع منعقد ہوگیا تو اختلاف جو سابق علی الاجماع تھا وہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ اجماع متاخر اختلاف متقدم کو ختم کر دیتا ہے۔ ان حضرت کا پہلا نظریہ تفضیلِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہو لیکن بعد میں دوسرے

دلائل سے شیخین کی افضلیت محقق ہوگئی اور اپنے سابقہ نظریہ سے رجوع کرلیا ہو جس طرح حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت مولائے مرتضی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے اور اکثریت صحابہ کو اپنے نظریہ کے مخالف پا کر سخت اضطراب اور پریشانی سے دوچار تھے مگر جب خود مولائے مرتضی نے شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنی ذات سے افضل قرار دیتے ہوئے ان کے عقیدہ کی اصلاح فرمادی تو نہ صرف تفضیل شیخین کے قائل ہوئے بلکہ اس نظریہ کے پرچارک بن گئے تھے۔ یہی صورت حال یہاں بھی محقق ہوسکتی ہے اس لیے اکابرین ملت اور علمائے امت نے اس اختلافی قول کو ان حضرات کے رجوع الی الحق کے بعد لائق التفات نہ سمجھا اور اجماع واتفاق کا دعویٰ ہی نقل فرمایا۔

اور اگر اجماع پہلے منعقد ہو چکا اور یہ قول بعد میں سرزد ہوا تو اجماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل التفات اور لائق اعتبار نہ رہا۔ جیسے کہ حضرت شیخ محقق قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ روایت شاذہ جو جمہور کے قول کے خلاف ہو وہ معتبر نہیں ہوتی اور جمہور علمائے کرام نے تفضیل شیخین کے بارے میں اجماع کے انعقاد کی تصریح فرمائی ہے۔

(تکمیل الایمان، ص: ۵۷)

تفضیلیہ کے دیگر دلائل اور ان کا جائزہ:

الف:

علامہ خطابی نے بعض مشائخ حدیث سے نقل کیا ہے کہ:

''ابوبکر صدیق حضرت علی سے خیر ہیں اور حضرت علی حضرت ابوبکر صدیق سے افضل ہیں''

ب:

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ وہ

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو افضل قرار دیتے تھے رسول گرامی ﷺ کی صاحبزادیوں کی زوجیت کی وجہ سے۔

ج:

حضرت امام جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص میں امام علیم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت زہراء اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما بالاتفاق خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

د:

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ:

ما أفضل علی بضعة النبی ﷺ احدا

"میں کسی شخص کو رسول گرامی ﷺ کے جگر گوشہ حضرت زہراء پر فضیلت نہیں دیتا"

(خلاصہ مفہوم تکمیل الایمان ص: ٥٧)

علمائے اعلام اور ائمۂ کرام فرماتے ہیں کہ:

یہ روایات ہمارے مقصود میں نہ متعارض ہیں اور نہ ان کے منافی۔ کیونکہ یہ فضائل کثرت ثواب اور اہل اسلام کی منفعت کی طرف راجع نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق شرف نسب اور جوہر ذات کی عزت وکرامت سے ہے۔ اور یہ حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اولاد جو آپ کے بدن اطہر کے اجزاء ہیں ان میں وہ شرف وفضل موجود ہے جو کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی مقدس ذاتوں میں بھی نہیں ہے۔ اور کسی شخص کو اس امر میں ریب وتردد اور انکار کی مجال نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شیخین کریمین کا ثواب بہت زیادہ اور اسلام اور اہل اسلام میں ان کی منفعت اور افادیت بہت وافر ترین مقدار میں ہے۔

نیز علامہ خطابی نے بعض مشائخ سے نقل کیا کہ ابوبکر صدیق حضرت علی سے خیر ہیں اور

حضرت علی ابوبکر صدیق سے افضل ہیں۔ اگر حضرت صدیق کے لیے خیریت ایک وجہ سے یعنی کثرتِ ثواب کے لحاظ سے ثابت کی ہے اور حضرت علی کے لیے افضلیت دوسری وجہ قرب قرابت اور زوجیتِ بتول اور ابوتِ حسنین کے لحاظ سے ثابت کی ہے تو یہ بات دائرۂ خلاف سے خارج ہے اور محلِ نزاع سے غیر متعلق ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہے اور اس سے مختلف امر کا ارادہ کیا ہے تو اس کو بیان کرنا چاہیے تھا تاکہ حقیقتِ حال معلوم ہو سکتی۔

(خلاصۂ مفہوم تکمیل الایمان)

اقول:

مسئلۂ تفضیل دراصل شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان متنازع اور مختلف فیہ ہے۔ تو کیا کوئی شیعہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو مولائے مرتضیٰ سے کثرتِ ثواب اور بلندی مراتب کے لحاظ سے افضل سمجھتا ہے؟ اور کیا حسنین کریمین کے باپ جیسا حضرت علی مرتضیٰ کا باپ ہے؟ ان کی امی جان جیسی حضرت علی کی امی ہے؟ ان کے نانا جیسے حضرت علی کے نانا ہیں؟ ان کی نانی جیسی حضرت علی کی نانی ہے؟ تو کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درجات و مراتب کے لحاظ سے بلند و بالا مقام کے مالک ہیں؟ حضرت زہراء بھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کی تین بہنیں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم اور بھائی حضرت قاسم، حضرت طیب، حضرت طاہر اور حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں تو کیا ان کو بھی خلفائے اربعہ پر شرف و فضل حاصل ہے؟ اصحابِ تطہیر کا چار میں حصر کر دیا جاتا ہے اور صرف ان کو اہلِ بیت بھی اور طیب و طاہر بھی مانا جاتا ہے اور دوسری اولاد کو طاہر و مطہر کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا؟ کسی کو مذکر بنانا اور کسی کو مونث بنانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس میں پیدا ہونے والوں کی کیا تقصیر اور کوتاہی ہے؟

الغرض یہ جزوی فضائل ہیں اور اربابِ فضیلت کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ محلِ بحث

فضیلت کلیہ ہے جس میں فضیلت مآب ہستی کے عمل وکسب اور جدوجہد اور محنت ومشقت کا دخل ہو اور وہ بالا جماع حضرت صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر مولائے مرتضی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔شیخین کی افضلیت میں کوئی اختلاف اور توقف وتردد نہیں جبکہ ختنین میں سوادِ اعظم کا مذہب تفضیل ذی النورین ہے۔قرابت نسب اور جزوبدن اور لختِ جگر ہونا وغیرہ وغیرہ جزوی فضائل ہیں۔

الغرض قرآن مجید کا فیصلہ ہے:

انما جعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم

"ہم نے تمہیں مختلف شاخوں اور قبائل میں تقسیم کردیا ہے باہم تعارف اور پہچان کے لیے (لیکن افضلیت کا دارومدار نسب وقرابت پر نہیں بلکہ) تم سب سے عزت وکرامت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو سب سے بڑا متقی اور پرہیزگار ہے"

لہذا محل نزاع اور موضوع بحث پر نظر رکھ کر دلائل قائم کرنا ضروری ہے۔حضرت نوح علیہ السلام پیغمبر کے بیٹے کا کفر اور اس کا کفار کے ساتھ غرق ہونا اور اجانب جو حلقۂ غلامی میں داخل تھے ان کا نجات پانا قرآن مجید نے اس حکمت کے تحت بیان فرمایا کہ مدارِ فضیلت روحانی قربت پر ہے نہ کہ محض خونی رشتہ پر فتامل حق التامل۔

تنبیہ نبیہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث کو سوال وجواب کی صورت میں ازالۃ الخفاء پر ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اگر تو کہے کہ اقوال صحابہ میں آنحضرت ﷺ کے قرب نسب کو اور لوگوں کے درمیان وجاہت اور آبرومندی کو اور اس کی مانند دیگر امور کو فضائل میں شمار کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں قرب ونسب اور وجاہت کے لحاظ سے فضیلت کی نفی کی گئی ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین

رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دو جگر پارے ان کے نکاح میں دے دیے اور مرتضوی فضائل میں ان کا چچازاد ہونا اور زوج بتول زہراء ہونا اور بعض جبلی اور فطری فضائل مانند شجاعت وفصاحت کو آپ کے فضائل میں ذکر کیا گیا ہے تو ان دونوں متخالف اقوال میں تطبیق کیا ہوگی؟

جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ فضائل دو قسم پر ہیں: اول یہ کہ آدمی کی اپنی ذات میں فضیلت وسعادت ہو اور ذاتِ رسول کے ساتھ اس کے ذریعے مشابہت حاصل ہو۔ یہ وہ قسم ہے کہ سنتِ سنیہ نے اس کی تصریح وتوضیح فرمائی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو کہ اپنے مرتبۂ ذات میں از روئے شرع شریف فضیلتِ معتبرہ نہیں ہے۔ مثل قرابتِ نسب اور مصاہرت ودامادی، قوت بدن اور شجاعتِ قلب وفصاحتِ لسانی اور دنیوی وجاہت۔ اسی لیے کافر ومسلم دونوں کو یہ فضائل حاصل ہوسکتے ہیں اور متقی کی طرح فاسق شخص بھی ان کے ساتھ متصف ہوسکتا ہے۔ لیکن یہی امور بعض اوقات شریعتِ مطہرہ میں معتبر فضائل میں سے کسی فضیلت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور اس اعتبار سے ان کو فضائل معتبرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے جگر پارہ کی تزویج فرما دینا آپ کی اس شخص پر عنایت کی دلیل وبرہان ہے اور سنت خداوند تعالیٰ یہی ہے کہ سید الرسل اور سرور انبیاء کا داماد نہ بنائے مگر ایسے شخص کو جو شریعتِ مطہرہ کے مطابق قابل ستائش اور لائق تحسین ہو کما قال تعالیٰ: الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات "پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں"

پس اس اعتبار سے یہ تزویج بعض فضائل نفسانیہ پر دلالت کرے گی۔ اسی طرح چچازاد بھائی ہونا آنحضرت ﷺ کی عنایت اور اس کی رشد وہدایت اور اصلاح وتربیت کا سبب بن جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس شجاعت وفصاحت کو بھی نصرتِ اسلام اور [illegible]

استعمال کیا جاتا ہے تو اس لحاظ سے فضائل معتبرہ کے ساتھ ان امور کو مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور حضرت رومی کا یہ شعر اس مقام کے کتنا مناسب ہے:

علم را برتن زنی مارے بود علم را بردل زنی یارے بود

ان صفات کو درجۂ اعتبار سے ساقط کرنا اس اعتبار سے ہے کہ بذاتِ خود فضیلتِ معتبرہ نہیں ہیں اور ان معانی و صفات کو فضائل و مناقب کے ضمن میں ذکر کرنا بایں معنی ہے کہ مادہ خاص میں فضائل معتبرہ کے کسب کا وسیلہ اور ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پس نام تو ان چیزوں کا لیتے ہیں اور مراد ان سے وہی فضائل معتبرہ ہوتے ہیں اور ان دونوں قسم کے فضائل میں بہت بڑا فرق اور امتیاز ہے۔ قد جعل اللہ لکل شیء قدراً۔ لہٰذا اگر پہلے قسم کے فضائل حاصل ہو جائیں تو دوسرے قسم کے فضائل سے ان کی رونق میں اضافہ ہو جائے گا اور ان کے تحقق و ثبوت کے شاہد اور گواہ بن جائیں گے اور اگر پہلے قسم کے فضائل ثابت نہ ہوں یا دوسروں کی نسبت کم ہوں تو دوسرے قسم کے فضائل سے انسان کو بلند و بالا مقام حاصل نہیں ہو سکے گا۔ ھذا ھو الحق والأحق بالقبول۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما نگاہِ مرتضوی میں

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے...... ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ''ہم (اصحابِ رسول ﷺ) نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں درجہ بندی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان''

اس افضلیت پر صحابۂ کرام کا اجمالاً وتفصیلاً اجماع ہے، یہ قصہ بہت طویل ہے، اور ہر فقیہ صحابی سے حضرت صدیق اکبر کے لیے خير هذه الأمة اور أحق بهذا الأمر کے الفاظ مروی ہیں...... لیکن سب صحابۂ کرام میں سے زیادہ تصریح کے ساتھ اس بات کو بیان کرنے والے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ کوفہ کے منبر پر اپنی خلافت کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے علیہ الرحمۃ

خير هذه الأمة أبو بكر ثم عمر ''اس امت میں سب سے افضل ابوبکر پھر عمر ہیں''

ان الفاظ کو ان سے محمد بن الحنفیہ، أبو جحيفه، علقمه، نزّال بن سبرة، عبد الخير، اور حكم بن حجل وغیرہ نے روایت کیا ہے، اوران کا یہ قول متعدد طرق سے مروی ہو کر تواتر کی حد تک پہنچ چکا ہے۔

(شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مقصد اول ص: 17، مطبوعہ پشاور)

تفہیم الاسلام

...850951